دل بے قرار



نگہت عبداللہ

دلِ بے قرار

نگہت عبداللہ

طاہر سنز پبلشرز
۴۰۔ بی، اُردو بازار۔ لاہور
فون: 7234137 فیکس: 7312159
Website: www.tahirsonspublishers.com
E-mail: info@tahirsonspublishers.com

نام کتاب	دِل بے قرار
مصنفہ	نگہت عبداللہ
آرٹسٹ	محمد شفقت
ٹائٹل ڈیزائن	محمد عامر
کمپوزنگ	عاصم شہزاد (طاہر سنز آرٹ سیکشن)
ناشر	سیّد فرحان زیدی
مطبع	محمد سیّد شاہ پرنٹنگ پریس
سن اشاعت	جولائی 2008ء
قیمت	-/350 روپے

انتساب

بے قرار
دِلوں کے نام

تمام عمر میں ہر صبح کی اذان کے بعد
اِک امتحان سے گزرا اِک امتحان کے بعد

خدا کرے کہ کہیں اور گردشِ تقدیر
کسی کا گھر نہ اُجاڑے مرے مکان کے بعد

دھرا ہی کیا ہے مِرے پاس نذر کرنے کو
ترے حضور مری جان! مری جان کے بعد

○○○

دلِ بے قرار

مہینے بھر پر محیط شادی کی افراتفری اور رونقیں جویریہ کی رُخصتی کے ساتھ ہی رُخصت ہو گئیں۔ فضا نے بھی گویا دم سادھ لیا تھا۔

نوریہ نے سیڑھیاں اُترتے ہوئے بڑے پاپا کے گھر پر نظر ڈالی۔ بتیاں بجھ چکی تھیں اور ادھر منڈھیے کی باڑھ میں قمقموں کی روشنیاں مدھم ہو کر یوں لگ رہی تھیں جیسے ننھے ننھے جگنو آنکھ مچولی کھیل رہے ہوں۔ گو کہ وہ بہت عجلت میں پاپا کو وداع کر کے بھاگی تھی تا کہ ہال کمرے میں جمی کزنز کی محفل میں شریک ہو سکے لیکن خنک فضاء میں ماند پڑتی روشنیوں نے اس کے قدم روک لیے تھے۔ اس منظر کا اپنا حسن تھا اور وہ سدا کی حسن پرست تھی جب ہی اسے کچھ یاد نہیں رہا۔ موسم سرما کی خاموش رات میں بڑا فسوں تھا اور وہ مکمل طور پر اس کے سحر میں کھو چکی تھی۔ وہ تو جب مریم چائے کی ٹرے لیے کچن سے نکلی تو اسے دیکھ کر پکارا۔

”نوریہ......! تم وہاں کیوں کھڑی ہو......؟“

”ہیں......!“ وہ چونک کر مسکرائی۔

”آؤ ناں......! سب تمہارا پوچھ رہے ہیں۔“

”ہاں......! میں ادھر ہی آ رہی ہوں۔“ نوریہ نے مریم کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے رنگین قمقموں کو یوں دیکھا جیسے کہہ رہی ہو ”جا رہی ہوں۔“ پھر جب ہال کمرے میں داخل ہوئی تو اسے دیکھتے ہی نعمان نے ٹوکا۔

''تم کہاں چلی گئی تھیں......؟''

''پاپا کو دوا دینا تھی۔'' اس نے بتایا پھر چائے کا کپ اُٹھا کر پوچھنے لگی۔

''شوبی کہاں ہے......؟''

''سونے چلا گیا۔ اصل میں صبح اسے کالج جانا ہے۔'' مریم نے کہا تو وہ فوراً بولی۔

''میں تو ابھی دو تین دن مزید چھٹی کروں گی۔ بہت تھکن ہوگئی ہے۔''

''ہاں......! لیکن مزہ بھی بہت آیا۔'' رِدا ابھی بھی خوش تھی۔

''ہوں......! بس ایک بات مجھے بور کرتی رہی۔'' اس نے تائید کرتے ہوئے کہا۔

''کیا بات ہے......؟'' مریم نے پوچھا۔

''یہی کہ جویریہ بیاہ کر یہیں پڑوس میں گئی ہے۔'' وہ کہہ کر پھر خود ہی وضاحت کرنے لگی۔

''میرا مطلب ہے بڑے پاپا کا گھر اگر دُور ہوتا تو آنے جانے میں مزہ آتا۔''

''تو تمہارے لیے کسی دُور کا گھر دیکھ لیں گے۔ کیوں نعمان......؟'' مریم نے اپنی بات کی تائید چاہی تو اس سے پہلے وہ خود بول پڑی۔

''ہاں......! میں یہی چاہتی ہوں۔''

''کیوں......؟ تمہیں کوئی اعتراض ہے......؟'' وہ نعمان کو دیکھنے لگی۔

''نہیں......! لیکن......'' نعمان جانے کس سوچ میں پڑ گیا۔

''لیکن......! لیکن کیا......؟'' اس نے ٹوکا تو نعمان اس کے بجائے مریم کو دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''اپنے دُور کے رشتے دار کہاں کہاں ہیں......؟''

''جی نہیں......! میں رشتے داروں میں شادی نہیں کروں گی۔'' وہ پھر بول اٹھی۔

''اس کا مطلب ہے کسی کو پسند کر چکی ہو......؟'' مریم کے معنی خیز انداز پر وہ قدرے چڑ گئی۔

''جی نہیں......! اور نہ ہی میرا ایسا کوئی ارادہ ہے کیونکہ میں سوچ چکی ہوں کہ شادی امی پاپا کی مرضی سے کروں گی۔''

''ویری گڈ......! اور اگر انہوں نے رشتے داروں ہی میں تمہاری شادی کرنا چاہی تو......؟'' نعمان نے سراہتے ہوئے پوچھا تو وہ اطمینان سے بولی۔

''ایسا نہیں ہوگا۔''

''فرض کرو......!''

''کیوں فرض کروں......؟ جب امی کو میرے خیالات کا پتا ہے۔'' اس نے نعمان کو بولنے ہی نہیں دیا تو وہ کندھے اچکا کر رہ گیا۔

''اچھا......! اس بحث کو چھوڑو اور یہ بتاؤ رشتے داروں میں کیا برائی ہے......؟'' مریم ایک دم سنجیدہ ہوگئی تھی۔

''کوئی برائی نہیں......! میں بس کچھ اور سوچتی ہوں۔'' وہ ہنوز اطمینان سے بولی۔

''کیا......؟ اور کیا سوچتی ہو......؟'' مریم نے پوچھا۔ وہ صاف گوئی سے بتانا چاہتی تھی کہ بہزاد چچا کی آمد نے سب کو بوکھلا دیا کیونکہ وہ آتے ہی دھاڑنے لگے۔

''نعمان......؟''

''جی پاپا......!'' نعمان مؤدب کھڑا ہوگیا۔

''نالائق......! نکمے......! ٹائم دیکھا ہے......؟ رات کے تین تین بجے تک گپیں لڑاؤ گے تو دن میں خاک کچھ کرو گے اور میں جانتا ہوں تم کچھ کرنا ہی نہیں چاہتے ہو۔ نہ کوئی کام کرتے ہو۔ دماغ میں آوارگی رچی ہوئی ہے۔'' بہزاد چچا غصے میں بولے جا رہے تھے۔ نعمان سر جھکائے کھڑا تھا۔

تمام لڑکے لڑکیوں نے ایک ایک کر کے وہاں سے کھسکنے ہی میں عافیت جانی۔



شہباز حسن، شیراز حسن اور بہزاد حسن تینوں بھائی شروع سے ساتھ رہے تھے۔ ان کی ایک بہن سفینہ تھی۔ پہلے تو ایک ہی بنگلے میں قیام تھا پھر جب سفینہ بیاہ کر چلی گئی اور بچے بھی بڑے ہوگئے تو ساتھ والا بنگلہ جو کرائے پر اُٹھایا ہوا تھا، وہ خالی کروا کر سب سے بڑے شہباز حسن وہاں شفٹ ہوگئے اور درمیان کی دیوار گرا کر ہلکی سی باڑھ لگا دی گئی تھی۔ یوں ان کا جانا زیادہ محسوس نہیں ہوا تھا خاص کر ان کی والدہ کو۔ بھائیوں میں شہباز حسن سب سے بڑے تھے اور ان کی تین اولادیں تھیں عباد حسن، مریم اور شعیب۔ ان کے بعد شیراز حسن تھے اور ان کی دو بیٹیاں جویریہ اور نوریہ تھیں۔ پھر بہزاد حسن تھے ان کے بھی تین بچے تھے۔ نعمان حسن، رِدا اور اشعر۔

ان تینوں گھرانوں میں کوئی خاص فرق نہیں تھا نہ حیثیتوں میں نہ مزاجوں میں۔ بس ایک بہزاد حسن تھے جن کا مزاج نئی جنریشن کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ پتا نہیں وہ ہر وقت واقعی غصے میں رہتے تھے یا ان کی شخصیت ہی اتنی بارعب تھی۔ حالانکہ بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے پھر بھی ان کے سامنے بڑے بھی خاموش ہو جاتے تھے اور ان کے اپنے بچوں میں زیادہ تر نعمان ہی ان کے عتاب کا نشانہ بنتا تھا۔ غلطی خواہ کسی کی بھی ہوتی خمیازہ نعمان کو بھگتنا پڑتا اور نعمان نے جانے اپنے دل میں کیا ٹھان رکھی تھی کہ ان کی ڈانٹ پھٹکار سر جھکائے سنتا رہتا اور ان کے جاتے ہی یوں بن جاتا جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔ بچپن میں سب بچوں کی شرارتیں اور بدتمیزیاں اسی کے کھاتے میں لکھی جاتیں اور اس وقت اپنے صاف بچ جانے پر سب بچے خوش ہوتے تھے لیکن بڑے ہونے پر سب ہی اس کا خیال کرنے لگے تھے جبکہ ہر قسم کے پروگرام بنانے میں وہی پیش پیش ہوتا تھا۔

"نہیں نومی ...... ! پھر تمہیں ڈانٹ پڑے گی۔" ہر ایک کا یہی جواب ہوتا تھا بہر حال جویریہ اور عباد حسن کی شادی طے ہوئی تو مہینہ بھر گھر میں خوب ہلا گلا رہا کیونکہ اس جنریشن میں یہ پہلی شادی تھی اس لیے سب ہی نے بہت انجوائے کیا لیکن بہزاد چچا اپنے خول سے باہر نہیں نکلے اور نہ ہی کسی موقع پر انہوں نے نعمان کو بخشا تھا۔ جب جہاں نظر پڑی مہمانوں کا خیال کیے بغیر ڈانٹنے کھڑے ہو جاتے تھے۔



اگلی صبح بڑی اُجلی اُجلی نکھری نکھری سی تھی۔ رات دیر سے سونے کے باوجود صبح سب جلدی اُٹھ گئے تھے امی اور چھوٹی چچی کچن میں مصروف تھیں کیونکہ رواج کے مطابق دلہن بلکہ سب گھر والوں کے لیے ناشتہ بھجوانا تھا گو کہ گھر کی بات تھی۔ بڑے پاپا اور بڑی امی نے منع کیا تو دادی نے بری طرح ڈانٹ دیا تھا اور دادی کے سامنے تو سب ہی خاموش ہو جاتے تھے۔ اس وقت بھی دادی کی ہدایات جاری تھیں اور امی اور چچی سے جانے کیا کچھ بنوا ڈالا تھا۔

نوریہ، ردا کے ساتھ پھیلاوا سمیٹنے میں لگی ہوئی تھی۔ ادھر سے فارغ ہو کر تیار ہونے بھاگی تھی کہ برآمدے میں نعمان نے روک لیا۔

"نور...... ! کہاں جا رہی ہو......؟"

"تیار ہونے...... !" وہ عجلت میں بولی۔

"خیریت...... ! اتنی صبح کہاں جانے کی تیاری ہے......؟" نعمان نے تعجب کا اظہار کیا۔

"جویریہ کے سسرال...... !" وہ ہنس کر بولی۔

نعمان نے گردن موڑ کر بڑے پاپا کے بنگلے کی طرف دیکھا پھر اسے دیکھ کر کہنے لگا۔

"کیوں انہیں ڈسٹرب کرتی ہو...... ؟ میرا مطلب ہے وہ لوگ ابھی سو رہے ہیں۔"

"تمہیں کیسے پتا......؟" وہ بے اختیار کہہ کر فوراً بات بدل گئی۔

"تمہیں کچن سے خوشبوئیں نہیں آ رہیں......؟ دادی دلہا دلہن کے لیے اسپیشل ناشتہ تیار کروا رہی ہیں۔ وہی لے کر جانا ہے اور اب میں جا رہی ہوں تیار ہونے۔"

"ایک منٹ...... !" نعمان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر روک لیا۔

"تیار ہونے کی کیا ضرورت ہے......؟"

"ہے ناں...... ! جویریہ کے سسرال جا رہی ہوں۔" وہ پھر ہنسی۔

"تم لوگوں کو بس موقع چاہیے۔" نعمان نے سر جھٹکا تو وہ اسے چڑاتی ہوئی سیڑھیاں پھلانگ گئی اور اسے کوئی اتنے اہتمام سے تو تیار نہیں ہونا تھا بس کپڑے استری کرنے میں کچھ وقت لگا۔ اس کے بعد دس منٹ میں نیچے آئی تو امی نے بھاری ٹرے اسے تھما دی۔

"اُف...... ! کیا کیا ہے اس میں......؟" اس نے ردا کو دیکھا وہ بھی ٹرے اٹھائے کھڑی تھی۔

"جلدی جاؤ...... ! ٹھنڈا ہو جائے گا سب۔" دادی نے ٹوکا تو وہ مزید کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر کے ردا کے ساتھ چل پڑی۔

بڑے پاپا اور بڑی امی لاؤنج ہی میں بیٹھے تھے۔ اس نے اور ردا نے ایک ساتھ سلام کیا اور ٹرے وہیں ٹیبل پر رکھ کر یوں کھڑی ہو گئیں جیسے پوچھ رہی ہوں اب ہمارے لیے کیا حکم ہے۔

"جاؤ دیکھو جویریہ اور عباد تیار ہو گئے ہوں تو کہو ناشتے پر آ جائیں۔" بڑی امی نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ گو کہ اس کا دل یہی چاہ رہا تھا کہ بھاگ کر جویریہ کے پاس جائے لیکن خود پر بہت جبر کرتے ہوئے بولی۔

"بڑی امی ناشتہ میں لگا دیتی ہوں۔"

"مریم ہے ناں بیٹا...... ! تم جویریہ کو لے کر آؤ۔"

"جی اچھا...... !" اس نے ردا کو اشارہ کیا۔ پھر اس کا ہاتھ تھام کر لاؤنج سے نکلتے ہی دونوں ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر ہنسنے لگیں۔ دبی دبی ہنسی تھی پھر بھی شاید اس طرف سنی گئی جب ہی عباد نے کمرے کا دروازہ کھول دیا اور ان دونوں کو دیکھ کر قدرے جھینپ سے گئے۔

"السلام علیکم عباد بھائی...... !" اس نے فوراً ہنسی روک کر سلام کر ڈالا۔

"وعلیکم السلام...... !" عباد جواب دے کر واپس پلٹ گئے تو وہ ردا کا ہاتھ کھینچتے ہوئے ان کے پیچھے چلی آئی۔

جویریہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی اپنے گھنیرے بالوں سے اُلجھ رہی تھی۔

"ہائے جوجی...... !" اس نے عقب سے جویریہ کے گلے میں بازو ڈالتے ہوئے اس کے گال پر پیار کیا۔ پھر آئینے میں اسے دیکھ کر بولی۔

"بہت پیاری لگ رہی ہو...... !"

"تھینک یو...... !" جویریہ کے لبوں پر شرمیلی مسکان بکھر گئی تو اس نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

"میں تمہارا یہی روپ دیکھنے کو بے چین تھی۔"

"دیکھ لیا...... ! اب جلدی سے میرے بال سلجھا دو۔" جویریہ نے برش اسے تھما دیا۔

"لاؤ میں سلجھا دوں...... !" ردا نے اس کے ہاتھ سے برش لیا اور جلدی جلدی جویریہ کے بال سلجھانے لگی تو وہ پیچھے ہٹ کر کمرے کی سیٹنگ کی تعریف کے ساتھ بعض چیزوں پر تنقید بھی کرنے لگی۔ پھر اچانک کچھ خیال آنے پر پوچھ بیٹھی۔

"جوجی...... ! ہنی مون پر جانے کا پروگرام بھی ہے......؟"

"ہوں...... !" جویریہ کسی خوب صورت خیال میں تھی۔

"کہاں...... ! کہاں جاؤ گی......؟" اس نے اشتیاق سے پوچھا تو جویریہ چونک کر بولی۔

''پتا نہیں......!''

''کیوں......! عباد بھائی نے......'' مریم کے آنے سے اس کی بات اُدھوری رہ گئی۔

''چلو بھئی......! امی پاپا ناشتے پر انتظار کر رہے ہیں۔ مریم نے آتے ہی کہا تو وہ ردا سے بولی۔

''چلو ردا......! ہم ناشتا اپنے گھر میں کریں گے۔''

''کیوں......! یہ گھر نہیں ہے کیا......؟'' مریم نے فوراً ٹوکا۔

''ہے تو...... لیکن دادی نے فوراً واپس آنے کو کہا تھا۔'' اس نے کہتے ہوئے ردا کو اشارہ کیا تو وہ بھی اس کی تائید کرنے لگی۔

''ہاں بھئی......! چلو ورنہ دادی ناراض ہوں گی۔''

''اچھا جو جی......! میں پھر آؤں گی۔'' وہ اب عجلت دکھانے لگی تھی اور اس سے پہلے کہ مریم روکتی وہ ردا کا ہاتھ کھینچتے ہوئے وہاں سے نکل آئی تھی۔

○ ○ ○

رات بھر مینہ برستا رہا تھا۔ ابھی بھی آسمان صاف نہیں ہوا تھا۔ سیاہ بادلوں کی پُر اسرار خاموشی نے ایک سماں باندھ دیا تھا اور وہ جو رات بھر بادلوں کی گھن گرج سے ڈرتی اور بے بے کے سینے میں چھپتی رہی تھی، اب پُرسکون نیند سو رہی تھی۔

بے بے نماز کے بعد تسبیح پڑھنے میں مصروف تھیں گاہے گاہے اس پر بھی نظر ڈال لیتیں۔ بے دھیانی کی نظر، کیونکہ سارا دھیان تسبیح کی طرف تھا۔ پھر ادھر وہ کروٹ لے کر سیدھی ہوئی ادھر بے بے کی نظریں اس کی طرف اُٹھتے ہی اچانک سارا دھیان بھی اس کی طرف منتقل ہو گیا۔ گو کہ گزشتہ دس سالوں سے وہ ہر پل ان کی نظروں کے سامنے رہی تھی اور ابھی پرسوں ہی تو اس نے زینب کے ساتھ گڑیا گڈے کا بیاہ رچایا تھا۔ پھر اچانک ان دونوں میں وہ اتنی بڑی کیسے ہو گئی۔

بے بے کی نظریں اس کے خوبصورت سراپے کے نشیب و فراز میں اُلجھنے لگی تھیں اور اُنگلیوں میں دبی تسبیح کے دانے اس کی عمر کے ماہ و سال شمار کرتے ہوئے پھسل رہے تھے۔

''سولہویں میں لگ گئی۔'' دھیرے سے بڑبڑاتے ہوئے بے بے کے چہرے پر مسکراہٹ چمکنے لگی اور اس پر بے اختیار پیار آیا تو جائے نماز لپیٹ کر اس کے پاس چلی آئیں۔ وہ جھک کر اس کی پیشانی چومنا چاہتی تھیں کہ جیراں نے آ کر بتایا۔

''بے بے......! چھوٹے سردار حسیب آئے ہیں۔''

''حاکم......! حاکما آیا ہے......؟'' بے بے کا سارا پیار ادھر منتقل ہو گیا۔

''جا جلدی اس کے لیے ناشتہ بنا اور چائے بھی۔ لسی تو وہ پیتا نہیں، چل جلدی کر۔'' بے بے جیراں سے کہتی ہوئی کمرے سے نکلیں تو ادھر سے آتا حاکم ایک ہی جست میں برآمدے کی سیڑھیاں پھلانگ کر

ان کے قدموں پر جھک گیا۔

''میں صدقے......! میں واری......!'' بے بے اس لمبے چوڑے جوان کو اپنی آغوش میں لے لینا چاہتی تھیں لیکن اب یہ کہاں ممکن تھا۔ ان کے بوڑھے ہاتھ اس کے توانا کندھوں پر کپکپا رہے تھے۔

''میرے آنے سے پریشان کیوں ہو جاتی ہو بے بے......!'' حاکم بے بے کو بازوؤں کے حلقے میں لیے ہوئے رنگین پائے والی چارپائی پر آ بیٹھا۔

''لے......! میں تو تیری راہ تکتی ہوں، ساتھ رب سے دُعا بھی کرتی ہوں کہ تیرا شہر سے جی اُچاٹ ہو جائے۔''

''ہاہا......! ہاہا......!'' حاکم کا قہقہہ بڑا جاندار تھا۔

''ہنستا کیوں ہے......؟'' بے بے نے ٹوکا۔

''تو بڑی بھولی ہے بے بے......!'' وہ ہنسی روکتے ہوئے بولا۔ تب ہی جیراں چائے لے کر آ گئی تو وہ اس کے ہاتھ سے کپ لے کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

''ناشتہ نہیں کرے گا......؟'' بے بے نے پوچھا۔

''ایک گھنٹے بعد......!'' وہ کہتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تو بے بے جیراں کو ناشتے کی ہدایات دے کر پھر کمرے میں آ گئیں جہاں وہ اب بھی بے خبر سو رہی تھی۔

''چاندنی......!'' بے بے نے دھیرے سے اس کا بازو ہلایا۔

''اوں......!'' وہ کسمسا کر کروٹ بدل گئی۔

''چاندنی......! اُٹھ پتر......! حاکم آیا ہے۔'' بے بے نے اب قدرے زور سے اس کا کندھا ہلا کر کہا۔

''تو میں کیا کروں......؟'' اس کی نیند نہیں ٹوٹ رہی تھی۔

''اس کا کمرہ دیکھ جا کے۔ پتا نہیں کل جیراں نے صفائی کی تھی کہ نہیں۔ تجھے پتا ہے وہ کتنی جلدی غصے میں آ جاتا ہے۔ اُٹھ پتر......!''

''بے بے......! سونے دے ناں......!'' اس کی لجاجت پر بے بے منت سے بولیں۔

''پھر سو لینا......!''

''پھر کب......؟'' وہ آنکھیں کھول کر انہیں دیکھنے لگی۔

''جب تیرا دل چاہے۔'' بے بے نے پیار سے اس کا گال چھوا تو وہ ان کا ہاتھ تھام کر بولی۔

''میرا دل تو ابھی چاہ رہا ہے۔''

''تو سو جا اور جب حاکم غصہ کرے تب بھی سوئی رہنا۔'' بے بے کہہ کر چلی گئیں تو اس نے پھر آنکھیں بند کر لیں لیکن اب نیند اُچاٹ ہو چکی تھی۔ کچھ دیر کروٹیں بدلنے کے بعد آخر اس نے بستر چھوڑ دیا

کے باوجود وہ مسکرا کر بولے۔

''میں اپنے بارے میں نہیں سوچتا۔''

''سوچو حاتم علی......! سوچو......!'' ہاشم علی کا انداز اُکسانے اور جھنجوڑنے والا تھا۔

''چلیں آپ کہتے ہیں تو سوچ لوں گا لیکن آپ کا وارث پیدا ہونے کے بعد۔'' حاتم علی نے اس بحث سے بچنے کی خاطر کہا تو وہ خوش ہو کر بولے۔

''وارث ہی کے لیے تو میں دوسری......''

''نہیں بھائی......!'' حاتم علی نے فوراً ٹوکا پھر کہنے لگے۔

''دوسری کے چکر میں نہ پڑیں بھرجائی کو بہت دُکھ ہوگا۔ یوں بھی آپ کو تو مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ نے آپ کو بیٹیاں دی ہیں اور انشا اللہ بیٹا بھی ضروری ہوگا۔''

''ہا......ہاں......!'' ہاشم علی نے گہری سانس کھینچی پھر اُٹھتے ہوئے بولے۔

''چلو......! تمہاری خاطر میں ایک سال اور صبر کر لیتا ہوں۔''

اور پھر شاید یہ حاتم علی کی دُعائیں تھیں کہ اگلے برس ہاشم علی کے گھر وارث پیدا ہوا تو دونوں جاگیروں میں مہینوں جشن منائے گئے۔ ہاشم علی نے بڑے فخر سے اس کا نام حاکم رکھا تھا، سردار حاکم علی۔ ایک تو نام کی خاصیت دوسرے غیر ضروری اہمیت نے کم سنی میں ہی اسے حاکمیت کا احساس بخش دیا تھا۔

دوسری طرف حاتم علی تھے۔ اللہ کی رضا میں راضی رہنے والے۔ جب ہی اولاد نہ ہونے پر شاکی نہیں تھے۔ حاکم کی پیدائش کے بعد ہاشم علی نے انہیں دوسری شادی پر بہت اُکسایا تھا لیکن وہ یہی کہتے رہے کہ اگر قسمت میں اولاد لکھی ہوگی تو اسی بیوی سے ہو جائے گی۔

حاکم کی پیدائش کے پندرہ سال بعد ان کے ہاں چاندنی پیدا ہوئی تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ جتنی خوشیاں ہاشم علی نے حاکم کی پیدائش پر منائی تھیں اس سے کہیں زیادہ وہ چاندنی کو پا کر خوش تھے۔ برسوں بعد ان کی حویلی میں ننھی قلقاریاں گونجی تھیں تو دونوں میاں بیوی ہر پل اپنے رب کے شکر گزار تھے لیکن ان کے نصیب میں شاید اولاد کی خوشیاں دیکھنا لکھا ہی نہیں گیا تھا اور نہ ہی چاندنی کے نصیب میں اپنے ماں باپ کی آغوش میں پروان چڑھنا لکھا تھا۔

اس وقت وہ پانچ سال کی تھی جب حاتم علی اسے ہاشم علی کے پاس چھوڑ کر اپنی بیوی کے ساتھ حج کرنے گئے اور وہیں کار ایکسیڈنٹ میں دونوں میاں بیوی اللہ کو پیارے ہو گئے اور یوں چاندنی بے بے کی آغوش میں پہنچ گئی۔ اس وقت ہاشم علی کی دو بیٹیاں بیاہی جا چکی تھیں اور اتنی بڑی حویلی میں ہاشم علی، بے بے اور ان کی چھوٹی بیٹی سکینہ جبکہ حاکم جو شاہانہ مزاج لے کر پیدا ہوا تھا اور میٹرک کرتے ہی لندن سدھار گیا تھا وہ اسے باہر کی دُنیا میں زیادہ کشش نظر آتی تھی۔ پورے پانچ سال اس نے لندن میں گزارے، تعلیم بھی حاصل کی اور اپنے شوق بھی پورے کیے اور جب واپس آیا تو جاگیرداری میں اس کا

دل ہی نہیں لگا۔ بس بے بے کی خاطر چند مہینے اس نے خود پر بہت جبر کر کے حویلی میں گزارے اس کے بعد وہ باقاعدہ پلاننگ کر کے کراچی چلا گیا۔ گو کہ ہاشم علی اس کے کراچی جانے کے حق میں نہیں تھے کیونکہ وہ ان کا اکلوتا وارث تھا اور ساری خرابی اکلوتے ہونے میں تھی کہ وہ اس کی کوئی بات رد بھی نہیں کر سکتے تھے، اس کی خواہش کے مطابق انہوں نے اسے وہاں سیٹ کیا تھا۔ پھر یہ اس کی اپنی محنت تھی کہ بہت جلد کاروباری دُنیا میں اپنا ایک مقام بنانے میں کامیاب ہو گیا تھا اور اس مقام سے ہٹ کر وہ اپنی ذاتی زندگی میں بہت شوقین اور رنگین مزاج بلکہ خاصا بگڑا ہوا نوجوان واقع تھا۔ عورت اس کی کمزوری تھی حالانکہ پیسے کی کمی نہیں تھی۔ اتنی بڑی جاگیر کا وہ تنہا وارث تھا پھر بھی اسے مزید کی ہوس تھی۔ جب ہی اس نے چاندنی سے شادی پر آمادگی ظاہر کی تھی ورنہ اسے چاندنی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی حالانکہ وہ بے انتہا خوب صورت تھی لیکن حاکم علی کا مزاج ہی الگ تھا۔ اسے باہر کی دُنیا زیادہ متاثر کرتی تھی۔

لندن میں قیام کے دوران اس نے بہت سی لڑکیوں سے دوستی کی تھی بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ یعنی وہ دوستی کی حد پار کر جاتا تھا اور یہی حال اس کا کراچی میں تھا جب ہی اسے شادی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ گزشتہ چار پانچ سالوں سے بے بے اس کی شادی پر بہت زور دے رہی تھیں جبکہ ہاشم علی شاید پہلے ہی سوچ چکے تھے کہ اس کی شادی چاندنی کے ساتھ کریں گے جب ہی بے بے کے بار بار کہنے پر بھی انہوں نے کوئی توجہ نہیں دی تھی کیونکہ وہ چاندنی کے بڑے ہونے کا انتظار کر رہے تھے اور اب وہ بڑی ہو گئی تھی۔



جویریہ اور عباد ہنی مون پر جا رہے تھے اور وہ بہت شوق اور خوشی سے ان کی پیکنگ کرنے کے ساتھ مسلسل بولے بھی جا رہی تھی۔

''جوجی......! یہ سوٹ ضرور پہننا اور دیکھو میں کیمرہ رکھ رہی ہوں یہ یونہی واپس مت لے آنا۔ مجھے پتا ہے عباد بھائی بہت کنجوس ہیں۔''

''کیا......! کیا......!'' جویریہ نے فوراً احتجاج کیا۔

''تمہیں کس نے کہا کہ وہ کنجوس ہیں......؟'' وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''بُرا لگا تمہیں......!''

''غلط بات کرو گی تو ضرور بری لگے گی۔'' جویریہ نے کہا تو وہ مسکراہٹ ہونٹوں میں دبا کر بولی۔

''کیوں......! کنجوس نہیں ہیں......؟''

''بالکل نہیں......!''

''اچھا خیر......! تم بہر حال ڈھیر ساری تصویریں کھنچوانا۔'' اس نے کہتے ہوئے سوٹ کیس بند کیا۔

''اور کچھ......!'' جویریہ اس کے اشتیاق سے محظوظ ہو رہی تھی۔

''اور ڈھیر ساری شاپنگ کرنا۔'' پھر اسے دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"ویسے......میرے لیے کیا لاؤ گی......؟"

"کیا لاؤں......؟" جویریہ نے اُلٹا اس سے پوچھا تو وہ اپنی ہی دُھن میں روانی سے بولی۔

"لے آنا......دو چار اچھے اچھے سوٹ......!"

"دو چار کیوں......؟ پوری مارکیٹ اُٹھا لاؤں گی۔" جویریہ نے کہا تو وہ ہنسنے لگی۔

"ویسے تم اتنی خوش کیوں ہو رہی ہو......؟ آئی مین میرے جانے سے۔" جویریہ کے ٹوکنے پر وہ اس کے گلے میں بازو ڈال کر بولی۔

"تم رُخصت جو ہو رہی ہو۔"

"کیا مطلب......؟" جویریہ واقعی نہیں سمجھی۔

"بھئی......! تمہاری شادی پر تو پتا ہی نہیں چلا، وہاں سے اُٹھ کر یہاں چلی آئیں۔ اب پتا چلے گا کہ تم رُخصت ہوئی ہو۔" اس کی وضاحت پر جویریہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر سنجیدگی سے پوچھنے لگی۔

"کیا واقعی......! تم نے طے کر لیا ہے کہ تم خاندان میں شادی نہیں کرو گی......؟"

"تو اب تک تم مذاق سمجھتی رہی ہو......؟" وہ اس کے گلے سے بازو نکال کر بولی۔

"نہیں......! لیکن تمہیں اتنا سنجیدہ ہی نہیں ہونا چاہیے۔ میرا مطلب ہے اگر خاندان میں اچھا رشتہ موجود ہو تو......"

"بس بس......!" اس نے جویریہ کو مزید بولنے سے روک دیا پھر فوراً اس موضوع سے ہٹ گئی۔

"اچھا دیکھو کوئی چیز رہ تو نہیں گئی......؟"

"تم......تم بھی ساتھ چلو......!" جویریہ مسکرائی۔

"نہ بھئی......! مجھے کباب میں ہڈی بننے کا کوئی شوق نہیں ہے اور پھر عباد بھائی سے تو مجھے ویسے بھی بہت ڈر لگتا ہے۔" اس نے کہا تو جویریہ نے حیرت کا اظہار کیا۔

"کیوں......؟ اتنے خوفناک تو نہیں ہیں۔"

"روڈ تو ہیں، بہزاد چاچو پر گئے ہیں۔" وہ کہہ کر خود ہی ہنسی۔

"کوئی نہیں......! بہزاد چاچو تو بس ایک ہی ہیں اور پتا نہیں کس پر گئے ہیں۔" جویریہ نے فوراً نفی کی۔ پھر ٹائم دیکھ کر بولی۔

"یہ عباد پتا نہیں کہاں رہ گئے......؟ چلو میں جب تک امی پاپا سے مل آؤں۔"

"ہاں چلو......! دادی کو صبح سے تمہاری فکر لگی ہوئی ہے۔ پہلے انہیں تسلی دینا کہ تم اپنا اور عباد بھائی کا بہت خیال رکھو گی۔"

"ارے......! اب انہیں میری نہیں تمہاری فکر کرنی چاہیے۔" جویریہ نے اس کا گال چھو کر کہا تو وہ ہنس کر بولی۔

"یہ تم انہیں سمجھانا۔"

"بڑی بے شرم ہو......!" جویریہ کی مصنوعی خفگی پر وہ اور زور سے ہنسی۔

○ ○ ○

وہ کل تک گڑیا گڈے کا بیاہ رچاتی تھی اور سہیلیوں کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلتے ہوئے اسے نہ اپنے دوپٹے کی پرواہ ہوتی تھی نہ قدموں کی اور شاید ابھی بھی وہ بے نیاز رہتی اگر جو بے بے کی بات نہ سن لیتی۔ وہ حاکم کے ساتھ اس کی شادی کی بات کر رہی تھیں اور اس عمر میں شادی کا تصور بڑا خوبصورت بڑا خوابناک ہوتا ہے۔ حالانکہ اس نے کبھی حاکم علی کو قریب سے نہیں دیکھا تھا اور نہ ہی براہِ راست بات شاید ہی کبھی ہوئی ہو۔ کیونکہ اس نے جب سے ہوش سنبھالا تھا حاکم علی کو مہمانوں کی طرح ہی آتے دیکھا تھا۔ بے بے کے بہت بلانے پر وہ دوسرے اور کبھی تیسرے مہینے آتا اور آتے ہی جانے کی جلدی بھی مچا دیتا۔ اس نے بہر حال اس کے آنے اور جانے کو کبھی محسوس نہیں کیا تھا اور بے بے جو اس کے جانے کے بعد صرف اسی کی باتیں کرتی تھیں تو چاندنی نے ان پر بھی کبھی توجہ نہیں دی تھی بلکہ اُکتا کر ان کے پاس سے ہٹ جاتی تھی یعنی وہ شخص جو صرف نام کا ہی حاکم نہیں تھا بیک وقت کئی جگہوں اور کتنے دلوں پر حکمرانی کر رہا تھا۔ وہ کل تک اس کے لیے کتنا غیر اہم تھا۔ کل جب وہ آیا تھا تو اپنی پُرسکون نیند میں سے اُٹھایا جانا اسے سخت ناگوار گزرا تھا اور آج جب وہ واپس جا رہا تھا تو وہ بڑی خوشی سے اپنی نیندیں اسے دان کر رہی تھی۔

"اپنے بابا کا انتظار تو کر لے، شام تک آ جائیں گے وہ زمینوں سے۔" بے بے اسے روکنے کی سعی کر رہی تھیں۔

"میں شام تک نہیں رُک سکتا بے بے......! ادھر بہت کام ہیں۔ اوئے فضل دین......! گاڑی نکال۔" وہ بے بے کو جواب دیتے ہوئے فضل دین کی طرف گھوم گیا۔

"نہ تو تو اپنے بابا سے ملے بغیر چلا جائے گا......؟" بے بے نے اس کا بازو کھینچ کر کہا۔

"اوہو بے بے......! میں کوئی سمندر پار تو نہیں جا رہا۔" وہ جھنجلا گیا۔

"اچھا......! پھر کب آئے گا......؟" بے بے اسے ناراض نہیں کر سکتی تھیں۔

"میں چلتا ہوں، بارش ہو گئی تو پھر راستے میں مشکل ہو گی۔" وہ بے بے کی بات کا جواب دیئے بغیر اُٹھتا ہوا چلا گیا۔

بے بے نے پہلے دامن پھیلا کر اسے دُعائیں دیں پھر جانے کیا بڑبڑاتے ہوئے اندر آ رہی تھیں تو چاندنی جو دروازے کی جھری سے اسے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی، فوراً وہاں سے ہٹ کر مسہری پر آ بیٹھی اور اپنی گڑیا بھی اُٹھا لی۔ یوں جیسے بہت دیر سے وہ اسی میں لگی ہوئی ہو۔

"سنتا ہی نہیں، بس اپنی کہتا، اپنی منواتا ہے۔" بے بے اب بھی بڑبڑا رہی تھیں۔

"کیا ہوا بے بے......!" وہ انجان بن کر انہیں دیکھنے لگی۔

"جاکما چلا گیا ناں......! پتا نہیں ادھر اس کا دل کیوں نہیں لگتا......؟" بے بے نے گہری سانس کھینچی پھر اس کے ہاتھ میں گڑیا دیکھ کر کہنے لگیں۔

"بس......! اب تو اس کے ساتھ کھیلنا چھوڑ دے۔"

"ہائے! نہیں بے بے......! یہ تو میری سہیلی ہے۔" اس نے گڑیا کو سینے سے لگا کر کہا تو بے بے پیار سے بولیں۔

"اب تو بڑی ہوگئی ہے چاندنی......!"

"تو کیا ہوا......؟ گڑیا بھی تو بڑی ہوگئی ہے اور اس کی تو شادی بھی ہوگئی ہے۔" وہ گڑیا کو سینے سے لگائے دائیں بائیں جھولنے لگی۔

"تیری بھی شادی ہونے والی ہے......!" بے بے نے کہا تو اس کی دھڑکنیں بے قابو ہوگئیں اور بے بے کے سامنے بیٹھنا بھی مشکل لگنے لگا۔

"میں...... میں زینب کے پاس جارہی ہوں۔" وہ اُٹھ کر بھاگی۔

"پگلی......!" بے بے ہنسنے لگیں۔

اور ادھر کھلی چھت پر وہ زینب کے دونوں ہاتھ پکڑے بہت تیزی سے گول دائرے میں چکر دیتے ہوئے کھلکھلا کر ہنس رہی تھی۔

"چاندنی......! چاندنی......! بس کر......! مجھے چکر آرہے ہیں۔" زینب چیخ کر کہہ رہی تھی لیکن اس پر کچھ اثر نہیں ہورہا تھا۔

"چاندنی......! پاگل ہوگئی ہے کیا......؟" زینب نے پورا زور لگا کر اپنے ہاتھ کھینچے تو دونوں ہی پیچھے جاگریں اور وہ گر کر بھی ہنس رہی تھی۔

زینب کتنی دیر سر ہاتھوں میں تھامے بیٹھی رہی۔ جب ذرا حواس ٹھکانے آئے تب اسے ہنستے دیکھ کر ہول گئی اور اس کے قریب جا کر پوچھنے لگی۔

"تو سچ مچ پاگل ہوگئی ہے......!"

"کیوں......! ہنسنے والے پاگل ہوتے ہیں کیا......؟" اس نے اُلٹا تنک کر پوچھا۔

"جو اپنے آپ ہنستے ہیں بے بات کے۔" زینب نے کہا تو اب وہ اترا کر بولی۔

"میں بے بات کے تو نہیں ہنس رہی۔"

"اچھا......! مجھے بھی تو بتا کیا بات ہوئی ہے......؟" زینب متجسس ہوئی۔

"بتادوں......!"

"ہاں ہاں......! بتائیں......!" زینب اس کے مزید قریب ہوگئی تو وہ لجا کر بولی۔

"بے بے میرا بیاہ کر رہی ہے۔"

"سچی......! کس کے ساتھ......؟" زینب کا تجسس ایک پل میں انتہاؤں کو چھونے لگا۔

"حاکم......!" اس کے ہونٹوں نے ذرا جنبش کی تھی کہ یہاں وہاں ہر طرف جیسے گھنٹیاں بجنے لگیں جبکہ زینب اُچھل کر پیچھے ہٹی۔

"ہائے ظالم......!"

"ک...... کون ظالم......؟" وہ حیران ہوئی۔

"وہی حاکم......! وہ تو بڑا ظالم ہے۔" زینب نے کہا تو وہ ناگواری سے بولی۔

"تجھے کیسے پتا......؟"

"ادھر ریشم کی شادی میں آپا کی ساری سہیلیاں کہہ رہی تھیں کہ حاکم بڑا ظالم ہے۔ نہ چوڑیوں کی کھنک سنتا ہے نہ پازیب کی جھنکار اور اگر اس کے سامنے دل نکال کر رکھ دو تو وہ بھی پیروں تلے روند کر نکل جائے گا۔" زینب اپنی آپا اور اس کی سہیلیوں کی باتیں یوں دہرا رہی تھی جیسے اس نے اپنی آنکھوں سے حاکم کو کسی کا خون کرتے دیکھا ہو۔

"یہ تو کیسی باتیں کر رہی ہے زینو......!" وہ بھی خوفزدہ ہوگئی۔

"میں نے تو جو سنا تھا وہی تجھے بتایا ہے۔"

"او...... اور کیا کہہ رہی تھیں تیری آپا......؟"

"اور تو کچھ نہیں......! خیر چھوڑ...... یہ بتا تیرا بیاہ کب ہے......؟" زینب نے پوچھا تو اب وہ ڈھیلے ڈھالے انداز میں بولی۔

"پتا نہیں......!"

"میں بے بے سے پوچھوں گی۔" زینب نے کہا تو وہ فوراً بولی۔

"میرا نام مت لینا۔"

"پھر کس کا نام لوں......؟" زینب نے اس کے بازو میں چٹکی کاٹی۔

"کسی کا نہیں......! بس ایسے ہی پوچھ لینا۔" وہ اپنا بازو سہلاتے ہوئے بولی۔

"اچھا......! تو پھر بیاہ کر تو بھی شہر چلی جائے گی......؟" زینب نے پوچھا تو شہر کے نام پر وہ پھر نہال ہوگئی۔

"ہاں......! مجھے تو بہت شوق ہے شہر جانے کا۔"

"پھر تو مجھے بھول جائے گی......؟" زینب اس کی خوشی میں بھی خوش نہیں ہوسکی۔

"کیوں......! تجھے کیوں بھولوں گی......؟ تو تو میری پکی سہیلی ہے۔" وہ زینب سے لپٹ گئی۔

○○○

ویٹران کے سامنے آئس کریم رکھ کر چلا گیا تو وہ اسے مخاطب کر کے بولی۔

''نومی......! جلدی کھاؤ تا کہ تمہارا دماغ ٹھنڈا ہو۔''

''اتنی سی آئس کریم سے میرا دماغ ٹھنڈا ہونے والا نہیں ہے۔'' نعمان نے روٹھے ہوئے انداز میں کہا۔

''تو پھر یہ بھی میں ہی کھالوں گی۔ تم گھر جا کر شاور لے لینا۔'' وہ اس کا کپ اُٹھانے لگی تھی کہ نعمان نے فوراً اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''خبردار......!''

''میں کون سا لے رہی تھی......؟'' وہ ہنسی پھر اپنا ہاتھ چھڑا کر پوچھنے لگی۔

''ویسے تمہارا موڈ کیوں آف ہے......؟ گھر سے تو اچھے بھلے چلے تھے۔''

''اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم مجھے اتنا خوار کراؤ گی تو میں کبھی تمہارے ساتھ نہ آتا۔ مائی گاڈ......! اتنی سی چیز کے لیے تم نے سارا بازار چھان مارا۔'' وہ بے حد جھنجلایا ہوا تھا۔

''یہ اتنی سی چیز ہے......؟'' نوریہ نے خوب صورت پیکٹ پر ہاتھ رکھ کر احتجاج کیا۔

''یہ صرف اتنی سی بلکہ بے حد معمولی بھی۔'' نعمان نے اسے مزید چڑایا تو وہ دانت پیس کر بولی۔

''تم گھر چلو پھر تمہیں بتاؤں گی۔''

''ابھی بتا دو......!''

''دیکھو نومی......! مجھے غصہ مت دلاؤ ورنہ میں سچ مچ یہ تمہارے سر پر دے ماروں گی۔'' اس نے آئس کریم کا کپ اُٹھاتے ہوئے کہا۔

''کیا کر رہی ہو......! لوگ دیکھ رہے ہیں۔'' نعمان نے دبے لہجے میں ٹوکا۔

''میں لوگوں کی پرواہ نہیں کرتی۔'' وہ روٹھے انداز میں کہہ کر آئس کریم کھانے لگی۔

نعمان خاموشی سے اسے دیکھنے لگا۔ جب اس نے کپ خالی کیا تب ویٹر کو بل پے کیا اور اسے چلنے کا اشارہ کرتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہوا۔

''اُف......! دو بج گئے......؟'' وہ گاڑی میں بیٹھتے ہی ریسٹ واچ پر نظر ڈال کر چیخی۔

''پھر......!''

''مجھے تین بجے روبی کے ہاں پہنچنا تھا۔'' اس نے کہا تو نعمان گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

''ڈونٹ وری......! میں تمہیں اس سے بھی پہلے پہنچا دوں گا۔''

''جناب......! مجھے اس حلیے میں اس کے گھر نہیں جانا کیونکہ آج اس کی برتھ ڈے ہے۔'' اس نے کہا تو وہ پیکٹ کی طرف اشارہ کر کے پوچھنے لگا۔

''تو یہ گفٹ تم نے روبی کے لیے خریدا ہے......؟''

''ہاں......! اور پلیز اسپیڈ بڑھاؤ مجھے تیاری میں بھی وقت لگے گا۔''

''پھر تو تم تین بجے نہیں پہنچ سکتیں۔'' نعمان نے فوراً کہا تو وہ لاپرواہی سے کندھے اچکا کر بولی۔

''کوئی بات نہیں چار بج جائیں گے۔ یوں بھی پارٹی تو شام میں ہے۔''

''پھر تم اتنی جلدی......؟''

''بھئی......! وہ میری دوست ہے، بیسٹ فرینڈ۔ اس نے تو کہا تھا میں صبح سے آجاؤں لیکن مجھے اس کے لیے گفٹ لینا تھا اس لیے میں نے تین بجے کا کہہ دیا تھا، سمجھے......!'' وہ اس کی بات کاٹ کر تیزی سے بولی۔

''سمجھ گیا......!'' نعمان نے گیٹ پر گاڑی روک دی پھر اسے دیکھ کر کہنے لگا۔

''اگر تم پانچ منٹ میں تیار ہو کر آجاؤ تو میں یہیں رُک جاتا ہوں۔''

''پانچ منٹ میں تمہاری شادی میں تیار ہوں گی۔'' وہ کہہ کر اُتر گئی تو نعمان بھی گاڑی لاک کر کے تیز قدموں سے اس کے ساتھ اندر آیا۔ کوریڈور میں بہزاد چچا جیسے اس کے انتظار میں کھڑے تھے۔

''تم کہاں آوارہ گردی کرتے پھر رہے ہو......؟''

''چاچو......! یہ......'' وہ اس کا دفاع کرنا چاہتی تھی کہ بہزاد چچا نے اسے ٹوک دیا۔

''تم اوپر جاؤ......!''

''جی......!'' اس نے کن اکھیوں سے نعمان اور چچا کو دیکھا پھر تیزی سے سیڑھیاں چڑھ گئی۔

''آگئیں......! ابھی روبی کا فون بھی آیا تھا۔'' امی نے اسے دیکھتے ہی بتایا۔

''کیا کہہ رہی تھی......؟'' اس نے پوچھا۔

''یہی پوچھ رہی تھی کہ تم کب تک آؤ گی......؟''

''ہاں......! بس جا رہی ہوں۔'' اس کے ڈھیلے ڈھالے انداز پر امی بغور اسے دیکھنے لگیں۔

''کیا بات ہے......؟ تھک گئی ہو......؟''

''نہیں......! مجھے بہزاد چاچو پر غصہ آرہا ہے۔ ہر وقت نومی کو ڈانٹتے رہتے ہیں۔ وہ کوئی چھوٹا بچہ تو نہیں ہے کہ ہر بات میں ٹوکیں، وہ بھی سب کے سامنے۔'' وہ ناراضگی سے بولے چلی گئی۔

''اچھا......! تمہیں زیادہ بولنے کی ضرورت نہیں ہے، تم جاؤ تیاری کرو۔'' امی نے اس کا کاندھا تھپک کر کہا تو وہ بڑبڑاتے ہوئے اُٹھ گئی پھر جاتے جاتے رُک کر پوچھنے لگی۔

''پاپا کہاں ہیں......؟''

''اپنے کمرے میں، ابھی سوئے ہیں۔'' امی بتا کر اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

''اب طبیعت تو ٹھیک ہے ناں ان کی......؟''

''ہاں......! اللہ کا شکر ہے اور ہاں جویریہ کا فون بھی آیا تھا سوات سے، سلام کہہ رہی تھی تمہیں۔''

''وعلیکم السلام ......!واپس کب آئے گی......؟'' وہ پھر رُک گئی۔

''واپسی کا تو نہیں بتایا۔'' امی نے کہا۔

''اچھا......!میں نہانے جارہی ہوں۔ روبی کا فون آئے تو کہہ دیجیے گا میں بس پہنچ رہی ہوں۔'' وہ کہتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ پھر جب وہ تیار ہو کر نعمان کے پاس آئی تو وہ اسے دیکھتے ہی بولا۔

''مجھے ساتھ چلنے کو مت کہنا......!''

''کیوں......؟''

''کیوں کا کیا مطلب......؟ابھی دیکھا نہیں تھا پاپا کتنے ناراض ہو رہے تھے۔ سوری......!تم کسی اور کے ساتھ چلی جاؤ......!'' نعمان نے کہہ کر تکیے میں منہ چھپا لیا تو وہ اس کا کندھا ہلا کر بولی۔

''اور کس کے ساتھ جاؤں......؟اشو کو ڈرائیونگ نہیں آتی۔''

''تمہیں تو آتی ہے......!'' وہ فوراً بولا۔

''ہاں......!لیکن پھر اشو واپس کیسے آئے گا......؟میرے ساتھ تو وہاں اتنی دیر تک بیٹھ نہیں سکتا۔''

''میں کون سا بیٹھ سکتا ہوں......؟''

''میں یہ نہیں کہہ رہی، بس تم مجھے چھوڑ کر واپس آجانا۔'' اس نے کہا تو وہ معذرت کرتے ہوئے بولا۔

''سوری......!میں یہ بھی نہیں کر سکتا۔''

''نومی......!پلیز ایسے مت کرو......!اُٹھو ناں......!'' اس کی منت پر وہ سوچتے ہوئے بولا۔

''پاپا سے پوچھ لو، وہ اجازت دیں گے تو لے چلوں گا تمہیں......!''

''چاچو نے تمہیں منع کیا ہے کیا......؟''

''ہاں......!صرف تمہارے ساتھ نہیں بلکہ اس وقت کہیں بھی جانے سے منع کیا ہے۔'' اس نے بتایا تو وہ مایوسی سے بولی۔

''پھر......!اب میں کیسے جاؤں......؟''

''پاپا سے پوچھ آؤ ناں......!''

''کیا پوچھ آؤں......!؟پتا تو ہے وہ مجھے بھی منع کر دیں گے۔'' وہ روہانسی ہو رہی تھی۔

''تمہیں منع نہیں کریں گے بابا......!جاؤ......!'' نعمان نے اُٹھ کر اسے دھکیلا تو ناچار اسے بہزاد چچا کے کمرے میں جانا پڑا۔

''چاچو......!'' اس نے پکارا تھا کہ وہ فوراً بول پڑے۔

''نومی اس وقت کہیں نہیں جائے گا۔''

''چاچو......!مجھے روبی کی برتھ ڈے میں جانا ہے۔'' اس نے پھر بھی کہہ دیا۔

''ہاں تو جاؤ......!تمہیں کس نے روکا ہے......؟'' بہزاد چچا نے اپنے مخصوص اکھڑ انداز میں کہا تو وہ منمنائی۔

''نومی کے ساتھ......!''

''نومی کا وہاں کیا کام......؟اور یہ تم سب اسے کیوں اپنے ساتھ لگائے رکھتے ہو......؟اسے اپنے بارے میں سوچنے کے قابل بھی چھوڑو گی کہ نہیں......؟'' بہزاد چچا کسی کا لحاظ نہیں کرتے تھے اور یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ پھر بھی وہ روتے ہوئے اُوپر آئی تو امی اسے دیکھ کر پریشان ہو گئیں۔

''کیا ہوا بیٹا......!''

''مجھے روبی کی برتھ ڈے میں جانا ہے۔'' وہ اسی طرح روتے ہوئے بولی۔

''تو بیٹا......!میں نے کب منع کیا ہے......؟''

''چاچو نے منع کر دیا ہے نومی کو، اب میں کیسے جا سکتی ہوں......؟'' اس کی آواز آپ ہی آپ تیز ہو گئی تھی اور اس سے پہلے کہ امی ٹوکتیں پاپا اپنے کمرے سے نکل کر آ گئے اور اسے روتے دیکھ کر وہ بھی پریشان ہو گئے۔

''کیا ہوا ہے......؟''

''کچھ نہیں......!بس ایسے ہی......!'' پاپا کی طبیعت کے باعث امی بتانا نہیں چاہتی تھیں۔

''ایسے ہی تو میری بیٹی نہیں روتی۔ نور......!کیا بات ہے بیٹا......؟'' پاپا نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑتے ہوئے بولی۔

''وہ پاپا......!روبی کی برتھ ڈے......!''

''اسے برتھ ڈے میں جانا ہے اور کوئی لے جانے والا نہیں ہے۔'' امی نے بتایا تو وہ پوچھنے لگے۔

''کیوں......!نومی کہاں ہے......؟''

''نومی کو بہزاد نے منع کر دیا ہے۔'' امی اس قدر کہہ کر خاموش ہو گئیں۔ یوں بھی مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ بہزاد کے مزاج سے سب ہی واقف تھے۔ پاپا نے بھی کیوں کا سوال نہیں اُٹھایا اور اس کے پاس بیٹھ کر کہنے لگے۔

''بیٹا......!آپ ماشاء اللہ بڑی اور سمجھدار ہو۔ آپ کو کسی کے سہارے چلنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیا آپ کو روبی کا گھر معلوم نہیں ہے......؟''

''معلوم ہے......!''

''پھر......؟''

''میں چلی جاؤں......!'' وہ پاپا سے پوچھ کر امی کو دیکھنے لگی جیسے اِدھر سے ضرور اعتراض اُٹھے گا اور

واقعی امی کہنے لگیں۔

''اکیلی کیسے جائے گی......؟''

''کیوں......! کالج نہیں جاتی......؟'' پاپا نے کہا۔

''جاؤ بیٹا......! میری گاڑی لے جاؤ۔ میں نے آپ کو ڈرائیونگ اسی لیے سکھائی تھی۔'' پاپا نے کہا تو وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''تھینک یو پاپا......!''

''جلدی آنا اور گاڑی بھی احتیاط سے چلانا۔'' امی نے فوراً تاکید کی۔

''پاپا کو پتا ہے میں بہت اچھی اور محتاط ڈرائیونگ کرتی ہوں، کیوں پاپا......!'' اس نے پاپا سے تائید چاہی تو انہوں نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔ تب ہی فون کی بیل بجنے لگی۔

''روبی کا فون ہوگا۔ امی آپ اس سے کہہ دیں میں نکل چکی ہوں۔'' وہ بہت عجلت میں کہتے ہوئے بھاگی۔

روبی سے اس کی دوستی اسکول کے زمانے سے چلی آ رہی تھی۔ پھر دونوں نے ایک ہی کالج سے گریجویشن کیا تھا اور اب یونیورسٹی میں بھی ساتھ تھیں۔ ایک دوسرے کے گھر آنا جانا بھی تھا خصوصاً گھریلو تقریبات میں دونوں ایک دوسرے کو ضرور مدعو کرتی تھیں۔ جویریہ کی شادی میں روبی نے بھرپور حصہ لیا تھا اور مہندی کی رات تو وہ اس کے پاس رُکی بھی تھی۔ اب اگر وہ اس کی برتھ ڈے پر نہ جاتی تو وہ کتنی ناراض ہوتی اور وہ اسے ناراض نہیں کر سکتی تھی۔

''اُف......! چار تو یہیں بج گئے......!'' اس کی نظر ریسٹ واچ پر پڑی تو وہ مزید جھنجلا گئی۔ اس سے پہلے اسے بہزاد چچا پر غصہ آ رہا تھا جن کی وجہ سے اکثر گھریلو پروگرام بھی خراب ہو جایا کرتے تھے۔ بہر حال اس وقت وہ جتنا اپنا موڈ ٹھیک کرنا چاہ رہی تھی اس قدر اس پر جھنجلاہٹ سوار ہو رہی تھی۔ پھر ایک موڑ مڑنے کے لیے اس نے گاڑی کی اسپیڈ کم کی تھی کہ گاڑی ہی بند ہو گئی۔

''شٹ......!'' اس نے دانت پیسے۔ وہ دوبارہ اسٹارٹ کرنے لگی تھی کہ اچانک اس کی طرف کے شیشے پر ہاتھ رکھ کر کوئی جھک کر بولا۔

''اُدھر کھسکو......!''

''کون......؟'' وہ دیکھتے ہی وحشت زدہ ہو گئی۔ اس شخص کے دوسرے ہاتھ میں ریوالور تھا۔

''سنا نہیں......!'' اس نے ریوالور والے ہاتھ سے اسے آگے کھسکنے کا اشارہ کیا تو بمشکل تمام وہ برابر والی سیٹ پر آئی اور پھر اچانک بے سوچے سمجھے اسی طرف کا دروازہ کھول کر سرپٹ بھاگتی چلی گئی۔

⊖ ⊖ ⊖

نعمان انتظار میں تھا کہ نوریہ بہزاد چچا سے اجازت لے کر اس کے پاس آئے گی لیکن کتنی دیر ہو گئی وہ نہیں آئی تب وہ یہی سمجھا کہ اجازت نہ ملنے پر سیدھی اُوپر چلی گئی ہوگی اور یقیناً ناراض بھی ہوگی۔ اس کی ناراضگی کا سوچ کر وہ اسی وقت سیڑھیاں پھلانگتا ہوا اُوپر آ گیا۔ پہلے نوریہ کے کمرے میں جھانک کر دیکھا پھر چچی جان کے کمرے میں جا رہا تھا کہ وہ لاؤنج میں ہی نظر آ گئیں۔

''السلام علیکم چچی......!'' اس نے سلام کیا تو وہ چونک کر بولیں۔

''وعلیکم السلام......!''

''نوریہ کہاں ہے......؟'' اس نے فوراً پوچھا۔

''روبی کے ہاں گئی ہے......!'' انہوں نے ابھی اسی قدر کہا تھا کہ وہ بول پڑا۔

''کیسے......! کس کے ساتھ......؟''

''کسی کے ساتھ نہیں......! تمہیں تو بہزاد نے منع کر دیا تھا پھر تمہارے چچا جان نے اس سے کہا کہ وہ خود ہی چلی جائے۔ وہ انہیں کی گاڑی لے کر گئی ہے۔'' ان سے پوری تفصیل سن کر وہ نادم ہو کر بولا۔

''آئی ایم سوری چچی......! آپ کو تو پتا ہے پاپا......''

''ہاں بیٹا......! بہزاد کی عادت سے سب ہی واقف ہیں۔'' انہوں نے کہا۔

''اچھا......! میں اسے لے آؤں گا بلکہ ابھی جا رہا ہوں۔'' اس نے فوراً کہا۔

''لیکن بیٹا......! تمہارے پاپا......!''

''پاپا کو معلوم نہیں ہوگا۔'' وہ کہتا ہوا اسی تیزی سے پلٹ گیا لیکن اب یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ خاموشی سے باہر نکل جاتا کیونکہ بہزاد حسن جب کسی بات کو منع کرتے تھے تو پھر گاہے بگاہے اسے چیک کرتے بھی رہتے تھے۔ اس لیے اس نے دادی کا سہارا لیا۔ دادی عصر کی نماز کے لیے کھڑی ہو رہی تھیں کہ نعمان نے انہیں کندھوں سے تھام کر اپنی طرف گھما لیا۔

''میری اچھی دادی......!''

''ہٹو......! نماز پڑھنے دو......!'' دادی نے اس کے ہاتھ جھٹکے تو وہ منت سے بولا۔

''پہلے میری بات تو سن لیں دادی......!''

''کیا بات......؟''

''باہر کا کوئی کام بتادیں......!'' اس نے کہا تو دادی کو بھی فوراً یاد آ گیا۔

''ہاں......! میرے پان ختم ہو گئے ہیں، وہ لا دو......!''

''اور......؟'' اس کی بے صبری کی انتہا تھی۔

''اور کچھ نہیں......!'' دادی نے آرام سے کہہ کر اپنا رُخ قبلہ کی طرف موڑا تو وہ پھر سامنے آ گیا۔

''سوچیں دادی......! سوچیں......! شاید کچھ اور......؟''

''پاگل ہو گئے ہو کیا......؟ اپنے باپ سے پوچھو جا کر......!'' دادی نے ڈانٹا۔

''باپ سے آپ کہہ دیجیے گا کہ میں آپ کے کام سے گیا ہوں......!'' وہ کہہ کر تیزی سے باہر نکل آیا اور بائیک لے کر بغیر اسٹارٹ کیے دُور تک اسے گھسیٹتا لے گیا۔ پھر پہلے نوریہ کے موبائل پر اس سے رابطہ کرنا چاہا لیکن ادھر بیل بجتی ادھر موبائل آف کر دیا جاتا۔ تین چار بار ٹرائی کرنے کے بعد آخر اس نے بائیک اسٹارٹ کرتے ہوئے سوچا۔

''اتنی ناراض تو وہ کبھی نہیں ہوئی......!''

○ ○ ○

حاکم علی اپنے نئے پروجیکٹ کا ماڈل بہت تنقیدی نظروں سے دیکھ رہا تھا جبکہ قریب کھڑے اس کے منیجر کی نظریں اس کے چہرے پر تھیں۔ غالباً اس کے تاثرات سے وہ اندازہ لگانا چاہ رہا تھا کہ آیا وہ ماڈل پسند کرتا ہے یا نہیں۔

''مسٹر چغتائی......!'' حاکم علی نے اچانک اسے مخاطب کیا تو وہ بھی فوراً متوجہ ہوا۔

''یس سر......!''

''مجھے یہ پارکنگ ایریا کچھ عجیب سا لگ رہا ہے۔'' حاکم علی نے کہا تو چغتائی ماڈل دیکھ کر کہنے لگا۔

''سر......! اسے ہم بیک سائیڈ پر بھی رکھ سکتے ہیں۔''

''ہوں......!'' حاکم علی نے سوچتے ہوئے انداز میں نظریں اُٹھائی تھیں کہ اس کا سارا دھیان گلاس وال سے ادھر ہی منتقل ہو گیا۔ ڈرائیو وے پر ایک لڑکی جانے قدم آگے بڑھانے سے خائف تھی یا واپس پلٹنے سے، اسی شش و پنج میں وہ کبھی پیچھے دیکھ رہی تھی کبھی آگے اور حاکم علی کی آنکھوں میں مقناطیسیت یوں عود کر آئی جیسے ایک پل میں وہ اسے اپنی طرف کھینچ لے گا۔

اور یہ اتفاق ہی تھا کہ اس سہمی ہوئی لڑکی نے قدم اسی طرف بڑھائے تھے۔ حاکم علی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ چمکنے لگی۔ تب اس کی نظروں کے تعاقب میں چغتائی نے دیکھا اور سارا معاملہ سمجھ کر بمشکل

ناگواری چھپاتے ہوئے بولا۔

''سر......! میرے لیے کیا حکم ہے......؟'' حاکم علی بری طرح چونکا تھا۔

''ہاں......! تم جاؤ......! کل آفس میں بات کریں گے۔''

''جی......!'' چغتائی نے بلا ارادہ گلاس وال سے ادھر نظر ڈالی پھر دروازے کی طرف بڑھ گیا اور جیسے ہی دروازہ کھولا وہ لڑکی سامنے کھڑی نظر آئی۔

''میں......!'' لڑکی نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن چغتائی نے ایک طرف ہٹ کر اسے اندر آنے کا اشارہ کیا اور خود باہر نکل گیا۔

''آئیے......!'' حاکم علی اسے دیکھ کر اُٹھ کھڑا ہو گیا۔

''وہ......میرے پیچھے......وہ......'' کانپتی ہوئی جانے وہ کیا کہنا چاہ رہی تھی۔

''پلیز......!'' حاکم علی نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''ہاں......!'' وہ اپنے پیچھے صوفہ محسوس کر کے اس پر گر سی گئی اور خود کو ریلیکس کرنے کے لئے کبھی بالوں میں اُنگلیاں پھنساتی کبھی ہاتھوں سے چہرہ چھپا رہی تھی۔

حاکم علی اس کی ایک ایک حرکت دیکھتے ہوئے یوں بے تاب تھا جیسے اگلے پل وہ چیخ کر اس کے سینے میں آ چھپے گی۔

''پانی......!'' اس نے پانی مانگا اور ادھر دل کی دیواروں سے لہریں سر ٹکرانے لگی تھیں۔

اس نے دوبارہ کہا اور وہ جلدی سے گلاس میں پانی ڈال کر اس کے قریب آ گیا۔

''تھینک یو......!'' وہ ایک سانس میں گلاس خالی کر گئی۔ پھر گلاس رکھتے ہوئے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''آپ......!'' حاکم علی نے ابھی اسی قدر کہا تھا کہ وہ بول پڑی۔

''عجیب حادثہ ہوا ہے میرے ساتھ۔ ایسے حادثات کے بارے میں میں نے سنا ضرور تھا لیکن سوچا نہیں تھا کبھی میرے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔''

''کیا......کیا ہوا ہے......؟''

''میں نے ایک موڑ پر گاڑی بس ایک پل کو روکی تھی کہ ایک آدمی ریوالور دکھا کر پتا نہیں کیا کہہ رہا تھا۔''

''پھر......؟''

''پھر کیا...... میں فوراً دوسرے دروازے سے نکل کر بھاگ پڑی۔'' وہ حواس بحال ہونے پر اب جھنجلانے لگی تھی۔

''مجھے بھاگنا نہیں چاہیے تھا۔ بہت غلطی ہوئی مجھ سے۔ مجھے شور مچا دینا چاہیے تھا۔''

''نہیں......! آپ نے اچھا کیا۔ شور مچانے سے وہ فائر کر سکتا تھا۔'' اس نے کہا تو وہ اور تیز ہو کر

بولی۔

''کر دیتا......! پھر وہ خود بھی تو بھاگ نہیں سکتا تھا۔ اتنے لوگ جمع ہو جاتے۔''

''ایسے موقعوں پر لوگ جمع نہیں ہوتے، اپنی جان بچا کر بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ ویسے آپ جا کہاں رہی تھیں......؟'' حاکم علی نے اس طرف سے اس کا دھیان ہٹانے کی خاطر پوچھا۔

''او گاڈ......! روبی تو مجھے زندہ نہیں چھوڑے گی۔'' یاد آنے پر وہ چیخ پڑی۔

''جی......!'' وہ سمجھا نہیں اور وہ سمجھانے کی بجائے پوچھنے لگی۔

''میں فون کرلوں......؟''

''ضرور......!'' اس نے ٹیلی فون کی طرف اشارہ کیا۔

''میرا موبائل بھی گاڑی میں رہ گیا۔'' وہ کہتی ہوئی فون کے قریب جا کر روبی کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔ حاکم علی اس کی پشت پر چند قدم کے فاصلے پر کھڑا تھا۔

''ہاں روبی......! تم نے میرے گھر فون تو نہیں کیا......؟''

''تھینک گاڈ......! کرنا بھی مت......!''

''یار......! میں مشکل میں پھنس گئی ہوں۔''

''ممی ڈیڈی کو پتا نہیں چلنا چاہیے۔''

''میں پھر تمہیں تفصیل سے بتاؤں گی، او کے......!'' وہ سلسلہ منقطع کر کے پھر کوئی نمبر ڈائل کر رہی تھی۔

حاکم علی اس کے سیاہ بالوں کے پیچ و خم میں اُلجھ رہا تھا۔ پھر ذرا سا کنارے ہو کر اسے دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ کھلے بالوں کی ایک گھنیری لٹ اس کے چہرے کا احاطہ کیے ہوئے تھی۔ بولتے ہوئے وہ ذرا سا سر جھٹکتی تو جیسے سیاہ بادلوں میں سے ایک پل کو چاندنی چھلکتی تھی اور وہ تو تھا ہی رنگین مزاج، جو دوسروں کو اسیر کرنا جانتا تھا لیکن یہاں وہ خود اسیر ہو رہا تھا۔ حالانکہ اس کی شعوری خواہش یہ تھی کہ وہ ہاتھ بڑھا کر اس لڑکی کو دبوچ لے لیکن لاشعور میں مسلسل کوئی تنبیہ کر رہا تھا۔

''اوں ہوں......! یہ وہ نہیں ہے جو چند لمحوں کی پیاس بجھا دے۔''

''پھر......؟''

''یہ وہ آب ہے جو ایک عمر گھونٹ گھونٹ پینے پر بھی تشنگی کا احساس باقی رہتا ہے۔''

''ایکسکیوزمی......!'' اس کے متوجہ کرنے پر وہ چونک پڑا۔

''ہاں......!''

''آپ اپنا ایڈریس بتائیں، میں نومی کو بتا دوں۔ وہ آ کر مجھے لے جائے گا۔'' اس نے کہا تو وہ بلا ارادہ ہی ایڈریس بتانے لگا۔

وہ ساتھ ساتھ فون پر دہرانے لگی۔ پھر ریسیور رکھ کر اس کی طرف متوجہ ہوئی تو وہ کہنے لگا۔

''آپ نے ناحق کسی کو زحمت دی۔ میں آپ کو چھوڑ آتا۔''

''ارے نہیں......! نومی اسی طرف آ رہا تھا۔'' وہ بے نیازی سے کہہ کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

''آپ بیٹھیں پلیز......! میں آپ کے لیے چائے......!''

''نو تھینکس......! نومی کہہ رہا تھا وہ بس پانچ منٹ میں پہنچ جائے گا اور میں اسے گیٹ پر ملوں، او کے......! میں چلتی ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

حاکم علی نے بے اختیار ہاتھ اس کی طرف یوں بڑھایا جیسے اسے روکنا چاہتا ہو۔ وہ اچانک پلٹ کر بولی۔

''سوری......! میں نے آپ کا شکریہ ادا کیا نہیں۔''

''کس بات کا......؟''

''ظاہر ہے، میں نے آپ کو ڈسٹرب کیا۔'' اس نے کہا تو وہ بے ساختہ ذرا سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

''ڈسٹرب کرنے کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہیں آپ......!''

''نو نو......! ڈسٹرب کرنے پر سوری اور برداشت کرنے پر تھینک یو ویری مچ......!'' اس کے ساتھ ہی وہ ہنسی تھی پھر فوراً پلٹ کر باہر نکل گئی۔ حاکم جو ابھی اس کی خوب صورت ہنسی کے سحر سے نکلا بھی نہیں تھا، اس کے جانے سے پریشان ہو گیا اور پھر بہت تیزی سے دروازے تک گیا لیکن وہ گیٹ سے نکل چکی تھی۔

''وہ پھر آئے گی۔'' اس نے خود کو تسلی دی اور ٹیلی فون کے پاس آ کر سی ایل آئی پر سے وہ نمبر نوٹ کرنے لگا جہاں اس نے بات کی تھی۔

○ ○ ○

وہ نعمان کے ساتھ گھر میں داخل ہوئی تو حسب معمول سب دادی کے پاس بیٹھے شام کی چائے پی رہے تھے۔ اس کی اتنی جلدی واپسی پر امی تعجب سے پوچھنے لگیں۔

''تم جلدی کیسے آ گئیں......؟''

''بس وہ......'' تمام راستے اس نے نومی کے ساتھ بہت سارے بہانے سوچے تھے کہ گھر جا کر یہ کہنا ہے، وہ کہنا ہے لیکن وہ کچھ بھی نہیں کہہ سکی۔

''اور تم کہاں سے آ رہے ہو......؟'' بہزاد حسن نے نعمان سے پوچھا۔

''جی......! مجھے دادی نے پان لینے بھیجا تھا۔'' نعمان نے کن اکھیوں سے دادی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''پان لینے گئے تھے......! کہاں ہیں پان......؟'' بہزاد حسن بھلا کہاں مطمئن ہونے والے تھے۔

''میں پان لینے ہی گیا تھا لیکن راستے میں نوریہ......'' نعمان اسی قدر کہہ کر خاموش ہو گیا تو وہ بول پڑی۔

''میں بتاتی ہوں......!'' نوریہ نے یہ کہہ کر اپنا رُخ ڈیڈی کی طرف موڑ لیا۔

''ڈیڈی......! میں روبی کے گھر جا رہی تھی ناں......! تو راستے میں میری گاڑی چھن گئی۔''

''کیا......؟'' امی کے منہ سے چیخ نکلی اور باقی سب لوگ بھی پریشان ہو گئے۔

''کیسے بیٹا......؟'' ڈیڈی نے پوچھا۔

''پتا نہیں ڈیڈی......! بس ایک آدمی نے مجھے ریوالور دکھایا پھر مجھے کچھ نہیں پتا۔ میں فوراً اُتر کر بھاگ پڑی۔ وہ تو اچھا ہوا نومی نظر آ گیا اور میں اس کے ساتھ گھر آ گئی۔''

''یا اللہ......!'' امی نے اُٹھ کر اسے سینے سے لگا لیا۔

''بیٹا......! تمہیں کچھ......''

''میں ٹھیک ہوں امی......! مجھے کچھ نہیں ہوا۔'' اس نے اپنی طرف سے انہیں اطمینان دلایا پھر ڈیڈی سے بولی۔

''لیکن ڈیڈی......! گاڑی......؟''

''اے لعنت بھیجو گاڑی پر......اللہ کا شکر ہے تم پر کوئی آنچ نہیں آئی۔'' دادی نے کہا تو وہ ان کے پاس آ بیٹھی۔

''اور شکر ہے دادی......! نومی نظر آ گیا ورنہ میں تو حواس کھو چکی تھی۔'' اس نے ایک طرح سے نعمان کا دفاع کیا۔

''دیکھ لیا اکیلی لڑکی کو بھیجنے کا نتیجہ......؟ پتا بھی ہے آج کل شہر میں کیسی کیسی وارداتیں ہو رہی ہیں پھر بھی......'' بہزاد حسن شروع ہو گئے۔

''چلو......! اللہ نے بڑا کرم کیا......!'' دادی نے کہا تو وہ اور تیز ہو کر کہنے لگے۔

''ہاں......! بڑا کرم ہوا، کوئی نیکی کام آئی لیکن اماں......! ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا۔ گاڑی کے ساتھ لڑکی بھی جاتی تب کیا یہ کہہ کر صبر کر لیتیں آپ کہ کسی گناہ کی سزا ملی ہے......؟''

''توبہ کرو......!'' دادی نے ہول کر ڈانٹا۔

''میں تو توبہ کر لوں گا، آپ لوگ احتیاط نہ کیجیے گا۔'' وہ اُٹھ کھڑے ہوئے پھر جاتے جاتے نعمان سے بولے۔

''اب تم ناں پان لینے چلے جانا......!''

''اے دُلہن......! صدقہ اُتارو لڑکی کا، اللہ نے بچایا ہے۔'' دادی نے امی سے کہا۔

''جی اماں......! شکرانے کے نفل بھی پڑھوں گی۔'' امی کہتی ہوئی اُٹھ کھڑی ہوئیں تو ان کی جگہ پر

نعمان آ گیا۔

''چچا جان......! گاڑی کا کیا کرنا ہے......؟ میرا خیال ہے ابھی ایف آئی آر درج کرا دینی چاہیے۔'' نعمان نے کہا تو ڈیڈی اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولے۔

''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں......!''

''چلیں پھر......!'' اس نے کہا تو ڈیڈی یوں دیکھنے لگے جیسے تمہارے جانے پر تمہارا باپ ناراض ہو گا۔

''آپ کے ساتھ جانے پر تو پاپا کچھ نہیں کہیں گے۔'' وہ سمجھ کر بولا تو ڈیڈی ذرا سا مسکرائے پھر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔

''کہاں جا رہے ہیں ڈیڈی......؟'' نوریہ نے ان کے اُٹھنے پر فوراً پوچھا۔

''کہیں نہیں بیٹا......! آپ امی کے ساتھ اُوپر جاؤ، ہم ابھی آ رہے ہیں۔'' ڈیڈی نے کہتے ہوئے امی کو اسے لے جانے کا اشارہ بھی کیا تو وہ نعمان سے اشارے سے پوچھنے لگی۔

''کہاں جا رہے ہو......؟''

نعمان نے بھی نفی میں سر ہلانے پر اکتفا کیا پھر ڈیڈی کے ساتھ چل پڑا تو وہ بڑبڑاتی ہوئی امی کے ساتھ اُوپر آ گئی اور امی جو اتنی دیر سے خود پر ضبط کیے ہوئے تھیں۔ اپنے کمرے میں آتے ہی اسے لپٹا کر رونے لگیں۔

''ارے......! امی کیا ہوا......؟ آپ رونے کیوں لگیں......؟'' وہ ان کے بازوؤں سے نکل کر انہیں دیکھنے لگی۔

''بتائیں ناں امی......! کیا ہوا ہے......؟''

''بیٹا......! تم......تم اب کہیں نہیں جانا۔'' امی نے رندھی ہوئی آواز میں کہا تو اب وہ خود ان سے لپٹ گئی۔

''اوہو......! آپ نے تو مجھے پریشان کر دیا۔''

''یہ پریشانی کی بات نہیں ہے کیا......؟''

''ہے تو......! لیکن اس سے زیادہ خوشی کی بات یہ ہے کہ میں زندہ سلامت آپ کے سامنے کھڑی ہوں۔'' وہ امی کو ریلیکس کرنے کی خاطر کھلکھلا کر بولی ورنہ اس لمحے کے تصور سے اس کا دل اب بھی کانپ اٹھا۔

''اللہ کا شکر ہے......! لیکن اب تم کہیں نہیں جاؤ گی۔'' امی نے پھر اپنی بات دہرائی۔

''اکیلی نہیں جاؤں گی، بس اب آپ روئیں نہیں ورنہ میں بھی رونے لگوں گی۔'' اس نے ہاتھوں سے امی کے آنسو صاف کیے پھر انہیں بٹھا کر پانی لے آئی۔

"لیجیے......! پانی پئیں......!"

"اذان ہوگئی کیا......؟" امی نے گلاس لیتے ہوئے پوچھا۔

"ہورہی ہے۔ آپ نماز پڑھیں میں جب تک روٹی ڈال دوں۔" وہ کہہ کر ان کے کمرے سے نکل آئی۔

○ ○ ○

حاکم کی بڑی آپا ثریا اپنے بچوں کے ساتھ آئی ہوئی تھیں۔ ان کی بیٹی شینا چاندنی کے برابر ہی تھی جبکہ ایک بیٹا اس سے بڑا اور ایک چھوٹا تھا۔ دونوں بیٹے افسر اور اصغر تو جب بھی آتے بابا یعنی اپنے نانا کے ساتھ ہی لگے رہتے اور شینا کی دوستی چاندنی کے ساتھ تھی۔ چاندنی بھی اس کی آمد پر بے پناہ خوش ہوتی کیونکہ اسے کھیلنے کے لیے اپنی ہم عمر ساتھی جو مل جاتی تھی۔ کھانا، سونا، جاگنا، کھیلنا سب ساتھ ہوتا۔ جتنے دن شینا رہتی حویلی میں دونوں کے قہقہے گونجتے رہتے۔ کسی وقت زینب کو بھی ساتھ ملا لیتیں۔

اس وقت تینوں ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتی ہوئی بارہ دری کی طرف نکل آئی تھیں۔

بارہ دری تین اطراف سے گھنے پیڑوں میں گھری ہوئی تھی۔ خصوصاً برسات کے دنوں میں اس خطے کی دلکشی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی جبکہ شام اُترنے پر ایک نامعلوم سا خوف محسوس ہوتا تھا۔ بے بے بھی چاندنی کو ادھر اکیلے نہیں جانے دیتی تھیں لیکن چاندنی کو یہی گوشہ سب سے زیادہ پسند تھا۔ گرمیوں کی تپتی دوپہر میں یہاں ہو کا عالم ہوتا تھا۔ ایسے میں چاندنی بے بے کے سونے کا انتظار کرتی اور جہاں ان کی آنکھ لگتی وہ دبے پاؤں کمرے سے نکلتی پھر بھاگتی ہوئی ادھر آتی تھی۔ اسے ہی کے ٹھنڈے ماحول سے زیادہ اسے گھنے پیڑوں کی چھاؤں میں بیٹھنا اچھا لگتا تھا جہاں کسی کسی وقت خنک پتوں کی سرسراہٹ سنائی دیتی تھی۔ اسے خاموشی میں یہ ہلکا سا ارتعاش بھاتا تھا اور کبھی آم کے پیڑ پر کوئل کوکتی تو بہت دیر تک اس کی کوک کی بازگشت سنائی دیتی تھی۔ بہر حال اس وقت نہ تو برسات تھی نہ تپتی دوپہر اور نہ گہری شام کا خوف، اوّلین بہار کی رخصت ہوتی دوپہر میں وہ تینوں بارہ دری کی سیڑھیوں پر آ بیٹھی تھیں۔

"زینب......! کچھ سناناں......!" شینا نے فرمائش کی تو وہ معنی خیز انداز میں بولی۔

"اب تو چاندنی سنائے گی......!"

"مجھے نہیں آتے ماہیے واہیے......!" چاندنی نے کہا تو زینب اسے کہنی مار کر بولی۔

"ماہیے سنانے کو تھوڑی کہہ رہی ہوں۔"

"پھر......!"

"وہ بات بتاناں جو اس دن مجھے بتائی تھی...... یا اسے پتا ہے......؟" زینب نے کہا تو شینا فوراً بولی۔

"مجھے نہیں پتا......اپنا کیا بات ہے......؟"

"امی سے پوچھ لے......!" چاندنی نے زینب کو گھور کر کہا تو وہ مزید کھلکھلا کر بولی۔

"چاندنی تیری مامی بننے والی ہے۔"

"کیا......؟" شینا اُچھلی۔

"ہاں ناں......! تجھے بے بے نے نہیں بتایا......؟"

"ہیں چاندنی......! یہ سچ کہہ رہی ہے......؟" شینا اس کا بازو ہلا کر پوچھنے لگی تو وہ شرمگیں مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"مجھے نہیں پتا......!"

"سب پتا ہے......! امی نے مجھے بتایا تھا۔"

"زینی کی بچی......!" وہ زینب پر جھپٹ پڑی۔

"میں نے اس لیے تجھے بتایا تھا......؟ آئندہ کوئی بات نہیں بتاؤں گی۔"

زینب اس کے نوچنے پر ہنسے جارہی تھی۔

"چل مامی......! بس کر......!" شینا نے اس کا بازو کھینچتے ہوئے کہا۔

"ہائے......!" وہ اس کے مامی کہنے پر زینب کو چھوڑ کر بھاگ گئی۔

"دیکھا کیسے شرما گئی......!" زینب نے فوراً اپنی بات سچ ہونے کا اشارہ دیا۔

"میں بے بے سے پوچھتی ہوں۔ چل تو بھی چل......!" شینا اسے اُٹھا کر بے بے کے پاس آئی تو بے بے آپا ثریا سے ہی بات کررہی تھیں۔

"میں نے حاکم سے بھی بات کرلی ہے۔ پہلے تو ہنسا پھر مان گیا۔"

"چلو یہ اچھا ہوا بے بے......! اپنے ہاتھوں کی پلی لڑکی ہے، قابو میں رہے گی۔" آپا ثریا نے کہا تو زینب کے اشارے پر شینا پوچھنے لگی۔

"کون امی......! کس کی بات کررہی ہیں......؟"

"اپنی چاندنی کی......!" آپا ثریا نے کہا تو بے بے بول پڑیں۔

"حاکم اور چاندنی کی شادی کی بات ہورہی ہے۔"

"ہائے......! سچ بے بے......! کب ہے شادی......؟" شینا نے خوشی کے اظہار کے ساتھ پوچھا۔

"عید کے مہینے کرنے کو کہہ رہے ہیں، تیرے نانا......!"

"پھر تو میں ادھر ہی آجاؤں گی بے بے......! روزے بھی یہیں رکھوں گی۔" شینا نے کہا تو آپا ثریا فوراً بولیں۔

"باپ سے پوچھ لینا......!"

"ابو منع نہیں کریں گے، کیوں بے بے......! میں آ جاؤں ناں......!"

"لے......! یہ کوئی پوچھنے کی بات ہے......! تیرا اپنا گھر ہے۔"

"ہاں بے بے......! فرحت اور عابدہ وغیرہ کو بھی بلا لینا۔ بڑا مزہ آئے گا۔" شینا نے اپنی خالہ زاد کے نام لئے۔

"سب آئیں گی، ایک ہی تو ماما ہے تمہارا......!" بے بے بہت خوش ہو رہی تھیں۔

"خوب دھوم دھڑکا کریں گے۔" شینا چہکی۔

"جیسا اُس کے پیدا ہونے پر ہوا تھا۔" آپا ثریا کہہ کر یوں ہنسیں جیسے انہیں وہ وقت یاد آ گیا ہو۔

"ماموں کے پیدا ہونے پر کیا ہوا تھا......؟" شینا شوق سے پوچھنے لگی۔

"لو......! کتنی بار تو بتا چکی ہوں۔ مہینوں مراثنیں آتی رہی تھیں۔ آخر میں تو ہم بہنیں اوپر برساتی میں جا بیٹھی تھیں اور ہمیں حاکم سے جلن بھی ہونے لگی تھی۔ کیوں بے بے......!"

"ہاں......! میں بھی تھک گئی تھی۔ بڑی مشکلوں سے جان چھوڑی تھی مراثنوں نے۔" بے بے نے تائید کی پھر شینا سے پوچھنے لگیں۔

"چاندنی ہے کہاں......؟"

"میں دیکھتی ہوں۔" وہ زینب کو اشارہ کر کے چاندنی کے پاس بھاگی۔

○○○

"نوی سو تو نہیں رہے۔" نوریہ نے نعمان کے کمرے میں جھانکا۔

"ماشاءاللہ......! پڑھائی ہو رہی ہے۔" نوریہ اندر آ کر بولی۔

"ڈونٹ ڈسٹرب می......!" نوی نے بغیر کسی حرکت کے کہا تو وہ قصداً انجان بن کر بولی۔

"ہیں......! یہ آواز کہاں سے آئی......؟" پھر اس کی ٹیبل کے قریب آ گئی۔

"تم بولے تھے......؟"

"کیا چاہتی ہو تم......؟" وہ اب سر اُٹھا کر اسے دیکھنے لگا۔

"مجھ سے باتیں کرو......!" وہ چیئر کھینچ کر بیٹھ گئی۔

"یہ باتیں کرنے کا کون سا وقت ہے......؟ جاؤ سو جاؤ......!" نعمان نے گھڑی اس کے سامنے کر کے وقت کا احساس دلانا چاہا تو وہ بیزاری شکل بنا کر بولی۔

"نیند نہیں آ رہی......!"

"کیوں؟"

"خوف سے......! جب بھی آنکھیں بند کرتی ہوں وہ منظر سامنے آ جاتا ہے۔ تین دن سے میرا یہی حال ہے۔" اس نے بتایا تو نعمان نے مذاق اُڑایا۔

"چہ چہ......! ڈرپوک......!"

"جی نہیں......! میں ڈرپوک نہیں ہوں۔ مجھے تو اب تک یہ افسوس ہو رہا ہے کہ میں بھاگی کیوں......؟ اس کے ہاتھ سے ریوالور چھین کر اسے مار کیوں نہ دیا......؟"

"ہاہاہا......!" وہ ہنسنے لگا۔

"تم مذاق سمجھ رہے ہو۔ یہ مذاق نہیں ہے۔ تم دیکھنا ایمان سے کسی دن......"

"بس بس......! زیادہ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں ہے اور اب تو تم یہ بھول جاؤ کہ تمہیں اکیلے کہیں جانے دیا جائے گا۔" نعمان نے کہا۔

"کون منع کرے گا......؟" اس کے لہجے میں بلا کی معصومیت در آئی تھی۔

"میں......! سب سے پہلے میں منع کروں گا۔" وہ زور دے کر بولا۔

"منع کرنے کا مطلب جانتے ہو۔ پھر تمہیں ہی میرے ساتھ چلنا پڑے گا کیونکہ مجھے تو جہاں ضروری جانا ہوگا وہاں ضرور جاؤں گی۔"

"میں ضرور لے جاؤں گا۔" وہ بے اختیار اسی کے انداز میں بول کر جھنجلا گیا۔

"چلو......! اب جاؤ یہاں سے۔"

"میں نہیں جا رہی۔" وہ مزید پھیل کر بیٹھ گئی۔

"ابھی پاپا آ جائیں گے۔"

"تو کیا ہوا......؟ تمہیں ڈانٹیں گے ناں......!" اس نے پہلے بے نیازی دکھائی پھر فوراً کہنے لگی۔

"نہیں......! مجھے بھی ڈانٹ سکتے ہیں۔ پتا ہے اس دن کیا کہہ رہے تھے......؟"

"کیا......؟"

"کہہ رہے تھے تم لوگ نوی کو اپنے ساتھ لگائے رکھتی ہو۔ کچھ اسے اپنے بارے میں سوچنے کے قابل بھی چھوڑو گی کہ نہیں۔" اس نے بہزاد چچا کے انداز میں بتایا تو وہ خجالت چھپانے کو بولا۔

"ٹھیک تو کہہ رہے تھے۔"

"ویسے تم نے کبھی اپنے بارے میں سوچا ہے......؟" وہ یکسر ان سنی کر کے پوچھنے لگی۔

"میں اپنے بارے میں نہیں سوچتا۔" وہ بے اختیار بولا تھا اور وہ اُچھل پڑی۔

"پھر کس کے بارے میں سوچتے ہو......؟"

"کسی کے نہیں......!"

"نوی......! پلیز مجھے چکر مت دو، سچ بتاؤ......!" وہ کہاں ٹلنے والی تھی۔

"کیا بتاؤں......؟"

"کس کے بارے میں سوچتے ہو......؟" وہ اب معنی خیز انداز میں بولی۔

"بس......! ہے کوئی......!" نعمان کے چہرے پر کسی خوبصورت جذبے کا عکس جھلملایا تھا۔

"کون......؟" وہ مزید متجسس ہوگئی۔

"یہ ابھی نہیں بتا سکتا۔"

"پھر کب بتاؤ گے......؟"

"وقت آنے پر......اور پلیز......! تم اصرار مت کرنا۔"

"اوں......! بہت بور ہو تم......! اچھا یہ تو بتا دو کیسی ہے......؟" وہ پھر بھی باز نہیں آئی۔

"اگر میں کہوں تمہارے جیسی......!" وہ ہونٹوں میں مسکراہٹ دبا کر بولا۔

"تو میں نہیں مانوں گی......!" وہ فوراً بولی۔

"کیوں......! تمہارے جیسی کوئی اور نہیں ہو سکتی......؟" نعمان نے محظوظ ہونے والے انداز میں ٹوکا تو وہ جھنجلا گئی۔

"میرا یہ مطلب نہیں ہے۔ میرے جیسی ہزاروں نہیں لاکھوں ہوں گی۔"

"پھر نہ ماننے کی وجہ......؟" وہ بھی پیچھے پڑ گیا تھا۔

"بھئی......! اگر تمہیں میرے جیسی پسند کرنی ہوتی تو پہلے مجھے...... میرا مطلب ہے، مجھ میں تو تمہیں کوئی خوبی نظر نہیں آتی پھر میرے جیسی میں کیا نظر آ گیا......؟" وہ جھنجلا کر بولتی ہوئی آخر میں چیخ پڑی۔

"تم بوری نہیں فضول بھی ہو......!" نعمان پورے دانت نکال کر ہنسنے لگا۔

"بتیسی اندر کرو......!" وہ مکا دکھا کر چیخی۔

"آہستہ......! ابھی پاپا آ گئے تو میرے ساتھ تمہاری ہنسی بھی سلامت نہیں رہے گی۔" اس نے ڈرایا تو وہ ہونٹ بھینچ کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"اچھا سنو......! تم نے اس دن جو بات کہی تھی......" قدرے توقف سے وہ اسے متوجہ کر کے پوچھنے لگا۔

"کون سی بات......؟" وہ درمیان میں بول پڑی۔

"وہی جو تم نے کہا تھا کہ خاندان میں شادی نہیں کروں گی۔"

"ہاں......! نہیں کروں گی۔" اس کے انداز میں حد درجہ بے نیازی تھی۔

"وجہ......؟" وہ قدرے سنجیدہ تھا۔

"بس......! میں چاہتی ہوں نئی زندگی میں سب کچھ نیا ہو۔ نئے لوگ، نیا ماحول، میں ان کے لئے نئی، وہ میرے لئے نئے۔" وہ اپنے انداز سے شروع ہوئی تھی پھر اچانک کھو سی گئی۔

"نئے کو پرانا ہونے میں کچھ وقت بلکہ کافی وقت لگے گا اور وہ کافی وقت میں سمجھتی ہوں۔ بہت خوبصورت ہو سکتا ہے، ہے ناں......!" آخر میں اسے دیکھا پھر ہنس پڑی۔

"یہ کیا کہہ گئی میں......؟"

"وہی جو تم سوچتی ہو......!" وہ ہنوز سنجیدہ تھا۔

"میں تو پتا نہیں کیا کیا سوچتی ہوں۔" وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"چلو سو جاؤ......! صبح تمہیں ڈیڈی کے ساتھ جانا ہے۔"

"ارے......! میں تو بھول ہی گیا تھا۔"

"کسی دن اپنے آپ کو نہ بھول جانا۔" وہ کہہ کر نعمان کے کمرے سے نکل آئی۔

○ ○ ○

حاکم علی نظریں اپنے نئے پروجیکٹ کے ماڈل پر جمی تھیں لیکن اس کا ذہن اب بھی اس لڑکی کو سوچ رہا تھا جو بادِ صبا کے مانند اس کے احساسات کو چھو گئی تھی اور یہ اس کے ساتھ پہلی بار ہو رہا تھا کہ وہ کسی کو اتنی شدت سے نہ صرف محسوس کر رہا تھا بلکہ مس بھی کر رہا تھا یعنی متضاد کیفیات ایک ساتھ تھیں۔ ایک پل میں وہ اسے بے حد قریب محسوس ہوتی تو اگلا پل درمیان میں صدیاں سمیٹ لاتا تھا۔

"کون تھی......؟ کہاں سے آئی تھی......؟ میں اس کا نام ہی پوچھ لیتا۔"

"اب کس نام سے اور کہاں کہاں پکاروں اسے......؟"

"اگر کبھی سرِ راہ مل گئی تو......!"

"ملے گی......! ضرور ملے گی......!" کبھی مایوسی، کبھی اُمید اور اُمید کے ساتھ ہی اس کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں تو سامنے بیٹھا منیجر چغتائی یہ سمجھا کہ وہ ماڈل سے مطمئن ہو گیا ہے۔ جب ہی پوچھنے لگا۔

"سر......! اس پر کام کب شروع کرنا ہے......؟"

"کس پر......؟" وہ چونک کر چغتائی کی طرف متوجہ ہوا۔

"یہ پروجیکٹ......!" چغتائی نے ماڈل کی طرف اشارہ کیا تو وہ گہری سانس کے ساتھ نفی میں سر ہلانے لگا۔

"سر......! میں نے اس کا پارکنگ ایریا......"

"ہاں......! لیکن یہاں اپارٹمنٹس نہیں بنیں گے۔" حاکم نے چغتائی کی بات کاٹ کر کہا تو وہ سوالیہ نشان بن گیا۔

"پھر......؟"

"اسے ہٹا دیں اور کسی ماہر آرکیٹیکٹ سے اس پورے رقبے پر ایک خوب صورت بنگلہ ڈیزائن کروا دیں۔" وہ کسی خوب صورت تصور میں کھو کر بولا۔

"کس کے لیے......؟" چغتائی نے برملا حیرت کا اظہار کیا۔

حاکم علی نے اسے یوں دیکھا جیسے حیران ہو رہا ہو کہ یہ تم نے ہی پوچھا ہے۔

"سوری سر......! آئی مین یہاں اپارٹمنٹس کی اسکیم بہت فائدہ مند ہے۔" چغتائی نے اپنی بات سنبھالتے ہوئے کہا۔

"آئی نو......! بٹ یو ڈونٹ نو ویٹ......!" وہ جانے کیا کہنے جا رہا تھا کہ یکدم بات بدل گیا۔

"آر یو میریڈ......! مسٹر چغتائی......!"

"نو سر......!" چغتائی کے لیے یہ سوال غالباً غیر متوقع تھا جب ہی اس کے چہرے پر کچھ حیرت کے آثار اُبھرے تھے۔

"کیوں......؟ آئی مین کوئی پرابلم ہے یا ذمے داریاں زیادہ ہیں......؟ کون کون ہے آپ کے گھر میں......؟" وہ پہلی بار اس سے ذاتی سوال کر رہا تھا۔

"زیادہ افراد نہیں ہیں سر......! میری والدہ ہیں اور ایک چھوٹی بہن۔"

"تو آپ بہن کی شادی کرنے کے بعد اپنی شادی کا سوچیں گے......؟" اس نے قیاس سے کہا۔

"میرا تو یہی خیال تھا لیکن میری والدہ اب میری شادی کرنا چاہتی ہیں۔" چغتائی نے بتایا تو وہ خوشی کے اظہار کے ساتھ بولا۔

"یہ تو اچھی بات ہے......! آپ کی اپنی پسند......؟"

"نو سر......! میں اپنی مدر اور سسٹر سے یہ اختیار نہیں چھیننا چاہتا۔ یہ ان کا حق ہے کہ وہ میرے لیے جسے چاہیں پسند کریں۔" چغتائی فوراً بولا۔

"گڈ......! مجھے اپنی شادی میں ضرور بلایئے گا۔"

"شیور سر......!" چغتائی مسکرایا۔ پھر اپنے طور پر جو سمجھا اسی حساب سے کہنے لگا۔

"میرا خیال ہے سر......! آپ یہ بنگلا اپنی مسز کے لئے بنوانا چاہتے ہیں۔"

"ہاہا......!" حاکم علی نے جاندار قہقہہ لگایا پھر اسی محظوظ انداز میں بولا۔

"آئی ایم اسٹل بیچلر مسٹر چغتائی......! اب پلیز حیران مت ہوئیے گا کیونکہ میں ابھی بوڑھا نہیں ہوا۔"

"نو سر......! یو آر ویری ہینڈسم......!"

"تو یہ بنگلا آپ کسی خاص ہستی کے لئے بنوانا چاہتے ہیں......؟" وہ پھر کہنے لگا۔

"ٹھیک سمجھے آپ......! دُعا کریں وہ مل جائے۔" حاکم علی کے لہجے میں ہلکی سی بے یقینی تھی۔ پھر فوراً بات بدل گیا۔

"اوکے مسٹر چغتائی......! آپ پہلے آرکیٹکٹ سے بات کریں لیکن آپ کو تو لندن جانا ہے۔"

"یس سر......!"

"ٹھیک ہے......! لندن سے واپسی پر پہلا کام یہی کیجیے گا۔"

"اوکے سر......!" چغتائی اُٹھ کھڑا ہوا اور حاکم علی پھر سے "اسے" سوچنے اور کھوجنے کی لطیف مصروفیت لے بیٹھا۔

○ ○ ○

شام اُتر رہی تھی جب حاکم علی کی لینڈ کروزر گیٹ سے اندر داخل ہوئی۔ آگے ڈرائیو وے پر اس کے بابا کی جیپ پہلے سے موجود تھی۔ اس نے ڈرائیور سے پوچھا۔

"بابا کب آئے......؟"

"دوپہر میں......!"

"اکیلے آئے ہیں یا کوئی اور بھی ساتھ ہے۔" اس نے پھر پوچھا اور جواب کا انتظار کیے بغیر گاڑی سے اُتر آیا۔ ملازم اس کا بریف کیس اُٹھانے کے لیے بھاگا آیا۔

"کوئی آیا تھا......؟" وہ گزشتہ چار دنوں سے گھر آتے ہی ملازم سے پہلا سوال یہی کر رہا تھا۔

"بابا صاحب آئے ہیں سرکار......!" ملازم نے یوں خوش ہو کر بتایا جیسے اسے انہی کا انتظار ہو۔

"مجھے معلوم ہے، اور کوئی......؟" اس نے کہا تو اب ملازم خائف ہو گیا۔

"اور تو جی کوئی نہیں......!"

"ہوں......!" وہ قدرے سست روی سے اندر کی طرف چل پڑا لیکن جب لاؤنج میں بابا کو بیٹھے دیکھا تو تیزی سے بڑھ کر ان کے پیر چھو لیے۔

"السلام علیکم بابا......!"

"جیتا رہ......! کیسا ہے تو......؟" بابا نے اس کا کندھا تھپک کر پوچھا تو وہ ان کے پاس بیٹھ گیا۔

"میں ٹھیک ہوں بابا......! آپ کیسے آئے......؟"

"تجھ سے ملنے کو دل چاہا، چلا آیا......!" بابا نے ہمیشہ والا جواب دیا پھر پرانی شکایت کی۔

"تیرا تو دل نہیں چاہتا ادھر آنے کو۔"

"بس بابا......! آپ کو تو پتا ہے میرا وہاں دل نہیں لگتا۔ خیر......! آپ بے بے کو بھی لے آتے۔" اس نے کہا۔

"تیری بے بے کہاں سفر کر سکتی ہے......؟ گڈی میں اس کا دل متلاتا ہے۔"

"ہاں......! اب بھی تانگے میں بیٹھتی ہیں۔" وہ محظوظ انداز میں ہنسا پھر پوچھنے لگا۔

"بے بے......! اچھی تو ہیں ناں......؟"

"ہاں......! اور آج کل تو بڑی خوش ہے۔ تیری شادی کی تیاریاں کر رہی ہے۔" بابا نے بتایا تو وہ قدرے حیرت سے بولا۔

"میری شادی......؟"

"ہاں بچہ......! تیری بے بے نے بات تو کی تھی تجھ سے، چاندنی کے لیے۔" بابا نے اسے یاد دلایا تو وہ خاموش ہو گیا۔

"چاندنی ماشاء اللہ سمجھدار ہو گئی ہے۔" قدرے توقف سے بابا نے ابھی اسی قدر کہا تھا کہ وہ بول پڑا۔

"کہاں سمجھدار ہو گئی ہے۔ ابھی تو میٹرک میں پڑھتی ہے۔ میرا خیال ہے اسے ابھی اور پڑھنے دیں۔"

"نہ بچہ......! زیادہ پڑھ لکھ جائے گی تو اپنا حق مانگنے لگے گی۔ بس اتنا بہت ہے۔ ویسے میں تو اسے اسکول ڈالنے کے حق میں بھی نہیں تھا۔ تیری بے بے کو شوق ہوا تھا اسے پڑھانے کا۔" بابا نے کہا تو وہ دل ہی دل میں ان کی سیاست کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکا۔ پھر پوچھنے لگا۔

"چاچا کی جاگیر وغیرہ کس کے نام ہے......؟"

"چاندنی کے......! چاندنی کی پیدائش پر ہی اس نے اپنا سب کچھ اس کے نام لکھ دیا تھا۔" بابا نے بتایا پھر آہ بھر کر بولے۔

"شاید اسے آگہی ہو گئی تھی کہ اس کی زندگی تھوڑی ہے۔ بڑا رحم دل تھا جوان۔ چاندنی بھی اسی پر گئی ہے۔"

"چاندنی......!" اس نے چاندنی کو سوچنا چاہا تو سیدھی مانگ کے ساتھ لمبی سی چوٹی کا تصور ہی ابھرا تھا کہ اس نے فوراً ناگواری سے سر جھٹک دیا اور اگلے پل گھنیری زلفوں کے پیچ و خم تھے۔

بابا گئے دنوں میں کھو کر جانے کیا کہے جا رہے تھے۔ پھر اچانک اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ بری طرح چونکا۔

"جی بابا......!"

"تو کپڑے بدل لے پھر کھانا کھاتے ہیں۔" انہوں نے کہا تو وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ پھر جاتے جاتے رُک کر پوچھنے لگا۔

"آپ ابھی رہیں گے نا بابا......!"

"تو آتا ہے تو کتنے دن رہتا ہے......؟" بابا نے ہلکے پھلکے انداز میں ٹوکا۔

"تو آپ بدلہ لے رہے ہیں......!" اس نے کہا تو بابا ہنسنے لگے۔

"اچھا میں چینج کر کے آتا ہوں۔ آپ فضل سے کہیں کھانا لگا دے۔" وہ کہہ کر آگے بڑھ گیا۔

بابا کو صبح ہی واپس جانا تھا اس لیے کھانے کے بعد وہ کچھ دیر ان کے پاس بیٹھا پھر اپنے کمرے میں آ گیا۔ موبائل پر ایس ایم ایس چیک کرتے ہوئے نشی کی مس کال دیکھ کر اس نے نمبر پش کر دیئے۔

"کہاں ہو......؟" نشی نے چھوٹتے ہی کہا۔

"گھر پر......!" وہ ایزی ہو کر بیٹھ گیا کیونکہ نشی لمبی گفتگو کرتی تھی۔

"میں آ جاؤں......!" نشی نے پوچھا تو وہ فوراً بولا۔

"نہیں......!"

"کیوں......؟"

"بابا آئے ہوئے ہیں۔" اس نے بتایا تو نشی خوش ہو کر بولی۔

"یہ تو اچھی بات ہے۔ میں بھی مل لوں گی ان سے۔"

"ابھی نہیں یار......! آئی مین ابھی ان کا موڈ ٹھیک نہیں ہے۔" اس نے کہا تو وہ مشکوک انداز میں بولی۔

"ٹال تو نہیں رہے......؟"

"تمہیں کیا لگ رہا ہے......؟" وہ اُلٹا اس سے پوچھنے لگا۔

"ابھی تو میں کچھ نہیں کہہ سکتی کیونکہ تم سامنے نہیں ہو ورنہ تمہارا چہرہ دیکھ کر بتا دیتی۔" وہ بہت اعتماد سے بولی تھی۔

"اچھا......! چہرہ شناس بھی ہو......؟" وہ ذرا سا ہنسا تھا۔

"جناب......! میری اس خوبی کے سب معترف ہیں۔" وہ اترا کر بولی۔

"اچھا......! میرے بارے میں کیا خیال ہے تمہارا......؟" وہ متجسس نہیں تھا بس یونہی پوچھ لیا تھا۔

"تم مجھے کبھی کبھی ہرجائی لگتے ہو۔" اس نے کہا تو ایک پل کو وہ ٹھٹکا اور اگلے پل زور سے ہنسا تھا۔

○○○

وہ دادی کے بالوں میں تیل لگاتے ہوئے مسلسل ان کے بالوں کی تعریف بھی کئے جا رہی تھی۔

"واہ......! اتنے گھنے، اتنے خوبصورت، آخر آپ نے کیا لگایا ہے دادی......! جو بڑھاپے میں بھی......نہیں خیر ابھی آپ بوڑھی تو نہیں ہوئیں۔" وہ آخر میں اپنی ہی نفی کرنے لگی۔

دادی اس کی نرم انگلیوں کے لمس سے لطف لے رہی تھیں جب ہی کچھ سن ہی نہیں رہی تھیں۔

"دادی......! آپ کے زمانے میں شیمپو تو تھا نہیں پھر آپ کے بال اتنے خوبصورت کیسے ہیں......؟" اب اس نے دادی کو پکار کر پوچھا۔

"لو......! اُلٹی بات کر رہی ہو۔ شیمپو ہی سے تو بال خراب ہوتے ہیں لیکن یہ بات آج کی لڑکیوں کی سمجھ میں نہیں آئے گی۔ بس بالوں کا ناس مارتی رہیں گی۔" دادی نے کہا تو وہ سامنے آئینے میں خود کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"خیر......! بال تو میرے بھی گھنے ہیں۔"

"میں نے حفاظت کی ہے تمہارے بالوں کی۔ روز تیل لگا کر چٹیا بنایا کرتی تھی لیکن جو یہ ابھی

میرے ہاتھ نہیں آئی۔ تیل سے بہت چڑتی تھی جب ہی اس کے بال روکھے ہیں۔ تم اب تیل لگاتی ہو کہ نہیں......؟" دادی نے پوچھا۔

"ہفتے میں ایک بار لگا لیتی ہوں۔"

"اچھا کرتی ہو......! خوب اچھی طرح مالش کیا کرو تب میری عمر کو پہنچو گی تو بھی بال ایسے ہی رہیں گے۔" دادی نے کہا۔

"میں آپ کی عمر کو بھی پہنچوں گی......؟" اس نے ہنس کر سوال کیا۔

"انشاءاللہ......!"

"ہائے......! نہیں دادی......! میرا تو دل چاہتا ہے ابھی مر جاؤں......!"

"اے اللہ نہ کرے......! منہ سے اچھی بات نکالو......!" دادی نے ڈانٹ دیا تو وہ محض انہیں چھیڑنے کی غرض سے بولی۔

"مرنے سے اچھی کیا بات ہو گی دادی......!"

"چل ہٹ......!" دادی نے اس کے ہاتھ جھٹکے تو وہ ہنستی ہوئی ان سے لپٹ گئی۔

"اوہ......! بڑے لاڈ ہو رہے ہیں۔ کبھی مجھے بھی لپٹا لیا کریں دادی......!" نعمان اپنے کمرے سے نکلا تھا اور نوریہ کو دادی سے لپٹتے دیکھ کر اگلے پل ایک ہی جست میں ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔

"تم کہاں سے ٹپک پڑے۔ ہٹو......! میں دادی کے ساتھ لاڈ کر رہی ہوں۔" اس نے نعمان کے بال کھینچ کر اسے ہٹانے کی کوشش کی تو وہ ہائے کی آواز نکال کر بولا۔

"دادی......! دیکھ رہی ہیں اسے......! کتنی بدتمیز ہے......!"

"اور بہت کچھ بھی کہہ ڈالو......!" نعمان نے اسے مزید اکسایا اور اس سے پہلے کہ وہ شروع ہوتی دادی نے ٹوک دیا۔

"بس......! خبردار جو ایک لفظ بھی کہا۔"

"مجھے کیوں ڈانٹتی ہیں......؟ اسے کیوں نہیں سمجھاتیں......؟" وہ روٹھے لہجے میں کہہ کر اسے گھورنے لگی تو وہ ہنس کر بولا۔

"میں سمجھا سمجھایا ہوں، ہیں ناں دادی......!"

"نہیں......! تم بھی کم نہیں ہو۔ چلو ہٹو یہاں سے۔" دادی اسے دھکیلنے لگیں۔

"یہ ایسے نہیں ہٹے گا دادی......! بہزاد چاچو کو بلائیں۔" اس نے کہا تو وہ یکدم اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"ارے......! میں نے تو ابھی بہزاد چاچا کا نام لیا ہے، وہ آئے تو نہیں۔" اس نے ہنس کر نعمان کا مذاق اڑایا لیکن پھر پریشان ہو گئی کیونکہ وہ ہونٹ بھینچ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"نوی......!" وہ ان سنی کرتا کمرے سے نکل گیا۔

"نوی......! سنو تو......!" وہ اس کے پیچھے بھاگی۔

○○○

رات دھیرے دھیرے بھیگ رہی تھی۔ اسے اچانک گھٹن کا احساس ہوا تو پردے کھینچ کر کھڑکی کھول دی۔ پورے چاند کی روشنی میں ہر شے دمک رہی تھی۔ اس کی نظریں ادھر ادھر بھٹکتی ہوئی چاند پر ٹھہریں۔ اس چھوٹے سے گول دائرے میں جانے کیسی دنیا آباد تھی۔ وہ سوچنے لگا تو اس کی سوچ کے ساتھ ہی اس دائرے میں منظر ابھرنے لگے تھے۔ بہت خوب صورت روشنیوں سے سجی شاہراہ تھی جس پر وہ چلتا چلا جا رہا تھا۔ آس پاس سے بے خبر کہ اچانک کسی نے دونوں بازو پھیلا کر اس کا راستہ روک لیا۔

"تم......!" وہ حیران ہوا پھر خوشگوار احساس میں گھر کر پہلے مسکرایا پھر اچانک اس کے اندر آزردگی گھر کرنے لگی اور اسی آزردگی میں وہ اسے پکارنے لگا۔ یکلخت آزردگی سمٹ گئی اور ہر طرف جگنو چمکنے لگے۔ وہ گہری سانس کھینچ کر کھڑکی کے پاس سے ہٹ گیا لیکن کھڑکی بند نہیں کی جبکہ باہر کی خنکی کمرے میں در آئی تھی۔ اس نے لائٹ آن کی پھر الماری کا لاک کھول کر سیاہ ڈائری نکال لی اور بیڈ پر خاصے آرام دہ انداز میں بیٹھ کر لکھنے لگا۔

"اے انجان لڑکی......! تمہیں شاید کبھی خبر نہ ہو کہ
تمہارا نام کچھ ایسے میرے ہونٹوں پہ کھلتا ہے
اندھیری رات میں جیسے
اچانک چاند بادل کے کسی کونے سے جھانکتا ہے
اور سارے منظروں میں روشنی سی پھیل جاتی ہے
کلی جیسے لرزتی اوس کے قطرے پہن کر مسکراتی ہے
بدلتی رت کسی مانوس سی آہٹ کی ڈالی لے کر چلتی ہے
تو خوشبو کے دھاگے سے میرا ہر چاک سلتا ہے
تمہارے نام کا تارا میری سانسوں میں کھلتا ہے
تمہیں میں دیکھتا ہوں جب سفر کی شام سے پہلے
کسی الجھی ہوئی گمنام سی چپ کے جادو میں
کسی سوچے ہوئے بے نام سے لمحے کی خوشبو میں......"

اچانک کسی آہٹ پر اس کا چلتا ہوا قلم رک گیا اور وہ چونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ پھر اٹھ کر دروازے سے باہر جھانکا۔ کہیں کوئی نہیں تھا تب واپس پلٹ کر اس نے پہلے ڈائری لاکر میں بند کی اور لائٹ آف کر کے بیڈ کی طرف بڑھا۔

⊖⊖⊖

حاکم علی کسی طرح اس لڑکی کو نہیں بھلا پا رہا تھا جو بس کچھ دیر کو اس کے گھر مہمان ہوئی تھی۔ جانے اس میں ایسی کیا بات تھی۔ وہ سوچتے سوچتے پریشان ہو جاتا اور پھر اس کے مقابل ان سب لڑکیوں کو لا کھڑا کرتا جو ایک سے بڑھ کر ایک حسین اور طرح دار تھیں لیکن آخر میں شکستگی کے احساس میں گھر کر خود سے اعتراف کرتا کہ بے شک سب بہت حسین ہیں لیکن اس جیسی کوئی نہیں۔

''میں اسے کہاں ڈھونڈوں......؟ دُنیا اتنی بڑی تو نہیں ہے پھر وہ تو اسی شہر میں رہتی ہے۔''

اُس وقت بھی وہ اسی سوچ میں تھا کہ اچانک اس کے ذہن میں جھماکا ہوا۔ اُمید کی ایک کرن نظر آئی کہ اس روز نوریہ نے اس کے ٹیلی فون سے دو جگہ فون کیا تھا اور پھر اس کے جاتے ہی حاکم علی نے سی ایل آئی سے وہ دونوں نمبر نوٹ کر لیے تھے اور اس وقت یہ خیال آتے ہی اس نے وہ نمبر رنگ کر ڈالا۔ وہ بہت پر اعتماد تھا یعنی اس کے اندر کہیں کوئی ایسا احساس نہیں تھا کہ وہ کسی اجنبی جگہ فون کر رہا ہے تو اسے سنبھل کر بات کرنی چاہیے۔ اس کے برعکس دوسری طرف سے ہیلو سنتے ہی وہ اسی اعتماد سے بولا تھا۔

''میں سردار حاکم علی بات کر رہا ہوں۔''

''جی......! کس سے بات کرنی ہے آپ کو......؟'' دوسری طرف نوریہ کی دوست روبی تھی۔

''یہ تو میں نہیں جانتا، آئی مین......! میں نام نہیں جانتا۔'' اس نے کہا تو روبی قدرے جھنجلا گئی۔

''کیا مطلب......؟ نام نہیں جانتے اور فون کر ڈالا۔''

''دیکھیں پلیز......! آپ میری بات سنیں......! میں اس لڑکی کی بات کر رہا ہوں جو کچھ دن پہلے میرے گھر آئی تھی اور اس نے میرے گھر سے آپ کے نمبر پر فون کیا تھا۔'' حاکم علی نے اس خیال سے کہ کہیں ادھر سے فون بند نہ ہو جائے، جلدی جلدی اپنی بات کہنے بلکہ اسے سمجھانے کی کوشش کی لیکن روبی شاید کچھ سمجھنے کے موڈ میں نہیں تھی۔

''مجھے کیا پتا آپ کے گھر کون لڑکی آئی تھی......؟'' روبی نے کہہ کر تڑاخ سے فون بند کر دیا۔

''شٹ......!'' وہ کچھ دیر جھنجلاتا رہا۔ پھر بار بار روبی کا نمبر ٹرائی کیا اور ہر بار ادھر سے رانگ نمبر

کہہ کر سلسلہ منقطع ہوتا رہا جس سے اس کے اندر غصے کے ساتھ ضد بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ یعنی کوئی ایسا بھی ہے جو سردار حاکم علی کو رانگ نمبر کہہ سکے۔ ایسی جرأت تو آج تک کسی نے نہیں کی تھی۔

''بہت مہنگی پڑے گی اسے یہ جرأت۔'' وہ مٹھیاں بھینچ کر بڑبڑایا، پھر ابھی دوسرا نمبر ڈائل کرنے جا رہا تھا کہ نشی کے آنے پر اس نے فون رکھ دیا۔

''کیا گوشہ نشینی اختیار کرنے کا ارادہ ہے......؟'' نشی نے آتے ہی کہا۔

''یہی سوچ رہا ہوں۔'' وہ محظوظ ہو کر بولا۔

''ہائے......! نہیں سردار......! تم نے اگر گوشہ نشینی اختیار کر لی تو ساری محفلیں بے جان ہو جائیں گی۔'' نشی نے بے ساختہ کہا۔

''ویسے ہوا کیا ہے......؟ آئی مین دل کو کوئی روگ تو نہیں لگ گیا......؟'' نشی نے رازداری سے پوچھا۔

''روگ تو نہیں، بس بے قراری سی بے قراری ہے۔'' حاکم علی نے کہہ کر گہری سانس کھینچی۔

''اس کا مطلب ہے تمہیں محبت ہو گئی ہے۔'' نشی نے فوراً اس کی بے قراری کو عنوان دے ڈالا۔

''محبت......؟'' حاکم علی سوچ میں پڑ گیا پھر اسی سوچتے ہوئے انداز میں آہستہ آہستہ نفی میں سر ہلانے لگا تو نشی چڑ کر پوچھنے لگی۔

''آخر تم محبت پر یقین کیوں نہیں رکھتے......؟''

''محبت ہے کہاں......؟ سب ضرورت کے رشتوں میں جڑے ہیں، ہمیں جب کسی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے ہم اسے یاد کر لیتے ہیں ورنہ خیال بھی نہیں آتا۔'' حاکم علی نے کچھ بیزاری سے کہا تو وہ فوراً بولی۔

''یہ تم اپنے بارے میں کہہ سکتے ہو۔''

''اور تم......؟'' وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

''میں تم سے اتفاق نہیں کرتی اور نہ ہی میں تم سے بحث کرنا چاہتی ہوں۔'' نشی نے کہا تو وہ مسکرا کر بولا۔

''کیوں تم مجھے قائل نہیں کر سکتیں......؟''

''وقت قائل کرے گا تمہیں......! پھر میں تم سے پوچھوں گی کہ محبت کیا ہے اور پتا ہے تم کیا کہو گے......؟'' نشی قدرے پرجوش ہو گئی تھی۔

''کیا......؟'' حاکم علی کی شریر مسکراہٹ اسے چڑانے والی تھی۔

''محبت روگ ہے، سوز ہے اور کبھی ایسا نشہ جو......''

''بس......!'' حاکم علی نے ہاتھ اُٹھا کر اسے مزید بولنے سے روک دیا تو وہ بے نیازی بن کر ادھر

اُدھر دیکھنے لگی پھر اُٹھتے ہوئے پوچھا۔

"اچھا......! ابھی تمہارا کیا پروگرام ہے......؟ کہیں چلو گے یا......"

"تم کہاں جارہی ہو......؟"

"میں ایئر پورٹ جاؤں گی، میری ایک دوست امریکا سے آرہی ہے، تم بھی چلو، ذرا آؤٹنگ ہی ہوجائے گی۔" نشی نے اپنا پروگرام بتا کر اسے بھی چلنے کو کہا تو وہ چند لمحے رُک کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

"چلو......! لیکن میری گاڑی میں چلنا پڑے گا۔"

"اور میری گاڑی......؟"

"وہ تم واپسی میں لے لینا۔" وہ اطمینان سے کہہ کر اس کے ساتھ باہر نکل آیا۔

تمام راستے نشی اسے اپنی دوست کے بارے میں بتاتی رہی۔ اس کا نام فارینہ ہے، وہ ہائر اسٹڈیز کے لیے امریکا گئی تھی، تین سال بعد واپس آرہی ہے وغیرہ وغیرہ! پھر آخر میں اسے متوجہ کرکے بولی۔

"سنو......! وہ بہت خوب صورت ہے اور جتنی خوب صورت ہے اس سے کہیں زیادہ مغرور۔"

"پھر......!" حاکم علی نے شیشے میں اسے دیکھا۔

"پھر یہ کہ وہ تمہیں گھاس نہیں ڈالے گی۔"

"ہاہاہا......!" حاکم علی نے حسبِ عادت قہقہہ لگایا۔

"تم ہنس کیوں رہے ہو......؟" وہ جزبز ہو کر بولی۔

"تمہاری سوچ پر......! تمہیں اب تک جان لینا چاہیے نشی......! کہ حاکم علی دل ہتھیلی پر نہیں لیے پھرتا بلکہ اس کے قدموں میں دل نکال کر رکھے جاتے ہیں۔" حاکم علی کے لہجے میں بلا کا تفاخر تھا۔

"جانتی ہوں......!" نشی نے بہت ضبط سے اعتراف کیا تو حاکم علی ٹوکنے سے باز نہیں آیا۔

"پھر تم نے ایسی بات کیوں کی......؟"

"کیونکہ فارینہ کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے۔"

"ہوگا......!" حاکم علی نے بے نیازی سے کہہ کر جھٹکے سے گاڑی روکی پھر اسے دیکھ کر بولا۔

"اگر تم کہو تو میں یہیں بیٹھ کر انتظار کرلیتا ہوں۔"

"نہیں......! یہاں بیٹھ کر کیا کرو گے......؟ چلو......!"

"اوکے......!" وہ گاڑی لاک کرکے اُتر آیا۔ پھر نشی کے ساتھ نسبتاً پُرسکون گوشے میں آیا تھا کہ اچانک اس کے اندر اس کی حاکمیت بولنے لگی۔

"کیا یہی میری حیثیت ہے کہ ایک لڑکی کے کہنے پر میں انتظار گاہ پر آ کھڑا ہوا ہوں......؟"

"نہیں......! میں صرف اپنا دھیان بٹانے کی خاطر......" وہ اپنی صفائی پیش کرنے جارہا تھا کہ اچانک بھیڑ میں ایک پل کو اسے وہ چہرہ نظر آیا جو اس کے حواسوں پر چھا گیا تھا اور پھر اسے کچھ یاد نہیں رہا

کہ وہ کہاں کھڑا ہے اور اس کے ساتھ بھی کوئی ہے وہ اسے ڈھونڈنے لگا اِدھر اُدھر، لوگوں کے ہجوم میں، اس کی نظریں بے قراری سے بھٹک رہی تھیں۔

"سردار......! کیا ہوا سردار......!" نشی پوچھ رہی تھی لیکن اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا، وہ بس اسے ڈھونڈ لینا چاہتا تھا لیکن ایک پل میں وہ جانے کہاں غائب ہوگئی تھی۔ حاکم علی کی بے قرار نظریں بالآخر مایوس ہو کر نشی پر آن ٹھہریں۔



جویریہ اور عباد حسن ہنی مون سے واپس لوٹے تھے۔ نوریہ، نعمان، مریم اور شوبی! یہ چاروں اس کے استقبال کو ایئر پورٹ پر موجود تھے۔ نوریہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ راستے ہی میں جویریہ سے تمام روداد سن لے لیکن عباد حسن کی شخصیت میں جو محبت بھرا رعب تھا وہ اس کے اشتیاق پر بند باندھ رہا تھا۔ پھر بھی وہ جویریہ کے کان میں سرگوشیاں کرنے سے باز نہیں آرہی تھی۔

نعمان ڈرائیو کرتے ہوئے بار بار ویومرر میں اسے دیکھ رہا تھا۔ تمام راستے تو کچھ نہیں کہا مگر جب گھر کے گیٹ پر گاڑی روکی تب اس کی طرف گھوم کر بولا۔

"سنو......! گھر آ گیا ہے۔ اب جی بھر کے باتیں کرلینا۔"

"ہاں......! چلو جوجی......! جلدی اندر چلو......!" اس نے جویریہ کا ہاتھ پکڑ کر اترنا چاہا تو ادھر سے مریم جویریہ کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

"سنو......! اب یہ ہماری ہیں، ہمارے ساتھ جائیں گی۔"

"زیادہ اترانے کی ضرورت نہیں، چلو جوجی......!" وہ زبردستی جویریہ کو کھینچتی ہوئی اندر لے آئی تو بڑے پاپا اور بڑی امی بھی اُدھر ہی موجود تھے دادی کے پاس۔ پھر رات تک یہیں نشست جمی رہی۔ اس دوران وہ جھنجلائی پھرتی رہی۔ آخر میں منہ پھلائے ہوئے اُوپر آ گئی۔ لیکن رات میں اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی جب جویریہ اس کے کمرے میں آئی۔

"میں نے عباد سے کہہ دیا ہے کہ میں دو دن تمہارے ساتھ رہوں گی۔" جویریہ نے کہا تو وہ اس سے لپٹ گئی۔

"سچ جوجی......! ایمان سے میں تمہیں بہت مس کررہی تھی۔"

"مجھے پتا ہے میں جب بھی فون کرتی تھی امی یہی بتاتی تھیں کہ تم بولائی بولائی پھرتی ہو۔" جویریہ نے کہا تو وہ فوراً بولی۔

"اکیلی جو ہوگئی ہوں......!"

"کوئی اکیلی نہیں ہو۔ ماشاء اللہ......! سب ہیں۔ خیر چھوڑو......! یہ بتاؤ......! تمہارے ساتھ کیا ہوا تھا......؟ گاڑی چھن گئی......؟" جویریہ نے پوچھا۔

''ہاں جوجی......! بڑا خوف ناک واقعہ ہوا تھا۔ تین دن تو مجھے نیند ہی نہیں آئی۔ جہاں آنکھیں بند کرتی وہی منظر سامنے آ جاتا، لیکن میں نے کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیا کہ میں اندر سے کتنی خوفزدہ ہوں۔ خیر اللہ کا شکر ہے کہ اب میرا خوف دُور ہو گیا۔''

''تمہارا تو دُور ہو گیا ہے، لیکن امی ابھی تک ڈری ہوئی ہیں۔'' جویریہ نے کہا۔

''تم سے کس نے کہا......؟'' وہ کچھ حیرت سے پوچھنے لگی۔

''خود امی نے......اور امی چاہتی ہیں بس اب تم گھر بیٹھو۔'' جویریہ کی بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

''کیا مطلب......؟''

''مطلب یہ ہے کہ تم یونیورسٹی جاتی ہو اور جب تک واپس نہیں آ جاتیں امی کی جان سولی پر ٹنگی رہتی ہے، اس لیے اگر تم......''

''بس......!'' اس نے فوراً سمجھتے ہی جویریہ کو ٹوک دیا۔

''میں پڑھائی نہیں چھوڑ سکتی اور ابھی تو مجھے اور بہت سارے کورسز کرنے ہیں اور وہ سب گھر بیٹھ کر تو نہیں ہوں گے۔''

''کوئی ضرورت نہیں مزید کوئی کورس کرنے کی۔ یہاں امی سارا وقت پریشان رہتی ہیں۔ تمہیں ان کا خیال کرنا چاہیے۔'' جویریہ نے اب سے سمجھانے کی کوشش کی۔

''تم فکر مت کرو۔ امی کو میں سمجھا دوں گی بلکہ تم بھی سمجھانا کہ اگر ایک بار میرے ساتھ کوئی حادثہ ہو گیا ہے تو اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ میں جب بھی باہر نکلوں گی کوئی ٹی ٹی لے کر میرے سامنے آ جائے گا۔ پھر میں یونیورسٹی کے علاوہ اور جاتی کہاں ہوں......؟ سارا وقت گھر پر ہی تو رہتی ہوں۔'' آخر میں اس کے لہجے میں قدرے ناراضگی سمٹ آئی تھی۔

''اچھا......! ناراض تو مت ہو، میں امی کو سمجھا دوں گی۔'' جویریہ نے اس کا کان چھوا تو وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

''ابھی تو میں نے سارے حالات کسی کو نہیں بتائے بس یہی بتایا کہ نومی آ گیا تھا اور میں اس کے ساتھ گھر آ گئی۔''

''تو ایسا نہیں ہوا تھا......؟'' جویریہ نے حیرت سے پوچھا۔

''نہیں جوجی......! نومی کو تو میں نے بعد میں بلایا تھا پہلے تو میں بھاگتے بھاگتے کسی کے گھر میں داخل ہو گئی۔ پھر وہاں جب میرے حواس ٹھکانے آئے تو میں نے نومی کو فون کیا تھا۔'' وہ بتاتے ہوئے خود ہی کھنگی پھر اسی انداز میں بتانے لگی۔

''جوجی......! اس اتنے بڑے گھر میں صرف دو آدمی تھے ایک تو مجھے دیکھتے ہی چلا گیا اور دوسرا......''

''دوسرا......؟'' اسے سوچتے دیکھ کر جویریہ نے ٹوکا تو وہ جیسے بچھ نہ پا رہی ہو۔

''پتا نہیں جوجی......! وہ کچھ عجیب سا لگ رہا تھا، پُراسرار سا۔ اس کی آنکھوں میں سرخی تھی۔ ایک پل کو مجھے ایسا لگا تھا جیسے میں کسی بڑی مشکل میں پھنس گئی ہوں۔ لیکن شکر ہے کہ جلدی میرے ذہن نے کام کرنا شروع کر دیا اور میں نے نومی کو فون کر ڈالا۔''

''چلو......! جو بھی ہوا، آئندہ بہرحال تم اکیلی کہیں نہیں جاؤ گی۔'' جویریہ نے کہا لیکن اس کا ذہن وہیں اٹک گیا یعنی جو بات اس نے پہلے محسوس نہیں کی تھی وہ اب سوچ رہی تھی کہ وہ جس گھر میں گئی تھی وہاں اس کے لیے زیادہ خطرہ تھا۔

''نور......!'' جویریہ نے اس کا ہاتھ ہلایا۔

''کیا سوچنے لگیں......؟''

''ہاں......! کچھ نہیں......!'' وہ چونک کر زبردستی مسکرائی۔

''چلو اب سوتے ہیں، لائٹ آف کر دو۔'' جویریہ نے لیٹتے ہوئے کہا تو اس نے اٹھ کر لائٹ آف کی پھر جویریہ کے برابر آ لیٹی تو اندھیرے میں سرخی مائل آنکھوں کا تصور پھر اسے خوفزدہ کرنے لگا۔

○ ○ ○

کبھی کبھی زندگی میں ایسے موڑ اور واقعات آتے ہیں کہ جو کبھی خوف کی جھرجھری بن کر، کبھی دلکش یاد بن کر اور کبھی تلخ چبھن بن کر انسان کی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ نوریہ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا اور عجیب بات یہ تھی کہ پہلے اس نے جس بات کو اہمیت نہیں دی تھی اب وہی اسے زیادہ خوفزدہ کر رہی تھی یعنی حاکم علی کا پُراسرار وجود۔ اب پتا نہیں وہ واقعی پُراسرار تھا یا اسے محسوس ہوتا تھا۔ وہ بہرحال بیٹھے بیٹھے یوں چونکتی تھی جیسے وہ اس کا تعاقب کرتا آ رہا ہو۔

اس وقت بھی وہ ایسے ہی کسی احساس سے بے چین ہو رہی تھی کہ فون کی بیل نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کرا لی۔ بلا ارادہ ہی اس نے فوراً ریسیور اُٹھایا۔

''ہیلو......!''

''خیر سے زندہ ہو......! میں تو سمجھی مر مرا گئی۔'' روبی کی آواز سن کر اس کی جان میں جان آئی۔

''تمہاری دُعائیں کام آ گئیں ورنہ تو سچ مچ مر ہی گئی تھی۔''

''ہوا کیا تھا اس دن......؟ کہاں پھنس گئی تھیں......؟'' روبی نے پوچھا تو اس کی نظروں میں منظر گھوم گیا۔

''بس کیا بتاؤں یار......! اس دن جب میں تمہارے گھر آ رہی تھی تو راستے میں میری گاڑی چھن گئی۔ آئی مین ایک آدمی نے ٹی ٹی دکھا کر......''

''کیا......؟''ٹی ٹی کے نام پر روبی کے منہ سے چیخ نما آواز نکلی۔

''ہاں یار......! ایسا ہی ہوا تھا۔ جب ہی تو اس دن کے بعد سے میں کہیں نکلی ہی نہیں۔'' نوریہ نے کہا۔

''مجھے فون بھی اسی لیے نہیں کر رہی تھیں......؟'' روبی شاکی ہو کر بولی۔

''نہیں......! خیر فون تو میں نے کیا تھا تم گھر پر نہیں تھیں۔''

''ہاں......! امی نے بتایا تھا۔ خیر تم بتاؤ......! ٹی ٹی دیکھ کر تمہاری فیلنگ کیا تھیں۔ آئی مین انگلی کی ایک جنبش پر جب زندگی کی بقاء اور فناء ہو تو کیا احساسات ہوتے ہیں......؟'' روبی کا انداز ایسا تھا جیسے اپنی معلومات میں اضافہ چاہ رہی ہو۔

''مائی گاڈ......! ایسی صورتِ حال میں حواس کہاں ٹھکانے رہتے ہیں جو کوئی احساس پیدا ہوتا......؟'' وہ جھنجلا کر بولی۔

''اچھا......! یہ تو بتاؤ اس نے تمہیں چھوڑ کیسے دیا......؟'' روبی اب اسے چھیڑنے کے موڈ میں آ گئی تھی لیکن وہ سمجھی نہیں۔

''یہ اللہ کا احسان ہے روبی......! کہ میں ایک لمحے میں گاڑی چھوڑ کر بھاگ کھڑی ہوئی اور بھاگتے جو در کھلا ملا اس میں گھس گئی۔'' وہ اپنی دُھن میں بتاتے ہوئے اس مقام پر پھر ٹھٹکی۔

''پھر......!'' روبی نے ٹوکا تو وہ سوچتے ہوئے انداز میں گویا ہوئی۔

''پتا نہیں روبی......! مجھے اب ایسا کیوں لگنے لگا ہے جیسے میں پہلے سے زیادہ مشکل میں گھر گئی۔ آئی مین اس گھر میں داخل ہو کر حالانکہ اس شخص نے مجھ سے کوئی ایسی بات نہیں کی تھی، پھر بھی اسے سوچ کر میں خوفزدہ سی ہو جاتی ہوں۔''

''کیسا تھا وہ......؟ کیا بہت خوفناک......؟'' روبی نے پوچھا تو وہ اسی سوچتے انداز میں بولی۔

''نہیں......! بہت ہینڈسم......!''

''پھر ڈرنے کی وجہ......؟''

''پتا نہیں......! بس ایسا لگتا ہے جیسے وہ میرا تعاقب کر رہا ہو۔'' اس نے کہا تو روبی ایک دم یاد آنے پر اُچھل کر بولی۔

''ہاں ہاں......! وہ واقعی تمہارا تعاقب کر رہا ہے۔''

''کیا مطلب......؟ تمہیں کیسے پتا......؟'' وہ پریشان ہو گئی۔

''میرے ہاں پچھلے تین دنوں سے کوئی فون کر رہا ہے اور ایک ہی بات کہتا ہے کہ مجھے اس لڑکی سے بات کرنی ہے جو کچھ دن پہلے میرے گھر آئی تھی۔ یہ یقیناً اسی آدمی کا فون ہوگا۔'' روبی نے بتایا۔ وہ مزید پریشان ہو گئی۔

''لیکن روبی اس کے پاس تمہارا نمبر......؟''

''کیوں......! تم نے مجھے اس کے گھر سے فون نہیں کیا تھا......؟ اس نے سی ایل آئی سے نمبر نوٹ کر لیا ہوگا۔''

''ہاں......! لیکن تم نے اسے بتایا تو نہیں...... میرا مطلب ہے میرے بارے میں۔''

اس کے خائف انداز پر روبی ہنسنے لگی۔

''یار......! تمہیں کیا ہو گیا ہے......؟ اتنی ڈرپوک کب سے ہو گئیں......؟''

''میں ڈرپوک نہیں ہوں۔'' وہ رُوٹھے لہجے میں بولی۔

''پھر یہ سب کیا ہے......؟ ایک آدمی جو بقول تمہارے ہینڈسم بھی ہے وہ اگر تمہارا تعاقب کر رہا ہے تو اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے......؟ تمہاری جگہ اگر میں ہوتی ناں......''

''تو فوت ہو چکی ہوتی۔'' نوریہ نے بات کاٹ کر فوراً کہا تو روبی زور سے ہنسی۔

''سنو......! خبردار جو اسے میرے بارے میں بتایا۔'' اس نے روبی کو متوجہ کر کے حکم دینے والے انداز میں کہا لیکن اس پر ذرا اثر نہیں ہوا۔ مزے سے بولی۔

''میں تو ضرور بتاؤں گی......!''

''کیا......! کیا بتاؤ گی......؟'' اس کا غصہ لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا۔

''یہی کہ تمہارا نام نوریہ ہے۔ انگلش میں ماسٹرز کر رہی ہو اور......''

''شٹ اپ......!'' اس نے ریسیور پٹخ دیا اور جیسے ہی پلٹی نعمان کو سامنے کھڑے دیکھ کر بقیہ غصہ اس کی طرف منتقل ہو گیا۔

''تم......! تم یہاں کیا کر رہے ہو......؟''

''تمہاری باتیں سن رہا تھا۔'' وہ اطمینان سے بولا۔

''مم......میری باتیں......! کیا سنا تم نے......؟'' وہ بری طرح خائف ہوئی۔

''بہت کچھ......!'' وہ اترایا۔

''یہ نہیں بتاؤں گا۔'' وہ یہ کہہ کر پلٹ گیا تو وہ اس کے پیچھے بھاگی۔

''نومی......! نومی رُکو......! دیکھو اگر نہیں بتاؤ گے تو......'' وہ اس کے پیچھے سیڑھیاں اُترتی ہوئی مسلسل بولے جا رہی تھی۔

کوریڈور میں نعمان نے ایک بار پلٹ کر اسے دیکھا پھر انگوٹھا دکھاتا ہوا باہر بھاگ گیا تو وہ تلملا کر رہ گئی اور منہ ہی منہ میں گالیاں دیتے ہوئے یونہی اس کی نظریں آسمان کی طرف اُٹھ گئیں اور یک لخت ساری کلفت بھول کر بھاگتی ہوئی لان میں آ گئی۔ کیونکہ گہرے سرمئی بادل یوں جھوم کر آ رہے تھے جیسے ابھی ٹوٹ کر برس پڑیں گے۔ ساتھ تیز ہوا نے فضا میں عجیب سی نغمگی پھیلا دی تھی۔ وہ دونوں بازو پھیلا کر

موسم انجوائے کرتے ہوئے ردا کو پکارنے لگی۔

''ردا......! ردا......! جلدی باہر آؤ......!''

''کیا مصیبت آن پڑی......!'' ردا اس کے چلانے پر جھنجلائی ہوئی آئی۔

''بادل دیکھو......! اب خوب جم کر بارش ہوگی۔'' وہ خوش ہو کر بولی۔

''بس رہنے دو......! یہاں بادل صرف ہمیں چڑانے آتے ہیں۔'' ردا نے گھرے بادلوں کو دیکھ کر برا سا منہ بنایا۔

''نہیں ردا......! یہ چڑانے والے بادل نہیں ہیں، دیکھنا ابھی......'' کال بیل کی زوردار آواز سے اس کی بات اُدھوری رہ گئی۔

''جاؤ گیٹ کھولو......! بارش گیٹ کے راستے اندر آنا چاہتی ہے۔'' ردا نے ہنس کر کہا تو وہ وہیں گھاس پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔

''میں تو نہیں کھولوں گی۔ نومی ہوگا، کھڑا رہے باہر......! اس کی یہی سزا ہے۔ تم بھی مت کھولنا۔''

بیل کی آواز دوبارہ گونجی تو ردا گیٹ کی طرف بھاگی جبکہ وہ چہرہ دوسری طرف موڑ کر منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے لگی۔

''نور......!'' چند لمحوں بعد ردا نے پکارا تو وہ اسے دیکھتے ہی کچھ سخت کہنا چاہتی تھی کہ اس کے ساتھ کھڑی خاتون اور ایک لڑکی پر نظر پڑتے ہی وہ بلاارادہ فوراً کھڑی ہو کر بولی۔

''السلام علیکم......!''

''خوش رہو......!'' خاتون نے دُعا دی۔

''آپ نوریہ حسن ہیں ناں......!'' لڑکی نے گویا تصدیق چاہی تو وہ چونک کر اس کی جانب متوجہ ہوئی۔

''جی......! آپ مجھے کیسے جانتی ہیں......؟''

''میں نے آپ کو یونیورسٹی میں دیکھا ہے کئی بار۔ آپ مجھے اچھی لگیں تو آج میں آپ کے گھر چلی آئی۔'' لڑکی نے آخر میں قدرے شوخی سے کہا تو وہ بے ساختہ مسکرائی۔

''تھینک یو......! آپ کا نام......؟''

''میرا نام سعدیہ ہے اور یہ میری امی ہیں۔'' لڑکی نے اپنی امی کی طرف اشارہ کیا۔

''کیا ساری باتیں یہیں کھڑے ہوں گی......؟'' ردا نے نوریہ کو کہنی مارتے ہوئے کہا تب وہ فوراً بولی۔

''ہاں......! میں بھی یہی کہنے والی تھی۔ آیئے آنٹی......! اندر چلیں......!''

''یہ تمہاری بہن ہے......؟'' آنٹی نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے ردا کے بارے میں پوچھا۔

''جی......! میری چچازاد بہن ہے۔'' اس نے بتایا تو وہ پھر پوچھنے لگیں۔

''تمہارے ساتھ رہتی ہے......؟''

''ہم سب ساتھ رہتے ہیں آنٹی......! یہ برابر والے بنگلے میں میرے بڑے پاپا رہتے ہیں۔ یہاں دادی اور چاچو کی فیملی ہے اور اوپر میں اپنے ممی ڈیڈی کے ساتھ رہتی ہوں۔'' اس نے ڈرائنگ روم تک آتے آتے سارا تعارف کرا ڈالا۔

''ماشاءاللہ......!'' آنٹی خاصی متاثر ہو رہی تھیں۔

''آپ آرام سے بیٹھیں آنٹی......! میں امی کو لے کر آتی ہوں۔'' اس نے کہا تو ردا اس کا ہاتھ دبا کر بولی۔

''تم رکو......! چچی کو میں بلاتی ہوں۔''

''بیٹا......! اپنی دادی کو بھی یا مجھے ان کے پاس لے چلو۔'' آنٹی نے کہا۔

''دادی بھی آجائیں گی۔'' ردا کہتے ہوئے چلی گئی تو وہ ہنس کر بولی۔

''ہماری دادی ماشاءاللہ بہت اسمارٹ ہیں۔ آپ کو ان سے مل کر خوشی ہوگی۔''

''یقیناً......! تمہارے کتنے بہن بھائی ہیں......؟'' آنٹی نے تائید کے ساتھ پوچھا۔

''ہم بس دو بہنیں ہیں۔ جویریہ مجھ سے بڑی ہے۔ اس کی ابھی دو مہینے پہلے شادی ہوئی ہے۔'' اس نے بتایا تو آنٹی خوشی کا اظہار کر کے پوچھنے لگیں۔

''ماشاءاللہ......! کہاں کی اس کی شادی......؟''

''یہیں......! بڑے پاپا کے گھر......!''

''یعنی تمہارے تایا......؟''

''جی جی......! یہ ساتھ والا بنگلہ، ابھی میں نے آپ کو دکھایا تھا ناں......!'' اس نے کہا تو سعدیہ فوراً کسی خیال کے تحت پوچھنے لگی۔

''کہیں آپ کی بھی منگنی تو نہیں ہوگئی......؟'' سعدیہ کا انداز گو کہ مقابل کو بہت کچھ سمجھا دینے والا تھا لیکن وہ جانے کس دھن میں تھی کہ کچھ ہی نہیں اور ابھی اس کی بات کے جواب میں نہیں کہنے جارہی تھی کہ امی اور دادی کی آمد پر اس کا دھیان اُدھر منتقل ہو گیا۔

''یہ میری امی ہیں اور یہ دادی......!'' وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر تعارف کرانے لگی۔

''امی......! یہ سعدیہ ہے، میرے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتی ہے۔''

''السلام علیکم......!'' دادی دُعا دے کر بیٹھیں تو سعدیہ کی امی کو دیکھنے لگیں۔

''اماں جی......!'' سعدیہ کی امی دادی کے دیکھنے پر فوراً شروع ہو گئیں۔

''مجھے گھما پھرا کر بات کرنی نہیں آتی۔ سیدھی سی بات ہے کہ میں آپ کے گھر سوالی بن کر آئی

ہوں آپ کی اس پوتی کے لیے۔"

"مائی گاڈ......!" نوریہ نے بے حد سٹپٹا کر سعدیہ کو دیکھا اور اس کی معنی خیز مسکراہٹ سے مزید گھبرا کر فوراً ڈرائنگ روم سے نکل آئی۔ حقیقتاً اس کے گمان میں بھی نہیں تھا اور نہ اسے شبہ ہوا تھا کہ یہ لڑکی سعدیہ ایسے کسی مقصد سے اس کے گھر تک آ جائے گی۔

"ردا......! ردا......!" وہ ردا کے کمرے کا دروازہ دھکیلتی ہوئی اندر آئی تو وہ اسے دیکھتے ہی پوچھنے لگی۔

"کیا ہوا......؟ بات پکی ہو گئی۔"

"ہائیں......!" وہ اُچھل پڑی۔

"تمہیں پتا تھا کہ سعدیہ اس مقصد کے لیے آئی ہے......؟"

"پہلے سے تو خیر نہیں پتا تھا۔ سعدیہ کی باتوں سے اندازہ ہو گیا کہ وہ تمہیں بھابی بنانا چاہتی ہے۔" ردا محظوظ ہو کر بولی۔

"تو تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا......؟ میں خواہ مخواہ ان کے سامنے......" وہ اپنے آپ میں جھنجلانے لگ گئی۔

"کیا کیا......؟ ان کے سامنے کوئی حماقت تو نہیں کی......؟"

"پتا نہیں......! ایسے ہی فضول بولتی رہی۔ خیر......! اب تم جا کر سنو کیا باتیں ہو رہی ہیں......؟" اس نے کہا تو ردا نروٹھی بن گئی۔

"میں کیوں سنوں......؟"

"میری اچھی بہن......! پلیز......!" اس کی لجاجت پر ردا ہنستی ہوئی چلی گئی۔

○ ○ ○

چاندنی کی زندگی میں پہلے بھی کوئی فکر، پریشانی نہیں تھی لیکن اب تو اسے خود زندگی خوب صورت لگنے لگی تھی۔ شاید اس لیے کہ اس کی تنہائیاں بھی رنگین تھیں حاکم علی کے تصور سے۔ وہ شخص جس کی آمد پر وہ حتی الامکان اس کا سامنا کرنے سے گریز کرتی تھی۔ اب اس کے آنے کی شدت سے منتظر رہنے لگی تھی۔ کبھی کبھی تو اس کا دل چاہتا بے بے کو جھنجوڑ کر پوچھے کہ حاکم کب آئے گا اور کئی بار تو اس نے بے اختیار بے بے کے کندھے تھامے لیکن پھر خود ہی پریشانی ہو جاتی۔

"کیا بات ہے چاندنی......؟" اس وقت بے بے نے ٹوکا تو وہ نظریں چرا گئی۔

"کچھ نہیں......!"

"ناں پتر......! تو مجھے پریشان لگ رہی ہے۔" بے بے نے پیار سے اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھاما تو وہ اُلجھ کر بولی۔

"پریشان نہیں ہوں بے بے......! بس میرا دل گھبرا رہا ہے۔"

"ہائے ربا......!" بے بے پریشان ہو گئیں۔

"تو پھر اکیلی بارہ دری میں جا بیٹھی ہو گی......؟ کتنی بار منع کیا ہے تجھے ادھر نہ جایا کر۔"

"اوہو......! بے بے......! تجھے تو وہم ہو جاتے ہیں۔" وہ عاجز آ کر بولی۔

"وہم نہیں ہوتے، چل میرے ساتھ......!" بے بے نے جھٹ اپنا برقعہ اُٹھایا تو وہ حیران ہوئی۔

"کہاں......! کہاں چلوں......؟"

"مرشد سائیں کے پاس......! تجھے دم کرا دوں۔" بے بے نے برقعہ اوڑھتے ہوئے کہا۔

"میں نہیں جاتی، تو آپ ہی چل جا......!" وہ اُکتا کر بولی۔

"لے......! دم تجھے کرانا ہے میں اکیلی جا کر کیا کروں گی......؟ چل شاباش......!" بے بے نے پیار سے کہا تو وہ نا چاہتے ہوئے بھی چادر اوڑھ کر ان کے ساتھ چل پڑی۔

وسط مئی کی تپتی دوپہر تھی۔ مرشد سائیں کے ڈیرے پر ہو کا عالم تھا اِکا دُکا آدمی جو مستقل یہیں ڈیرہ جمائے رکھتے تھے، وہی ہینڈ پمپ سے پانی بھرتے نظر آئے تھے اور چاندنی پہلی بار یہاں نہیں آ رہی تھی، بچپن سے اس کا یہاں آنا جانا تھا کیونکہ بے بے اور بابا بھی مرشد سائیں کے بڑے معتقد تھے۔ بے بے تو ذرا ذرا سی بات کے لیے ان کے پاس بھاگی آتی تھیں۔ جیسے ابھی چاندنی کو لے کر چلی آئی تھیں۔

"کیا بات ہے......؟" مرشد سائیں ہمیشہ سے نرم خو تھے اور ایسی ہی نرم مسکراہٹ ان کے چہرے پر چمکتی تھی۔

"سائیں......! بچی پر نظر کریں......؟" بے بے نے چاندنی کو آگے کرتے ہوئے کہا۔

"ادھر آ......!" مرشد سائیں نے چاندنی کو اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ چپ چاپ بیٹھ گئی۔

"کیا ہوا ہے تجھے......؟" انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر پوچھا تو بے بے بول پڑیں۔

"کہتی ہے دل گھبراتا ہے۔ میں تو پریشان ہو گئی۔ دم کر دیں اسے اور اس کو سمجھائیں، اکیلی نہ بیٹھا کرے۔"

مرشد سائیں بے بے کی باتیں سن ضرور رہے تھے لیکن کوئی دھیان نہیں دیا اور چاندنی کے سر پر ہاتھ رکھے ہوئے چند لمحے کچھ پڑھا پھر اس پر پھونک مار کر پوچھنے لگے۔

"نماز پڑھتی ہو......؟"

چاندنی نے سر جھکا لیا گویا نماز پڑھنے کی ندامت تھی۔

"نماز پڑھا کر بچی......! دل کو سکون ملے گا، پڑھے گی ناں......!" انہوں نے اتنے پیار سے پوچھا کہ چاندنی نے بے اختیار اثبات میں سر ہلا دیا۔

"شاباش......!" انہوں نے چاندنی کا سر تھپکا۔ پھر بے بے کی طرف متوجہ ہو کر ان سے پوچھنے

لگے۔

"حاکم کیسا ہے......! کہاں ہے آج کل......؟"

"وہیں شہر میں ہے۔ اِدھر آنے کا نام ہی نہیں لیتا۔ اس کے لیے دُعا کریں مرشد سائیں......! شہر سے اس کا دل بھر جائے۔"

"جہاں انسان کی قسمت کا دانہ پانی لکھا ہوتا ہے رحمت بی بی......! اس کا دل وہیں لگتا ہے۔ جب اس کا وہاں سے دانہ پانی مُک جائے گا تب اپنے آپ اس کا وہاں سے دل بھر جائے گا۔ تو زبردستی نہ کر۔" مرشد سائیں نے سمجھا کر کہا تو بے بے خاموش ہو رہیں۔

"شادی کر دی اس کی......؟" قدرے توقف سے مرشد سائیں نے پوچھا تو اِدھر چاندنی کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

"نہیں سائیں......! اب تیاری کر رہی ہوں۔"

"اچھا......! ماشاءاللہ......! کہاں......؟ وہیں شہر میں......؟"

"نہیں نہیں......! یہ اپنی چاندنی کے ساتھ......!" بے بے نے خوش ہو کر بتایا تو مرشد سائیں چاندنی کو دیکھنے لگے۔

"چلیں بے بے......!" چاندنی گھبرا کر بولی۔

"اب تو اچھی ہے ناں تیری طبیعت......!" بے بے نے چاندنی کی طرف سے اطمینان کرنا چاہا۔

"اسے کچھ نہیں ہوا رحمت بی بی......! یہ ماشاءاللہ بھلی چنگی ہے۔" چاندنی سے پہلے مرشد سائیں نے اس کی طرف سے اطمینان دلایا۔

"پھر میں چلوں......!" بے بے نے اجازت چاہی۔

"ہاں......! اور ہاشم علی کو میرا سلام کہنا۔"

مرشد سائیں کی اجازت ملتے ہی چاندنی اُٹھ کر بے بے سے پہلے ہی ان کے حجرے سے باہر نکل آئی لیکن پھر اسے کتنی دیر تپتی دھوپ میں کھڑے رہنا پڑا کیونکہ بے بے جانے پھر کیا مسئلہ لے بیٹھیں تھیں کہ کتنی دیر بعد باہر آئیں تب تک وہ پسینے میں شرابور ہو چکی تھی۔

"ہائے......! تو اِدھر دُھوپ میں کیوں کھڑی ہے......؟" بے بے نے کہا۔

"اور کہاں کھڑی ہوتی......؟ کہیں چھاؤں ہے......؟" وہ تپ کر بولی۔

"اچھا......! چل غصہ نہ کر، پانی پیئے گی......؟"

"نہیں......! بس اب جلدی چل......!" وہ کہہ کر تیز تیز قدموں سے چل پڑی لیکن پھر احساس ہوا تو پلٹ کر بے بے کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"بے بے......! مرشد سائیں کے بچے نہیں ہیں......؟"

"ہیں......! اللہ رکھے دو بیٹیاں ہیں۔"

"کہاں ہیں......؟" اس نے پھر پوچھا۔

"بیاہی ہوئی ہیں......؟ ماشاءاللہ......! اپنے گھروں میں آباد ہیں۔"

"اور ان کی بیوی......؟"

"وہ اللہ کو پیاری ہو گئی، دس بارہ سال ہو گئے۔ بڑی نیک عورت تھی، بہت محبت سے ملتی تھی اور وہ بھی بڑی اللہ والی تھی۔" بے بے مرحومہ کی تعریف میں بولنا شروع ہوئیں تو بولتی چلی گئیں۔ وہ پہلے تو سنتی رہی پھر اچانک اس کا ذہن کہیں اور بھٹک گیا جب ہی اسے پتا نہیں چلا کہ بے بے کب خاموش ہوئیں اور جانے خاموش ہوئی بھی تھیں کہ نہیں۔ وہ بہر حال حویلی کے گیٹ سے داخل ہوتے ہی ان کا ہاتھ چھوڑ کر بھاگ پڑی تھی کیونکہ برآمدے میں زینب بیٹھی نظر آ گئی تھی۔

"تو اتنی گرمی میں کہاں گئی تھی......؟" زینب نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

"اور تو اتنی گرمی میں یہاں کیوں بیٹھی ہے......؟ چل میرے کمرے میں چل......!" وہ زینب کو اُٹھا کر اپنے کمرے میں لے آئی۔ پہلے اے سی آن کیا پھر چادر اُتار کر بیڈ پر ڈھے گئی۔

"بتا ناں......! کہاں گئی تھی......؟" زینب نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے پوچھا تو وہ بیزاری سے بولی۔

"کہیں نہیں......!"

"تو آ کہاں سے رہی ہے......؟" زینب نے گھما کر سی بات تو وہی پوچھی تھی، جب ہی اب وہ چڑانے کی خاطر بولی۔

"کہیں سے نہیں......!"

"مت بتا......! میں بھی نہیں بتاؤں گی کہ ابھی حاکم کا فون آیا تھا اور میں نے سنا تھا۔" زینب نے کہا تو وہ ایک دم اُٹھ کر بیٹھ گئی۔

"کیا کہا......! حاکم کا فون آیا تھا......؟ تو نے سنا تھا......؟"

"ہاں......!" زینب حد درجہ بے نیازی دکھانے لگی۔

"کیا......! کیا بات ہوئی اس سے......؟ وہ آ رہا ہے......؟ کب آ رہا ہے......؟" اس کی بے قراری انگ انگ سے چھلکنے لگی۔

زینب یوں بنی رہی جیسے کچھ سن ہی نہیں رہی۔

"زینی کی بچی......! بتا ناں......!" وہ زینب کا بازو بھینچ کر تقریباً چیخ پڑی۔

"اپنی باری پر چیختی کیوں ہے......؟ پہلے تو بتا کہاں گئی تھی......؟" زینب نے کہا تو اس نے ایک ہی سانس میں بتا ڈالا۔

"بے بے مجھے مرشد سائیں کے پاس لے گئی تھی دم کرانے۔ اب تو بتا خاکم سے کیا بات ہوئی......؟ کیا کہہ رہا تھا وہ......؟"

"کچھ نہیں......! بس پوچھا بے بے کہاں ہے......؟ میں نے کہا گھر پر نہیں ہے۔" زینب نے ابھی اسی قدر کہا تھا کہ وہ بے صبری سے بولی۔

"پھر......!"

"پھر کہا......! ٹھیک ہے، میں بعد میں فون کر لوں گا۔"

"اور میرا...... میرا نہیں پوچھا......؟" وہ زینب کے دونوں کندھے تھامے یوں بیٹھی تھی جیسے اس کی زندگی کا دارومدار ایک ذرا سی ہاں یا نہیں پر ہے اور زینب نے غالباً اس کی کیفیت سمجھتے ہوئے ہی مبالغے سے کام لیا تھا۔

"ہاں......! پوچھ رہا تھا چاندنی کیسی ہے......؟"

"سچ......! سچ زینی......! اس نے میرا نام لیا تھا......؟" اسے سچ مچ زندگی مل گئی تھی۔

"ہوں......!" زینب کی نظریں اس کے گلاب چہرے پر ٹھہر کر رہ گئی تھیں۔



جہاں بیری ہوتی ہے وہاں پتھر آتے ہی ہیں۔ یعنی نوریہ کے لیے پرپوزل آنا کوئی انوکھی بات نہیں تھی اور نوریہ کے ممی ڈیڈی سنجیدگی سے اس رشتے پر غور کر رہے تھے کیونکہ لڑکا کوالیفائیڈ اور ایک بڑی فرم میں جنرل منیجر کے عہدے پر فائز تھا۔ تاہم حتمی فیصلہ لڑکے کو دیکھنے کے بعد ہی کیا جا سکتا تھا اور سعدیہ کی امی تو اگلے ہی دن انہیں اپنے ہاں آنے کی دعوت دے گئی تھیں۔ امی ڈیڈی جانا بھی چاہتے تھے لیکن درمیان میں بہزاد حسن آ گئے۔

"جب گھر میں رشتہ موجود ہے تو باہر جانے کی کیا ضرورت ہے......؟" بہزاد حسن کا اشارہ اپنے بیٹے نعمان کی طرف تھا اور غالباً دادی بھی یہی چاہتی تھیں جب ہی انہوں نے بہزاد کی تائید کر ڈالی۔

"ٹھیک تو کہہ رہا ہے۔ رشتہ گھر میں موجود ہے۔"

"لیکن اماں......! نومی کو اپنے پیروں پر کھڑا ہونے میں ابھی کافی وقت درکار ہے۔" ڈیڈی نے کہا تو بہزاد حسن چیخ کر بولے۔

"کوئی زیادہ وقت نہیں ہے۔ سال دو سال میں نومی گھر کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے قابل ہو جائے گا۔"

"انشاء اللہ......! ضرور ہو جائے گا لیکن......!" غالباً ڈیڈی کی سمجھ میں نہیں آیا کیا کہیں جب ہی خاموش ہو گئے۔

"لیکن کیا......؟ دو سال آپ انتظار نہیں کر سکتے......؟ کیوں......؟" بہزاد حسن نے فوراً اپنے

اُکھڑ انداز میں ٹوک کر پوچھا تو ڈیڈی کو خاصا ناگوار گزرا۔ گو کہ وہ ان کے اس انداز اور لہجے کے برسوں سے عادی تھے اور ہمیشہ خاموشی اختیار کر لیا کرتے تھے لیکن اب کیونکہ اولاد کا معاملہ تھا اس لیے وہ خاموش نہیں رہ سکے اور نہ ہی انہوں نے اپنی ناگواری چھپانے کی کوشش کی۔

"میں دو تو کیا چار سال انتظار کر سکتا تھا بہزاد......! اگر جو مجھے نوریہ کی شادی نعمان کے ساتھ کرنی ہوتی۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا......؟"

"صاف لفظوں میں سننا چاہتے ہو تو سنو......! مجھے نوریہ کی شادی نومی کے ساتھ نہیں کرنی۔ اگر تمہارے دل میں ایسا کوئی خیال ہے تو نکال پھینکو اسے۔" ڈیڈی واضح جواب دے کر اٹھ کھڑے ہوئے لیکن دادی نے انہیں روک لیا۔

"رکو شیراز......! مجھے بتاؤ......! اس میں برائی کیا ہے......؟"

"بات اچھائی برائی کی نہیں ہے اماں......! مجھے اپنی بیٹی کے لیے جو بہتر اور مناسب لگے گا میں وہی کروں گا۔" ڈیڈی نے لہجے پر قابو پا کر دھیرے سے کہا اور پھر رکے نہیں، کمرے سے نکل گئے تو بہزاد حسن مزید تیز ہو کر کہنے لگے۔

"سنا آپ نے اماں......! میرا نعمان ان کو بہتر اور مناسب نہیں لگتا۔ ان کی بیٹی تو جیسے آسمان سے اتر کر آئی ہے۔"

"خبردار بہزاد......! بیٹی پر بات مت کرنا۔" دادی کے لیے پوتا پوتی برابر تھے اس لیے انہوں نے فوراً ٹوک دیا۔ پھر مصلحتاً انہیں ہی سمجھانے لگیں۔

"اس میں برا ماننے کی کوئی بات نہیں ہے بہزاد......! اور پھر تمہارا طریقہ غلط ہے۔ تمہارے دل میں اگر نوریہ کو بہو بنانے کا خیال تھا تو تم ظاہر کرتے، باقاعدہ پیغام دیتے۔ پھر شیراز سوچتا تو ہو سکتا تھا نعمان اسے دوسرے رشتے سے زیادہ مناسب لگتا لیکن تم تو پہلے مرحلے پر ہی بچھے سے اُکھڑ جاتے ہو۔ رشتے ناطے اس طرح تھوڑی طے ہوتے ہیں۔"

"میں کچھ نہیں جانتا۔ شیراز بھائی نے اچھا نہیں کیا۔" وہ ناراضگی سے بولے۔

"بالکل اچھا کیا ہے اس نے۔ اس کی اولاد ہے وہ جو چاہے فیصلہ کرے۔ تمہیں اس کے معاملے میں بولنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" دادی نے پھر ٹوک دیا۔

"آپ ہمیشہ ان کی سائیڈ لیتی ہیں۔"

"میں کسی کی سائیڈ نہیں لے رہی۔ تم خواہ مخواہ بات مت بڑھاؤ، جاؤ اپنے کمرے میں اور خبردار جو دوبارہ اس موضوع پر بات کی تو......" دادی نے باقاعدہ ڈانٹ دیا تو وہ بڑبڑاتے ہوئے چلے گئے۔

اس گھر میں یہ پہلی رنجش تھی جس نے بڑوں کے درمیان قدرے کشیدگی پیدا کر دی تھی اور جب

نوریہ کو پتا چلا تو وہ اسی وقت بھاگی ہوئی نعمان کے پاس آئی۔

''سنو......! تمہیں پتا ہے چاچو نے کیا شوشا چھوڑا ہے......؟''

''کیا......؟'' وہ گو کہ جان چکا تھا پھر بھی انجان بن کر اسے دیکھنے لگا۔

''وہ میری اور تمہاری شادی کی بات کر رہے تھے۔''

''کیا......! میں اور تم سے شادی کروں گا......؟ اس سے بہتر ہے میں گلے میں پھندا ڈال کر پنکھے سے لٹک جاؤں۔'' اس نے کہا تو وہ دانت پیس کر بولی۔

''میں تو جیسے تم سے شادی کو مری جا رہی ہوں......!''

''ایک صرف تم ہی نہیں اور بھی بہت ساری لڑکیاں ہیں، کیا کروں......؟ اللہ نے پرسنالٹی ہی ایسی بنائی ہے۔'' وہ اسے مزید چڑا کر ہنسنے لگا تو وہ ہونٹ بھینچ کر کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر سر جھٹک کر جانے لگی تھی کہ وہ فوراً اس کے سامنے آ گیا۔

''سنو......! کیا واقعی پاپا نے ایسی کوئی بات کی ہے......؟''

''مجھ سے بات مت کرو اور ہٹ جاؤ سامنے سے۔'' وہ غصے سے بولی۔

''کم آن یار......! تم غصے میں پتا ہے کیسی لگ رہی ہو......؟''

''پتا ہے......! تمہیں بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ اسے دھکیل کر کمرے سے نکلی تو ادھر سے آتے بہزاد حسن کو دیکھ کر بلا ارادہ ہی رُک گئی۔

''تم......!'' بہزاد حسن عادت کے مطابق کچھ سخت کہنا چاہتے تھے لیکن اس کی سہمی ہوئی شکل دیکھ کر خاموش ہو گئے۔

''مم......میں جاؤں چاچو......!'' اس کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔

''کہاں......؟'' انہوں نے پوچھا لیکن پھر اس کا جواب سنے بغیر آگے بڑھ گئے تو اس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر پہلے اپنے حواس بحال کیے پھر واپس نعمان کے کمرے میں داخل ہو کر کہنے لگی۔

''سنو......! میں تمہیں یہ بتانے آئی تھی کہ ممی ڈیڈی سعدیہ کے گھر جا رہے ہیں۔''

''کون سعدیہ......!'' وہ واقعی نہیں سمجھا تھا۔

''وہی جو اپنی امی کے ساتھ آئی تھی میرا پرپوزل لے کر......!'' اس نے بتایا تو وہ قصداً مسکرا کر پوچھنے لگا۔

''تمہاری بات طے کرنے جا رہے ہیں......؟''

''نہیں......! ابھی تو وہ اسے...... میرا مطلب ہے سعدیہ کے بھائی کو دیکھنے جا رہے ہیں۔ ہاں......! یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ڈیڈی کو پسند آ جائے اور وہ ہامی بھر آئیں۔'' اس نے کہا۔

''تم سے پوچھے بغیر......؟'' وہ بلا ارادہ ہی کہہ گیا۔

''مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے......؟ میں تو پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ میں ممی ڈیڈی کی پسند سے شادی کروں گی۔'' وہ یہ بات فخریہ کہتی تھی۔

''اس کا مطلب ہے اگر ابھی چچا جان اور چچی جان تمہاری بات طے کر آئے تو تم خوش ہو گی......؟'' اس نے جانے کس خیال کے تحت پوچھا۔

''اوں......!'' وہ سوچنے لگی پھر اسی سوچتے ہوئے انداز میں گویا ہوئی۔

''پتا نہیں نومی......! میرے کیا احساسات ہوں گے۔ ابھی تو میرے اندر بالکل سناٹا ہے اور جب یہ ٹوٹے گا تو پتا نہیں کیسی آواز ہوگی۔ گھنگروں بجیں گے یا...... یا پھر کچھ بھی نہیں ہوگا۔''

''سنو......!'' نعمان نے بہت دھیرے سے اسے متوجہ کیا۔

''تم بہت عجیب لڑکی ہو......!''

''کیوں......؟''

''تمہیں خود نہیں پتا کہ تم کیا چاہتی ہو......؟'' نعمان نے کہا۔

''شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو......!'' اس نے بڑے آرام سے اعتراف کر لیا۔

''یہ بڑی خطرناک بات ہے نور......! اسے ایزی مت لو......!'' وہ یکدم بہت سنجیدہ ہو گیا تھا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا......!'' اس نے پوچھا تب ہی جویریہ کے پکارنے کی آواز آئی تو جلدی سے بولی۔

''بعد میں سمجھانا۔ ابھی شاید یہ لوگ جا رہے ہیں۔'' اس کے ساتھ ہی کمرے سے نکل گئی۔



حاکم علی نے جب سے ایئر پورٹ پر اس لڑکی کی ایک جھلک دیکھی تھی تب سے اس کی بے قراریوں میں اضافہ ہو گیا تھا اور اس تک پہنچنے کا اسے ایک ہی راستہ سمجھ میں آتا تھا اور وہ تھی روبی۔

دن میں کئی بار روبی کو فون کرتا اور اس سے ایک ہی بات کہتا۔

''مجھے اس لڑکی کا پتا بتاؤ......!''

اور روبی کا بھی ایک ہی جواب ہوتا تھا۔

''رانگ نمبر......!''



''تو رانگ نمبر......!'' اس وقت حاکم علی چیخ پڑا۔

''میری بات سنو......! اگر تم نے فون بند کیا تو اچھا نہیں ہوگا۔''

''تم......! تم مجھے دھمکی دے رہے ہو......؟'' روبی کو بھی غصہ آ گیا۔

''دھمکی سمجھو یا کچھ اور......! ایک بات جان لو کہ میں جو کہتا ہوں کر گزرتا ہوں۔'' وہ مزید دھمکانے سے باز نہیں آیا۔

''تو جاؤ......! جو کر سکتے ہو کر لو......!'' روبی مرعوب نہیں ہوئی اور غالباً فون پٹخنا چاہتی تھی کہ اس نے فوراً روک دیا۔

''دیکھو......! فون بند مت کرنا......! میں دوبارہ رنگ کر لوں گا۔''

''آخر تم چاہتے کیا ہو......؟'' وہ زچ ہو کر بولی۔

''مجھے صرف اس لڑکی کا پتا چاہیے۔'' اس کے لہجے میں یکلخت عاجزی سمٹ آئی تھی۔

''مائی گاڈ......! تم کس مٹی کے بنے ہو......؟ میں نہیں جانتی تم کس لڑکی کا پتا پوچھ رہے ہو اور مجھ سے ہی کیوں......؟'' اب ادھر سے جھنجلاہٹ کا مظاہرہ ہوا۔

''کیونکہ اس نے یہاں سے تمہیں فون کیا تھا اور اس کے انداز سے ظاہر تھا کہ وہ تمہاری دوست ہے۔'' حاکم علی نے یقین سے کہا۔

''چلو......! میں مان لیتی ہوں کہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن میری صرف ایک دوست تو نہیں ہے، بہت ساری ہیں۔ اب مجھے کیا پتا تمہارے گھر کون آئی تھی......؟''

''وہ جس کی گاڑی چھن گئی تھی۔'' وہ فوراً بولا۔

''سوری......! میری کسی دوست کے ساتھ ایسا کوئی حادثہ نہیں ہوا اور اب پلیز......! اس بات کو یہیں ختم کر دیں اور آئندہ یہاں فون مت کرنا۔'' روبی نے کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

''وہ کچھ دیر ہونٹ بھینچے ریسیور کو گھورتا رہا پھر کریڈل پر رکھتے ہوئے اس کے مضبوط ہاتھ میں جیسے

جان ہی نہیں رہی تھی۔

''یہ لڑکی بہت شارپ ہے لیکن اسے یہ معلوم نہیں ہے کہ حاکم علی بھی اُڑتے پنچھی قید کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ اس لڑکی کو تو میں ڈھونڈ ھ ہی لوں گا لیکن پہلے اس ''رانگ نمبر'' کو سبق سکھانا پڑے گا۔'' وہ سوچتا ہوا گلاس وال کے قریب آ کھڑا ہوا جہاں سے وہ اپنے اُونچے قد کے باعث باؤنڈری وال سے باہر بھی دیکھ سکتا تھا لیکن اس وقت اس کا ذہن کیونکہ ایک ہی بات سوچ رہا تھا اس لیے باہر کے منظر کی دلکشی اسے متوجہ نہ کر سکی ورنہ ڈوبتے سورج کی نارنجی کرنیں اسے بہت اُلٹ پلٹ کرتی تھیں۔ بہرحال وہ کتنی دیر وہیں کھڑا رہا پھر پلٹ کر واپس اسی جگہ آ بیٹھا اور موبائل اُٹھا کر اپنے منیجر چغتائی کا نمبر پش کرنے لگا۔

''یس سر......!'' تیسری بیل کے بعد چغتائی کی آواز آئی۔

''مسٹر چغتائی......! ایک نمبر نوٹ کریں۔''

''جی سر......!''

''مجھے اس نمبر کا ایڈریس چاہیے۔'' اس نے روبی کا نمبر نوٹ کروا کر کہا۔

''اوکے سر......! میں صبح......'' چغتائی نے ابھی اسی قدر کہا تھا کہ وہ بول پڑا۔

''ابھی کیوں نہیں......؟''

''ابھی میرے ہاں کچھ مہمان ہیں سر......!''

''اوکے صبح......!'' اس نے کہہ کر موبائل آف کر دیا پھر اپنے اگلے اقدام سوچ کر اس کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ چمکنے لگی۔

○○○

دو وقت گلے مل کر ایک دوسرے سے رُخصت ہو چکے تھے۔ یعنی اُجالا سمٹ گیا تھا اور تاریکی نے پر پھیلا لیے تھے۔ امی، ڈیڈی اور جویریہ ابھی تک نہیں آئے تھے اور ایسے وقت جب وہ اکیلی ہوتی تھی تو نیچے دادی کے پاس چلی جاتی تھی لیکن آج پہلے تو وہ اپنی الماری ٹھیک کرنے میں لگی رہی پھر امی ڈیڈی کا انتظار بلکہ ان سے زیادہ جویریہ کا، کیونکہ وہ اس سے لڑکے کے بارے میں پوچھ سکتی تھی کہ کیسا ہے؟ کیا کرتا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

بہرحال انتظار کا موسم کسی بھی رنگ میں اُترے اگر طویل ہو جائے تو کوفت میں مبتلا کر دیتا ہے۔ وہ بھی بیزاری پھر رہی تھی۔ کبھی اس کمرے میں کبھی اس کمرے میں پھر دھیان بٹانے کی خاطر روبی کو فون کیا تو ادھر سے وہ چھوٹتے ہی بولی۔

''میں ابھی تمہیں فون کرنے والی تھی۔''

''خیریت......؟''

''تمہاری خیریت نہیں ہے......!'' روبی نے کہا تو وہ تیز ہو کر بولی۔

”کیا مطلب ہے تمہارا......!“

”بھئی......!وہ جو تمہارا تعاقب کر رہا ہے اس نے میرے ناک میں دم کر رکھا ہے۔“ روبی نے بتایا تو وہ چونکی۔

”کون......؟“

”وہی جس کے گھر میں تم داخل ہو گئی تھیں، صبح شام فون کر کے تمہارا اَتا پتا پوچھتا ہے۔ میں تو تنگ آ گئی ہوں۔ آخر تمہیں کیا ضرورت تھی اس کے گھر سے مجھے فون کرنے کی۔“

”میں اس وقت یہی کر سکتی تھی۔ خیر دفع کرو اسے اور یہ پوچھو کہ میں نے اس وقت تمہیں کیوں فون کیا ہے......؟“ اس نے کہا تو روبی فوراً پوچھنے لگی۔

”کوئی خاص بات ہے کیا......؟“

”ہاں......!اور میں نہیں بتاؤں گی خود ہی سمجھو۔“ اگر روبی سامنے ہوتی تو اس کے چہرے پر شرمیلی مسکان دیکھ کر فوراً سمجھ جاتی جبکہ اب وہ جھنجلائی تھی۔

”میں کیسے سمجھوں......؟“ پھر ایک دم چیخ پڑی۔

”سمجھ گئی......!تمہاری شادی ہو رہی ہوگی، ہے ناں......!“

”کچھ ایسا ہی سلسلہ ہے۔“ اس کے ہونٹوں پر آپ ہی آپ ہنسی پھوٹی۔

”کون ہے......؟ کیسا ہے......؟ جلدی پورا بائیوڈیٹا بتاؤ......!“ روبی کے لہجے میں اشتیاق تھا۔

”مجھے خود نہیں پتا......!“ اس کی لاعلمی پر روبی چیخ پڑی۔

”کیا مطلب ہے تمہارا......؟“

”بھئی......!ابھی امی، ڈیڈی اور جویریہ اسے دیکھنے گئے ہوئے ہیں۔ آئیں گے تو جویریہ سے پوچھوں گی اس کا سارا بائیوڈیٹا پھر کل تمہیں بتاؤں گی۔“ اس نے کہا تو روبی فوراً بولی۔

”کل تک مجھ سے صبر نہیں ہوگا۔ میں لیٹ نائٹ تمہیں فون کروں گی۔“

”چلو ٹھیک ہے پھر رات میں بات ہوگی۔“ اس نے کہہ کر فون رکھ دیا پھر ٹیرس پر آ کر نیچے جھانکا تو ڈیڈی کی گاڑی دیکھ کر حیران ہو گئی۔

”ارے......!امی ڈیڈی آ گئے......!“ وہ فوراً اپنے کمرے میں آ گئی۔ اس کا خیال تھا کہ ابھی جویریہ اس کے پاس آئے گی اور واقعی کچھ دیر بعد جویریہ آئی اور کچھ کہنے کی بجائے بڑی خوب صورت مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھے گئی۔

”کیا ہے......!ایسے کیوں دیکھ رہی ہو......؟“ اس نے جھنجلا کر ٹوکا تو جویریہ ہنس پڑی۔

”میں تمہارا صبر آزمانا چاہتی ہوں۔“

”بس......!آزما لیا ناں......!اب جلدی بتاؤ......!“ اس نے جویریہ کا ہاتھ کھینچ کر اپنے سامنے

بٹھا لیا تو وہ بغیر کسی تمہید کے کہنے لگی۔

”بہت اچھا......!بہت ہینڈسم......!ویل ایجوکیٹڈ......!کسی بڑی فرم میں بہت اچھی پوسٹ پر ہے۔ زیادہ مسائل اور ذمے داریوں میں گھرا ہوا بھی نہیں ہے۔ میرا مطلب ہے مختصر فیملی ہے۔ ایک ماں اور ایک بہن، وہی جو آئی تھی اور یہ کہ امی ڈیڈی کو بہت پسند آیا ہے۔

”آخری بات کہتے ہوئے جویریہ نے اس کے پہلو میں چٹکی کاٹی تو وہ پہلے اُچھلی پھر قصداً بے نیازی سے بولی۔

”میں کیا کروں......؟“

”تمہیں کچھ نہیں کرنا۔ بس صرف دُلہن بننے کی تیاری کرنی ہے کیونکہ وہ لوگ جلدی شادی کرنا چاہتے ہیں۔“ جویریہ نے کہا تو اب وہ سنجیدگی سے بولی۔

”جی نہیں......!پہلے میں ایم اے کروں گی۔“

”ڈیڈی نے بھی ان سے یہی کہا تھا جس پر ان کی امی کہنے لگیں کہ بعد میں کرتی رہے گی۔ اس پر ڈیڈی خاموش ہو گئے۔ مزید کچھ پوچھنا ہو تو جلدی پوچھو کیونکہ عباد آ چکے ہیں۔“ جویریہ کہتے ہوئے اُٹھ کھڑی ہوئی تو وہ فوراً بولی۔

”نام......!نام کیا ہے......؟“

”ہمایوں......!اور ہاں......!تصویر بھی دی تھی انہوں نے، امی کے پاس ہے اور میرا مشورہ یہ ہے کہ تصویر مت دیکھنا کیونکہ وہ تصویر سے زیادہ اچھا ہے۔“ آخر میں جویریہ نے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر ہلائی۔

”تم بھی کم نہیں ہو......!“

”اچھا......!اب تم جاؤ......!عباد بھائی انتظار کر رہے ہوں گے۔“ اس نے کہا تو جویریہ اُچھل پڑی۔

”ارے واہ......!اپنا مقصد پورا ہو گیا تو اب جاؤ......!“

”میرا کیا ہے......!مت جاؤ......!“ اس نے لاپرواہی سے کندھے اُچکائے۔

”تم سے تو میں بعد میں نمٹوں گی۔“ جویریہ کہتی ہوئی چلی گئی تو وہ ہنس پڑی، پھر اسی وقت روبی کو ہمایوں کا بائیوڈیٹا بتانے کی غرض سے ٹیلی فون کی طرف بھاگی۔

○ ○ ○

صبح ہی سے مطلع ابر آلود تھا۔ دوپہر میں پہلے ہلکی ہلکی پھوار برسی پھر اچانک جھڑی لگ گئی تھی۔ سیاہ بادلوں کے ٹکرانے کا ہیبت ناک شور دل دہلائے دیتے رہا تھا پھر بھی وہ زینب کے ساتھ سیڑھیاں پھلانگتی ہوئی چھت پر آ گئی۔ ساون کی پہلی بارش کی آمد بڑی زوردار تھی۔ تاحد نگاہ کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ آسمان اور زمین کے درمیان جیسے ایک مسلسل ناطہ جڑ گیا تھا۔

چاندنی اور زینب ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے بہت تیزی سے گول دائرے میں گھوم رہی تھیں۔ ان کے پیروں کی حرکت سے پانی اُچھل رہا تھا۔ کتنی دیر وہ اسی طرح چکراتی رہیں پھر جب تھک گئیں تو وہیں بیٹھ گئیں اور ایک دوسرے کو دیکھ کر دونوں نے بے اختیار اپنی اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھے پھر اسی طرح بے ساختہ ہنسیں تو ہنستی چلی گئیں۔ بارش کی جلترنگ میں ان کی ہنسی بھی شامل ہو گئی تھی۔

"چل ادھر چلتے ہیں۔" دونوں ہاتھ پکڑ کر اٹھیں اور منڈیر کے پاس آ کھڑی ہوئیں تو زینب دُور پگڈنڈی کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

"دیکھ تیرا حاکم آ رہا ہے......!"

"کہاں......!" چاندنی نے فوراً اس طرف دیکھا تو زینب کھلکھلا کر بولی۔

"بڑا انتظار رہتا ہے تجھے......!"

"کیوں......! تجھے جاوید کا انتظار نہیں رہتا......؟" چاندنی نے اس کی پیٹھ پر دھموکا مار کر کہا۔

"ہاں......! لگتا ہے ہمارے نصیبوں میں انتظار ہی لکھا ہے۔" زینب نے آہ بھری پھر گنگنانے لگی۔

"چناوے گھر آ جاوے......!

ڈھولاوے گھر آ جا......!

تیریاں اڈیکاں وچ مک چلے ساں......!"

"ہائے......! اللہ نہ کرے جو ساں مک جان۔" چاندنی نے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا تب ہی آخری سیڑھی سے بشیراں پکار کر بولی۔

"چاندنی......! بے بے کہہ رہی ہے بس اب نیچے آ جاؤ۔"

"آ رہی ہوں......! اور دیکھو پکوڑوں کے ساتھ املی کی چٹنی بنا کر رکھنا۔" چاندنی نے وہیں سے جواب کے ساتھ آرڈر بھی جاری کیا پھر زینب سے بولی۔

"چل زینو......! کپڑے بدل کر بارہ دری میں بیٹھ کر پکوڑے کھائیں گے۔"

"نا کپڑے بدل کر پھر میں ادھر نہیں آؤں گی۔" زینب نے کہا۔

"تجھے گھر جانے کو کون کہہ رہا ہے......؟ ابھی میرے کپڑے پہن لینا۔ چل نہیں تو بے بے ناراض ہو گی۔" چاندنی کہتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر چل پڑی لیکن نیچے جانے کی بجائے دوسری سمت کی سیڑھیاں اُتر گئی۔ یہ فرسٹ فلور حاکم علی نے اپنی مرضی سے کچھ قدیم اور زیادہ جدید طرز سے بنوایا تھا اور ہر ایک کو یہاں آنے کی اجازت بھی نہیں تھی۔ خود چاندنی کو معلوم نہیں تھا کہ ان بند کمروں کی سجاوٹ کیسی ہے۔ بس محرابوں سے سجا یہ طویل برآمدہ ہی اس نے دیکھا تھا۔

"یہ......یہ ہم کہاں آ گئے......؟" زینب نے اس کا ہاتھ ہلایا تو وہ کھوئے کھوئے انداز میں بولی۔

"زینے......! ادھر آ کر مجھے ایسا لگتا ہے جیسے میں کسی اور دُنیا میں آ گئی ہوں۔ یہ فرش دیکھ رہی ہے،

اس پر چلتے ہوئے میرے پیروں میں گدگدی ہوتی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے کوئی چیز میرے پیروں کے نیچے سے پھسل رہی ہو۔" اس نے سفید ٹائلوں کی طرف اشارہ کیا۔

"اور وہ کمرے......؟" زینب بھی حیران تھی۔

"پتا نہیں وہ اندر سے کیسے ہیں......؟ میں نے کبھی نہیں دیکھے، پر میرا دل چاہتا ہے دیکھنے کو۔"

"چل دیکھتے ہیں۔" زینب نے اُکسایا تو وہ مایوسی سے بولی۔

"بند ہیں، تالے پڑے ہیں۔"

"حاکم کا کوئی خاص نوکر ہے وہی روزانہ یہاں کی صفائی بھی کر جاتا ہے۔"

"بے بے سے پوچھ شاید اس کے پاس چابی ہو۔" زینب اس سے زیادہ مشتاق ہو گئی تھی۔

"ہائے نہیں......! بے بے نے تو مجھے ادھر آنے سے بھی منع کیا ہے۔ کبھی جب وہ کہیں جاتی ہے تب میں ادھر آتی ہوں۔ چل کہیں اسے پتا لگ گیا تو بہت ڈانٹے گی۔" اس اچانک احساس ہوا تو فوراً زینب کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتی ہوئی نیچے آ گئی اور زینب کے سامنے الماری کھول کر بولی۔

"تو کپڑے بدل، میں پہلے بے بے کو شکل دکھا آؤں نہیں تو وہ سمجھے گی میں ابھی تک چھت پر ہوں۔"

"جلدی آنا......!"

"بس ابھی آئی......!" وہ کہہ کر کمرے سے نکل آئی۔

بے بے بھی پتا نہیں کہاں چھپ جاتی ہیں، اس کا زیادہ وقت تو انہیں ڈھونڈنے میں ہی لگتا تھا۔ ان کے کمرے سے دیکھنا شروع ہوئی اور جب اندرونی بیٹھک میں جھانکا تو بے بے کے ساتھ بابا "سردار ہاشم علی" کو بیٹھے دیکھا تو وہیں رُک گئی کیونکہ گیلے کپڑوں کے ساتھ بابا کے سامنے نہیں جا سکتی تھی اس لیے وہیں سے بے بے کو پکارنے لگی کہ بے بے بول پڑیں۔ وہ بابا سے کہہ رہی تھیں۔

"مرشد سائیں کہہ رہے تھے چاندنی کی جلدی شادی کر دو۔"

"ہائے اللہ......!" اس کی دھڑکنوں نے ایسا شور مچایا کہ وہ سرپٹ بھاگی اور اپنے کمرے میں آ کر ہی دم لیا۔

"کیا ہوا......؟" زینب تولیے سے اپنے بال جھٹک رہی تھی۔ اس کے چہرے پر لہرائے رنگین عکس دیکھ کر اس کے قریب چلی آئی اور اس کی ٹھوڑی چھو کر پوچھنے لگی۔

"کیا سچ مچ حاکم آ گیا ہے......؟"

"نہیں......!" اس کی ذرا سی ہنسی میں بڑی دلکش ہنسی کا ترنم شامل تھا۔

"پھر تو لال گلابی کیوں ہو رہی ہے......؟"

"کوئی نہیں......! تجھے تو ہر وقت ایسے ہی لگتا ہے۔" اس نے ایک ادا سے زینب کا ہاتھ جھٹکا اور

جلدی سے اپنے کپڑے لے کر واش روم میں بند ہوگئی۔

اور اس رات وہ دیر تک جاگتی رہی تھی۔ گو کہ نیند ہمیشہ سے زیادہ مہربان ہو کر بانہیں پھیلائے کھڑی تھی لیکن اسے نیند سے زیادہ جاگتی آنکھوں سے خواب دیکھنا اچھا لگ رہا تھا۔ طویل برآمدے میں بچھا وائٹ ٹائلز کا فرش اور اس سے آگے بند کمروں کے دروازے بھی کھل گئے تھے اور وہ خود کو ہر جگہ بھاگتے دوڑتے، کھلکھلاتے دیکھ رہی تھی۔ باہر بارش کا ترنم تھا۔ ادھر وہ اپنی کلائیوں میں بھر بھر چوڑیوں کی آوازیں سنتی ہوئی نیند کی وادیوں میں اُتر گئی تھی۔

○ ○ ○

حاکم علی آفس سے اُٹھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اس کے بابا کا فون آگیا۔

''جی بابا......! السلام علیکم......!'' اس نے موبائل کان سے لگاتے ہی سلام کیا۔

''خوش رہ پتر......! کیسا ہے تو......؟'' بابا نے دُعا کے ساتھ پوچھا تو وہ چیئر کی بیک سے ٹیک لگاتے ہوئے بولا۔

''بالکل ٹھیک بابا......! آپ سنائیں کیسے یاد کیا......؟''

''یاد تو تو ہر وقت رہتا ہے۔ البتہ ابھی خاص مقصد سے یاد کیا ہے۔'' بابا نے کہا تو وہ فرمانبرداری سے بولا۔

''حکم کریں بابا......!''

''بس تو آجا......! تیری بے بے تجھے بہت یاد کر رہی ہے۔'' بابا نے کہا تو اب وہ ڈھیلا پڑ گیا۔

''اچھا......! ابھی تو بہت کام ہیں، آپ بے بے سے کہیں میں اگلے ہفتے چکر لگاؤں گا۔''

''ٹھیک ٹھیک آنے کا بتا......! کیونکہ مجھے تیری شادی طے کرنی ہے۔'' بابا کی اس بات پر وہ حیران ہوا۔

''شادی......!''

''ہاں پتر......! مرشد سائیں کا حکم ہے اور تجھے پتا ہے میں مرشد سائیں کا حکم نہیں ٹال سکتا۔'' بابا کا انداز ایسا تھا جیسے اب وہ اس کا کوئی عذر نہیں سنیں گے۔

''میں جانتا ہوں بابا......! لیکن یہ سائیں نے اچانک میری شادی کا آرڈر کیوں جاری کر دیا......؟'' اس نے اندر اُٹھتے اُبال کو بمشکل دباتے ہوئے پوچھا۔

''وہ بہتر سمجھتے ہیں اور تو دور بیٹھا ہے تو کیا سمجھتا ہے ان کی نظر تجھ پر نہیں پڑ سکتی......؟'' بابا نے کہا تو وہ جھنجلا گیا۔

''میں ایسا کچھ نہیں سمجھتا بابا......! اور ہاں......! میں ابھی نہیں آ رہا، اگلے مہینے دیکھوں گا۔ اگر کام کا پریشر کم ہوا تو آجاؤں گا۔'' اس نے اپنی بات کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا پھر اسی وقت آفس سے نکل آیا۔ اس

کا موڈ خراب ہو چکا تھا کیونکہ وہ ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ یوں بھی چاندنی اسے بالکل پسند نہیں تھی۔ اگر جاگیر کا معاملہ نہ ہوتا تو وہ بابا کو صاف جواب دے دیتا۔ بہر حال اس وقت وہ بہت جھنجلایا ہوا تھا اور جب گھر پہنچا تو نشی کو بیٹھے دیکھ کر بھی اس کا موڈ ٹھیک نہیں ہوا۔ خاصے اُکھڑے لہجے میں پوچھنے لگا۔

''تم کب آئیں......؟''

''کچھ دیر ہوئی ہے۔ آفس فون کیا تو معلوم ہوا تم نکل چکے ہو۔'' نشی بتا کر بغور اسے دیکھنے لگی۔

''تم کچھ ناراض ناراض لگ رہے ہو......!''

''تم سے نہیں ہوں......!'' وہ فوراً کہہ گیا۔

''پھر......؟''

''بس وہ بابا......!'' وہ بیٹھتے ہوئے اس قدر کہہ کر خاموش ہو گیا۔

''آ رہے ہیں تمہارے بابا......؟'' نشی پوچھنے لگی۔

''نہیں......! مجھے بلا رہے ہیں اور وہ بھی شادی کے لیے۔'' وہ جل کر بولا اور نشی اُچھل پڑی۔

''کیا......! تم گاؤں میں شادی کرو گے......؟''

''ہاں......!'' وہ اچانک موڈ بدل گیا یعنی مسکرا کر بولا۔

''ایک شادی تو گاؤں ہی میں کروں گا۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا......؟ کتنی شادیاں کرو گے......؟'' نشی اب چیخی تھی۔

''جائز تو چار ہیں لیکن میں دو کروں گا۔ ایک پیرنٹس کی مرضی سے اور دوسری اپنی پسند۔'' وہ اب نشی کے چڑنے اور چیخنے سے محظوظ ہو رہا تھا۔

''تو پھر بابا کے بلانے پر ناراض کیوں ہوئے......؟ جاؤ کر آؤ شادی......!'' نشی نے تیز ہو کر کہا تو وہ گہری سانس کھینچ کر بولا۔

''وہ تو مجھے کرنی ہی ہے لیکن میں چاہتا ہوں پہلے اپنی پسند......''

''تمہاری پسند کون ہے......؟'' نشی نے پوچھا تو یکلخت اس کی نظروں میں وہ چہرہ آن سمایا جسے صرف کھوجنا ہی نہیں، حاصل کرنا بھی اب اس کی ضد بن گیا تھا۔

''ارے......! تم تو اس کے خیالوں ہی میں کھو گئے۔'' نشی نے ہنس کر کہا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

''کیا کہا تم نے......؟''

''میں تمہاری پسند کے بارے میں پوچھ رہی ہوں یا میں خود قیاس کروں......؟'' نشی نے پوچھا تو وہ نفی میں سر ہلانے لگا۔

''اونہہ......! تم نے اسے نہیں دیکھا۔''

''اچھا......! کب دکھا رہے ہو......؟''

''پہلے میں خود تو اس تک پہنچ جاؤں۔ جانے کہاں چھپ گئی ہے......؟ کہیں بھی چھپے میں اسے ڈھونڈ نکالوں گا۔'' آخر میں وہ جیسے اپنے آپ سے بولنے لگا تھا۔ نشی حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی پھر قریب آ کر دھیرے سے پوچھنے لگی۔

''سنو......! تم پہلے اس سے کہاں ملے تھے......؟''

''میں......!'' وہ بے اختیار کہہ کر پھر فوراً بات بنا گیا۔

''میرا مطلب ہے اسی شہر میں۔''

''پھر وہ کہاں چلی گئی......؟''

''یہی تو نہیں معلوم......! خیر چھوڑو اسے......کوئی اور بات کرو۔'' وہ اس کے سوالوں سے تنگ آ کر بولا تو وہ کندھے اُچکا کر اٹھ کھڑی ہوئی پھر ایک دم یاد آنے پر کہنے لگی۔

''سنو......! سونیا کی برتھ ڈے آ رہی ہے۔ تمہیں انوائٹ نہیں کیا اس نے۔''

''کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ سونیا مجھے انوائٹ نہ کرے۔'' اس کے تفخر پر نشی ہنس پڑی۔

''ہو تو نہیں سکتا۔ پھر چلو گے ناں......؟''

''ہوں......!'' وہ سوچتے ہوئے انداز میں اثبات میں سر ہلانے لگا۔

''کیا سوچنے لگے......؟'' نشی نے فوراً ٹوک دیا۔

''گفٹ......! گفٹ سوچ رہا ہوں، کیا گفٹ دینا چاہیے اسے......؟'' اس نے نشی سے پوچھا۔

''میں کیا بتاؤں......؟ ویسے سونیا کہہ رہی تھی کہ وہ تمہیں گفٹ دے گی۔'' نشی نے بتایا تو وہ حیران ہوا۔

''مجھے......! وہ مجھے کیوں گفٹ دے گی۔ برتھ ڈے اس کی ہے۔''

''ہو سکتا ہے وہ کوئی نئی روایت ڈال رہی ہو۔''

''پھر تو ہمیں اس کے لیے کوئی زبردست چیز لینی پڑے گی۔'' اس نے کہا تو نشی تائید کرتے ہوئے بولی۔

''میں نے بھی یہی سوچا ہے، پھر چل رہے ہو......؟''

''ابھی نہیں......! اس وقت نہیں......!''

''اوکے......! پھر میں چلتی ہوں۔''

''اوکے......!'' وہ اسے چھوڑنے دروازے تک گیا پھر پلٹ کر آتے ہی روبی کے نمبر ڈائل کرنے لگا اور جب ادھر سے روبی کی آواز سنائی دی تب بولا تھا۔

''میرا خیال ہے اب مجھے اپنا تعارف کرانے کی ضرورت نہیں رہی۔''

''مائی گاڈ......! میں تمہارے ہی فون کا انتظار کر رہی تھی۔'' روبی جانے کیا سوچ کر بولی۔

''ریئلی......!'' وہ حیران ہوا۔

''ہاں! یہ بتانے کے لیے کہ میں نے اپنی تمام فرینڈز سے معلوم کیا تھا کہ گاڑی چھیننے کا حادثہ کس کے ساتھ ہوا تھا تو پتا چلا نور......'' وہ روانی سے بولتے ہوئے ایک دم خاموش ہو گئی غالباً نام بلا ارادہ اس کے ہونٹوں پر آیا تھا اور ادھر وہ ایک دم چوکنا ہو گیا۔

''نور......! نور نام ہے اس کا......؟''

''ہاں نور جہاں......!'' روبی نے حاضر دماغی کا مظاہرہ کیا۔

''لیکن آئی ایم سوری......! کہ میں تمہیں اس کے بارے میں نہیں بتا سکتی، کیونکہ اس کی شادی ہو رہی ہے۔''

''نہیں......! تم جھوٹ بول رہی ہو۔'' وہ اس کی شادی کا سن کر خود پر قابو نہیں پا سکا۔

''مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے......؟ ویسے بھی تمہاری مرضی یقین کرو یا نہ کرو۔ میں نے تمہیں حقیقت بتا دی، اس کے بعد یہی کہوں گی کہ اس کا خیال چھوڑ دو یوں بھی وہ تو تمہیں جانتی تک نہیں۔'' روبی نے کہا تو وہ فوراً بولا۔

''جان جائے گی......! تم ایک بار مجھے اس سے ملوا دو۔''

''ناممکن......!''

''کیوں......! کیوں ناممکن......؟'' اس کا انداز ایسا تھا جیسے اگر روبی سامنے ہوتی تو اس کے کندھے پکڑ کر جھنجوڑ ڈالتا جبکہ روبی اسی قدر آرام سے بولی۔

''میں نے بتایا تو ہے کہ اس کی شادی ہو رہی ہے۔''

''ہو تو نہیں گئی اور اگر ہو جاتی تب بھی......'' وہ جانے کیا کہے جا رہا تھا۔ ادھر سے روبی نے سلسلہ منقطع کر دیا تو اس نے انتہائی غصے میں آ کر ٹیلی فون سیٹ دیوار پر دے مارا۔

○ ○ ○

''رات کا جانے کون سا پہر تھا۔ جب گہری نیند سے اچانک اس کی آنکھ کھل گئی تو کتنی دیر تک وہ ساکت لیٹا یہ سمجھنے کی کوشش کرتا رہا کہ اسے کیا ہوا ہے اور وہ کہاں ہے۔ کمرہ بھی مکمل تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ جب ہی اسے سمجھنے میں دیر لگی کہ بجلی فیل ہو جانے کے باعث پنکھا بھی بند ہو گیا تھا اور غالباً چاندنی کی بھی آخری تاریخیں تھیں جب ہی کھڑکی سے باہر دُور تک کہیں روشنی نہیں تھی۔ وہ بیڈ چھوڑ کر کھڑکی کے قریب آیا تو نرم لطیف ہوا اس کے چہرے اور بدن سے ٹکرائی۔ پہلے اسے جھرجھری آئی پھر وہ مزے لینے لگا۔ دل چاہا کھڑکی کے راستے لان میں کود جائے لیکن گھپ اندھیرے کے باعث وہ اس خواہش کو دبا گیا لیکن اس خیال کو نہیں جھٹک سکا جو اکثر تنہائی کے عالم میں اس پر چپکے سے گرفت کر لیتا تھا۔ پھر وہ لاکھ اپنے ذہن کو

ادھر اُدھر بھٹکانے کی کوشش کرتا لیکن بے سود۔ ابھی بھی وہ اپنا دھیان بٹانے کو آسمان پر بکھرے ستارے شمار کرنے لگا۔

''ایک، دو، تین اور چوتھا ستارہ وہ ہتھیلی پر لیے سامنے آ گئی۔ یہ تصور اتنا خوبصورت اور اتنا مضبوط تھا کہ وہ مبہوت ہو گیا اور جانے کتنی دیر وہ اسی طرح کھڑا رہتا کہ لائٹ آ جانے سے جو گمبھیر خاموشی میں ارتعاش پیدا ہو جاتا ہے اس سے وہ نہ صرف چونکا بلکہ خود کو سرزنش کرتا ہوا کھڑکی کے پاس سے ہٹ گیا، پھر لائٹ آن کر کے اپنی ڈائری نکال لی۔

''آسمان کے چاند اور تارے
تیرے میرے خواب نہ ہوں
یہ جو فرشِ خاک پہ بکھرا ریزہ ریزہ آئینہ ہے
اس میں جتنے عکس ہیں سارے
تیرے میرے خواب نہ ہوں
بحرِ فنا میں مل جانے تک ملنے سے مجبور بھی ہیں
اِک دوجے کے ساتھ بھی ہیں اور اِک دوجے سے دُور بھی ہیں
لمحوں کے گرداب سفر میں جو چکرائے بیٹھے ہیں
یہ دونوں دریا کے کنارے
تیرے میرے خواب نہ ہوں۔''

وہ لکھتے ہوئے اچانک آزردگی میں گھر گیا تھا۔ ڈائری بند کر کے پھر کھڑکی سے باہر دیکھا۔ وہ ہاتھ ہلاتی ہوئی جا رہی تھی۔

○○○

کوئی باقاعدہ تقریب نہیں ہوئی تھی۔ بس ہمایوں کی والدہ اور بہن سعدیہ مٹھائی اور ہار پھول وغیرہ لے کر آ گئی تھیں اور نہ صرف نوریہ کی بات پکی ہو گئی بلکہ شادی کی تاریخ بھی رکھ دی گئی تو ایک دم ڈھیروں کام سر پر آن پڑے تھے۔ ابھی تین چار مہینے پہلے جویریہ کی شادی ہوئی تھی تو پورا مہینہ افراتفری اور خوشگوار ہنگاموں میں کٹا تھا اور اب نوریہ کی شادی تھی۔ گو کہ ویسے ہی سب کام ہو رہے تھے لیکن وہ ہلچل کی بجائے عجیب سی خاموشی کا احساس تھا جو دھیرے دھیرے بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

اس وقت وہ اس خاموشی سے گھبرا کر کمرے کا دروازہ آہستہ سے دھکیل کر اندر جھانکا تو وہ بیڈ پر نیم دراز نظر آیا۔

''نومی......! تم سو تو نہیں رہے......؟'' اس نے آہستگی سے پکار کر پوچھا۔

''نہیں......! آؤ......!'' وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

اس نے اندر آ کر اپنے پیچھے دروازہ بند کیا پھر یونہی اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

''بیٹھو......! کیا خاطر مدارت کروں تمہاری......!'' نعمان نے شگفتہ لہجے میں کہا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''کیا مطلب......؟''

''بھئی......! اب تم کچھ دنوں کی مہمان ہو۔'' نعمان نے پھر اسی انداز میں کہا تو وہ ذرا سا مسکرائی پھر خود کلامی کے انداز میں بولی۔

''کیا واقعی میں کچھ دنوں کی مہمان ہوں......!''

''کیوں......! تمہیں یقین نہیں آ رہا......؟''

''یقین تو ہے لیکن لگ نہیں رہا۔'' وہ اچانک آزردگی میں گھر گئی۔

''پتا نہیں نومی......! مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے جیسے میری شادی سے کوئی بھی خوش نہیں ہے......؟ خود میرے اندر کوئی ہلچل نہیں۔ میں بار بار اپنے دل کو ٹٹولتی ہوں کوئی احساس نہیں جاگتا۔''

''سنو......! نئے لوگوں میں جانے کی خواہش تمہاری اپنی تھی۔'' وہ اس کی آزردگی محسوس کر کے دھیرے سے بولا۔

''ہاں......! مجھے اس سے انکار نہیں ہے اور نہ ہی مجھے اپنی اس خواہش پر کوئی پچھتاوا ہے لیکن باقی سب لوگ ایسا کیوں بی ہیو کر رہے ہیں جیسے میں نے کوئی جرم کیا ہے......؟'' اس نے کہا تو وہ نظریں چرا کر بولا۔

''یہ محض تمہارا وہم ہے۔''

''میرا وہم نہیں ہے نومی......! میں سب دیکھ رہی ہوں۔ ردا، مریم، شوبی اور خود تم خاموش نظروں سے دیکھتے ہوئے میرے قریب سے گزر جاتے ہو اور سارے کام بھی اتنی خاموشی سے ہو رہے ہیں، کیوں......؟ جویریہ کی شادی میں تو ایسا نہیں ہوا تھا۔ بہزاد چاچو کی ناراضگی کی پرواہ کیے بغیر ہم سب رات گئے تک محفل جمائے رکھتے تھے۔'' وہ اچانک پھٹ پڑی اور کچھ غلط بھی نہیں کہہ رہی تھی جب ہی نعمان بوکھلا گیا پھر بمشکل سنبھل کر کہنے لگا۔

''اصل میں نور......! سب کچھ اتنا اچانک ہوا ہے کہ ہم سب بوکھلا گئے ہیں ورنہ یقین کرو ردا کتنی بار مجھ سے ڈھولک لانے کا کہہ چکی ہے لیکن مجھے دوسرے کاموں سے فرصت نہیں مل رہی۔ خیر تم ناراض مت ہو صبح میں سب سے پہلے ڈھولک اُٹھا لاؤں گا۔''

''میں ناراض نہیں ہوں اور نہ مجھے ڈھولک بجوانے کا شوق ہے۔'' وہ اپنے آپ میں اُلجھنے لگی تھی۔

''پھر......؟'' وہ پہلے سوالیہ نشان بنا پھر اس کے مقابل آ کھڑا ہوا اور دھیرج سے پوچھنے لگا۔

''نور......! تم کس بات سے پریشان ہو......؟''

"پتہ نہیں......!" اس کا لہجہ روٹھا ہوا تھا۔

"اچھا......! یہاں بیٹھو......!" نعمان نے اسے کندھوں سے تھام کر بٹھایا پھر اس کے لیے پانی لے آیا۔

"لو پانی پیئو......! اور پلیز......! ریلیکس ہو جاؤ......!" اس نے دو گھونٹ لے کر گلاس رکھ دیا لیکن اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئی تو وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر خود ہی کہنے لگا۔

"دیکھو نور......! تم کچھ غلط مت سمجھو۔ ہم سب تمہاری شادی سے خوش ہیں البتہ تمہارا یہاں سے جانا ہمیں کھل رہا ہے، خود ہی بتاؤ......! جب تم یہاں نہیں ہوگی تو کیسا لگے گا......؟"

"بس......! تمہاری یہ باتیں مجھے نہیں بہلا سکتیں۔" اس نے ٹوک دیا۔

"پھر کیسے بہلو گی تم......! بتاؤ......! ہمایوں کو بلاؤں......؟" نعمان نے اپنے تئیں اسے چھیڑنے کی کوشش کی لیکن ادھر وہ غالباً بے دھیانی میں پوچھ گئی تھی۔

"کون ہمایوں......؟"

"مائی گاڈ......! کچھ دن بعد اس کی دلہن بننے والی ہو اور پوچھتی ہو کون ہمایوں......؟" نعمان اچھل کر بولا تو اس نے اپنا چہرہ دوسری جانب موڑ لیا۔

"کیا ہوا......؟ یاد آیا کہ نہیں......؟" وہ پھر اس کے سامنے آ گیا تو وہ سر جھکا کر کہنے لگی۔

"نومی......! میں اس لیے پریشان ہوں کہ یہ شخص مجھے یاد نہیں ہو رہا۔ اس کے نام سے، اسے سوچنے سے میرے اندر ہلچل کیوں نہیں مچتی......؟ کوئی نیا احساس کیوں نہیں جاگتا......؟" آخر میں اس نے سر اونچا کر کے اسے دیکھا تو وہ جو اسی پر نظریں جمائے کھڑا تھا لحظہ بھر کو گڑبڑا گیا پھر فوراً سنبھل کر بولا۔

"چلو ملو مت، فون پر بات کر لو......! اس میں تو کوئی حرج نہیں ہے۔"

"حرج تو ملنے میں بھی نہیں ہے لیکن میں سوچتی ہوں اگر اس سے ملنے کے بعد بھی میرے اندر کا سناٹا نہ ٹوٹا تو میں کیا کروں گی......؟" وہ بے بس نظر آنے لگی۔

"ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ تم اصل میں اچانک شادی طے ہو جانے سے پریشان ہو جیسے ہم سب بوکھلائے ہوئے ہیں۔ خیر صبح میں تمہاری اس سے بات کرا دوں گا۔"

"نہیں نومی......!"

"کیوں نہیں......؟"

"بس نہیں......!" اس نے اتنی سختی سے منع کیا کہ وہ ایک دم خاموش ہو گیا۔

○○○

اس نے معمول کے مطابق دوپہر کا کھانا امی کے ساتھ کھایا پھر اپنے کمرے میں چلی آئی اور ابھی لیٹنے کا ارادہ کر رہی تھی کہ لابی سے امی اسے پکار کر بولیں۔

"نور......! تمہارا فون ہے۔"

"روبی ہوگی......!" وہ سوچتی ہوئی لابی میں آئی تو امی ریسیور اسے تھما کر چلی گئیں۔

"ہیلو......!"

"السلام علیکم......!" ادھر سے کھنکتی ہوئی آواز میں سلام کیا گیا تو وہ کچھ الجھ کر بولی۔

"وعلیکم السلام......! آپ کون......؟"

"ارے......! آپ مجھے نہیں پہچانتیں، میں سعدیہ ہوں آپ کی ہونے والی اکلوتی نند۔" سعدیہ نے کھلکھلا کر کہا تو وہ فوراً سنبھل کر بولی۔

"کیسی ہو......؟"

"بالکل ٹھیک......! آپ کیسی ہیں......؟"

"میں بھی ٹھیک ہوں......!"

"اچھا......! میں آپ سے پھر بات کروں گی۔" سعدیہ نے کہا اور ابھی وہ اس کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ اس کی سماعت سے مردانہ آواز ٹکرائی۔

"السلام علیکم......! میں ہمایوں بات کر رہا ہوں۔"

"جی......!" اس کا دل یکبارگی زور سے دھڑکا۔

"کیسی ہیں آپ......؟"

"جی......!"

"میں نے آپ کو ڈسٹرب تو نہیں کیا......؟" وہ پوچھ رہا تھا اور ادھر وہ اپنی بے ترتیب دھڑکنوں کو سنبھالنے کی سعی میں کچھ بول ہی نہیں سکی۔

"ہیلو......! آپ خاموش کیوں ہو گئیں......؟"

"نن...... نہیں تو......!" وہ واقعی نروس بھی ہو گئی تھی۔

"پھر......! کچھ کہیں ناں......؟"

"میں......! میں کیا کہوں......؟"

"میری بات کا جواب ہی دے دیں......!" ہمایوں نے کہا تو وہ سمجھی نہیں۔

"کون سی بات کا......؟"

"یہی کہ میں نے آپ کو ڈسٹرب تو نہیں کیا......؟"

"نہیں......!" اس کے ساتھ ہی اس نے ریسیور رکھ دیا اور بھاگ کر اپنے کمرے میں آئی تو آگے جویریہ کو دیکھ کر مزید بوکھلا گئی۔

"تم......! تم کب آئیں......؟"

”جب تم فون پر بات کر رہی تھیں، کس کا فون تھا......؟“ جویریہ نے سادہ سے انداز میں پوچھا تھا اور وہ اپنی صفائی پیش کرنے لگی۔

”میں نے نہیں کیا تھا وہ ادھر سے آیا تھا۔“

”ادھر سے......!“ جویریہ چونکی پھر اُچھل پڑی۔

”ہمایوں کا فون تھا......؟“

”ہوں......!“ اس نے شرگیں مسکراہٹ کے ساتھ اثبات میں سر ہلایا پھر ایک دم جویریہ کے کندھے تھام کر بولی۔

”جوجی......! میرا دل بڑی زور زور سے دھڑک رہا ہے۔“

جویریہ ہنسنے لگی تو وہ اس کے کندھے چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئی۔

”مذاق مت اُڑاؤ......!“

”میں کب مذاق اُڑا رہی ہوں......؟“

”پھر ہنس کیوں رہی ہو......؟“

”بس یونہی...... ! خیر چھوڑو...... ! میں تم سے یہ کہنے آئی ہوں کہ شام میں تمہیں ہمارے ساتھ بازار چلنا ہے، تیار رہنا......!“ جویریہ نے ہنسی روک کر اپنی آمد کا مقصد بتایا تو وہ بے زاری سے بولی۔

”میں بازار جا کر کیا کروں گی......؟“

”امی کا کہنا ہے کہ کچھ شاپنگ تم اپنی پسند سے کرلو۔ اسپیشلی سینڈلز وغیرہ کے لیے تو تمہیں ضرور ساتھ چلنا ہے۔“ جویریہ نے کہا تو وہ پوچھنے لگی۔

”اور کون کون جائے گا......؟“

”کوئی نہیں...... ! صرف میں اور عباد ہوں گے۔“

”اور نومی......؟“

”نہیں...... ! نومی کو اور بہت کام ہیں اور ہاں رات میں ڈھولک بھی بجے گی۔“ جویریہ نے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر ہلائی تو وہ جھینپ کر بولی۔

”اچھا...... ! میں شام میں تیار رہوں گی۔“

”ہاں...... ! مجھے بلانے نہ آنا پڑے، خود ہی آجانا۔“ جویریہ کہتی ہوئی چلی گئی تو اس نے پہلے دروازہ بند کیا پھر آکر لیٹی تو اس کے ہونٹوں پر آپ ہی آپ مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ اس کے اندر کا سناٹا ٹوٹ گیا تھا اور نئے احساس نے بیدار ہوتے ہی آنکھوں میں خواب سجا دیے تھے۔ پھر اس نے لاکھ چاہا کہ کچھ دیر سو جائے لیکن اب نیند کہاں آتی تھی۔ پوری دوپہر ان دیکھے ان جانے شخص کو سوچنے میں گزر گئی اور جب شام میں وہ تیار ہو کر نیچے آئی تو نعمان اسے دیکھ کر ٹھٹک کر رُکا۔

”کیا ہوا ہے......؟“ وہ اُلٹا اس سے پوچھنے لگی۔

”کون سی دُنیا سے آرہی ہو......؟“ نعمان نے پھر پوچھا تو وہ حیران ہوئی۔

”کیا مطلب......؟“

”لگتا ہے تمہارے اندر کا سناٹا ٹوٹ گیا ہے۔“ نعمان نے کہا تو وہ بے ساختہ مسکرائی۔

”ہاں نومی...... ! اور اب مجھے سب اچھا اچھا لگ رہا ہے۔“ اس نے سچائی سے اعتراف کیا۔

”ویری گڈ...... ! یہ تو بہت اچھی بات ہے، ویسے یہ انقلاب آیا کیسے......؟“ نعمان نے سراہ کر پوچھا تو وہ یکدم ٹھٹکی۔

”نومی...... ! سچ بتاناں...... ! تم نے ہمایوں سے کہا تھا......؟“

”کیا......؟“

”مجھے فون کرنے کو......؟“

”تو یہ انقلاب ہمایوں کے فون سے آیا ہے......!“ نعمان نے کہا تو وہ اس کا بازو کھینچ کر بولی۔

”تم میری بات کا جواب دو......!“

”کون سی بات کا......؟“

”ہمایوں سے تم نے کہا تھا مجھے فون کرے......!“ وہ دانت پیس کر یوں بولی جیسے اگر اس نے اقرار کیا تو اس پر جھپٹ پڑے گی۔

”پاگل ہو گئی ہو...... ! مجھے کیا ضرورت تھی......؟“ وہ جھٹکے سے اپنا بازو چھڑا کر بولا۔

”لیکن رات تم نے کہا تھا۔“

”ہاں...... ! کہا تھا اور اگر تم حامی بھر لیتیں تب بھی میں اس بات پر عمل نہ کرتا، سمجھیں تم......!“ وہ غصے سے پاؤں پٹختا ہوا چلا گیا تو اس کا دل چاہا اس کے پیچھے جائے اور پھر پوچھے لیکن باہر جویریہ اور عباد اس کے انتظار میں کھڑے تھے۔ جب ہی وہ بس اس کے پیچھے دیکھتی رہ گئی پھر باہر آئی اور خاموشی سے پچھلی نشست پر بیٹھ گئی۔

”دوپہر میں وہ جتنی خوش تھی اب اسی قدر جھنجلائی ہوئی تھی اور اپنے آپ پر غصہ آرہا تھا کہ اسے دوپہر ہی میں یہ خیال کیوں نہ آیا۔ اسی وقت نعمان سے پوچھتی۔

”کیا بات ہے نور...... ! تمہارا موڈ کیوں آف ہے......؟“ عباد حسن نے ویو مرر میں اسے دیکھا اور ٹوک بھی دیا تو اس سے پہلے جویریہ بول پڑی۔

”ارے نہیں...... ! آج تو یہ بہت خوش ہے۔“

”لگ تو نہیں رہی......!“ عباد حسن نے کہا تو وہ اس خیال سے کہ کہیں جویریہ انہیں ہمایوں کے فون کا نہ بتا دے، فوراً بول پڑی۔

''عباد بھائی......! ابھی میری نومی سے لڑائی ہوگئی ہے جب ہی مجھے غصہ آ رہا ہے۔''

عباد حسن نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا تو وہ مطمئن ہو کر شیشے سے باہر دیکھنے لگی۔ پھر جیسے ہی شاپنگ سینٹر کے سامنے گاڑی رُکی وہ فوراً اُتر آئی اور ابھی اپنا دوپٹہ ٹھیک کر رہی تھی کہ کسی نے اسے پکارا۔

''نور......!''

اس نے چونک کر سر اُونچا کیا تو اس سے صرف ایک قدم کے فاصلے پر سردار حاکم علی کھڑا تھا۔

⊖ ⊖ ⊖

''نور......!'' اُس کے دیکھنے پر حاکم علی نے دوبارہ ابھی اسی قدر کہا تھا کہ اُس نے ٹوک دیا۔

''کون ہیں آپ......!'' وہ واقعی اُسے نہیں پہچانی تھی۔

''آپ نے مجھے پہچانا نہیں......! میں حاکم علی ہوں، آپ میرے گھر......'' حاکم علی اُسے یاد دلانا چاہتا تھا کہ عباد حسن قریب آ گئے اور نوریہ سے پوچھنے لگے۔

''کیا بات ہے نور......!''

''پتا نہیں عباد بھائی......! یہ......'' وہ حاکم علی کی طرف اشارہ کر کے بس اسی قدر کہہ سکی تو عباد حسن اُس سے مخاطب ہوئے۔

''کیا بات ہے مسٹر......!''

''مجھے ان سے بات کرنی ہے، دو منٹ پلیز......!'' حاکم علی نے آخر میں نوریہ کو ملتجی نظروں سے دیکھا تو وہ خائف ہو کر جویریہ کے ساتھ لگ گئی۔

''جوجی......! میں اسے نہیں جانتی، پتا نہیں کون ہے......؟''

''پلیز......! صرف دو منٹ آپ میری بات سُن لیں......! میں کب سے آپ کو تلاش کر رہا ہوں۔'' حاکم علی نے پھر اُس سے کہا تو اُسے ایک دم وہ پُر اسرار شخص یاد آ گیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ مزید خوفزدہ بھی ہوگئی۔

''جوجی......! جوجی یہاں سے چلو۔ عباد بھائی سے کہو واپس چلیں......!''

عباد حسن نے ایک نظر اُس کے خوفزدہ چہرے پر ڈالی پھر حاکم علی سے بولے۔

''ایکسکیوزمی مسٹر......! آپ مجھ سے بات کریں۔ کیا چاہتے ہیں آپ......!''

''میں ان سے بات کرنا چاہتا ہوں۔'' حاکم علی نے بڑے آرام سے اُس کی طرف اشارہ کیا تو عباد حسن بہت ضبط سے پوچھنے لگے۔

''آپ جانتے ہیں اسے......؟''

"ہاں......! یہ نور ہیں...... نور جہاں......! میں ان سے پہلے بھی مل چکا ہوں۔" حاکم علی نے کہا تو اب عباد حسن کسی طرح خود پر قابو نہ پا سکے۔

"شٹ اپ......! شی از ناٹ نور جہاں......! آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"نہیں......! مجھے غلط فہمی نہیں ہوئی، آپ ان سے پوچھیں ہم پہلے مل چکے ہیں۔ نور جہاں......! بتاؤ نہیں؟" حاکم علی غالباً اب کسی قیمت پر اُسے کھونا نہیں چاہتا تھا جب ہی اُسے نہ راستے کا خیال تھا نہ اپنی اور اُس کی پوزیشن خراب ہونے کا۔

"عباد بھائی......! میں اسے نہیں جانتی۔" اُس کے حلق سے بمشکل پھنسی پھنسی آواز نکلی تو عباد حسن اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولے۔

"ریلیکس بیٹا......! تم کیوں پریشان ہو رہی ہو، چلو گاڑی میں بیٹھو۔" انہوں نے گاڑی کا دروازہ کھول کر اُسے بٹھایا پھر پلٹ کر وارننگ کے انداز میں حاکم علی سے بولے۔

"شی از ناٹ نور جہاں......! انڈراسٹینڈ......!"

"میری آنکھیں دھوکا نہیں کھا سکتیں۔" حاکم علی کی نظریں نوریہ پر جمی تھیں اور اُس نے یوں نفی میں سر ہلایا جیسے عباد حسن جھوٹ کہہ رہے ہوں۔

عباد حسن نے مزید تکرار نہیں کی اور جویریہ کو بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود چکر کاٹ کر ڈرائیونگ سیٹ پر آئے تھے کہ حاکم علی ایک دم نوریہ کی طرف شیشے پر ہاتھ جما کر اُس سے کہنے لگا۔

"تم مجھ سے بھاگ نہیں سکتیں نور جہاں......! میں تمہیں ہر موڑ پر ملوں گا۔"

وہ خوفزدہ تو پہلے ہی تھی اُس کی اس بات پر مزید ڈر کر چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر رونے لگی تو عباد حسن نے گردن موڑ کر اُسے دیکھا پھر گاڑی کا دروازہ کھولنے لگے تھے کہ جویریہ نے ان کا بازو تھام لیا۔

"بس عباد......! چلیں......!"

"میں پہلے اس کا دماغ ٹھکانے لگا دوں۔"

"نہیں عباد......! پلیز......! تماشا نہ بنائیں، بس چلیں......!" جویریہ کی منت پر انہوں نے گاڑی اسٹارٹ کر کے اسپیڈ سے آگے بڑھائی تو حاکم علی اُچھل کر پیچھے ہٹا تھا۔

○ ○ ○

حاکم علی نوریہ کا تعاقب کرنا چاہتا تھا لیکن اُس کی گاڑی پارکنگ میں پھنسی ہوئی تھی جہاں سے نکلنے میں اُسے پندرہ منٹ لگ گئے اور جب وہ مین روڈ پر آیا تب ظاہر ہے عباد حسن کی وائٹ کرولا کا کہیں نشان نہ تھا۔ پھر بھی وہ پاگلوں کی طرح سڑکوں پر گاڑی دوڑاتا رہا۔ اس وقت وہ بہت جنونی ہو رہا تھا کیونکہ بے بس اور مایوسی کا اُس کی زندگی میں کبھی دخل نہیں رہا تھا۔ وہ جو چاہتا تھا حاصل کر لیتا تھا۔ یہ خیال تو اُسے کبھی چھو کر بھی نہیں گزرا تھا کہ کسی موڑ پر اُسے مایوس بھی ہونا پڑے گا یا کوئی چیز اُس کی دسترس سے باہر بھی ہو سکتی

ہے۔ اسی لیے اب اُسے اپنے آپ پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا۔ ذہن بُری طرح چیخ رہا تھا۔ بس نہیں چل رہا تھا ہر شے تہس نہس کر ڈالے۔ ایسے ہی کھولتے ہوئے ذہن کے ساتھ گھر آتے ہی اُس نے روبی کو فون کر ڈالا۔

"اب کیا ہے......؟" روبی نے غالباً اپنے سی ایل آئی پر اُس کا نمبر دیکھ کر فون اُٹھایا تھا جب ہی اُکتائے ہوئے لہجے میں بولی تھی لیکن حاکم علی کو اس سے غرض نہیں تھی اُسے صرف اپنی بات کہنی تھی۔

"سنو......! نور جہاں سے کہنا اُس نے مجھے جھٹلا کر اچھا نہیں کیا اور وہ کب تک جھٹلائے گی مجھے......؟ میں اُسے سارے زمانے میں رُسوا کر دوں گا۔ وہ صرف میرے نام سے پہچانی جائے گی صرف میرے نام سے۔" اس کے ساتھ ہی اُس نے ریسیور پٹخ دیا۔

○ ○ ○

نوریہ گھر آتے ہی اپنے کمرے میں بھاگ آئی اور بیڈ پر گر کر باقاعدہ رونے لگی۔ چند لمحوں بعد جویریہ اُس کے پیچھے آئی اور اُسے اس شدت سے روتا دیکھ کر پریشان ہو گئی۔

"نور......! خدا کے لیے میری بات سنو......!" جویریہ نے اُسے کندھوں سے تھام کر اونچا کیا اور اپنے ہاتھوں سے اُس کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہنے لگی۔

"اگر تم اُس پاگل آدمی کی باتوں سے ڈر کر رو رہی ہو تو بہت ہی بے وقوف ہو۔ پتا نہیں کس کے دھوکے میں وہ تمہیں پکار رہا تھا۔"

اُس کا دل چاہا بتائے کہ وہ وہی پُراسرار شخص ہے لیکن پھر کچھ سوچ کر خاموش رہی۔

"چلو اُٹھو......! منہ ہاتھ دھو لو۔ اگر امی آ گئیں تو تمہاری روتی شکل دیکھ کر کتنی پریشان ہوں گی۔" جویریہ اُس کا ہاتھ ہلا کر بولی۔

"جوجی......! مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" وہ پھر روہانسی ہو گئی۔

"کیوں......؟ کس بات سے......؟ کیا تم نور جہاں ہو......؟ نہیں ناں......! پھر کیوں پریشان ہو رہی ہو......؟" جویریہ ڈانٹ کر بولی۔

"پریشانی کی بات ہے جوجی......! آج تو تم اور عباد بھائی تھے کل اگر بھائیوں کے سامنے اُس نے میرا راستہ روک لیا تو......؟" وہ زیادہ اس خدشے سے خوفزدہ تھی لیکن جویریہ نے اُسے کوئی اہمیت ہی نہ دی۔

"تو کیا ہوا......؟ تمہیں اپنے آپ پر بھروسہ ہونا چاہیے اور دیکھو یہ ڈر اور خوف اُسی وقت ہوتا ہے جب ہم سے کوئی غلطی ہوئی ہو اور ہم اسے چھپانا چاہیں۔ تمہارے ساتھ تو ایسا کوئی معاملہ نہیں ہے پھر کیوں......؟" جویریہ نے سمجھاتے ہوئے کہا تو وہ جزبز سی ہو کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں منہ ہاتھ دھو لوں......!"

''میں بھی نیچے جا رہی ہوں اور دیکھو اب رونا مت......! یہ تمہارے رونے کے دن نہیں۔'' آخر میں جویریہ نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ اس کا گال چھوا وہ جھینپ کر بولی۔

''اچھا بس......! اب جاؤ......!''

جویریہ ہنستی ہوئی چلی گئی تو اُس نے واش روم کا رُخ کیا اور نل کھول کر کتنی دیر چہرے اور آنکھوں پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارتی رہی۔ پھر آئینے میں خود کو دیکھا۔ رونے کے باعث آنکھیں سرخی مائل ہو رہی تھیں۔

''یہ تمہارے رونے کے دن نہیں ہیں۔'' جویریہ کی معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہی بات یاد آنے پر وہ ذرا سا مسکرائی پھر سوچنے لگی۔

''وہ شخص کون ہے......؟ کیا چاہتا ہے مجھ سے......؟ کیوں میرا تعاقب کر رہا ہے......؟ اور میں کیوں اُس سے ڈر رہی ہوں......؟ اگر میں کسی مجبوری کے تحت اس کے گھر میں داخل ہوئی تھی تو یہ کوئی گناہ تو نہیں تھا جس پر میں نادم یا خائف ہوں۔ مجھے ڈرنا نہیں چاہیے بلکہ اُس کا سامنا کرنا چاہیے۔ ہاں......! مجھے یہی کرنا چاہیے۔'' وہ ایک دم فیصلہ کر کے واش روم سے نکل آئی۔ پہلے امی ڈیڈی کے کمرے میں جھانک کر دیکھا پھر لاؤنج میں آ کر روبی کے نمبر ڈائل کرنے لگی۔

''میں ابھی تمہاری شادی کا کارڈ دیکھ رہی تھی۔'' اِدھر سے روبی نے ریسیور اُٹھاتے ہی کہا تو وہ پوچھنے لگی۔

''پھر کب آ رہی ہو......؟''

''یار......! ابھی تو میں نے تیاری بھی نہیں کی۔'' روبی نے کہا۔

''کیا......؟ تم تیاری کرتی رہ جانا اِدھر میں رُخصت ہو جاؤں گی۔'' وہ چیخی۔

''میرے بغیر......!'' روبی نے ٹوکا۔

''یہی لگ رہا ہے۔''

''جی نہیں......! میں کل یا پھر پرسوں آ جاؤں گی اور پھر تمہیں رُخصت کر کے ہی واپس آؤں گی۔'' روبی نے کہا تو وہ اصل بات کی طرف آ گئی۔

''اچھا سنو......! پھر اُس کا فون تو نہیں آیا تھا......؟''

''کس کا......؟'' روبی غالباً فوراً سمجھی نہیں تھی۔

''وہی جو میرے بارے میں پوچھتا ہے......!'' اُس کا لہجہ آپ ہی آپ دھیما ہو گیا تھا۔

''ہاں......! آیا تھا، ابھی شام ہی میں......'' روبی نے ابھی اس قدر کہا تھا کہ اس نے فوراً پوچھا۔

''کیا......کیا کہہ رہا تھا......؟''

''وہی بکواس کہ تمہارا اتا پتا چاہیے۔ عجیب پاگل آدمی ہے۔ خیر......! تم اُسے سیریس مت

لو......!'' روبی نے ہلکے پھلکے انداز میں گویا اُسے ریلیکس کرنے کی کوشش کی۔

''اچھا......! تم مجھے اُس کا نمبر دو......!'' اُس نے کہا۔

''کیوں......! تم کیا کرو گی......؟'' روبی یک دم تیز ہو کر بولی۔

''کچھ نہیں......! بس تم نمبر بتاؤ......!''

''نہیں نور......! میرا خیال ہے تم......''

''تم نمبر بتاؤ......! ورنہ میں کبھی تم سے بات نہیں کروں گی۔'' اُس نے روبی کی بات کاٹ کر دھمکی آمیز لہجے میں کہا تو روبی نمبر لکھوا کر پھر اُسے سمجھانے لگی۔

''دیکھو نور......! یہ تمہارے لیے ٹھیک نہیں ہے۔ اب جبکہ تمہاری شادی ہو رہی ہے تو اپنے لیے کوئی مسئلہ کھڑا مت کرو۔''

''کوئی مسئلہ نہیں ہو گا بلکہ میں اس مسئلے کو یہیں ختم کر دینا چاہتی ہوں، او کے......! پھر تم کل آ رہی ہو ناں......؟''

''کل نہیں......! پرسوں......!''

''ٹھیک ہے......! میں انتظار کروں گی۔'' اُس نے کریڈل پر ہاتھ رکھ کر سلسلہ منقطع کیا پھر چند لمحے سوچنے کے بعد ریسیور رکھ کر اپنے کمرے میں آئی اور دراز میں سے اپنا نیا موبائل نکال کر حاکم علی کے نمبر پش کرنے لگی۔ دوسری طرف بیل جا رہی تھی اور ہر بیل کے ساتھ کبھی اُس کا دل زور سے دھڑکتا کبھی ڈوبتا ہوا محسوس ہوتا اور جب اُس کی بھاری آواز سماعت سے ٹکرائی تب وہ ساری ہمت یکجا کر کے بولی۔

''میں نور ہوں......! نور جہاں......!''

''نور......! نور جہاں......!'' اِدھر حاکم علی یقین و غیر یقینی کی کیفیت میں پکارے گیا۔

''ہاں......! نور جہاں......!''

''کیا چاہتے ہو تم......!'' اُس کا لہجہ آپ ہی آپ تیز ہو گیا۔

''تم......تمہیں......! صرف تمہیں......!'' حاکم علی جانے مدہوش تھا یا مدہوشی ٹوٹ رہی تھی۔

''تم شاید ہوش میں نہیں ہو......!'' اُس نے کہا تو وہ جیسے بکھر گیا۔

''ہاں......! جب سے تمہیں دیکھا ہے تب سے ہوش کھو بیٹھا ہوں۔''

''مجھے اس سے غرض نہیں کہ تم ہوش میں ہو یا ہوش کھو بیٹھے ہو۔ پھر بھی اس وقت ہوش میں آ کر میری بات سنو کہ تم ہر موڑ تو کیا ہر قدم پر بھی میرے سامنے آؤ گے تو میں تمہیں ٹھوکر ہی ماروں گی کیونکہ مجھے نفرت ہے تم سے، تم جیسے لوگوں سے، سمجھے تم......!'' وہ بے پناہ تنفر سے بول رہی تھی اور ابھی مزید کچھ کہنا چاہتی تھی کہ وہ بول پڑا۔

''سمجھ گیا اور تم بھی سمجھ لو کہ تم میری ضد بن چکی ہو اور جو میری ضد بن جائے اُس کے لیے پھر اُسے

ساری دُنیا میں کہیں امان نہیں۔"

"اتنا زعم......!" اُس کے تنفر میں طنز کے ساتھ شاید کچھ حیرت بھی سمٹ آئی تھی۔

"ہاں......! اور یہ صرف زبانی زعم نہیں ہے، آزما کر دیکھ لو۔" حاکم علی تفخر سے بولا تو وہ پھر چیخ گئی۔

"مجھے کیا ضرورت ہے کسی ایرے غیرے کو آزمانے کی......؟"

"میں ایرا غیرا نہیں ہوں نور جہاں......! بار بار میری توہین مت کرو......!"

"تم اسی قابل ہو اور سنو......! میں نور جہاں نہیں ہوں۔" نوریہ نے یہ کہہ کر نہ صرف موبائل آف کیا بلکہ لاک کر کے الماری میں بند کر دیا۔

○○○

رات میں نعمان نے سب کزنز کو اکٹھا کر کے اُن کے درمیان ڈھولک لا رکھی۔ پھر مریم اور ردا کی طرف رُخ موڑ کر کہنے لگا۔

"جب نوریہ کی شادی طے ہوئی تھی اُسی وقت تم لوگوں کو ڈھولک سنبھال لینی چاہیے تھی۔ کیا سوچے گی نوریہ کہ اُس کی شادی سے ہم سب خوش نہیں ہیں۔"

"ہاں......! نہیں ہیں......!" ردا بے اختیار کہہ کر نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا گئی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا......!" نعمان ردا کو گھورنے لگا تو وہ گڑبڑا گئی۔

"سوری بھائی......! بس یونہی میرے منہ سے نکل گیا۔"

"آئندہ بولنے سے پہلے سوچ لیا کرو......!" نعمان نے سخت لہجے میں تنبیہ کی۔

"پلیز نومی......! موڈ خراب مت کرو، ہم سب خوش ہیں۔" مریم نے کہا۔

"تو سنبھالو ڈھولک......! پتا ہی نہیں چل رہا کہ یہ شادی کا گھر ہے۔" وہ ڈھولک کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"نوریہ کو بھی بلاؤ ناں......!" مریم نے ڈھولک اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔

"میں اُسے لے کر آتا ہوں۔" وہ کہہ کر کمرے سے نکلا اور سیڑھیاں پھلانگتا ہوا اُوپر آ گیا۔

نوریہ کھڑکی کے قریب کھڑی جانے کن سوچوں میں گم تھی۔

"ہیلو......!" نعمان نے دروازے کے قریب رُک اُسے متوجہ کیا تو وہ پلٹ کر بے دھیانی میں اُسے دیکھنے لگی۔

"ابھی تک ناراض ہو......!" وہ اُس کی خاموشی سے یہی سمجھا۔

"ابھی تک کیا مطلب......؟ میں پہلے کب تم سے ناراض تھی......؟" وہ چونک کر پوچھنے لگی۔

"آئی ایم سوری......! کہ مجھے بھی غصہ آ گیا تھا۔ تم نے بات ہی ایسی کی تھی۔" اُس نے کہا تو وہ بظاہر سنجیدگی سے پوچھنے لگی۔

"تو تم نے ہمایوں کو فون نہیں کیا تھا......؟"

"کیسی بے وقوفوں والی باتیں کر رہی ہو، کیا میں ایسی فضول حرکت کر سکتا ہوں......؟" اُس نے کہا تو وہ بے ساختہ ہنس کر بولی۔

"نہیں......!"

"تھینک گاڈ......! تم ہنسی تو......!" نعمان نے گہری سانس کھینچ کر کہا تب ہی ڈھولک بجنے کی آواز آنے لگی تو نوریہ چونک کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

"یہاں سے کوئی نظر نہیں آئے گا، نیچے چلو......!" وہ پھر گردن موڑ کر اُسے دیکھنے لگی۔

"ایسے مت دیکھا کرو......! مجھے اُلجھن ہونے لگتی ہے۔ چلو نیچے سب تمہیں بلا رہے ہیں۔" وہ کہہ کر جانے لگا کہ اُس نے پکار لیا۔

"نومی......!"

"ہوں......!" وہ رُک گیا۔

"نیچے کون کون ہے......؟" اُس نے پوچھا تو وہ اُس کی طرف پلٹ کر بتانے لگا۔

"سب ہیں......! سفینہ پھوپھی بھی آ گئی ہیں اپنی سب اولادوں کے ساتھ۔"

"ہیں......! پھپھو کب آئیں......؟" اُسے حیرت ہوئی۔

"ابھی کچھ دیر پہلے......! اور تم حیران کیوں ہو رہی ہو......؟" نعمان نے پوچھا۔

"پھپھو اصل میں تمہارے سسرال والوں کی پوری انکوائری کر رہی ہیں جب اس کام سے فارغ ہوں گی تب انہیں تمہارا خیال آئے گا۔" اُس نے حیرت میں ڈوبی نور کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور انیلا......! صبیحہ......!" اُس نے پھپھو کی بیٹیوں کے بارے میں پوچھا۔

"وہ سب وہاں کمرے میں ہیں، تم چلو ناں......!" نعمان نے پھر چلنے پر اصرار کیا۔

"میں نہیں جا رہی، مجھے نیند آ رہی ہے۔" وہ سستی سے بولی۔

"ارے واہ......! سارا اہتمام تمہارے لیے کیا گیا ہے اور تم......! چلو فوراً......!" نعمان نے آگے بڑھ کر اُس کا ہاتھ پکڑنا چاہا لیکن وہ فوراً پیچھے ہٹ گئی۔

"نومی پلیز......! میں سونا چاہتی ہوں۔"

"غلط......! تمہاری آنکھوں میں نیند کا شائبہ تک نہیں البتہ سنہری خوابوں کا عکس جھلملا رہا ہے۔" وہ اُس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا۔

"ایسے ہی خوامخواہ......!" وہ نظریں چرا گئی۔

"ادھر میری طرف دیکھو......!"

"نہیں......! بس تم جاؤ......!"

"تمہارا اعتراف لیے بغیر نہیں جاؤں گا۔" وہ اَڑ گیا تو وہ ایک نظر اُسے دیکھ کر پھر اُس کی طرف سے رُخ موڑ گئی۔

"تمہارے سامنے اعتراف کیوں کروں......؟ تم......"

"ارے......! اب یہ مت کہہ دینا کہ میں تمہارا لگتا ہی کیا ہوں......؟" وہ اُس کی بات کاٹ کر بولا تو وہ ہنس پڑی۔

"نہیں......! تم تو میرے سب سے اچھے دوست ہو......!"

"تو پھر اچھے دوست کو یہ اطمینان تو دو کہ تم خوش ہو......!"

"کیا میں تمہیں خوش نظر نہیں آ رہی......؟" اُس کے چہرے پر اندرونی خوشی چمک رہی تھی۔

وہ چند لمحے اُسے دیکھتا رہا پھر سویٹ ڈریمز کہہ کر کمرے سے نکل گیا۔

○ ○ ○

بے بے بہت شوق سے حاکم علی کی شادی کی تیاریوں میں لگ گئی تھیں۔ اپنی بیاہی بیٹیوں کو بھی انہوں نے پیغام بھیج دیئے تھے کہ وہ جلدی آ جائیں اور اُن کا ہاتھ بٹائیں لیکن سب کی طرف سے ایک ہی جواب تھا کہ بچوں کے امتحانوں سے فارغ ہو کر آئیں گے جس پر بے بے جھنجلائی ہوئی تھیں۔

"امتحان تو پھر آ جائیں گے۔ حاکم کی شادی تھوڑا ہی بار بار ہو گی۔"

"تو حاکم کون سا ابھی آ رہا ہے۔" بے بے کی بڑبڑاہٹ سن کر سردار ہاشم علی نے تیز لہجے میں کہا۔

"ہیں......! حاکم علی بھی نہیں آ رہا۔ کیا کہتا ہے کب آئے گا......؟" بے بے چونک کر بولیں۔

"اگلے مہینے کا کہا ہے اور وہ بھی یقین سے نہیں کہا۔" سردار ہاشم علی نے بتایا۔

"ہائے......! تو شادی کیسے ہو گی......؟ اور میں ایسے ہی تیاریوں میں لگی ہوں۔" بے بے پریشان ہو کر بولیں۔

"تو تیاری نہ روک حاکم کی ماں......! حاکم کو میں دیکھ لوں گا، بہت سر چڑھ گیا ہے۔ نہیں آئے گا تو بندے بھیج کر اُٹھوا لوں گا اُسے۔" سردار ہاشم علی زندگی میں پہلی بار حاکم پر ناراض ہو رہے تھے جب ہی بے بے دہل گئیں۔

"کیوں نہیں آئے گا......؟ شادی ہے اُس کی، ضرور آئے گا۔"

"میری غلطی ہے، بہت ڈھیل دے دی میں نے اُسے۔" سردار ہاشم علی بے بے کی بات پر توجہ دیئے بغیر اپنی کہے گئے۔

"شروع سے اُس نے جو کہا مان لیا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ میرا ابھی باپ بن جائے۔ میں اگر اُس کی ہر بات مان سکتا ہوں تو اپنی بھی منوا سکتا ہوں۔ بتا کب کرنی ہے اُس کی شادی......؟"

"مم...... میں...... میں کیا بتاؤں......؟ آپ ہی طے کرو گے......!" بے بے اُن کے غصے سے

کانپ رہی تھیں۔

"تو عید کا چاند طے ہے، کہلوا دو سب کو۔ عید کے چوتھے دن حاکم سہرا باندھے گا۔" سردار ہاشم علی نے اسی وقت دن تاریخ کا اعلان کر دیا پھر پوچھنے لگے۔

"بیٹیوں نے کب آنے کو کہا ہے......؟"

"بچوں کے امتحان......" بے بے اسی قدر کہہ سکیں۔

"ہاں......! ٹھیک ہے......! بچے امتحانوں سے فارغ ہو جائیں پھر رمضان میں سب کو اِدھر ہی بلا لینا اور سُن......! چاندنی کا اسکول جانا بند کر بہت پڑھ لیا اُس نے۔" سردار ہاشم علی اس وقت غصے میں تھے جب ہی بے بے نے کوئی احتجاج نہیں کیا۔ بس خاموشی سے انہیں دیکھتی رہ گئیں اور جب وہ زمینوں پر جانے کے لیے روانہ ہو گئے تب بھاگی ہوئی چاندنی کے پاس آ کر بولیں۔

"چاندنی......! ذرا حاکے کا فون تو ملا دے......!"

"میں......!" چاندنی حیران ہوئی پھر بے بے کی گھبراہٹ دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"کیا ہوا ہے بے بے......! تو پریشان کیوں ہو رہی ہے......؟"

"کچھ نہیں......! بس تُو فون ملا دے......!" بے بے نے ٹالا لیکن وہ اَڑ گئی۔

"نہیں......! پہلے بتا کیا بات ہے......؟"

"ہر بات تیرے بتانے کی نہیں ہوتی۔" بے بے نے ڈانٹا تو وہ منہ پھلائے ٹیلی فون کے قریب آئی لیکن پھر حاکم کا نمبر ڈائل کرتے ہوئے اس کا دل دھڑکنے لگا اور جب سماعت سے اُس کی آواز ٹکرائی تب اُس نے گھبرا کر ریسیور بے بے کو تھما دیا اور خود اُن کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔

"حاکے......! کیا کہا ہے تو نے اپنے بابا سے......؟" بے بے چھوٹتے ہی شروع ہو گئیں۔

"وہ غصے ہو رہے تھے۔ بس جلدی آ جا......!"

"میں فوراً نہیں آ سکتا بے بے......!" حاکم علی نے کہا تو بے بے تیز ہو کر بولیں۔

"کیوں......! کیوں نہیں آ سکتا......؟"

"بس......! ابھی میں خود پریشان ہوں۔" اُس نے کہا تو بے بے اُس کی پریشانی کا سن کر ایک دم نرم پڑ گئیں۔

"کیا پریشانی ہے پُتر......! مجھے بتا......! میں مرشد سائیں سے کہوں گی۔"

"نہیں نہیں......! کوئی ایسی بات نہیں ہے بے بے......!" وہ ٹال گیا۔

"بتا پُتر......! کاروبار میں گھاٹا ہو گیا ہے کیا......؟ چل دفع کر، نہ اُدھر اپنا مغز کھپا، اِدھر آ جا......! کوئی کمی تھوڑا ہی ہے تجھے......!" بے بے اپنی سمجھ کے مطابق قیاس کر کے مشورہ بھی دینے لگیں تو وہ اُکتا کر بولا۔

"چھوڑیں بے بے......! یہ بتائیں بابا کیوں غصے ہو رہے تھے......؟"

"تو نے جو آنے کو منع کیا ہے......!"

"میں نے منع تو نہیں کیا۔ ہاں......! یہ کہا تھا کہ اگلے مہینے آ ؤں گا۔"

"نہ تو اس سے پہلے آ کر اپنے بابا کو منا جا۔ نہیں تو وہ روز مجھ پر غصہ کرتا رہے گا۔" بے بے نے کہا تو وہ کسی تکرار سے بچنے کی خاطر بولا۔

"اچھا......! ٹھیک ہے......! آ جاؤں گا......!"

"اور سن......! عید کے چاند تیری شادی رکھی ہے، عید کے چوتھے دن...... سن رہا ہے ناں......!"

"سب سن رہا ہوں بے بے......! سب سن لیا ہے......!" حاکم علی نے ڈھیلے ڈھالے انداز میں کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔ بے بے کچھ دیر ہیلو ہیلو کرتی رہیں پھر ریسیور رکھ کر پلٹیں تو چاندنی کو کھڑے دیکھ کر بلا ارادہ ٹوک گئیں۔

"تو یہاں کیا کر رہی ہے......؟" پھر خود ہی کہنے لگیں۔

"مجھے تو حاکما پریشان لگ رہا تھا۔ پتا نہیں کیا بات ہے......؟ بتاتا بھی نہیں......! کیا کروں......؟ مُرشد سائیں کے پاس جاتی ہوں، وہی اس کے لیے دُعا کریں گے، تو چلے گی......!" چاندنی سے پوچھا تو وہ نفی میں سر ہلاتی ہوئی بیڈ پر جا بیٹھی۔

"چلے چل......! تجھے بھی دَم کر دیں گے مُرشد سائیں......!"

"مجھے کیا ہوا ہے......؟ ایسے ہی خواہ مخواہ......!" چاندنی کے جھنجلانے پر بے بے خاموش ہو رہی۔

○○○

حاکم علی کے اندر پہلے ہی نوریہ کے فون نے آگ لگا رکھی تھی اور اب بے بے نے شادی کی جلدی مچا کر اُسے مزید بھڑکا دیا تھا۔ گو کہ وہ بہت مضبوط اعصاب کا مالک تھا پھر بھی اس وقت بُری طرح چکرایا ہوا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کرے۔ اپنے اندر کا غبار کس پر نکالے۔ ملازم فضل دین کو کچھ دیر پہلے وہ کسی کام سے بھیج چکا تھا ورنہ اُسی کی شامت آ جاتی۔ کچھ دیر مٹھیاں بھینچے وہ اِدھر سے اُدھر ٹہلتا رہا پھر ریک کھول کر بوتل نکال لی۔ پہلے وہ شوقیہ ڈرنک کرتا تھا لیکن اس وقت اس کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے اس نے بوتل منہ سے لگائی تو پھر خالی کر کے جب پھینکی تو اُس کی آنکھوں کے سامنے دائرے دائرے بننے لگے۔

"نور جہاں......! نور جہاں......! میرے پاس آؤ......!" وہ مدہوشی میں بھی اسے پکار رہا تھا اور یونہی پکارتے پکارتے تاریکیوں میں ڈوب گیا۔ پھر جب سرمئی شام رُخصت ہو رہی تھی تب نشی نے آ کر اُسے جھنجوڑ کر اُٹھایا اور اُس کی سرخ آنکھیں دیکھ کر تاسف سے بولی۔

"تم خود کو تباہ کر رہے ہو سردار......!"

"بڑا مزہ ہے اس تباہی میں۔" وہ بولا تو اُس کے منہ سے آتی ناگوار مہک سے نشی نے منہ موڑ لیا۔

"جاؤ......! پہلے بُرش کرو......! بلکہ جلدی تیار ہو جاؤ......! سونیا کی برتھ ڈے میں جانا ہے۔"

"ارے......! میں تو بھول ہی گیا تھا کہ آج سونیا کی برتھ ڈے ہے۔ چلو......! تم فضل دین سے چائے کا کہو میں شاور لے کر آتا ہوں۔" وہ کہتا ہوا وارڈروب کی طرف بڑھ گیا اور نشی اُس کے کمرے سے نکل گئی۔ تقریباً بیس منٹ بعد جب وہ تیار ہو کر لاؤنج میں آیا تو نشی چائے کے ساتھ اُس کی منتظر تھی۔

"جلدی آؤ سردار......! ہم لیٹ ہو رہے ہیں۔" نشی نے کہتے ہوئے اُسے دیکھا تو اُس پر سے نظریں ہٹانا بھول گئی۔

"کیا میں ہمیشہ سے زیادہ ہینڈسم لگ رہا ہوں۔" وہ شرارت سے آنکھ بند کر کے مسکرایا تو نشی جھینپ کر بولی۔

"تم جتنے اچھے ہو سردار......! اتنے ہی بُرے......!"

"ہاہاہا......!" اُس نے حسبِ عادت قہقہہ لگایا پھر چائے کا کپ اُٹھاتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"تم نے اچھے سے دوستی کی ہے یا بُرے سے......؟"

"جب ہماری دوستی ہوئی تھی تب میں تمہاری اچھائیوں اور بُرائیوں سے آگاہ نہیں تھی۔" نشی نے صاف گوئی سے کہا۔

"اب تو آگاہ ہو گئی ہو......!" وہ فوراً بولا۔

"زیادہ نہیں......! خیر چلو......!" وہ اُٹھ کھڑی ہوئی تو حاکم علی نے چائے کا کپ خالی کر کے رکھ دیا پھر وہیں سے فضل دین کو اپنے جانے کا بتا کر نشی کے ساتھ باہر نکل آیا۔

سونیا نے اپنی برتھ ڈے پارٹی کا اہتمام اپنے گھر پر ہی کیا تھا۔ وہ بہت حسین اور الٹرا ماڈرن لڑکی تھی۔ غضب کی ڈریسنگ کرتی تھی یا پھر جامہ زیبیت اس پر ختم تھی جو ڈریس پہن لیتی، لگتا تھا صرف اسی کے لیے بنا ہے۔

شروع میں حاکم علی اُس کے لیے سنجیدہ ہوا تھا یعنی اپنی شریک سفر کے لیے اُسے سوچنے لگا تھا لیکن جب وہ اُس کی دسترس میں آ گئی تب اُس نے اُس سے شادی کا خیال چھوڑ دیا تھا۔ وہی بات کہ کوئی بھی شے جب تک ہماری دسترس سے باہر ہوتی ہے ہمارے لیے اہمیت رکھتی ہے اور جب بغیر کسی تگ و دو کے حاصل ہو جائے تو جیسے کبھی وہ اہم تھی ہی نہیں! اور سونیا جانے یہ بات سمجھتی نہیں تھی یا اُسے اپنے بے پناہ حسین ہونے کے زعم میں یہ یقین تھا کہ حاکم علی اُس سے ہٹ کر سوچ ہی نہیں سکتا اور اُس کا یہ یقین سچ ثابت ہو سکتا تھا اگر جو وہ حاکم علی کے بیڈروم کی زینت نہ بنتی۔ بہرحال اس وقت بھی وہ سیاہ چمکیلے لانگ اسکرٹ میں غضب ڈھا رہی تھی۔

"لوکنگ ویری بیوٹی فل......!" ہمیشہ کی طرح حاکم علی نے سونیا کو سراہا۔

"کوئی نئی بات کرو......!" وہ اترا کر بولی۔

''نئی بات......!'' حاکم علی نے سوچتے ہوئے انداز میں نشی کو دیکھا تو وہ کہنے لگی۔

''ڈیئر فرینڈز......! میں اپنی اس برتھ ڈے کو یادگار بنانا چاہتی تھی اور اس کے لیے ضروری تھا کہ ہمیشہ سے ہٹ کر کوئی نئی بات ہو اور نئی بات یہ ہے کہ آج میں آپ سب کو گفٹ دوں گی۔

''واؤ......!'' ایک ساتھ کئی آوازیں اُبھریں۔ خوشی کا اظہار تھا۔

''پلیز......!'' سونیا نے کونے میں رکھی بڑی سی ٹیبل کی طرف اشارہ کیا جس پر بے شمار گفٹ پیکٹس رکھے تھے۔

''مجھے خوشی ہوگی اگر آپ سب اپنا اپنا پیکٹ اُٹھا لیں......!'' سونیا نے پھر کہا تو سب ٹیبل کی طرف بھاگے جبکہ حاکم علی وہیں کھڑا رہ کر دلچسپی سے سب کو اپنے اپنے نام کا پیکٹ ڈھونڈتے اور جھپٹتے دیکھ رہا تھا۔

''تم نہیں لو گے......؟'' سونیا نے حاکم علی کے قریب آ کر دھیرے سے کہا تو وہ چونک کر اُسے دیکھنے لگا۔

''تم واقعی سردار ہو......! اپنی شان کے خلاف کوئی بات نہیں کرتے۔'' سونیا کہہ کر آگے بڑھ گئی تو وہ سر جھکا کر پھر سب کو دیکھنے لگا۔ آہستہ آہستہ ٹیبل خالی ہو گیا تو وہ اس خیال سے سب کے ہاتھوں کو دیکھنے لگا کہ اُس کے نام کا پیکٹ کس نے اُٹھایا اور ابھی اُس کی نظریں سب کے ہاتھوں پر پھسل ہی رہی تھیں کہ سونیا نے پھر سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

''ہاں تو دوستو......! کیسا لگا میرا سرپرائز......!''

''زبردست......!'' سب ایک ساتھ بولے۔

''تھینک یو......! لیکن ابھی ایک گفٹ باقی ہے۔'' سونیا نے کہا تو سب ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

''سردار کو نہیں ملا......!'' نشی نے اپنا پیکٹ والا ہاتھ اُونچا کر کے کہا۔

''مجھے معلوم ہے، میں نے خود سردار کے نام کا پیکٹ وہاں نہیں رکھا کیونکہ اسے میں اپنے ہاتھوں سے دینا چاہتی ہوں اگر آپ سب کو اعتراض نہ ہو تو......!'' سونیا کہہ کر سب کو دیکھنے لگی۔ کسی طرف سے اعتراض نہیں اُٹھا تو وہ ایک منٹ کہہ کر کمرے سے نکل گئی۔

''سردار......! لگتا ہے تمہارے لیے کوئی اسپیشل گفٹ ہے......!'' نشی نے حاکم علی کو مخاطب کر کے کہا تو وہ ہنس پڑا۔ ایسی ہنسی جو کچھ سمجھ نہ آنے پر بلاوجہ ہونٹوں پر آتی ہے۔

''مجھے تجسس ہو رہا ہے......! کہاں چلی گئی سونیا......!'' نشی کی بے قراری پر وہ اُسے ٹوکنا چاہتا تھا کہ سونیا آ گئی جسے دیکھتے ہی سب میں اشتیاق پھیل گیا تھا۔

سونیا دونوں ہاتھوں میں تقریباً چھ ماہ کے بچے کو اُٹھائے سیدھی حاکم علی کے پاس چلی آئی اور بچہ

اُس کے سامنے کر کے بولی۔

''سردار......! یہ تمہارا بچہ ہے......!'' حاکم علی بالکل غیر ارادی طور پر ایک قدم پیچھے ہٹا۔

''ڈرو مت سردار......! میں تمہیں کوئی الزام نہیں دے رہی۔ میں تو سب لوگوں کے درمیان یہ اعتراف کر رہی ہوں کہ یہ ہماری محبت کی نشانی ہے اور مجھے اس پر کوئی شرمندگی یا پچھتاوا نہیں۔ تمہیں بھی نہیں ہونا چاہیے۔''

''شٹ اَپ سونیا......! شٹ اَپ......!'' وہ یک دم پوری قوت سے چیخا۔

''چلاؤ مت سردار......! میں تم سے زیادہ اُونچی آواز میں چلا سکتی ہوں۔''

''تم مجھے بلیک میل نہیں کر سکتیں سونیا......!'' وہ دانت پیس کر بولا اور پھر رُکا نہیں، راستے میں آئی ہر شے کو ٹھوکر مارتا ہوا باہر نکلتا چلا گیا۔



بے بے حسبِ معمول فجر کی نماز کے بعد وہیں جائے نماز پر تسبیح لیے بیٹھی تھیں۔ وہ ہمیشہ سے فجر کی نماز چاندنی کے کمرے میں پڑھا کرتی تھیں۔ اصل میں وہ چاندنی کو بھی نماز کے لیے اُٹھانے آتی تھیں لیکن وہ بے خبر کبھی فجر کے لیے نہیں اُٹھی۔ تب بے بے وہیں جائے نماز بچھا لیتی تھیں پھر تسبیح کے دوران جب اُس پر نظر پڑتی تو پکار لیتیں۔

''اُٹھ جا چاندنی......! سویرے اُٹھنا اچھا ہوتا ہے۔ ربّ راضی ہوتا ہے۔ کبھی ربّ کو بھی راضی کر لیا کر۔'' اس وقت بھی وہ یہی کہہ رہی تھیں کہ اُن کی سماعتوں نے حاکم کی آواز سنی۔ وہ جانے کہاں سے پکار رہا تھا۔

''بے بے......!''

''حاکم......!'' بے بے نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا پر اپنا وہم سمجھ کر سر جھٹکنے لگی تھیں کہ اُونچی آواز میں پھر پکار آئی۔

''بے بے......!''

بے بے تو ہڑبڑا کر اُٹھیں۔ اِدھر چاندنی نے بھی گہری نیند سے آنکھیں کھول دی تھیں۔

''آ رہی ہوں حاکے......! آ رہی ہوں......!'' بے بے نے جلدی سے جائے نماز لپیٹ کر رکھی اور اسی عجلت میں کمرے سے نکلیں تو برآمدے میں کھڑے حاکم علی نے فوراً آگے آ کر انہیں بازوؤں میں تھام لیا۔

''میں صدقے......! میں واری......! اچھا کیا جو چلا آیا......! باپ کو ناراض نہیں کرتے۔'' بے بے بولی جا رہی تھیں پھر اس کی خاموشی محسوس کر کے ایک دم الگ ہو کر اس کا چہرہ دیکھنے لگیں۔

''کیا ہوا ہے حاکم تجھے......!''

''زمانہ دُشمن ہو گیا ہے بے بے......!'' وہ بہت ڈسٹرب لگ رہا تھا۔

''ہیں......! یہ تو کیا کہہ رہا ہے......؟ کون دُشمن ہو گیا ہے......؟'' بے بے پریشان ہو گئیں۔

''کچھ نہیں بے بے......! بس تھک گیا ہوں......! آرام کروں گا......!'' حاکم علی نے بات بنائی پھر پوچھنے لگا۔

''بابا کہاں ہیں......؟''

''زمینوں پر گئے ہیں، کل آئیں گے۔ تو ایسا کر فون کر کے اپنے آنے کا بتا دے انہیں۔'' بے بے نے بابا کے بارے میں بتا کر کہا تو وہ سستی سے بولا۔

''بتا دوں گا......!''

''اچھا......! آرام سے بیٹھ میں تیرے لیے لسی لاتی ہوں۔''

''اوہو......! بے بے......! آپ کو پتا ہے میں لسی نہیں پیتا۔'' وہ جھنجلا گیا۔

''اچھا......! میں چاہ (چائے) بنواتی ہوں۔'' بے بے اسے ناراض نہیں کرنا چاہتی تھیں جب ہی لسی پر اصرار کرنے کی بجائے فوراً چائے کا کہہ کر چاندنی کے کمرے میں آئیں اور اسے کھڑے دیکھ کر بولیں۔

''شکر ہے تو اُٹھ گئی......!''

''کیا ہوا......؟'' وہ انجان بن کر پوچھنے لگی۔

''حاکم آیا ہے، چاہ بنانی ہے اس کے لئے۔ بشیراں تو کل سے بیمار پڑی ہے، جا تو بنا دے، پتی زیادہ ڈال کر بنانا نہیں تو وہ پھینک دے گا۔'' بے بے جلدی جلدی بول رہی تھیں۔

''بے بے......!'' چاندنی نے انہیں کندھوں سے تھام لیا۔

''تو اس کا انتظار بھی کرتی ہے پھر اس کے آنے سے پریشان بھی ہو جاتی ہے، کیوں......؟''

''اس کے آنے سے پریشان نہیں ہوتی...... اس کی باتوں سے اس کے غصے سے گھبراتی ہوں۔'' بے بے نے کہا تو وہ پوچھنے لگی۔

''اب کس بات پر غصہ ہو رہا ہے وہ......؟''

''میں نے لسی کا کہہ دیا تھا۔ مت ماری جاتی ہے میری، بھول جاتی ہوں کہ وہ لسی نہیں پیتا، چاہ پیتا ہے۔''

''چاہ......! ہائے چاہ......!'' چاندنی ''چاہ'' کا مطلب سمجھتی تھی جب ہی کچھ شرارت سے پوچھنے لگی۔

''کون سی چاہ بے بے......!''

''وہی جو ڈبے میں رکھی ہے، جا جلدی کر......!'' بے بے نے اسے دھکیلا تو وہ ہنستی ہوئی کمرے

سے نکل آئی۔

''چاہ......! ایسی چاہ سے چاہ بناؤں گی کہ حاکم یاد ہی رکھے گا۔'' وہ بہت محظوظ ہو رہی تھی۔ چائے بنانے کے دوران مسلسل اپنے آپ سے بولتی رہی پھر چائے کا کپ لے کر کچن سے نکلی تو بے بے ادھر ہی آ رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی بولیں۔

''اُوپر چلا گیا ہے حاکم......!''

''پھر......؟'' وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

''میں تو اُوپر چڑھ نہیں سکتی، جا تو ہی دے آ......!'' بے بے نے کہا تو وہ حاکم کے سامنے جانے کے خیال سے ہی پریشان ہو گئی۔

''میں......! میں جاؤں......؟''

''چلی جا پتر......! شاباش......!'' بے بے کی منت پر وہ آمادہ تو ہو گئی لیکن اس کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔

''بے بے......! وہ ناراض تو نہیں ہوگا......؟''

''ناراض کیوں ہوگا......؟ تو چاہ دے کے چلی آنا، جا شاباش......!'' بے بے نے پھر پچکارا تو وہ کانپتی ٹانگوں سے سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ پھر محرابوں والے برآمدے میں آ کر اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہاں جائے کیونکہ ابھی بھی سب کمروں کے دروازے بند تھے۔ حاکم علی جانے کون سے کمرے میں تھا۔ وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی ابھی پہلے دروازے تک آئی تھی کہ اندر سے حاکم علی کے کھانسنے کی آواز پر اس نے بلا ارادہ فوراً ہینڈل گھما کر پورا دروازہ کھول دیا۔

سامنے بیڈ پر حاکم علی جوتوں سمیت نیم دراز تھا اور اس کی نظریں اسی طرف تھیں جب ہی دروازہ کھلنے سے وہ براہِ راست اس کی نظروں کے سامنے آ گئی تو اس کی رہی سہی ہمت بھی جواب دینے لگیں۔ ہاتھ میں چائے کا کپ لرزنے لگا۔

''اندر آؤ......!'' حاکم علی نے بہت نارمل انداز میں کہا پھر بھی وہ ڈرتے ڈرتے اندر داخل ہوئی اور اس کے قریب کارنر ٹیبل پر چائے کا کپ رکھ کر فوراً واپس پلٹی اور دروازے تک آ کر جیسے بھاگ جانا چاہتی تھی کہ حاکم علی نے پکارا۔

''چاندنی......!''

''جی......!'' وہ رُک گئی۔ دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔

''ادھر آؤ......!'' حاکم علی نے بلایا تو وہ چند قدم واپس پلٹ کر سہمی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

''یہ تم اتنی خوفزدہ کیوں ہو......؟ کیا مجھ سے ڈر رہی ہو......؟'' حاکم علی نے ٹوکا تو اس کے حلق سے

پھنسی پھنسی آواز نکلی۔

"نن...... نہیں......!"

"بے وقوف......!" حاکم علی نے سر جھٹک کر چائے کا کپ اُٹھالیا اور پھر اسے یوں نظر انداز کر دیا جیسے وہ کمرے میں موجود ہی نہ ہو۔ وہ چند لمحے منتظر رہی کہ وہ اسے جانے کو کہے گا یا کوئی اور بات لیکن جب وہ اس کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوا تب ہمت کر کے اس نے خود ہی پوچھا۔

"میں جاؤں......!"

"ہوں......!" حاکم علی نے چونک کر اسے دیکھا اور یونہی اثبات میں سر ہلا دیا تو وہ اسے ہی جواب سمجھ کر فوراً پلٹ کر بھاگی۔

○ ○ ○

جب نوریہ مایوں کا پیلا جوڑا پہن کر ڈریسنگ روم سے نکل کر آئی تو کمرے میں مریم، ردا، انیلا اور صبیحہ کے ساتھ اس کی دوست روبی بھی موجود تھی جو اسے دیکھتے ہی شوخی سے بولی۔

"اوئے ہوئے...... کیا روپ چڑھا ہے......!"

"شٹ اَپ......!" اس کے اس انداز پر سب زور سے ہنسیں۔

"آؤ......! یہاں بیٹھو......!" مریم اس کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

"یہاں اکیلی بیٹھ کر کیا کرے گی، نیچے لے چلو......!" صبیحہ نے کہا تو مریم سوچتے ہوئے بولی۔

"دادی سے پوچھنا پڑے گا۔"

"وہ منع نہیں کریں گی، چلو اُٹھو......!" صبیحہ نے کہا تو وہ سہولت سے بولی۔

"نہیں صبیحہ......! مجھے یہیں رہنے دو......!"

"ہاں ٹھیک ہے......! میں بھی یہیں ہوں اس کے ساتھ، بور نہیں ہونے دوں گی اسے۔" روبی نے کہتے ہوئے گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر پیر پسار لیے۔

"بھئی......! مجھے تو ڈھولک پیٹنے میں بہت مزہ آتا ہے۔" انیلا اُٹھتی ہوئی بولی۔

"ہاں جاؤ......! تم لوگ ڈھولک پر طبع آزمائی کرو ہم یہاں گزرے زمانے یاد کریں گے۔" روبی کی بات پر مریم برا سا منہ بنا کر بولی۔

"پھر تو تم اسے بور ہی کرو گی......!"

"کیا مطلب......؟" روبی سیدھی ہو بیٹھی۔

"بھئی......! یہ چند دن اسے آنے والے دنوں کے خواب دیکھنے دو، گزرے زمانے یاد کرنے کو تو عمر پڑی ہے۔" مریم کی وضاحت پر روبی نے فوراً تائید کرنے کے ساتھ نوریہ سے بھی تائید چاہی۔

"یہ تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو......! کیوں نور......!"

"میرے پاس فضول باتوں کا کوئی جواب نہیں اور ہاں......! میں اب سوؤں گی، مجھے نیند آ رہی ہے۔" نوریہ نے تکیہ کھینچتے ہوئے کہا۔

"ارے واہ......! ہم سب تمہارے لیے رت جگے منا رہے ہیں اور تم سوؤ گی...... ہرگز نہیں......!" انیلا اُچھل کر بولی۔

"ہاں......! چلو نیچے...... آج ہم ڈھولک بھی تم سے بجوائیں گے۔" صبیحہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا تو وہ امداد طلب نظروں سے مریم کو دیکھنے لگی۔

"میرا خیال ہے میں دادی سے پوچھ کر پھر اسے لے جاؤں گی۔ چلو جب تک تم پریکٹس شروع کرو۔" مریم نے کہتے ہوئے ردا کو اشارہ کیا تو وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"ہاں...... اچھا ہم لوگ چلتے ہیں۔"

"جاؤ شاباش......!" روبی پھر لیٹ گئی اور ان سب کے جاتے ہی نوریہ کو دیکھ کر ہنسنے لگی۔

"ہنس کیوں رہی ہو......؟" نوریہ گھور کر بولی۔

"پیلے جوڑے میں اچھی لگ رہی ہو۔ ایسا کرو عروسی شرارہ بھی پیلے رنگ کا لے لو۔" روبی نے اسی طرح ہنستے ہوئے کہا۔

"وہ میں تمہاری شادی میں پہن لوں گی۔" نوریہ اس کے بازو میں چٹکی کاٹ کر بولی۔

"ارے...... میری شادی تو پتا نہیں کب......" فون کی بیل سے روبی کی بات اُدھوری رہ گئی۔

"جاؤ......! دیکھو کس کا فون ہے......؟"

"میں جاؤں......؟" روبی سستی سے بولی تو وہ اسے گالیاں دیتی ہوئی خود ہی اُٹھ کر لاؤنج میں آ گئی۔

"ہیلو......!"

"السلام علیکم......!" دوسری طرف ہمایوں تھا۔ اس کی آواز پہچانتے ہی سلام کیا تو وہ قدرے بوکھلا گئی۔

"آپ......!"

"کیوں......! کیا میں فون نہیں کر سکتا......؟" اس نے کہا۔

"یہ میں نے کب کہا......؟" وہ سنبھل کر بولی۔

"چلیں......! میں اس پر بحث نہیں کرتا۔ یہ بتائیں کیا کر رہی تھیں......؟" ہمایوں نے پوچھا تو وہ ذرا سی ہنسی کے ساتھ بولی۔

"کچھ نہیں......!"

"کچھ نہیں......! یہ کون سا کام ہے......؟" اس نے کہا تو وہ پھر ہنسی۔

''بہت اہم......!''

''پھر تو اس اہم کام کے دوران آپ کو میرا خیال بھی نہیں آتا ہوگا۔'' ہمایوں کے لہجے میں ہلکی سی شوخی تھی۔ وہ خاموش رہی تو پکار کر بولا۔

''نور......! ایک بات پوچھوں......؟''

''ہوں......!''

''اس تھوڑے سے عرصے میں آپ نے میرے بارے میں کتنا سوچا......؟''

''نہ بہت زیادہ نہ بہت کم......!'' وہ سوچ کر بولی۔

''ارے......!'' وہ ذرا سا ہنسا پھر پوچھنے لگا۔

''اچھا یہ بتائیں......! آپ مجھے کیسا دیکھنا چاہتی ہیں۔ آئی مین اپنے شریکِ سفر کے بارے میں آپ کا کیا تصور ہے......؟''

''پہلے آپ بتائیں......!'' اس نے فوراً بات اس پر ڈال دی۔

''میری ڈیمانڈ بہت مختصر ہے۔ یعنی محبت، وفاداری، ایمان داری۔'' وہ بغیر کسی تکرار کے بولا۔

''میں بھی چاہتی ہوں بس اس میں اعتماد کا اضافہ کر دیں۔''

''گڈ...... اعتماد واقعی پہلی سیڑھی ہے۔'' ہمایوں نے تائید کی۔

''اور کیا بات آپ کو پریشان کرتی یا غصہ دلاتی ہے......؟'' اس نے پھر پوچھا۔

''ہوں......!'' اس نے چند لمحے توقف کیا پھر کہنے لگی۔

''اگر کوئی میری سچائی اور ایمانداری پر شبہ کرے تو مجھے بہت غصہ آتا ہے، ویسے ایسا ہوا کبھی نہیں۔ ایک منٹ مجھے یاد آیا، ایک بار ہو چکا ہے۔''

''کون......! آئی مین کس نے شبہ کیا آپ پر......؟'' ہمایوں پورے دھیان سے اسے سن رہا تھا۔

''کالج میں میری ایک دوست تھی۔'' اس نے بس اسی قدر بتایا۔

''پھر......! آپ نے غصے کا اظہار کیسے کیا تھا......؟'' ہمایوں نے پوچھا تو وہ ایک دم ہنس پڑی۔

''مائی گاڈ......! آپ تو ایسا لگ رہا ہے جیسے کسی اخبار یا میگزین کے لیے میرا انٹرویو کر رہے ہوں۔''

''چلیں......! باقی انٹرویو بعد میں۔'' وہ بھی ہنسا۔

''اوکے......! گڈ نائٹ......!'' اس نے ریسیور رکھ دیا اور واپس کمرے میں آئی تو ابھی بھی اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ جب ہی روبی مشکوک نظروں سے دیکھنے لگی۔

''کس سے بات کر کے آ رہی ہو......؟''

''ہمایوں سے......!'' وہ روبی سے بھلا کیوں شرماتی، کیوں چھپاتی۔

''ارے......! شرم نہیں آتی......! چار پانچ دن میں تمہاری شادی ہونے والی ہے۔'' روبی جھٹکے سے اُٹھ بیٹھی۔

''تو کیا ہوا......؟ جس سے شادی ہونے والی ہے اسی سے تو بات کی ہے کسی اور سے تو نہیں......!''

وہ بے نیازی سے اترائی۔

''آئے ہائے......! یہ آج کل کی لڑکیاں، ذرا شرم حیا نہیں۔'' روبی نے بڑی بوڑھیوں کے انداز میں کہا تو وہ ہنستی ہوئی اس کے برابر لیٹ گئی۔

''ہاں......! تو کیا باتیں ہوئیں ہمایوں سے......؟'' روبی نے اب معنی خیز انداز میں پوچھا۔

''اونہہ......! یہ نہیں بتاؤں گی......!''

''کیوں......؟''

''بس میری مرضی......!''

''اچھا چلو......! یہ بتاؤ تمہارا وہ کزن کہاں ہے......؟ وہی جو اکثر تمہیں یونیورسٹی لینے آتا تھا، کیا بھلا سا نام ہے اس کا۔'' روبی سوچنے لگی کہ وہ بول پڑی۔

''نومی......!''

''ہاں نومی......! کہاں ہے وہ......؟''

''نیچے ہوگا......! کیوں......؟ کوئی کام ہے......؟'' اس نے بتا کر پوچھا۔

''نہیں......! مجھے کیا کام ہوگا......؟''

''پھر...... وہ تمہیں کیسے یاد آ گیا......؟''

''ایسے کہ میرا خیال تھا تمہاری شادی اسی سے ہوگی۔'' روبی نے کہا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا......!'' وہ سرزنش کے انداز میں بولی۔

''کوئی مطلب نہیں بس میں نے ایک بات محسوس کی تھی سو کہہ دی۔'' روبی نے بات ختم کرنے کی غرض سے کہا لیکن وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''کیا......! کیا محسوس کیا تم نے......؟''

''یہی کہ تم دونوں شاید ایک دوسرے کو پسند کرتے ہو لیکن نومی کے بارے میں میں شاید نہیں کہوں گی بلکہ مجھے یقین ہے کہ وہ تمہیں......''

''بس......! تمہارا یقین بالکل غلط ہے۔'' وہ فوراً روبی کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

''تم بے شک نہ مانو......! میں نے بارہا نومی کی آنکھوں میں تمہارے لیے بہت خوب صورت جذبے دیکھے ہیں اور مجھے حیرت ہو رہی ہے کہ تم...... تمہیں نظر کیوں نہ آئے......؟'' روبی اپنی بات سے ہٹنے کو تیار نہیں تھی جس پر وہ مزید چڑ گئی۔

"تمہارا دماغ خراب ہے......! میں نومی کو تم سے زیادہ جانتی ہوں اور یہ بھی جانتی ہوں کہ وہ کسے پسند کرتا ہے۔" آخر میں اس نے مبالغے سے کام لیا۔

"اچھا......! کون ہے......؟" روبی نے فوراً پوچھا۔

"ہے ایک لڑکی......! اس کے ساتھ پڑھتی ہے اور اب پلیز......! اس کا بائیو ڈیٹا مت پوچھنا کیونکہ میں اس سے زیادہ نہیں جانتی۔"

"تم کچھ بھی نہیں جانتیں......!" روبی بے اختیار کہہ کر فوراً بات بدل گئی۔

"خیر......اب تو تمہاری شادی ہو رہی ہے، اب ان باتوں کا کوئی فائدہ نہیں۔"

"پہلے بھی کوئی فائدہ نہیں تھا......!" وہ سر جھٹک کر اٹھ کھڑی ہوئی پھر لائٹ آف کر کے روبی کے برابر آلیٹی۔

○○○

حاکم علی اپنے بابا کی ناراضگی کے خیال سے نہیں آیا تھا بلکہ ذہنی سکون کی خاطر وہ سب سے الگ تھلگ ہو کر نہ صرف آرام کرنا چاہتا تھا بلکہ یکسوئی سے سوچنا بھی چاہتا تھا اور کوئی ایک سوچ نہیں تھی۔ سب سے زیادہ شاکڈ وہ نوری کے رویے سے ہو رہا تھا کہ وہ لڑکی اس سے اتنی متنفر کیوں ہے اور وہ خود کیوں اس کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔ ایسی کیا بات ہے اس میں اور کوئی بات تو تھی کہ وہ کسی طرح بھی اس کی نفی نہیں کر پا رہا تھا۔ پھر سونیا نے نیا مسئلہ کھڑا کر دیا وہ بھی بالکل اچانک۔ اگر پہلے سے اسے سونیا کے ارادوں کی خبر ہوتی تو وہ اتنے لوگوں کی موجودگی میں اسے ذلیل کر کے رکھ دیتا جبکہ اب وہ خود بھاگ آیا تھا اور اس بات سے بری طرح تلملایا ہوا تھا کیونکہ اس طرح سونیا کے گھر بلکہ شہر سے ہی چلے آنے سے اس کی پوزیشن بہت آکورڈ ہو گئی تھی۔ یہ اسے اب احساس ہو رہا تھا اور ایسا اس کے ساتھ کبھی نہیں ہوا تھا۔ وہ تو اپنی سوسائٹی میں بہت اسٹرونگ، بہت پاورفل مانا جاتا تھا۔

"کیا سوچیں گے سب لوگ کہ میں اتنی سی بات سے پریشان ہو گیا......؟" اس کے نزدیک یہ اتنی سی بات تھی۔

"نہیں......! میں پریشان نہیں ہوں، میں بتا دوں گا سب کو کہ سونیا نے مجھے اپنے جال میں پھانسنے کی بھونڈی کوشش کی ہے۔ پتا نہیں کس کا بچہ......" وہ سلگتے ہوئے دل و دماغ کے ساتھ سوچے جا رہا تھا کہ دروازے پر دستک کے ساتھ بشیراں کی آواز آئی۔

"صیب......! وڈے سردار جی آئے نے......!"

"آ رہا ہوں......!" اس نے چونک کر اونچی آواز میں کہا پھر تمام پراگندہ سوچوں کو جھٹکنے کی سعی کرتا ہوا نیچے آیا تو سردار ہاشم علی نے ہمیشہ کی طرح اسے دیکھ کر خوشی کا اظہار نہیں کیا بلکہ کچھ ناراض انداز میں گویا ہوئے۔

"آ گیا تو......!"

"جی......! السلام علیکم......!" وہ ان کے گھٹنے چھو کر بولا۔

"وعلیکم السلام......!" سردار ہاشم علی نے صرف سلام کا جواب دیا۔ مزید جیتا رہ خوش رہ جیسی کوئی دعا نہیں تو وہ ان کی ناراضگی محسوس کر کے خاموشی سے بیٹھ گیا۔ کچھ دیر خاموشی رہی، آخر وہ اکتا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"میرا خیال ہے آپ تھکے ہوئے آئے ہیں، آرام کریں......!"

"بیٹھ جا حاکم......!" سردار ہاشم علی نے سپاٹ لہجے میں کہا تو وہ ایک لحظہ کو ٹھٹکا پھر بیٹھ کر سوالیہ انداز میں بولا۔

"جی......!"

"بہت دل لگ گیا ہے تیرا شہر میں......!" سردار ہاشم علی نے ہنکارا بھرنے کے بعد کہا۔

"میرا وہیں دل لگتا ہے اور صرف دل لگنے کی بات نہیں ہے بابا......! میں وہاں کام بھی کرتا ہوں۔"

"پتا ہے مجھے......!"

"پھر آپ بار بار مجھے یہاں آنے پر مجبور کیوں کرتے ہیں......؟" وہ زچ ہو کر بولا تو سردار ہاشم علی تاسف سے اسے دیکھنے لگے۔

"تو تو میرے مجبور کرنے پر آتا ہے۔ تیرا اپنا دل نہیں چاہتا مجھ سے، اپنی ماں سے ملنے کو......! تیری ماں جس کے سارے ارمان تجھ سے جڑے ہیں اس کا تجھے کوئی احساس نہیں......؟"

"احساس نہ ہوتا تو آتا کیوں......؟" وہ روٹھے لہجے میں بولا۔

"بڑی مہربانی ہے پتر تیری......! خیر......! میں نے عید کے چاند میں تیری شادی طے کر دی ہے اور بیچ رمضان میں تو ادھر ہی آ جانا۔" سردار ہاشم علی نے حکمیہ انداز اختیار کیا تھا۔

"جی......! اور کوئی حکم......!"

"نہیں......!" سردار ہاشم علی لیٹ گئے گویا مزید کچھ کہنا سننا نہیں تھا۔

وہ چند لمحے انہیں دیکھتا رہا پھر بہت سست روی سے ان کے کمرے سے نکلا اور برآمدہ تیزی سے عبور کرنا چاہتا تھا کہ چاندنی کو دیکھ کر بلکہ اس کے پیروں میں بجتی پازیب کی آواز پر رک گیا۔ چاندنی راہداری سے بھاگتی ہوئی آ رہی تھی لیکن جب سامنے حاکم علی کو کھڑے دیکھا تو وہیں رک گئی اور اس کے ساتھ پازیب کی مدھر آواز بھی تھم گئی تھی۔

"یہ تمہارے پیروں میں کیا ہے......؟" حاکم علی نے ایک انگلی سے پازیب کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

"جھا...... جھانجریں......!" وہ بمشکل بولی۔

''کیا......؟'' وہ بالکل نہیں سمجھا۔

''جھانجریں......!'' چاندنی نے اب زور دے کر کہا۔

''یہ ابھی آواز انہی میں سے آ رہی تھی......؟'' اس نے پوچھا تو وہ زور زور سے گردن اثبات میں ہلا کر بولی۔

''ہاں جی......!''

''کیسے......؟ چلو ذرا......!'' اس نے چلنے کو کہا اور چاندنی واپس پلٹ کر بھاگتی چلی گئی۔

وہ حیران کھڑا اسے دیکھتا رہا اور جب وہ دائیں سمت مڑ کر اوجھل ہو گئی تو سر جھٹک کر بے بے کے کمرے میں چلا آیا۔ بے بے بشیراں کو جانے کس بات پر ڈانٹ رہی تھیں۔ اسے دیکھا تو بشیراں کو جانے کو کہا پھر اس سے پوچھنے لگیں۔

''مل لیا اپنے بابا سے......!''

''ہوں......!'' وہ ان کے پاس بیٹھ گیا۔

''کچھ کہا انہوں نے تجھ سے...... ناراض ہوئے کیا......؟'' بے بے نے اس کا چہرہ دیکھ کر پوچھا۔

''نہیں......!''

''پھر تیرا منہ کیوں اُترا ہوا ہے......؟'' بے بے کی اس بات پر وہ جھنجلا گیا۔

''آپ کو تو ایسے ہی لگتا ہے۔''

''ایسے ہی نہیں لگتا پتر......! میں تیری ماں ہوں، کیوں مجھ سے ہر بات چھپاتا ہے......؟ بتا تجھے کیا پریشانی ہے......؟'' بے بے نے محبت سے اس کا سر اپنی گود میں رکھ دیا تو وہ بے بسی سے بولا۔

''آپ میری پریشانی دُور نہیں کر سکتیں بے بے......!''

''دُعا تو کر سکتی ہوں پتر......! سنا ہے ماں کی دُعائیں تقدیر بدل دیتی ہیں۔'' بے بے نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا تو وہ ایک دم ان کا ہاتھ تھام کر بولا۔

''تو میری تقدیر میں اسے لکھوا دیں بے بے......!''

''کسے......؟'' بے بے چونکی۔

''وہ جو میرا سکھ چین چرا کر خود......'' احساس ہونے پر اس نے ہونٹ بھینچ لیے تو بے بے کو اپنی آواز کہیں دُور سے آتی محسوس ہوئی۔

''کس کی بات کر رہا ہے جاکے......!''

اس نے جواب نہیں دیا اور آنکھیں بھی بند کر لیں تو بے بے اس کا سر سہلا کر کہنے لگیں۔

''جاکے......! دیکھ پتر......! کوئی ایسی بات نہ کرنا جس سے جگ ہنسائی ہو۔ اپنے باپ کے اُونچے شملے کا خیال رکھنا۔ سن رہا ہے نہ میری بات......!''

''ہوں......!'' اس نے بند ہونٹوں کے اندر سے ہوں کی آواز نکالی۔

''کیا سوچ رہا ہے......؟'' بے بے نے پھر اس کا سر ہلایا تو وہ اسی طرح آنکھیں بند کیے بولا۔

''کچھ نہیں......! آپ کی گود میں سکون مل رہا ہے۔''

''چل سو جا......!'' بے بے اسے تھپکنے لگیں اور واقعی کچھ دیر میں وہ سو گیا تھا۔

○ ○ ○

نوریہ کو روبی زبردستی نیچے ہال کمرے میں لے آئی اور اسے گاؤ تکیے کے ساتھ بٹھا کر خود مریم وغیرہ کے ساتھ گانے میں شریک ہو گئی۔ ڈھولک کے ساتھ تالیوں کی گونج میں کسی کو نعمان کی آواز سنائی ہی نہیں دی جو دروازے میں آ کر جانے کیا کہہ رہا تھا۔ نوریہ نے نعمان کو دیکھا تو اُٹھ کر اس کے پاس چلی آئی۔

''کیا ہوا نومی......!''

''ان سے کہو ڈھولک بند کریں۔'' وہ کہتا ہوا آگے بڑھا اور سب کے درمیان سے ڈھولک اُٹھا لی۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے......؟'' صبیحہ نے ٹوکا۔

''بس......! اب یہ نہیں بجے گی۔''

''کیوں......؟ کیوں......؟'' سب کے احتجاج پر نعمان نے ہاتھ اُٹھا کر سب کو خاموش کرایا پھر اپنے تئیں آواز دبا کر بولا۔

''وہ...... ہمایوں کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔''

''ہائے نہیں......!''

''کب......؟ کیسے......؟'' ملی جلی آوازیں تھیں۔ نعمان نے گھبرا کر نوریہ کو دیکھا۔

وہ ڈوبتے دل کے ساتھ دیوار تھام رہی تھی۔

⊖ ⊖ ⊖

''نور......!'' نعمان نے لپک کر نوریہ کو کندھوں سے تھام لیا۔ پھر رداو غیرہ پر بگڑنے لگا۔

''تم سب کا دماغ خراب ہے۔ اتنا چلاتی کیوں ہو......؟ جاؤ اسے کمرے میں لے جاؤ......!''

''ہاں نور......! چلو تم اوپر چلو......!'' مریم نے اس کا بازو تھاما لیکن وہ نعمان کو جھنجوڑنے لگی۔

''کیا ہوا نومی......! مجھے بتاؤ......! کیا ہوا ہے......؟''

''کچھ نہیں ہوا......! میرا مطلب ہے مجھے خود زیادہ کچھ معلوم نہیں۔ تم اپنے کمرے میں جاؤ......! میں چچا جان کے ساتھ ہاسپٹل جا رہا ہوں، وہاں سے تمہیں فون کر کے بتا دوں گا ٹھیک......!'' نعمان نے اسے بالکل بچوں کی طرح دلاسا دیا تو روبی اس کی تائید کرتے ہوئے بولی۔

''یہ ٹھیک کہہ رہا ہے نور......! تم میرے ساتھ آؤ......!''

''جاؤ پلیز......!'' مریم کے ملتجی انداز پر وہ روبی کا ہاتھ پکڑ کر بمشکل خود کو گھسیٹتی ہوئی اوپر اپنے کمرے میں آ گئی۔ اس کا دل اچانک سہم گیا تھا اور شاید وہ رونا بھی چاہتی تھی کہ اب جبکہ اس کے اندر کا سناٹا ٹوٹ چکا تھا اور دل مدھر سر الاپنے لگا تھا تب اس کے ساتھ یہ کیا ہوا تھا۔

''روبی......!'' اس کی آواز میں آنسوؤں کی نمی واضح محسوس ہو رہی تھی۔

''ہاں کہو......!'' روبی نے اس کا ٹھنڈا یخ ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں دبا کر گویا اسے حوصلہ دیا۔

''مجھے ڈر لگ رہا ہے......!'' وہ بمشکل بول پائی۔

''ہشت پگلی......! ڈرنے کی کیا بات ہے......؟ انشاء اللہ......! سب ٹھیک ہو گا۔'' روبی نے اسے گلے لگا کر تسلی دی پھر اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر کہنے لگی۔

''تمہیں ہمت سے کام لینا چاہیے۔ ابھی تمہاری امی آ جائیں گی اور کزنز بھی۔ ان کے سامنے رونا مت۔''

''میں رو کہاں رہی ہوں......؟'' اس کے ساتھ ہی ایک تواتر سے آنسو چھلک گئے تو روبی گہری سانس کھینچ کر بولی۔

''چلو رو لو......! لیکن پلیز......! ہمایوں کے لیے مت رونا، وہ زندہ ہے، زندہ رہے گا۔''

وہ اور شدت سے رونے لگی تو روبی بھاگ کر اس کے لیے پانی لے آئی اور زبردستی گلاس اس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ اس نے چند گھونٹ لے کر گلاس دھکیل دیا پھر ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑنے لگی۔

''چلو اب لیٹ جاؤ......!''

''نہیں......! جب تک نومی کا فون نہیں آ جاتا میں نہیں سوؤں گی۔''

''میں سونے کو نہیں لیٹنے کو کہہ رہی ہوں، چلو......!'' روبی نے زبردستی اسے لٹا دیا تو وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

''سنو......! تم نیچے جا کر امی سے معلوم کر آؤ......!''

''کیا معلوم کر آؤں......!''

''یہی کہ کس کا فون آیا تھا اور کیا کہا تھا اور دیکھو امی اگر میرا پوچھیں تو کہہ دینا سو گئی۔'' اس نے کہا تو روبی نفی میں سر ہلانے لگی۔

''نہیں نور......! تمہیں اس حالت میں اکیلا چھوڑ کر جاؤں گی تو سب ناراض ہوں گے مجھ پر۔''

''کوئی ناراض نہیں ہو گا بس تم جاؤ......! ورنہ میں پھر رونا شروع کر دوں گی۔'' اس کی دھمکی پر روبی نے دانت پیس کر اسے گھورا پھر کچھ کہے بغیر چلی گئی تو اس نے آنکھیں بند کر لیں جبکہ اس کے ہونٹ دھیرے دھیرے ہلنے لگے تھے۔



نعمان نوریہ کے ڈیڈی کے ساتھ ہاسپٹل پہنچا تو راہداری میں ہمایوں کی امی اور بہن سعدیہ بے انتہا پریشانی کے عالم میں ٹہل رہی تھیں۔

''پلیز......! پلیز کچھ کریں، میرا بچہ......!'' ہمایوں کی امی تیزی سے ڈیڈی کے قریب آئیں اور یوں عاجزی سے ان کی منتیں کرنے لگیں جیسے سب کچھ ان ہی کے اختیار میں ہو۔

''حوصلہ رکھیں بہن......! اللہ بہتر کرنے والا ہے، کہاں ہے ہمایوں......؟'' ڈیڈی نے انہیں دلاسا دے کر پوچھا تو انہوں نے ایمرجنسی کی طرف اشارہ کر دیا۔

''آپ یہیں رکیں چچا جان......! میں دیکھ کر آتا ہوں۔'' نعمان نے کہا تو ڈیڈی نے اثبات میں سر ہلا کر اسے جانے کا اشارہ کیا پھر ہمایوں کی امی سے بولے۔

''چلیں......! آپ وہاں بیٹھیں......!''

''میرا بچہ......!''

''انشاء اللہ......! ٹھیک ہو جائے گا، آپ آئیے......!'' ڈیڈی انہیں اور سعدیہ کو لے کر راہداری میں رکھے بینچ پر آ بیٹھے، پھر پوچھنے لگے۔

"کیسے ہوا یہ سب......؟"

"مجھے کچھ نہیں پتا......! شام میں آفس سے ہمایوں کا فون آیا تھا۔ کہنے لگا مجھے آفس میں کچھ دیر ہو جائے گی۔ میں اطمینان سے ہو گئی لیکن پھر یہاں ہاسپٹل سے کسی نے فون کیا کہ ہمایوں یہاں ہے اس کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔ پتا نہیں کہاں کہاں چوٹیں آئی ہیں اسے، مجھے دیکھنے بھی نہیں دیا۔" بولتے ہوئے بھی ان کی آواز بھرائی ہوئی تھی آخر میں رونے لگیں۔ ڈیڈی نے سر جھکا لیا، ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ انہیں کیسے دلاسا دیں۔ حقیقتاً اندر سے وہ خود بھی بے حد پریشان تھے۔

"امی آپ روئیں تو نہیں......!" سعدیہ کی روتی آواز پر ڈیڈی نے ایک نظر اسے دیکھا پھر اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"بیٹا......! آپ اپنی امی کا خیال رکھو میں ڈاکٹر سے مل کر آتا ہوں۔"

"انکل......! جلدی آیئے گا اور وہ......وہ بھی نہیں آئے۔" سعدیہ کو نعمان کا نام معلوم نہیں تھا۔

"آ جائے گا نومی بھی......! تم حوصلہ رکھو......!" ڈیڈی اس کا سر تھپک کر آگے بڑھ گئے۔ پھر ایمرجنسی کی طرف آئے تو نعمان سامنے آ گیا۔

"کیا صورت حال ہے بیٹا......!" ڈیڈی نے فوراً پوچھا۔

"سر میں زیادہ چوٹیں آئی ہیں، خون بھی زیادہ بہہ گیا ہے۔" نعمان نے بتایا تو وہ پوچھنے لگے۔

"خون کی ضرورت پڑے گی......؟"

"شاید......!"

"جاؤ......! پوچھو ڈاکٹر سے، ان کے پاس خون کا انتظام ہے یا ہمیں کرنا پڑے گا......؟"

"میں نے پوچھا تھا ڈاکٹر سے، کہنے لگے اگر ضرورت پڑی تو بتا دیں گے۔" وہ بتا کر پوچھنے لگا۔

"ہمایوں کی والدہ کہاں ہیں......؟"

"وہاں بٹھا کر آیا ہوں، غلطی ہوئی تمہاری چچی جان کو بھی ساتھ لے آتے تو وہ انہیں سنبھالتیں۔" ڈیڈی نے کہا۔

"اگر آپ کہیں تو میں چچی جان کو لے آتا ہوں۔"

"لے آؤ تو اچھا ہے......! بلکہ پہلے ان سے پوچھو یہ اگر گھر جانا چاہیں تو......" ڈیڈی نے کہا تو وہ سوچتے ہوئے انداز میں بولا۔

"میرا خیال ہے چچا جان یہ نہیں جائیں گی۔"

"جاؤ......! پھر تم اپنی چچی کو لے آؤ......!"

"آپ بھی یہاں نہ کھڑے ہوں، چلیں ادھر ہی آنٹی وغیرہ کے ساتھ بیٹھیں۔"

"آیئے......!" وہ ڈیڈی کے ساتھ راہ داری میں آیا تو اسے دیکھتے ہی ہمایوں کی امی کھڑے

ہو گئیں۔

"کیسا ہے میرا بچہ......!"

"آنٹی......! آپ پریشان نہ ہوں ہمایوں ٹھیک ہو جائے گا، بیٹھیں آپ......! میں ابھی آتا ہوں۔" وہ کہہ کر تیزی سے باہر نکل آیا اور گاڑی میں بیٹھتے ہی جیب سے موبائل نکال کر گھر فون کیا۔ ادھر سے مریم نے فون اُٹھایا۔

"ہاں مریم......! چچی جان کہاں ہیں......؟" اس نے چھوٹتے ہی پوچھا تو مریم نے ٹوک دیا۔

"پہلے تم بتاؤ......! ہمایوں کیسے ہیں......؟"

"ٹھیک ہیں......! تم چچی جان سے کہو تیار رہیں میں انھیں لینے آ رہا ہوں۔ اصل میں ہمایوں کی امی اور بہن بہت پریشان ہیں بلکہ رو رہی ہیں۔" اس نے قصداً ہمایوں کی طرف سے تشویش ظاہر نہیں کی پھر بھی اس کی امی کے رونے کا سن کر مریم گھبرا گئی۔

"وہ کیوں رو رہی ہیں......؟"

"عورتوں کی عادت ہوتی ہے رونے کی۔ تم بس چچی جان کو گیٹ پر لے آؤ میں زیادہ دیر نہیں رک سکتا، سمجھیں......!" نومی جھنجلا کر بولا اور سلسلہ منقطع کر کے گاڑی کی اسپیڈ بڑھا دی۔

○○○

چاندنی بڑی بے قراری سے زینب کا انتظار کر رہی تھی اور وہ پتا نہیں کن کاموں میں اُلجھی ہوئی تھی کہ آ کے نہیں دے رہی تھی۔ جبکہ اب چاندنی کا صبر جواب دے رہا تھا۔ بے حد جھنجلاتی ہوئی وہ کمرے سے نکلی اور بشیراں کو پکارنے لگی تھی کہ سامنے سے حاکم علی کو آتے دیکھ کر نہ صرف اس کی آواز حلق ہی میں گھٹ گئی بلکہ وہ بلا ارادہ واپس بھی پلٹی کہ حاکم علی نے پکار لیا۔

"چاندنی......!"

"جی......!" وہ دھڑکتے دل کے ساتھ اس کی طرف گھومی۔

"بے بے کہاں ہیں......؟" حاکم علی نے پوچھا تو وہ آہستہ سے بولی۔

"مرشد سائیں کے پاس گئی ہے۔"

"کیوں......؟"

"پتا نہیں......!"

"تم بھی جاتی ہو مرشد سائیں کے پاس......؟" حاکم علی نے جانے کیوں پوچھا تھا۔

"جی......! کبھی کبھی بے بے لے جاتی ہے۔" اس نے بتایا تو حاکم علی انتہائی ناگواری سے کہنے لگا۔

"ہے......! بے بے لے جاتی ہے......تمہیں تمیز نہیں ہے بات کرنے کی......بڑوں کے بارے میں اس طرح بات کی جاتی ہے......؟ اپنی زبان ٹھیک کرو مجھے تو تڑاخ سے بات کرنا سخت ناپسند ہے......"

انڈراسٹینڈ......!" چاندنی تو ویسے ہی اس کا سامنا ہونے سے گھبراتی تھی۔ اس کے غصے سے کانپنے لگی۔

"آئندہ احتیاط کرنا......!" وہ غصے سے کہتا آگے بڑھ گیا پھر ایک دم پلٹ کر پوچھنے لگا۔

"بابا کیا کر رہے ہیں......؟"

"آ......ان کے پاس کچھ مہمان آئے ہوئے ہیں۔" وہ ہر لفظ پر دھیان دے کر بولی۔

"ٹھیک ہے......! میں بابا کو بتا کر جا رہا ہوں۔"

"ک......کہاں جا رہے ہیں......؟" چاندنی کی بے قراری بولی تھی ورنہ اس میں ہمت نہیں تھی کہ وہ حاکم علی سے کوئی سوال کر سکے اور حاکم علی جو قدم آگے بڑھا چکا تھا کچھ حیرت سے اسے دیکھا پھر جانے کیا سوچ کر اس کے قریب آ کر بولا۔

"کراچی چلو گی......!"

"م......میں......!" چاندنی کی حالت ایسی تھی جیسے ابھی گر پڑے گی۔

"ہاں تم......! میں تم سے پوچھ رہا ہوں، چلو گی......؟" وہ غالباً محظوظ ہو رہا تھا پھر انگلی سے اس کی پیشانی چھو کر بولا۔

"وہاں چڑیا گھر بھی ہے۔"

"جی......!" اس نے حیران آنکھوں سے دیکھا تو وہ بظاہر سنجیدگی سے پوچھنے لگا۔

"ہرنی دیکھی ہے کبھی......!" چاندنی نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"جاؤ آئینہ دیکھو......!" وہ کہہ کر ہنس پڑا پھر اسے ہاتھ ہلاتا ہوا چلا گیا۔ پہلے بابا کے کمرے میں پھر کتنی دیر بعد اس کی گاڑی بڑے گیٹ سے باہر نکلی تھی اور اس وقت تک چاندنی وہیں کھڑی تھی گم صم۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی مورت صدیوں سے وہاں ایستادہ ہو۔

"چاندنی......! اے چاندنی......!" زینب اس کے سامنے سے آئی تھی لیکن وہ پھر بھی اسے نہ دیکھ پائی۔ جب زینب نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا تب وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"کیا کوئی جن دیکھ لیا ہے جو ایسے گم صم کھڑی ہے......؟" زینب نے پھر ٹوکا تو اس نے گہری سانس کے ساتھ نفی میں سر ہلایا پھر اس پر بگڑنے لگی۔

"تو کہاں تھی......؟ صبح سے بلا رہی ہوں تجھے......!"

"ہاں......! بشیراں آئی تھی بلانے، پر میں نے اس سے کہہ تو دیا تھا کہ دیر سے آؤں گی۔" زینب نے کہا۔

"کیوں......! کیا کر رہی تھی......؟" وہ اسی طرح خفگی سے بولی۔

"کپڑے دھو رہی تھی۔ خیر......! تو بتا کیا بات ہے......؟" زینب نے اپنے بلائے جانے کا سبب پوچھا تو وہ روٹھے لہجے میں بولی۔

"کوئی بات نہیں......!"

"جھوٹ......! بات تو ہے اور وہ بھی خاص......!" زینب کے معنی خیز انداز پر اس کا چہرہ گلابی ہو گیا تو زینب اُچھل پڑی۔

"دیکھا......! کیسے لال گلابی ہو گئی۔ اس کا مطلب ہے حاکم آیا ہے، ہے ناں......!"

"میں کچھ نہیں بتاؤں گی......!" وہ ہنستی ہوئی بارہ دری کی طرف بھاگی تو زینب نے بھی اس کے پیچھے دوڑ لگا دی۔



نوریہ نے مایوں کا پیلا جوڑا اُتار دیا تھا لیکن سبز اور پیلے کانچ کی چوڑیاں جویریہ نے نہیں اُتارنے دی تھیں اور یہ چوڑیاں جو کل تک اس کی کلائیوں میں اپنے آپ چھنک رہی تھیں اب جانے کیوں خاموش تھیں یا اسے ایسا لگ رہا تھا۔ کتنی دیر سے وہ ان پر نظریں جمائے گم صم بیٹھی تھی۔ حالانکہ کمرے میں سب ہی لڑکیاں آ جا رہی تھیں اور جو بھی آتی ہمایوں کے بارے میں تازہ رپورٹ لے کر آتی لیکن وہ پھر بھی متوجہ نہیں ہو رہی تھی۔ پتا نہیں سن رہی تھی یا نہیں۔ آخر روبی اسے کہنی مار کر بولی۔

"سنو......! اب مراقبے سے نکل آؤ......!"

"کیا ہوا ہے......؟" وہ چونک کر پوچھنے لگی۔

"کچھ نہیں ہوا......! میرا مطلب ہے ہمایوں اب خطرے سے باہر ہیں۔" روبی نے بتایا تو وہ کچھ بے تابی سے پوچھنے لگی۔

"تمہیں کیسے پتا......؟ امی آ گئیں کیا......؟"

"نہیں......! تمہاری امی تو نہیں آئیں ڈیڈی آ گئے ہیں۔" روبی نے بتاتے ہوئے مریم کو دیکھا تو وہ کہنے لگی۔

"ہاں نور......!" چچا جان آ گئے ہیں انہوں نے ہی بتایا ہے کہ ہمایوں انشاء اللہ جلدی ٹھیک ہو جائیں گے۔

"یہ سب نوریہ کی دُعاؤں کا کمال ہے۔" روبی نے ماحول خوشگوار بنانے کی خاطر مریم کو آنکھ مارتے ہوئے کہا تو وہ بھی مسکرا کر بولی۔

یہ تو ماننا پڑے گا۔"

"نور......! ہمیں بھی تو بتاؤ کون سا وظیفہ پڑھا تھا......؟" انیلا چھلانگ مار کر اس کے سامنے آ بیٹھی تو وہ سٹپٹا کر بولی۔

"جی نہیں......! میں نے کوئی وظیفہ نہیں پڑھا۔"

"جھوٹ......! رات بھر تسبیح ہاتھ میں لیے ورد کرتی رہی ہے۔" روبی نے کہا تو وہ اُچھل پڑی۔

"کیا......! میں کب......؟"

"جب بھی میری آنکھ کھلی، میں نے تمہارے ہونٹ ہلتے دیکھے۔" روبی نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ دانت پیس کر بولی۔

"تم بہت فضول ہو......!"

"ہاں بھئی......! ہم سب تو اب فضول ہی ہیں، اہم تو وہ ہے جسے اس نے خدا سے مانگ لیا ہے، کیوں......؟" روبی نے سب کی تائید چاہی۔

"بالکل بالکل......!" سب تائید کرنے لگیں تب ہی نعمان نے آ کر ٹوک دیا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے......؟"

"نومی......!" سب لڑکیاں اُٹھ کر نعمان کے گرد جمع ہو گئیں اور سوال پر سوال کرنے لگیں۔

"تم ہاسپٹل سے آ رہے ہو ناں......!"

"کیسے ہیں ہمایوں......؟"

"ہوش میں آ گئے......؟"

"کہاں کہاں چوٹیں آئی ہیں......؟"

"کب تک گھر آ جائیں گے......؟"

"مائی گاڈ......!" نعمان نے سر پکڑ لیا۔ پھر تاسف بھرے لہجے میں بولا۔

"تم لڑکیاں کتنی فضول ہوتی ہو۔ یہ نہیں کہ بندہ تھکا ہارا آیا ہے پہلے اس سے چائے پانی پوچھ لو۔"

"وہ بھی پوچھ لیں گے پہلے جو پوچھا ہے اس کا جواب تو دو۔" عبیرہ نے کہا تو وہ کن انکھیوں سے نوریہ کو دیکھ کر بولا۔

"ٹھیک ہیں......! ہوش میں آ چکے ہیں۔" پھر اچانک تیز ہو گیا۔

"اب جاؤ......! خدا کے لیے کچھ کھانے دانے کا انتظام کرو۔ نیچے دادی بھی تم لوگوں کو کوس رہی ہیں۔"

"تو چلا کیوں رہے ہو......؟" انیلا کہہ کر بھاگ گئی تو وہ باقی سب کو گھورنے لگا۔

"جا رہے ہیں، جا رہے ہیں۔" مریم سب کو اپنے ساتھ لے گئی تو وہ ایک نظر روبی پر ڈال کر پھر نوریہ کو دیکھنے لگا جو انجان بننے کی کوشش میں ناکام ہو رہی تھی۔

"ہاں تو میڈم نوریہ شیراز حسن......! آپ بلا تکلف مجھ سے ہمایوں کے بارے میں پوچھ سکتی ہیں۔" نومی نے بیڈ کے قریب آ کر کہا۔

"جی نہیں......! مجھے کچھ نہیں پوچھنا۔" اس نے ٹکا سا جواب دیا تو روبی اس کے بازو میں چٹکی کاٹ کر بولی۔

"ارے......! ابھی تو اس کی خیریت جاننے کے لیے مری جا رہی تھیں۔"

"ایسے ہی خواہ مخواہ......!" اس نے روبی کو گھورا تو نعمان ہاتھ اُٹھا کر بولا۔

"بس......! تم اس بیچاری سے مت لڑو، میں خود جانتا ہوں۔"

"کیا......کیا جانتے ہو......؟" وہ نعمان سے لڑنے پر آمادہ ہوئی تو وہ کانوں کو ہاتھ لگا کر بولا۔

"توبہ......! کیا زمانہ آ گیا ہے۔ مایوں بیٹھی لڑکی کیسے پٹر پٹر زبان چلا رہی ہے۔"

"میں ہاتھ بھی چلا سکتی ہوں۔" وہ سلگ کر بولی۔

"ہاتھ بعد میں چلانا، پہلے ہمایوں کے بارے میں سن لو......!" نعمان نے کہا تو وہ روٹھے لہجے میں بولی۔

"مجھے نہیں سننا......!"

"مجھے سننا ہے......!" روبی فوراً بولی تو وہ اسے دیکھ کر کہنے لگا۔

"چلو تم سن لو......! نور......! تم اپنے کان بند کر لو......!" وہ درمیان میں اسے مخاطب کر کے پھر روبی کی طرف متوجہ ہو کر ڈرامائی انداز میں بتانے لگا۔

"ایسا ہوا کہ میں جب کمرے میں داخل ہوا تو ہمایوں صاحب بے ہوشی کے عالم میں نوریہ نوریہ پکار رہے تھے۔ پھر ہوش میں آتے ہی مچل گئے کہ مجھے جانے دو، میری شادی ہے اگر میں نہیں گیا تو وہ کسی اور کی ہو جائے گی۔" روبی اپنی بے ساختہ ہنسی کسی طرح نہ روک پائی تو ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر ہنسنے لگی۔

"نومی کے بچے......!" نوریہ نے پہلے اسے تکیہ کھینچ کر مارا پھر اُٹھ کر اس پر جھپٹنا چاہتی تھی کہ وہ ہنستا ہوا بھاگ گیا۔



رخصت ہوتی گرمیوں کی خوش گوار سی شام تھی۔ حاکم علی نے آتے ہی نشی کو فون کر کے آنے کو کہہ دیا تھا، پھر شاور لے کر لان میں آ بیٹھا اور نشی کا انتظار کرنے لگا کیونکہ اس روز وہ سونیا کی پارٹی سے آتے ہی گاؤں روانہ ہو گیا تھا اور تین دن وہاں رہا تو اس نے قصداً کسی سے رابطہ نہ کیا تھا جبکہ وہ یہ بھی جاننا چاہتا تھا کہ اس کے آنے کے بعد وہاں کیا باتیں ہوئیں اور سب نے سونیا کی بات کا کتنا یقین کیا، وہ جو بچے کو اس سے منسوب کر رہی تھی۔ بہرحال اس وقت اس نے نشی کو اسی مقصد سے بلایا تھا لیکن اس پر ظاہر بھی نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے جب وہ آئی تو بڑے خوشگوار موڈ میں اس کے استقبال کو کھڑا ہو گیا۔

"تم کہاں چلے گئے تھے سردار......! میں تمہیں فون کر کر کے تھک گئی۔ تمہارا موبائل بھی آف تھا، کیوں......؟" نشی نے آتے ہی جرح شروع کر دی اور وہ واحد لڑکی تھی جسے وہ ٹوکنے سے گریز کرتا تھا۔ ابھی بھی بڑے آرام سے بولا۔

"میرا موبائل یہیں رہ گیا تھا۔"

''اور تم کہاں گئے تھے......؟''

''گھر......! اپنے پیرنٹس کے پاس......!'' وہ اسے بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود بھی بیٹھ گیا۔

''خیریت......! آئی مین اچانک کیسے چلے گئے......؟ کسی کو بتایا بھی نہیں۔'' نشی نے کہا تو وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر مسکرا کر بولا۔

''سنو......! اصل بات کہو......!''

''اصل بات......!'' وہ جانے سمجھی نہیں تھی یا قصداً انجان بن رہی تھی۔

''ہوں......!'' وہ سگریٹ سلگانے میں لگ گیا پھر گہرا کش لینے کے بعد اسے دیکھ کر بولا۔

''تم شاید یہ پوچھنا چاہتی ہو کہ میں سونیا کی پارٹی چھوڑ کر کیوں چلا گیا تھا......؟''

''ہاں......! تمہیں ایسے نہیں جانا چاہیے تھا۔'' نشی نے اعتراف کے ساتھ کہا تو وہ ہونٹ بھینچ گیا کیونکہ خود اس کے اپنے اندر اسی بات کا ملال تھا۔

''سردار......! اس بات میں کتنی سچائی ہے......؟ آئی مین وہ بچہ......!'' قدرے توقف سے نشی اسے مخاطب کر کے پوچھنے لگی۔

''تمہارا کیا خیال ہے میرا ہے......؟'' اس نے کہا تو نشی ذرا سے کندھے اُچکا گئی۔

''دیکھو نشی......! میں مانتا ہوں کہ میں نے سونیا کے ساتھ وقت گزارا ہے اور صرف سونیا ہی نہیں اور بھی بہت سی لڑکیاں ہیں جو خود میرے پاس آئی ہیں۔ میں نے کبھی کسی کے ساتھ زبردستی نہیں کی۔ آئی ایم سوری......! مجھے تمہارے سامنے ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں لیکن تم گواہ ہو۔ صرف تم گواہ ہو نشی کہ ان پانچ سالوں میں، میں نے تم سے کبھی کوئی ایسی بات نہیں کی جسے سن کر یا سوچ کر تم میری دوستی پر خود سے نادم ہوئی۔ کیا ایسا ہوا ہے......؟'' اس نے اچانک اپنی بات کی تصدیق چاہی تو نشی نے آہستہ سے نفی میں سر ہلایا۔

''ہو بھی نہیں سکتا کیونکہ تم نے دوستی کی جو حدود قائم کر رکھی ہیں میں انہیں کراس کرنے کی خود میں جرأت نہیں پاتا۔ حالانکہ تم بے ساختہ بولتی اور ہر بات کا برملا اظہار کرتی ہو لیکن تمہاری کسی بات کسی انداز میں خود سپردگی نہیں ہوتی جبکہ سونیا اور اس جیسی دوسری لڑکیاں یہیں مات کھا جاتی ہیں۔'' وہ سانس لینے کو رُکا تھا کہ نشی بول پڑی۔

''بس کرو سردار......!''

''نہیں......! مجھے کہنے دو کہ لڑکی اگر خود اسٹرونگ ہو تو کوئی مرد اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور مجھے اس بات کا بھی یقین ہے کہ جو لڑکی اپنی خوشی سے میرے بیڈ کی زینت بنتی ہے وہ دوسروں کے بستر بھی ضرور گرماتی ہوگی۔'' حاکم علی بات ختم کر کے یوں خاموش ہو گیا جیسے مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہ ہو لیکن جب کافی دیر تک نشی کچھ نہ بولی تب وہ پھر شروع ہو گیا۔

''مجھے کیا پتا سونیا اور کس کس کے پاس جاتی ہے اور جانے کس کا بچہ میرے سر تھوپ رہی تھی، وہ بھی بھری محفل میں! اس سے میرا تو کچھ نہیں بگڑے گا۔ چند دن لوگ میرے بارے میں باتیں کریں گے پھر بھول جائیں گے لیکن سونیا کی لغزش تو کوئی نہیں بھول سکتا کیونکہ اس نے اپنی لغزش کا فخریہ اشتہار لگا دیا ہے، ہاہاہا......!'' آخر میں وہ ہنسنے لگا تو نشی اکتا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کیا ہوا......؟ جا رہی ہو کیا......؟'' اس نے فوراً ہنسی روک کر پوچھا۔

''ظاہر ہے......! جب تم چائے کافی نہیں پوچھو گے تو مجھے جانا ہی پڑے گا۔'' نشی نے مزید بوری شکل بنا کر کہا۔

''سوری......! سوری......!'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''آؤ......! اندر چلو......!''

''نہیں......! چائے یہیں منگوا لو......! یہاں اچھا لگ رہا ہے۔'' وہ پھر بیٹھ گئی تو اس نے وہیں سے فضل دین کو پکار کر فوراً چائے لانے کو کہا پھر جیسے ہی بیٹھا نشی اسے مخاطب کر کے بولی۔

''سردار......! تم نے پھر اس لڑکی کے بارے میں نہیں بتایا۔''

''کون سی لڑکی......؟'' وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

''وہی جس کے بارے میں تم نے شاید یہ کہا تھا کہ تم اسے کھوج رہے ہو......؟'' نشی کا انداز یاد دلانے والا تھا اور وہ فوراً سمجھ کر کہنے لگا۔

''ہاں......! بتاؤں گا......! وقت آنے پر ضرور بتاؤں گا بلکہ بلواؤں گا۔''

''تم مل چکے ہو......؟''

''ہاں......!'' وہ مختصر جواب دے کر سگریٹ سلگانے لگا۔ پھر ڈھیر سارا دھواں فضا کی نذر کر کے کہنے لگا۔

''نشی......! تم ہمیشہ مجھے موضوع بناتی ہو۔ کیوں نہ آج ہم ''تم'' پر بات کریں۔''

''مجھ پر......!'' وہ ذرا سا ہنسی۔

''مجھ میں تو کوئی خاص بات نہیں ہے سردار......! اور نہ کوئی خاص بات مجھ سے منسوب ہے جسے موضوع بنایا جائے۔''

''طنز کر رہی ہو مجھ پر......!'' اس نے خوبصورتی سے ٹوکا۔

''نہیں سردار......! تم جانتے ہو مجھے جو بات کہنی ہوتی ہے براہ راست کہہ دیتی ہوں۔'' نشی نے کہا تو وہ اثبات میں سر ہلانے لگا جبکہ اس کا ذہن کہیں اور بھٹک گیا تھا۔

تب ہی فضل دین چائے لے آیا تو نشی ٹرے میں کپ سیدھے کر کے چائے بنانے لگی۔ پھر حاکم علی کے سامنے کپ رکھتے ہوئے اسے سوچتے دیکھ کر پوچھنے لگی۔

''سردار......!تم کیا سوچنے لگے......؟''

''مجھے سونیا کا خیال آ گیا تھا۔ آخر اس کا مقصد کیا تھا......؟'' وہ کہہ کر پھر سر جھٹک گیا۔

''خیر......! جو بھی مقصد ہو وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔'' نشی نے خاموشی سے کپ اُٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا تو وہ ایک دم جھنجلا گیا۔

''سنو......! تم یوں کیوں پوز کر رہی ہو جیسے اس سارے معاملے سے تمہارا کوئی تعلق نہ ہو......؟''

''کیا مطلب......! کیا میرا تعلق ہے......؟'' نشی نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں......! کیونکہ تم وہاں موجود تھیں۔ تمہارے سامنے سارا ڈراما ہوا تھا اور دیکھنے والے اور کچھ نہیں تو تبصرہ ضرور کرتے ہیں کہ اچھا تھا یا برا......! جبکہ تم یوں ظاہر کر رہی ہو جیسے تم نے کچھ دیکھا، کچھ سنا نہیں، کیوں......؟'' حاکم علی کا ڈپریشن ظاہر ہو رہا تھا۔

''تو تم چاہتے ہو میں نے جو دیکھا جو سنا اس پر تبصرہ کروں۔'' نشی نے سکون سے کہتے ہوئے چائے کا کپ رکھ دیا پھر اسے دیکھ کر بولی۔

''نہیں سردار......! یہ تمہارا ذاتی فعل ہے اور اسے تم برا بھی نہیں سمجھتے۔ پھر بتاؤ میرے کچھ کہنے کا کوئی فائدہ ہو گا......؟''

''نہ ہو فائدہ......! تم تو اپنے اندر کا غبار نکالو۔'' وہ کسی طرح اپنی جھنجلاہٹ پر قابو نہیں پا رہا تھا۔

''میرے اندر کوئی غبار نہیں بھرا سردار......! ہاں...... البتہ میں دیکھ رہی تھی کہ تم......'' نشی جانے کیا کہنے جا رہی تھی کہ اس نے ہاتھ اُٹھا کر روک دیا۔

''بس بس......!'' اور پھر ایک دم اُٹھ کر تیز قدموں سے اندر چلا گیا تو اس کے پیچھے دیکھتے ہوئے نشی تاسف سے نفی میں سر ہلانے لگی۔

○○○

حاکم علی تین دن حویلی میں رہ کر گیا تھا۔ گو کہ اس نے چاندنی سے اکھڑ لہجے میں بات کی تھی پھر بھی وہ اسی پر خوش تھی کہ حاکم علی نے دو تین بار اس کا نام لے کر پکارا تھا۔ برآمدے میں اسے دیکھ کر رُکا تھا اور اسے کراچی چلنے کو بھی کہا تھا۔ وہ یہ ساری باتیں بہت خوش ہو کر زینب کو بتا رہی تھی۔

''اور پتا ہے زینب......! میں اُوپر والی منزل پر بھی گئی تھی، حاکم کو چائے دینے......!'' چاندنی نے رازداری سے بتایا تو زینب کا اشتیاق انتہاؤں کو چھونے لگا۔

''ہائے سچ......! اُوپر کمرے کیسے ہیں......؟''

''پتا نہیں......!'' اس نے لاعلمی کا اظہار کیا تو زینب جھنجلا گئی۔

''ہیں......! ابھی تو تو کہہ رہی تھی کہ تو اُوپر گئی تھی۔''

''ہاں......! گئی تھی، وہاں حاکم تھا ناں......! اس لئے مجھے ڈر لگ رہا تھا، اِدھر اُدھر دیکھ ہی نہیں سکی، بس جلدی سے چائے دے کر آ گئی۔''

''ہٹ پگلی......! تو بھی بس......!'' زینب نے افسوس سے سر جھٹکا تو وہ اس کا ہاتھ کھینچ کر پوچھنے لگی۔

''اچھا......! میری جگہ اگر تو ہوتی تو کیا کرتی......؟''

''میں کیوں ہوتی......؟'' زینب تڑخ کر بولی۔

''ایسے ہی......! بتا ناں......!'' اس نے اصرار کیا تو زینب چند لمحے سوچنے کے بعد کہنے لگی۔

''میں اگر چائے لے کر جاتی تو پہلے اسے سلام کرتی پھر اس کا حال پوچھتی اور جب تک وہ چائے پیتا میں وہیں کھڑی رہتی اور کمرے کی ایک ایک چیز دیکھتی۔ آئندہ تو جانا تو ایسے ہی کرنا۔'' آخر میں زینب نے مشورہ دیا تو وہ مایوسی سے بولی۔

''اب پتا نہیں وہ کب آئے گا......!''

''جلدی آئے گا......! عید میں زیادہ دن نہیں ہیں۔'' زینب نے اس کے پہلو میں چٹکی کاٹ کر کہا تو وہ کراہ کر بولی۔

''آہ......! وہ عید پہ کب آتا ہے......!''

''کیوں......! اس عید پر تو شادی ہے اور بے بے بتا رہی تھی حاکم رمضان ہی میں آ جائے گا۔'' زینب نے کہا تو وہ کچھ پریشان ہو کر پوچھنے لگی۔

''تو نے بے بے سے پوچھا تھا......؟''

''نہیں......! میں نے تو نہیں پوچھا تھا، بے بے خود ہی بتا رہی تھی۔'' زینب نے کہا تو وہ ایک دم حاکم کی بات یاد آنے پر کہنے لگی۔

''بتا رہی تھی نہیں، بے بے بتا رہی تھیں۔ اور پتا ہے حاکم کہہ رہا تھا کہ اسے تو تڑاخ سے بات کرنا بالکل اچھا نہیں لگتا۔''

''یہ تو بہت اچھی بات ہے، اب تو جلدی سے آپ جناب کہنا سیکھ لے۔'' زینب نے سراہ کر فوراً اسے مشورہ بھی دے ڈالا تو وہ ہنسنے لگی۔

''جناب......! اس طرح ہنستی ہوئی آپ بالکل پاگل رہی ہیں۔'' زینب بھی اسی کے انداز میں کہہ کر ہنسنے لگی۔ پھر کتنی دیر تک دونوں ایک دوسرے کو آپ جناب کرتی رہیں۔ پھر وہ دونوں ہاتھ گالوں پر رکھ کر بولی۔

''ہائے زینی......! یہ تو بڑا مشکل ہے۔''

''اب چاہے مشکل ہو یا آسان......! تجھے ایسے ہی بولنا پڑے گا ورنہ حاکم تجھے اپنے ساتھ شہر نہیں لے جائے گا۔'' زینب نے کہا تو وہ فوراً بولی۔

"کوئی نہیں......! وہ تو ابھی بھی مجھے ساتھ چلنے کو کہہ رہا تھا۔"

"تو چلی جاتی ناں......!"

"کیوں......! ایسے کیوں چلی جاتی......؟" وہ تڑخ کر بولی تب ہی بے بے کے پکارنے کی آواز آئی تو وہ اٹھتی ہوئی بولی۔

"چل......! بے بے بلا رہی ہے۔"

"بے بے بلا رہی ہیں۔" زینب نے زور دے کر تصحیح کی تو پھر دونوں ہنسنے لگیں۔

○○○

آج کے دن اس کی شادی ہونی تھی لیکن ہمایوں کے ایکسیڈنٹ کی وجہ سے سارے پروگرام ملتوی ہوگئے تھے اور طے یہ پایا تھا کہ جب ہمایوں ڈسچارج ہو کر گھر آ جائے گا تب اگلی تاریخ طے کر دی جائے گی۔ زیادہ امکان عید کے بعد ہی تھا کیونکہ رمضان کی آمد آمد تھی اس لیے سفینہ پھپھو اپنے بچوں کے ساتھ واپس چلی گئیں تھیں اور اب روبی نے بھی جانے کی بات کی تو نور یہ بگڑ گئی۔

"تمہیں جانے کی کیا جلدی ہے......؟ ابھی رہو کچھ دن......!"

"اگر اب رہ گئی ناں......! تو پھر تمہاری شادی میں امی نہیں رہنے دیں گی۔ سوچ لو پھر میں مہمانوں کی طرح ہی آؤں گی اور یہاں بھی نہیں سیدھے شادی ہال میں۔" روبی نے آئندہ کے بارے میں خبردار کیا تو وہ جل کر بولی۔

"اور میں تمہاری شادی میں مہمانوں کی طرح بھی نہیں آؤں گی۔"

"مجھے تم سے یہی امید ہے۔" روبی نے ہنس کر کہا تو وہ خفگی سے اسے دیکھ کر منہ موڑ گئی۔

"نور......! ایسے کیوں کر رہی ہو......؟ آخر مجھے جانا تو ہے ناں......!" روبی نے اس کا ہاتھ ہلایا پھر اس کے سامنے آ کر بولی۔

"میں پھر آؤں گی......!"

"پھر تو تب ہی آئیں گے ابھی مجھے تمہاری ضرورت ہے۔" اس کی آواز میں آنسوؤں کی نمی تھی جسے محسوس کرتے ہی روبی نے اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے لیا۔

"نور......! رونا مت......!"

"میں رو نہیں رہی......!" وہ پلکیں جھپکنے لگی۔

"اچھا چلو......! میں نہیں جاتی۔ تمہیں رخصت کر کے ہی جاؤں گی، اب خوش......!" روبی نے اس کی ٹھوڑی ہلائی پھر اسے گلے لگا کر کہنے لگی۔

"میں تمہاری فیلنگز سمجھ رہی ہوں نور......! لیکن دیکھو اس میں تمہارا بلکہ کسی کا بھی کوئی قصور نہیں ہے۔ ہونے والی بات تھی ہو گئی اور پھر اللہ نے جس کام کا جو وقت مقرر کر رکھا ہے اسے اسی مقررہ وقت پر

ہوتا ہے۔ جیسے تمہاری شادی عید کے بعد ہونا مقرر تھی تو پھر ابھی کیسے ہو سکتی تھی......؟ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں......؟"

"نہیں......!" وہ بے ساختہ ہنسی تھی۔

"شاباش......! یونہی ہنستی رہو......! اگر تمہاری اجازت ہو تو میں امی کو فون کر کے کہہ دوں کہ میں ابھی نہیں آ رہی۔" روبی نے اس کا موڈ ٹھیک ہونے پر اطمینان سے پوچھا۔

"اس میں میری اجازت کی کیا بات ہے......؟"

"ٹھیک ہے......! میں بس ابھی آئی۔" روبی کہتی ہوئی کمرے سے نکل گئی تو اس نے پہلے بیڈ کی چادر ٹھیک کی پھر پردے سمیٹ کر کھڑکی کھول دی۔

ڈھلتی سہ پہر کی مدھم دھوپ میں آسمان رنگ بدل رہا تھا۔ وہ کچھ دیر دلچسپی سے نارنجی شعاعوں کو دیکھتی رہی پھر اچانک روبی کا خیال آیا کہ وہ فون کرنے لابی میں گئی تھی، واپس کیوں نہیں آئی۔

"کہاں چلی گئی......؟" وہ تیزی سے آتے ہوئے اسے دیکھ کر گھبرا گئی۔

"یا اللہ......! اس نے دروازے کا سہارا لیا پھر پوچھنے لگی۔

کہاں چلی گئی تھیں......؟"

"تمہارے سسرال......!" روبی کہہ کر ہنسی لیکن وہ اَن سنی کر گئی۔

"تم فون کر لیا......!"

"ہاں......! اور اب جاؤ تم فون کر آؤ۔" روبی نے کہا تو وہ ناسمجھی کے عالم میں پوچھنے لگی۔

"کسے......! تمہاری امی کو......؟"

"نہیں......! ہمایوں کو، پتا ہے وہ اس وقت ہاسپٹل میں اکیلے ہیں، تم ان کے موبائل پر فون کر کے ان کی خیر خیریت معلوم کر لو، جاؤ جلدی کرو۔" روبی نے کہتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچنا چاہا لیکن وہ پیچھے ہٹ گئی۔

"تمہیں کیسے پتا کہ ہمایوں اکیلے ہیں......!"

"ابھی آنٹی تمہاری ساس سے فون پر بات کر رہی تھیں اس سے پتا چلا اور پلیز......! باقی تفصیل بعد میں پوچھ لینا۔ جاؤ پہلے فون کرو......!" روبی نے اب زبردستی اسے کھینچ کر کمرے سے باہر نکالا لیکن وہ پھر رک گئی۔

"روبی......! میں نے کبھی انہیں فون نہیں کیا۔"

"تو اب کر لو......! بلکہ تمہیں ضرور کرنا چاہیے۔" روبی نے زور دے کر کہا تو وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ پھر اسے کمرے میں بھیج کر خود فون کے پاس آ گئی اور سوچ سوچ کر ہمایوں کا موبائل نمبر ڈائل کرنے لگی۔

"ہیلو......!" خاصی تاخیر سے ہمایوں کی آواز آئی تھی۔

"السلام علیکم......!" اس نے بہت سنبھل کر سلام کیا۔

"وعلیکم السلام......انوریہ......!" ہمایوں نے جواب کے ساتھ غالباً تصدیق چاہی تھی۔

"جی......! کیسی طبیعت ہے آپ کی......؟"

"بالکل ٹھیک تو نہیں کہہ سکتا......بس ٹھیک ہے......!" ہمایوں نے کہا تو اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ اب کیا کہے۔ دل ہی دل میں روبی کو گالیاں دینے لگی تھی کہ کس مشکل میں ڈال دیا۔

"نور......!" ادھر سے ہمایوں نے پکارا تو وہ چونک کر بولی۔

"جی......!"

"آپ آئیں گی نہیں......!" ہمایوں نے پوچھا تو وہ سمجھی نہیں۔

"کہاں......؟"

"میری عیادت کو......!" اس نے کہا تو وہ اُلٹا اس سے پوچھنے لگی۔

"کیا مجھے آنا چاہیے......؟"

"اپنے دل سے پوچھیں......! اور اگر دل آنے پر آمادہ ہو تو اسے جھٹلایئے گا نہیں، ضرور آیئے گا، میں انتظار کروں گا۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر بولا تھا اور اسے کوئی جواب نہیں سوجھا تو آہستہ سے ریسیور رکھ دیا پھر بھاگ کر کمرے میں آئی اور روبی پر بگڑنے لگی۔

"تم نے مجھے فون کرنے کا مشورہ کیوں دیا تھا......؟ اور میں بھی کیسی پاگل ہوں جو تمہاری بات مان گئی۔"

"ماشاءاللہ......! بڑی سعادت مند بچی ہو......!" روبی نے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر بولی۔

"بات مت کرو مجھ سے......!"

"آخر ہوا کیا......؟ چاچی نے ڈانٹ دیا کیا......؟"

"ڈانٹیں گے کیوں......؟" وہ منہ چلاتے ہوئے بولی۔

"پھر......؟"

"آنے کو کہہ رہے تھے، یعنی میں ان کی عیادت کو جاؤں......!" اس کا انداز ایسا تھا جیسے یہ ناممکن ہو، لیکن روبی اُچھل پڑی۔

"ہائے سچ......! چلو ابھی چلتے ہیں......!"

"کیا......! دماغ ٹھیک ہے تمہارا......!" وہ چیخی۔

"ایک منٹ یہاں بیٹھو......!" روبی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھایا پھر دھیرج سے کہنے لگی۔

"دیکھو اگر ہمایوں یہ چاہتے ہیں کہ تم ان کی عیادت کو جاؤ تو تمہیں ان کی خواہش کا احترام کرنا چاہیے کیونکہ ان کے ساتھ تمہاری نسبت طے ہو چکی ہے اور انہوں نے بھی کوئی انہونی بات تو نہیں کی۔ پھر تمہارے گھر والے بھی دقیانوسی نہیں ہیں۔ چلو ان سب باتوں کو چھوڑو یہ بتاؤ تمہارا دل کیا کہتا ہے......؟"

"دل......! دل تو پاگل ہے......!" وہ بے ساختہ مسکرائی۔

"تو میری جان......! اس پاگل دل کی دلداریاں تو کرنی پڑیں گی۔" روبی نے اس کی ٹھوڑی چھو کر کہا تو وہ پھر سنجیدہ ہو گئی۔

"نہیں روبی......! میں نہیں جاؤں گی......!"

"آخر کیوں......؟" روبی زچ ہو رہی تھی۔

"بھئی......! تم میرے کزنز کو نہیں جانتیں بہت ریکارڈ لگائیں گے میرا......!"

"کزنز کو بتانے کی کیا ضرورت ہے......؟ انہیں پتا بھی نہیں چلے گا۔ بس تم اپنی امی سے پوچھ لینا۔" روبی نے جس قدر آرام سے کہا وہ اسی قدر چیخ پڑی۔

"کیا......! میں امی سے پوچھ لوں......؟"

"اچھا......! میں پوچھ لوں گی، یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ بس اب تم منع مت کرنا ورنہ میں......" روبی نے وارننگ کے انداز میں ہاتھ اُٹھا کر اسے خاموش کرا دیا۔

پھر اگلے دن وہ روبی کے ساتھ ابھی گیٹ سے باہر نکلی تھی کہ نعمان اپنی بائیک پر بالکل اس کے قریب آن رکا اور قدرے رعب سے پوچھنے لگا۔

"تم کہاں جا رہی ہو......؟"

"ہم ذرا ٹیلر کے پاس جا رہے ہیں، اس کے کچھ کپڑے رہ گئے تھے اس کے پاس اور کچھ اور دینے ہیں۔" اس سے پہلے روبی بول پڑی۔

"کیسے جاؤ گی......؟" نعمان نے کوئی اعتراض اُٹھائے بغیر پھر پوچھا۔

"میری گاڑی ہے ناں......! آؤ نور......!" روبی اس کا ہاتھ پکڑ کر فوراً گاڑی کی طرف بڑھ گئی تو پھر اس نے بھی بیٹھنے میں دیر نہیں کی اور جیسے ہی روبی ڈرائیونگ سیٹ پر آئی دانت پیس کر بولی۔

"تم مجھے مرواؤ گی......!"

"شٹ اپ......!" روبی نے گاڑی اسٹارٹ کر کے قدرے اسپیڈ سے آگے بڑھائی پھر کہنے لگی۔

"سنو......! تمہاری امی کو پتا ہے کہ تم کہاں جا رہی ہو......؟ اس کے بعد تمہیں کسی کی پرواہ نہیں ہونی چاہیے۔"

"بس......! اپنی منطقیں اپنے پاس رکھو۔" وہ ٹوک کر شیشے سے باہر دیکھنے لگی تو روبی نے کیسٹ آن کر دیا۔ کوئی خوبصورت گیت تھا لیکن اس نے توجہ نہیں دی کیونکہ اس کا ذہن آگے کی سوچنے لگا تھا کہ وہ

ہمایوں کا سامنا کیسے کرے گی گو کہ وہ کوئی ایسی دبو قسم کی لڑکی نہیں تھی، خاصی پُر اعتماد تھی لیکن جو صورتِ حال تھی اس سے وہ پزل ہو رہی تھی۔ دل کا بھی عجب عالم تھا، جتنا وہ ریلیکس ہونا چاہ رہی تھی اسی قدر وہ دھڑک دھڑک کر اس کی گھبراہٹ میں اضافہ کر رہا تھا۔

''روبی......!'' آخر اس نے اسٹیئرنگ پر روبی کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

''مجھے گھبراہٹ ہو رہی ہے، واپس چلو......!''

''ایسے ہی واپس چلو......! اب تو ہم پہنچ بھی گئے۔'' روبی نے مزید اسپیڈ بڑھا کر بقیہ راستہ سیکنڈوں میں طے کر کے گاڑی ہاسپٹل کے گیٹ پر روک دی پھر اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولی۔

''جاؤ......! مل آؤ اپنے سجنا سے......!''

''جی نہیں......! میں اکیلی نہیں جاؤں گی، تمہیں میرے ساتھ چلنا پڑے گا۔'' وہ کہہ کر مرر میں اپنا جائزہ لینے لگی۔

''بس......! بہت پیاری لگ رہی ہو۔'' روبی ٹوک کر اُتر گئی تو اس نے پہلے اپنے بال ٹھیک کیے پھر روبی کے پاس آ کر بولی۔

''سنو......! پہلے تم جا کر دیکھ آؤ کہ ہمایوں کی امی یا بہن......''

''اوہو......! کوئی نہیں ہے چلو......!'' روبی اس کا ہاتھ کھینچ کر تیزی سے گیٹ کی طرف بڑھنے لگی تھی کہ ادھر سے آتے کسی شخص کے ساتھ بری طرح ٹکرا گئی۔

''نان سنس......! دیکھ کر نہیں چل سکتے......؟''

''آپ......'' وہ بھی غصے میں کچھ کہنا چاہتا تھا کہ نور پر نظر پڑتے ہی ایک دم بے قرار ہو کر اس سے مخاطب ہو گیا۔

''نور......! نور جہاں......! میں نے کہا تھا ناں کہ میں تمہیں ہر موڑ پر ملوں گا۔''

''اور میں نے کہا تھا ناں کہ میں ہر قدم تمہیں ٹھوکر مارتی ہوئی جاؤں گی۔'' وہ اسے دیکھ کر ایک پل کو سہمی ضرور تھی لیکن پھر فوراً ہی سنبھل کر انتہائی تنفر سے بولی تو حاکم علی نے ہونٹ بھینچ کر گویا خود پر ضبط کے پہرے بٹھائے پھر دھیرج سے بولا۔

''تم خواہ مخواہ مجھ سے بدگمان ہو رہی ہو، میرا مقصد......''

''تمہارا جو بھی مقصد ہو آئندہ کبھی مجھے مخاطب کرنے کی کوشش مت کرنا۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر غصے سے بولی پھر پلٹ کر روبی کو دیکھا جو سارا معاملہ سمجھ کر گاڑی کا دروازہ کھول چکی تھی۔ اس کے دیکھتے ہی پوچھنے لگی۔

''چلیں......!'' وہ اثبات میں سر ہلا کر گاڑی میں بیٹھنا چاہتی تھی کہ حاکم علی نے ایک ہاتھ مار کر گاڑی کا دروازہ بند کر دیا۔

''تم ایسے نہیں جا سکتیں نور جہاں......! تمہیں میری بات سننی پڑے گی اور مجھے کوئی لمبی چوڑی بات نہیں کرنی صرف اتنا کہنا ہے کہ میں تمہارے لیے صرف تمہارے لیے سنجیدہ ہوں۔''

''پھر......!'' اس کا انداز ایسا تھا جیسے میں کیا کروں۔

''میری بات سمجھو نور......! میں تمہارے لیے بہت کچھ کر سکتا ہوں، تمہیں دُنیا کی ہر آسائش دے سکتا ہوں۔'' ایک وہی تھی جس کے سامنے وہ بکھر جاتا تھا۔

''میرے پاس آسائشوں کی کمی نہیں ہے مسٹر......! اور آپ میرا راستہ چھوڑو......!'' اس نے کہہ کر خود ہی گاڑی کا دروازہ کھولا اور روبی کو چلنے کا اشارہ کر کے بیٹھ بھی گئی تو وہ شیشے پر جھک کر بولا۔

''تم اچھا نہیں کر رہیں نور......!''

وہ اَن سنی کر کے روبی کو دیکھنے لگی جو ڈرائیونگ سیٹ پر آ رہی تھی۔

''سنو......! تم نے اپنا موبائل کیوں آف کر رکھا ہے، میں تمہیں روزانہ رنگ کرتا ہوں لیکن......''

وہ بولے جا رہا تھا۔ ادھر روبی نے بیٹھتے ہی گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی۔

○ ○ ○

تمام راستہ وہ پیچ و تاب کھاتی رہی جبکہ روبی بالکل خاموش تھی۔ گھر آتے ہی اس نے پہلے ہمایوں کو فون کر کے کہا کہ راستے میں گاڑی خراب ہو جانے کی وجہ سے وہ نہ آ سکی اور یہ بہانا بھی اسے اس لیے کرنا پڑا تھا کیونکہ گھر سے نکلتے ہوئے وہ اسے فون کر کے کہہ چکی تھی کہ وہ آ رہی ہے۔ بہر حال ہمایوں سے معذرت کر کے وہ واپس کمرے میں آئی تو روبی اپنا سوٹ تہہ کر کے اپنے بیگ میں رکھ رہی تھی۔

''یہ کیا کر رہی ہو......؟'' وہ روبی کے سر پر آ کھڑی ہوئی۔

روبی نے کوئی جواب نہ دیا، بیگ بند کرنے میں لگی رہی۔

''دیکھو......! اگر تم اپنے گھر جانے کا سوچ رہی ہو تو......''

''نور......! پلیز......! مجھے جانے دو......!'' روبی اسے ٹوک کر بولی۔

''کیوں آخر......! یہ تم نے اچانک جانے کا پروگرام کیسے بنا لیا......؟'' اس کے تیز لہجے پر روبی صاف گوئی سے بولی۔

''تمہارے خراب موڈ کی وجہ سے......!''

''مائی گاڈ......! میں نے تم سے کچھ کہا ہے کیا......؟ میں تو اس لوفر پر بگڑ رہی تھی۔ پتا نہیں وہاں ہاسپٹل میں کیا کرنے گیا تھا، ضرور اس کا کوئی مر گیا ہوگا۔ اللہ کرے ایسا ہی ہو وہ خود مر جائے۔'' وہ پھر تلملانے لگی تھی کہ روبی نے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

''بس......! اپنا خون مت جلاؤ......!''

''میرا بس چلے تو میں اسے جلا کر راکھ کر دوں۔'' اس نے اپنے ہونٹوں سے اس کا ہاتھ ہٹا کر کہا پھر

سر جھٹک کر بولی۔

''خیر......! دفع کرو اسے۔ یہ بتاؤ چائے پیو گی......!''

''ہاں......! بہت اچھی سی اور اگر ساتھ بسکٹ وغیرہ بھی ہوں تو......''

''ابھی لائی......!'' وہ تیزی سے جانے لگی تھی کہ دروازے میں امی کو دیکھ رُک گئی۔

''ہو آئیں ہاسپٹل سے......؟'' انہوں نے سیدھے سادے انداز میں پوچھا تھا پھر بھی وہ ٹپٹا کر روبی کو دیکھنے لگی۔

''نہیں آنٹی......! ہم ہاسپٹل نہیں گئے۔ راستے ہی سے واپس آ گئے۔'' روبی نے بتایا تو امی قدرے متعجب ہوئیں۔

''کیوں......؟''

''بس آنٹی......! یہ نور ہے ناں......! اس کے موڈ کا کچھ پتا نہیں چلتا۔ گھر سے نکلی تو شوق سے تھی لیکن پھر......''

''اچھا بس......! زیادہ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ روبی کو ٹوک کر کمرے سے نکل آئی اور کچن میں آ کر پہلے کیبنٹ سے بسکٹ اور نمکو وغیرہ نکالی پھر چائے کا پانی رکھ کر چولہا جلایا تھا کہ روبی اس کے پیچھے آ گئی۔

''سنو......! میں نے آنٹی سے کہہ دیا ہے کہ رات کا کھانا ہم بنائیں گے۔''

''ہاں......! میں بھی یہی سوچ رہی تھی، فریج میں چکن ہو گا وہی بنا لیں گے۔ اس نے ٹی پاٹ میں چائے دم کرتے ہوئے کہا اور ٹرے میں دو کپ بنا کر پہلے امی ڈیڈی کو ان کے کمرے میں دے کے آئی پھر واپس آ کر روبی کو کپ تھماتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''یہیں پیو گی یا کمرے میں چلیں......!''

''یہیں ٹھیک ہے......! ساتھ ساتھ دوسرا کام بھی ہو جائے۔'' روبی نے کہتے ہوئے لہسن پیاز کی باسکٹ کھینچی اور بڑے مگن انداز میں کبھی چائے کا سپ لیتی کبھی لہسن چھیلنے لگتی پھر اچانک اسے مخاطب کر کے بولی۔

''نور......! ایک بات کہوں......!''

''ہوں......!'' اس نے بظاہر ذرا سی ہوں کی آواز نکالی تھی جبکہ اس کا سارا دھیان روبی کی طرف منتقل ہو گیا تھا۔

''دیکھو......! فوراً جذباتی مت ہونا۔ میں اس لوفر کے بارے میں بات کرنا چاہتی ہوں۔'' روبی کا اشارہ حاکم علی کی طرف تھا۔ وہ سمجھ کر ناگواری سے بولی۔

''اس لوفر کے بارے میں کیا بات کرو گی......؟''

''پہلے وعدہ کرو، سکون سے میری بات سنو گی......!'' روبی کی غیر معمولی سنجیدگی نے اس کے اندر اُٹھتے اُبال پر جیسے بند باندھ دیا تھا۔ وہ اسٹول اس کے قریب کھینچ کر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''وعدہ......! سکون سے سنوں گی......!''

''ٹھیک ہے......! میں تمہیں یہ سمجھانا چاہ رہی ہوں کہ اس شخص کے سامنے غصے اور نفرت کا اظہار کر کے تم اسے نہیں روک سکتیں۔ اس طرح تو وہ اور ضد میں آ جائے گا اور جہاں کہیں تم نظر آؤ گی تمہارا راستہ روکے گا۔''

''پھر میں کیا کروں......؟'' وہ نہ صرف سنجیدہ ہوئی بلکہ اس کے لہجے میں تفکر بھی سمٹ آیا تھا۔

''میرا خیال ہے تم ایک بار اسے فون کرو اور آرام سے سمجھاؤ کہ وہ تمہارا خیال چھوڑ دے کیونکہ تمہاری شادی ہونے والی ہے اور میں تو یہ بھی کہوں گی کہ اگر تمہیں اس کی منتیں کرنی پڑیں تو وہ بھی کر ڈالو تاکہ یہ معاملہ یہیں ختم ہو جائے۔'' روبی نے پوری نیک نیتی سے اسے مشورہ دیا تھا۔

''میں بھی یہی چاہتی ہوں روبی......! لیکن......''

''کیا وہ آرام سے سمجھ جائے گا......؟'' وہ غیر یقینی سے نفی میں سر ہلانے لگی۔

''کوشش کرنے میں کیا حرج ہے......؟ میں نے کہاں ناں اس کی منتیں کر ڈالو، ورنہ خدانخواستہ اگر کبھی ہمایوں کے سامنے......'' روبی قصداً خاموش ہو گئی۔

''میں بھی اس بات سے ڈرتی ہوں اور میں نے جویریہ سے بھی کہا تھا لیکن اس کا کہنا ہے کہ جب میں اسے نہیں جانتی تو پھر مجھے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔'' وہ سوچتے ہوئے انداز میں بول رہی تھی۔

''میں نہیں جانتی لیکن وہ تو لگتا ہے جیسے جنم جنم سے آشنا ہو اور جس انداز سے مجھے مخاطب کرتا ہے اس سے تو کوئی بھی اسے نہیں جھٹلا سکتا۔ میں ہی مشتبہ ٹھہرتی ہوں۔''

''اسی لیے میں کہہ رہی ہوں کہ تم اس سے آرام سے بات کرو۔'' روبی نے پھر اپنی بات پر زور دیا تو وہ ایسے ہی سوچتے ہوئے انداز میں اسے دیکھے گئی۔

''میری بات سمجھو نور......!'' روبی نے اس کا ہاتھ تو ہلایا۔

''ہاں......! میں سمجھ رہی ہوں، کروں گی......! فون کروں گی اسے......! اللہ کرے میری بات سمجھ جائے......! دیکھنے میں تو اچھا خاصا میچور لگتا ہے۔'' اس کا ذہن مسلسل بھٹک رہا تھا جب ہی رُک رُک کر بول رہی تھی۔

''صرف میچور ہی نہیں ہینڈسم بھی......!'' روبی کو اب شرارت سوجھ رہی تھی۔

''یار......! ویسے کیا غضب کی پرسنالٹی ہے اس کی۔ ایمان سے اگر ایسے ہی کبھی سرِ راہ مجھے نظر آ جاتا تو میں تو اسے دیکھتی ہی فوت ہو جاتی۔''

''کوئی نہیں......! مجھے تو پکا لوفر لگتا ہے۔'' وہ چڑ کر بولی۔

’’نہیں نہیں......! شکل سے نہیں عادتیں لوفرانہ ہیں۔‘‘ روبی نے ایسے پچکارنے والے انداز میں کہا کہ وہ بے ساختہ ہنس پڑی جس سے شہ پا کر روبی فوراً پوچھنے لگی۔

’’پھر کب کر رہی ہو اسے فون......؟‘‘

’’کیوں......! تمہیں کیا جلدی ہے......؟‘‘ اس نے ٹوکا پھر بھی روبی باز نہیں آئی۔

’’یار......! ذرا اس کا اتا پتا معلوم کر لینا اور نام بھی۔ ویسے اس نے ایک دو بار اپنا نام بتایا تو تھا لیکن میں نے ہی توجہ نہیں دی تھی۔ کیا نام تھا بھلا......!‘‘ روبی باقاعدہ ذہن پر زور دینے لگی تھی۔

’’عاصم......! نہیں......! ہاشم......! نہیں......!‘‘

’’فارگاڈ سیک روبی......! تم اس کا نام یاد کر رہی ہو...... اس نے بتایا تھا ناں......!‘‘ نوریہ نے دانت پیسے۔

’’لوفر بتایا ہوگا۔ اس کا یہی نام ہو سکتا ہے۔‘‘ وہ ہنوز دانت پیس رہی تھی۔

’’خیر......! لوفر بھی برا نام نہیں ہے۔‘‘ روبی انتہائی معصومیت کا مظاہرہ کر رہی تھی اور وہ اسی قدر جھنجلا رہی تھی۔

○○○

عام دنوں میں سب اپنی اپنی روٹین کے مطابق چلتے ہیں لیکن رمضان کا مہینہ سب کو اپنی روٹین پر لے آتا ہے۔ فجر میں نہ اٹھنے والے بھی اٹھ جاتے ہیں اور دیر تک جاگنے والے بھی جلدی سو جاتے ہیں تا کہ سحری میں اٹھ سکیں۔ کوئی بات تو ہے اس ماہ مبارک میں کہ گیارہ مہینوں سے ایک روٹین پر چلنے والوں کو ایک ڈگر پر لے آتا ہے لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو کبھی اپنی ڈگر سے ہٹنے کو تیار نہیں ہوتے اور حاکم علی کا شمار بھی ایسے ہی لوگوں میں ہوتا تھا۔

وہ خدا کی خدائی تسلیم کرتا تھا لیکن اس کے سامنے سر نہیں جھکاتا تھا۔ اسے خدا کے عائد کردہ قوانین سے انکار نہیں تھا لیکن مانتا اپنے فیصلوں کو تھا۔ وہ قسمت کا لکھا مانتا تھا لیکن اسے بدلنے پر خود کو قادر سمجھتا تھا اور اب تک اگر وہ کامیاب تھا تو اس لیے کہ خدا نے اس کی رسی دراز کر رکھی تھی لیکن وہ کہاں یہ سوچ اور سمجھ سکتا تھا وہ تو اپنی حاکمیت کے نشے میں چور یہ جانتا تھا کہ وہ جو چاہتا ہے حاصل کر لیتا ہے اور حصول کی راہ میں کسی رکاوٹ کا سامنا بھی نہیں ہوا تھا لیکن اب نوریہ کے معاملے میں وہ پہلی بار خود کو بے بس محسوس کر رہا تھا اور یہ بے بسی کبھی اسے توڑتی کبھی اس کے اندر انگارے بھر دیتی تھی یوں کہ پھر وہ ہر شے کو بھسم کر دینا چاہتا تھا۔ ادھر چار پانچ روز سے اس کی یہی حالت تھی یعنی جب سے اس نے نوریہ کو ہاسپٹل کے سامنے دیکھا تھا تب سے اب تک وہ بے چین تھا۔ کبھی اس کے حصول کے لیے تڑپتا اور کبھی اس کے اندر انتقامی آگ بھڑکنے لگتی تو وہ اسے انتہائی گھناؤنی سزا دینے کی سوچنے لگتا۔

’’میں اسے رسوا کر دوں گا۔ سارے زمانے میں رسوا کر دوں گا۔‘‘ وہ اس وقت سلگتے دل و دماغ

کے ساتھ یہی تکرار کیے جا رہا تھا کہ فضل دین کارڈلیس لیے اس کے پاس چلا آیا۔

’’صاحب......! بڑے سردار صاحب کا فون ہے۔‘‘

وہ اس وقت ہرگز بھی کسی سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن دوسری طرف سردار ہاشم علی تھے جب ہی وہ فضل دین کو جھڑک نہیں سکا اور کارڈلیس لے کر کان سے لگا لیا۔

’’جی بابا......!‘‘

’’رمضان شروع ہو گیا ہے......!‘‘ سردار ہاشم علی نے غالباً اسے یاد دلایا تھا۔

’’جی......!‘‘ وہ اس قدر کہہ سکا۔

’’پھر کب آ رہا ہے تو......؟‘‘ انہوں نے پوچھا تو اسے ضبط کی کڑی منزلوں سے گزرنا پڑا۔

’’آ جاؤں گا......!‘‘

’’ہاں......! پندرہویں روزے پر تجھے یہیں ہونا ہے، سمجھ رہا ہے ناں......!‘‘ ادھر سے تاکید کے بعد سلسلہ منقطع ہو گیا تو وہ ہونٹ بھینچ کر کارڈلیس کو گھورنے لگا۔ پھر ایک دم فضل دین پر دھاڑا۔

’’تم یہاں کیا کر رہے ہو......؟‘‘

فضل دین کیا جواب دیتا۔ فوراً اس کے سامنے سے ہٹ گیا تو اس نے سامنے رکھی شیشے کی ٹیبل پر کارڈلیس اتنی زور سے پھینکا کہ شیشہ چکنا چور ہو گیا، پھر بھی اس کا غصہ کم نہ ہوا۔ مزید کوئی کارروائی کرنا چاہتا تھا کہ اس کی جیب میں موبائل بجنے لگا۔

اس نے خاصے جارحانہ انداز میں جیب سے موبائل کھینچا اور اسے بھی سامنے دیوار پر مارنا چاہتا تھا کہ اس کی روشن اسکرین پر جو نام چمک رہا تھا اسے دیکھ کر وہ چونکنے کے ساتھ زیر لب بڑبڑایا تھا۔

’’نور جہاں......!‘‘

⊖ ⊖ ⊖

پھر ایک دم بے قرار ہو کر اس نے موبائل آن کر کے کان سے لگایا اور اسی بے قراری سے بولا۔

"نور......! یہ تم ہی ہوناں......! نور جہاں......!"

"ہاں......!" ادھر سے بہت سکون سے جواب آیا۔

"کیوں ستاتی ہو مجھے......! کیوں اتنا تڑپاتی ہو......؟" وہ جب عاجزی سے بولتا تھا تو اپنے آپ میں نہیں ہوتا تھا۔

"سنو......! نہ میں تمہیں ستاتی ہوں نہ تڑپا رہی ہوں۔ یہ ساری باتیں وہاں ہوتی ہیں جہاں کوئی ناطہ، کوئی تعلق ہو اور میرا تو تم سے کوئی ناطہ نہیں، میں تو تمہیں جانتی تک نہیں۔" وہ ٹھہرے ہوئے انداز میں بول رہی تھی۔

"تو اب جان لو......! میں تمہارا......" وہ غالباً عاشق کہنے جا رہا تھا کہ ادھر سے اس نے ٹوک دیا۔

"کوئی ایسی بات منہ سے مت نکالنا جو مجھے فوراً فون بند کرنے پر مجبور کر دے جبکہ میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں۔"

"ہاں کہو......! جو کہنا ہے کہہ ڈالو......!" وہ حد درجہ بے تاب تھا۔

"مجھے صرف اتنا کہنا ہے کہ تم پلیز......! میرا خیال چھوڑ دو......!" نور یہ نے ابھی اس قدر کہا تھا کہ وہ بول پڑا۔

"ناممکن......! میں تو شاید مر کر بھی تمہاری اس بات پر عمل نہ کر سکوں۔"

"دیکھو......! اس میں میرا کچھ نقصان نہیں ہے کیونکہ میں کچھ دن بعد شادی ہو کر ملک سے باہر جا رہی ہوں اور یہ میں صرف تمہارے لیے کہہ رہی ہوں۔ تم خود پر ظلم مت کرو۔" نور یہ بہت سوچ کر بول رہی تھی۔ اس کی آخری بات پر وہ ہنسنے لگا اور ہنستا چلا گیا پھر ایک دم ہنسی روک کر کہنے لگا۔

"ابھی تو تم کہہ رہی تھیں کہ تمہارا مجھ سے کوئی ناطہ نہیں، جھوٹی ہو تم......! جب کوئی ناطہ نہیں تو پھر تمہیں میرا خیال کیوں ہے......؟ میں خود پر ظلم کروں، مار ڈالوں خود کو اس سے تمہیں کیا غرض......؟"

دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔ وہ یقیناً تلملا رہی تھی۔

"ہیلو نور......! تم خاموش کیوں ہو گئیں......؟" اس نے پکار کر پوچھا تو وہ تاسف سے بولی۔

"اب تم سے کیا کہوں......؟ جب تمہارے نزدیک کسی بات کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔"

"ہے......! بہت اہمیت ہے تمہاری......! ہر بات کی اہمیت ہے، تم کہو تو......! بس ایک یہ مت کہنا کہ میں تمہارا خیال چھوڑ دوں۔ یہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔ میں سچ کہہ رہا ہوں نور جہاں......! میں اپنی زندگی میں پہلی بار تمہارے معاملے میں بے اختیار ہوا ہوں۔ کیا تم مجھ سے مل سکتی ہو......؟" اس نے آخر میں بڑی منت سے پوچھا تو ادھر سے کچھ توقف کے بعد وہ بولی۔

"نہیں......! اب تو یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے۔"

"کیوں......؟ کیوں......؟" وہ پل پل لہجہ بدل رہا تھا۔

"میں نے بتایا ناں کہ میری شادی ہو رہی ہے اور اگر اب کبھی میرا تم سے سامنا ہوا تو یہ یاد رکھنا کہ میں مس نہیں مسز ہوں گی۔" نور یہ نے غالباً اپنے تئیں اسے باور کرایا تھا لیکن وہ بہت شاطر تھا فوراً سمجھ کر کہنے لگا۔

"تو تم ڈر رہی ہو کہ کہیں میں تمہارے شوہر کے سامنے تمہارا ہاتھ نہ پکڑ لوں......!"

"یہ جرأت تو تم میں اب بھی نہیں ہے مسٹر......!"

"حاکم......! سردار حاکم علی......!" اس نے فوراً نام کے حوالے سے اپنی اہمیت جتائی۔

"جو بھی ہو، میں نے ناحق اپنا وقت ضائع کیا۔" ادھر سے سلسلہ منقطع ہو گیا تو حاکم علی نے فوراً اس کا نمبر ملایا لیکن دوسری طرف پھر موبائل لاک تھا۔

"بزدل......!" وہ بڑبڑایا پھر اس کی گفتگو کو نئے سرے سے سوچنے لگا۔



حویلی کی رونقوں میں اضافہ ہو گیا تھا۔ سردار ہاشم علی کی تینوں بیٹیاں اپنے بال بچوں کے ساتھ آ چکی تھیں۔ دن میں تو روزے کے باعث لڑکیاں کوئی خاص شغل نہیں لگاتی تھیں لیکن افطار کرتے ہی ایک ہنگامہ شروع ہو جاتا۔ بے بے چلاتی رہ جاتیں، پہلے تراویح کا اہتمام کر لو اس کے بعد جو دل چاہے کرنا لیکن کون سنتا تھا۔ افطار اور تراویح کے درمیان وقفے میں بھی خوب ہلا گلا ہوتا۔ پھر تراویح کے بعد لڑکیاں جو ڈھولک پر بیٹھتیں تو سحری میں ہی اٹھتی تھیں۔ سب کو اپنے اکلوتے بیٹے حاکم ماما کا انتظار تھا۔ صبح شام بے بے سے ایک ہی سوال ہوتا۔

"بے بے......! کب آئیں گے حاکم ماما......!"

"بس اب تو آنے والا ہے۔" اس وقت بے بے خوش ہو کر بولی تھیں۔

"کب......! صبح آ جائیں گے......!" شینا نے شوق سے پوچھا تو بے بے پندرویں روزے کا

حساب لگا کر بولیں۔

''نہیں......! چار دن بعد آئے گا......!''

''چار دن......!'' شینا نے چار کو یوں لمبا کھینچا جیسے چار سال۔ پھر چاندنی کو دیکھ کر بولی۔

''ابھی چار دن ہیں......!''

''تو مجھے کیوں بتا رہی ہے......؟'' چاندنی نے شینا کے بازو میں زور سے چٹکی کاٹی تو وہ بازو سہلاتی ہوئی بولی۔

''تو اور کیسے بتاؤں......؟ تمہارے لیے تو آ رہے ہیں ماما......!''

''اچھا بس......! چپ کر......! بے بے سنے گی تو......'' چاندنی نے گھور کر کہا لیکن شینا پھر بھی باز نہیں آئی۔ ہنس کر بولی۔

''بے بے کو پتا ہے......!''

''کیا پتا ہے بے بے کو......؟'' عفت شینا کے ہنسنے سے متوجہ ہوئی تھی پھر چاندنی کو دیکھ کر پوچھنے لگی۔

''کچھ نہیں......!'' چاندنی نے اشارے سے شینا کو بھی بولنے سے روکا تو عفت چہک کر بولی۔

''تم نہ بتاؤ......! مجھے سب پتا ہے......!''

''کیا پتا ہے......؟ مجھے بھی بتاؤ......!'' شینا چاندنی کو تنگ کرنے کے موڈ میں تھی جب ہی بہت اشتیاق ظاہر کیا۔

''بابا نے آج اُوپر کے سب کمرے کھلوا دیے ہیں۔'' عفت نے آواز دبا کر بتایا۔

''ہائے سچ......! تم گئی تھیں اُوپر......؟'' شینا اب واقعی مشتاق ہو گئی تھی جبکہ چاندنی کا دل دھڑکنے لگا تھا۔

''ناں......! میں کیسے جاتی......؟ بابا موجود تھے۔'' عفت اپنے آپ ہی خائف ہو گئی تھی۔

''اب تو نہیں ہیں بابا......! چلو چلتے ہیں۔'' شینا نے کہتے ہوئے چاندنی کو دیکھا تو وہ نفی میں سر ہلانے لگی۔

''ابھی نہیں......! جب بے بے اور ہماری امائیں سو جائیں گی تب چلیں گے......!'' عفت نے شینا کا ہاتھ کھینچ کر اسے اپنی طرف متوجہ کر کے کہا تو اس نے فوراً تائید کی۔

''ہاں......! یہ ٹھیک ہے......!'' پھر چاندنی سے پوچھا۔

''تم بھی چلو گی......!''

''نہیں......!'' اب چاندنی مسکرائی تھی۔

''اوہو......! اترانا تو دیکھو اس کا...... پتا جو ہے کہ سب کچھ اسی کے لیے ہو رہا ہے...... ویسے

چاندنی......! سچ بتاؤ......! تمہیں کیا لگ رہا ہے......؟'' شینا نے بڑی رازداری سے پوچھا۔ پھر بھی وہ بری طرح لجا گئی۔

''مجھے نہیں پتا......!''

''ہائے......! ایمان سے اگر حاکم ماما تمہارا یہ انداز دیکھ لیں تو......'' عفت نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا تو چاندنی اسے دھکیل کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ارے......! جا کہاں رہی ہو......؟'' شینا نے اس کا ہاتھ پکڑا۔

''میں نہیں بیٹھتی تمہارے ساتھ......!'' وہ ہاتھ چھڑا کر بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی۔

کچھ دیر بعد ڈھولک کی آواز آنے لگی تو وہ دروازہ بند کر کے لیٹ گئی۔ اس کے اندر نئی اُمنگیں سر اُبھار رہی تھیں۔ کچھ انوکھے احساسات جاگنے لگے تھے اور اب وہ پریشان نہیں ہوئی۔ تکیے میں منہ چھپا کر اپنے آپ مسکرانے لگی تھی۔ پھر اچانک اس کا دھیان اُوپر کی منزل کی طرف چلا گیا جہاں بقول عفت بابا نے سب کمرے کھلوا دیے تھے اور اس کے اندر تو مدتوں سے اشتیاق تھا کہ وہ ہر طرف گھوم پھر کر دیکھے۔ گو کہ اب کچھ ہی دنوں کی بات تھی اسے یہاں سے رُخصت ہو کر اسی پورشن میں جانا تھا اور اس نے یہی سوچ کر خود کو روکنا بھی چاہا لیکن دل مچل گیا تھا۔ تب وہ اُٹھ کر دبے پاؤں کمرے سے نکلی اور اسی احتیاط سے سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اُوپر آئی تو محرابوں سے براہ راست چاندنی سفید ٹائلوں کو جگمگا رہی تھی۔ وہ کچھ دیر اس منظر میں کھڑی حیرت سے چاروں طرف دیکھتی رہی پھر دھیرے دھیرے چلتی ہوئی ایک کمرے میں داخل ہوئی اور جیسے ہی لائٹ آن کی اس کے منہ سے چیخ نکلنے لگی تھی کہ اس نے فوراً ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ اصل میں سامنے دیوار پر حاکم علی کی بڑی سی تصویر آویزاں تھی جس پر پہلی نظر میں یہ گمان ہوتا تھا جیسے وہ سامنے سے آ رہا ہو اور وہ یہی سمجھ کر ڈر گئی تھی۔

''ہائے ربا......!'' اس نے سینے پر ہاتھ رکھا۔ دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ ٹانگیں بھی کانپنے لگی تھیں تب وہ وہیں سے واپس پلٹ آئی اور ابھی دوسری سیڑھی پر قدم رکھا تھا کہ اِدھر سے جانے کون سیڑھیاں پھلانگتا ہوا اُوپر آ رہا تھا۔ اس کی تو جیسے جان ہی نکل گئی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آیا کیا کرے۔ تب ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر وہیں بیٹھ گئی۔ دوسرے پل آپا ثریا کا بڑا بیٹا ظفر اس کے سر پر پہنچ گیا اور اس کی کلائی تھام کر پکارا۔

''چاندنی......!''

''ہاں......!'' اس کے حلق سے سسکی جیسی آواز نکلی۔

''چاندنی......! میں ہوں ظفر......!'' اس کی کلائی ہلا کر کہا تب وہ چہرے سے ہاتھ ہٹا کر اسے دیکھنے لگی۔ سارا ڈر خوف اس کی خوب صورت آنکھوں میں سمٹ آیا تھا۔

''ڈر کیوں گئی......!'' ظفر اس کی آنکھوں میں دیکھ کر ہلکے سے مسکرایا۔

"وہ...... میں سمجھی...... پتا نہیں کون......" وہ ابھی بھی سنبھل نہیں پائی تھی۔

"ارے......! گھر والوں کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے......؟ ویسے تو یہاں کیا کرنے آئی تھی......؟" ظفر نے سامنے کھلے دروازے پر ایک نظر ڈال کر پوچھا۔

"کچھ نہیں......! بس ایسے ہی...... اور تو کیوں آیا ادھر......؟" اس نے پوچھا تو ظفر قدرے رُک کر بولا۔

"تیرے لیے......!"

"میرے لیے......!" وہ حیران ہوئی۔

"ہاں......! میں نے تجھے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے دیکھا تھا پھر تیرے پیچھے چلا آیا۔" ظفر بتا کر چند لمحے رُکا پھر ایک دم اس کا ہاتھ تھام کر کہنے لگا۔"

"چاندنی......! تو مجھے اچھی لگتی ہے، تجھے حاکم ماما کے ساتھ شادی نہیں کرنی چاہیے۔ وہ تجھ سے اتنے بڑے ہیں، پورے پندرہ سال......!"

"ہائے ربا......! یہ تو کیسی باتیں کر رہا ہے......؟" چاندنی نے گھبرا کر اپنا ہاتھ چھڑایا۔

"ہاں تو کوئی غلط بات نہیں کی۔ پندرہ سال بڑے ہیں حاکم ماما کہ نہیں......؟" وہ اپنی بات پر زور دے کر بولا۔

"تو کیا ہوا......؟" وہ اُٹھنے لگی لیکن ظفر نے پھر اس کا ہاتھ پکڑ لیا جس پر وہ غصے سے بولی۔

"میرا ہاتھ چھوڑ ظفر......! نہیں تو میں بے بے کو آواز دے لوں گی۔"

"دے آواز......! بلا بے بے کو...... بلا نا......!" اس کی خباثت پر وہ تلملا کر اپنا ہاتھ چھڑانے کی سعی کرنے لگی اور جب کامیابی نہیں ہوئی تو رونے لگی۔

"ارے بس......! اتنی ہمت......!" ظفر نے اس کا مذاق اُڑایا۔

"میں بتاؤں گی حاکم کو......!" وہ رُندھی آواز میں بولی۔

"کیا بتائے گی......! میں نے تیرا ہاتھ پکڑا تھا اور...... اور کیا کیا......؟" وہ اس کی ٹھوڑی چھونا چاہتا تھا کہ اس نے پوری قوت سے اسے دھکیل دیا پھر تیزی سے سیڑھیاں اُتر آئی اور اپنے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا۔ اس کی سانس پھول گئی تھی اور آنسو تواتر سے رُخساروں پر جھلک رہے تھے۔

○ ○ ○

نوریہ حاکم علی سے بات کر کے مزید فکر مند ہو گئی تھی کیونکہ اس ڈھیٹ پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ گو کہ اس بات کا اسے پہلے ہی یقین تھا پھر بھی اندر کہیں مبہم سی اُمید تھی کہ شاید وہ اس کا پیچھا چھوڑ دے لیکن وہ پتا نہیں کس مٹی کا بنا تھا۔

"ڈھیٹ......! بے غیرت......! اللہ کرے مر جائے......!" وہ اس وقت بے بس سی ہو کر اسے کوس

رہی تھی کہ عقب سے نعمان نے اچانک اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر زور سے ہاؤ کی آواز نکالی تو اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

"ڈرپوک......!" نعمان ہنستا ہوا اس کے سامنے آ گیا تو وہ اس پر بگڑ گئی۔

"بدتمیز......! چھچھورے......! شرم نہیں آتی......! اگر میرا ہارٹ فیل ہو جاتا تو......"

"تو کیا......! دھوم دھام سے جنازہ اُٹھتا پھر قبر پر لکھوایا جاتا کہ مرحومہ شادی سے کچھ دن پہلے اللہ کو پیاری ہو گئیں۔" نعمان مزے لے کر بولا تو وہ مزید تپ گئی۔

"ہاں......! تم تو چاہتے ہی ہو کہ میں مر جاؤں لیکن میں اتنی جلدی مرنے والی نہیں ہوں۔" دوسرا جملہ غصے میں بلا ارادہ ہی اس کے منہ سے نکلا تھا جس پر وہ ہنس کر بولا۔

"مجھے پتا ہے......!"

"کیا پتا ہے......؟"

"یہی کہ تم اتنی جلدی مرنے والی نہیں ہو۔ ابھی تو تمہیں ہمایوں کے......"

"بس......!" وہ جانے کیا کہنے جا رہا تھا کہ وہ ٹوک کر بولی۔

"زیادہ بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے......!"

"نہیں کرتا......!" وہ خاموش ہو گیا تو وہ سر جھٹک کر منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے لگی۔

"سنو......!" وہ زیادہ دیر خاموش نہیں رہ سکا اسے متوجہ کر کے پوچھنے لگا۔

"تمہیں غصہ کس بات پر ہے......؟"

"کسی بات پر بھی ہو، تمہیں کیا......؟" وہ ابھی بھی تیز ہو کر بولی تو نعمان نے پہلے کندھے اُچکائے پھر کہنے لگا۔

"اچھا......! میں تمہیں یہ بتانے آیا تھا کہ ہمایوں صاحب ہاسپٹل سے ڈسچارج ہو کر گھر آ گئے ہیں۔"

"مجھے پتا ہے......! آج ہی تو آئے ہیں۔" وہ کہہ کر اپنے ناخن دیکھنے لگی۔

"تمہیں کس نے بتایا......؟" نعمان نے پوچھا تو وہ اسے دیکھ کر قدرے طنزیہ انداز میں گویا ہوئی۔

"مائی ڈیئر نومی......! تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ کوئی بھی بات جب تک تم نہیں بتاؤ گے مجھے معلوم ہی نہیں ہو گی......؟ تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ مجھے تم سے پہلے سے پتا ہے۔"

"اچھی بات ہے......!" وہ اس کے انداز سے ہرٹ تو نہیں ہوا تھا البتہ بجھ سا گیا تھا اور وہ محسوس کر کے فوراً معذرت کرنے لگی۔

"سوری نومی......! میں پتا نہیں کیا کہہ گئی۔ میں اصل میں اس وقت بہت ڈسٹرب ہوں اور مجھے غصہ بھی آ رہا ہے۔"

"وہی تو میں جاننا چاہتا ہوں کہ کیوں......! کیوں غصے میں ہو......؟" نعمان نے پھر اپنائیت سے پوچھا تو وہ کشمکش میں گھر گئی کہ اسے حاکم علی کے بارے میں بتائے یا نہ بتائے۔

"تم شاید بتانا نہیں چاہتیں......؟" وہ اسے کشمکش میں دیکھ کر بولا۔

"نہیں تو......! میں ہر بات تم ہی سے تو کہتی ہوں۔" وہ اندر ہی اندر الجھنے لگی تھی۔

"تو کہو ناں......!"

"کیا کہوں......! جب کوئی بات ہی نہیں ہے اور یہی میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ بنا بات کے مجھے غصہ کیوں آرہا ہے......؟ خیر چھوڑو......! یہ بتاؤ تم نے عید کی شاپنگ کرلی......؟" وہ بات بنا کر بات بدل گئی۔

"میری کیا شاپنگ......! بس ایک پینٹ شرٹ خرید لاؤں گا۔ اصل شاپنگ تو تم لڑکیوں کی ہوتی ہے۔ کپڑوں کے ساتھ ہر شے میچنگ کی چاہیے۔ ویسے اس بار میرا تم لوگوں کے ساتھ جانے کا کوئی پروگرام نہیں ہے۔ میں نے ردا سے بھی کہہ دیا ہے کہ اشعر کے ساتھ چلی جانا۔"

"اشعر کہاں ہمارے ساتھ جاتا ہے......؟" وہ اس کی ساری بات سن کر بولی۔

"اب یہ میرا مسئلہ نہیں ہے...... پھر تمہیں کیا ضرورت ہے تمہاری عیدی تو وہاں سے آجائے گی......؟" نعمان نے کہا تو وہ بے دھیانی میں بولی۔

"کہاں سے......؟"

"سسرال سے......!" وہ شرارت سے ہنسا۔

"کہیں سے بھی آئے...... میں اپنی شاپنگ ضرور کروں گی تم بے شک مت لے جانا۔ ہم جویریہ اور عباد بھائی کے ساتھ چلے جائیں گے۔" اس نے کہا پھر خود ہی برا سا منہ بنا کر بولی۔

"ویسے عباد بھائی کے ساتھ بالکل مزہ نہیں آتا۔ بہت ریزرو رہنا پڑتا ہے۔"

"اچھا ہے ناں......! بازار میں ویسے بھی ریزرو رہنا چاہیے۔"

"سنو......! ہم تمہارے ساتھ جائیں گے بس......!" وہ اس کی بات ان سنی کر کے فیصلہ کن انداز میں بولی تو وہ نفی میں سر ہلانے لگا۔

"زیادہ اترانے کی ضرورت نہیں ہے......!" اس نے کہا تب ہی امی نے اسے پکارا تو وہ نعمان سے بولی۔

"ابھی آتی ہوں......!"

"نہیں......! میں جا رہا ہوں۔" وہ کہہ کر چلا گیا تو وہ امی کے کمرے میں جانے لگی تھی کہ وہ لابی سے پکار کر بولیں۔

"نور......! ادھر آؤ بیٹا......!"

"جی امی......!" وہ بھاگ کر آئی تو امی ریسیور اس کی طرف بڑھا کر بولیں۔

"تمہاری نند ہے سعدیہ......! بات کرو......!" اس نے ریسیور تھام لیا اور جب امی چلی گئیں تب کان سے لگا کر بولی۔

"ہیلو......!"

"السلام علیکم......!" سعدیہ نے حسب سابق شوخی سے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام......! کیسی ہو......؟"

"کچھ کھٹی کچھ میٹھی......!" سعدیہ کھلکھلا کر بولی تو وہ بھی بے ساختہ مسکرائی اور کچھ کہنا چاہتی تھی کہ ادھر سے ہمایوں کی آواز آئی۔

"آپ کیسی ہیں نور......!" وہ اچانک ہمایوں کی آواز سن کر کچھ سٹپٹائی۔ پھر فوراً سنبھل کر بولی۔

"اب ٹھیک ہوں......!"

"اب سے کیا مطلب......؟" ہمایوں نے وضاحت چاہی۔

"آپ گھر آگئے ہیں ناں......!" اس نے کہا تو وہ محظوظ ہو کر بولا۔

"اچھا......! گویا جب تک میں ہاسپٹل میں تھا آپ ٹھیک نہیں تھیں......؟"

"پریشان تھی......!" اس نے اعتراف کیا۔

"پھر بھی مجھے دیکھنے نہیں آئیں......!" ہمایوں نے شکوہ کیا۔

"آنا تو چاہتی تھی لیکن......! خیر چھوڑیں......! یہ بتائیں اب آپ کیسے ہیں......؟"

"میں بھی اب ٹھیک ہوں......!" وہ بے ساختہ ذرا سی ہنسی کے ساتھ بولا تو وہ بھی اس کے انداز میں پوچھنے لگی۔

"اب سے کیا مطلب......؟"

"گڈ......!" وہ بہت محظوظ ہو کر ہنسا۔



حاکم علی نے آج نشی کو باقاعدہ افطار کی دعوت دی تھی۔ گو کہ وہ خود نماز روزے سے غافل تھا پھر بھی اس نے نہ صرف افطار پر خاصا اہتمام کروایا بلکہ خود بھی اسی مناسبت سے سفید کاٹن کے کلف لگے کرتا شلوار میں نشی کے سامنے آیا تو وہ بے ساختہ اسے سراہ کر بولی۔

"واہ سردار......! لگتا ہے پرہیزگاروں کی صف میں شامل ہو گئے ہو۔"

اس نے صرف ہنسنے پر اکتفا کیا بولا کچھ نہیں پھر اسے لے کر ڈائننگ ہال میں آیا تو وہ ٹیبل پر لوازمات کی بھرمار دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"کیا اور لوگ بھی آئیں گے......؟"

''نہیں......! میں نے صرف روزہ دار کو دعوت دی ہے اور میرے دوستوں میں ایک صرف تم ہی......'' اس نے بات اُدھوری چھوڑ کر اس کے لیے چیئر کھینچی تو وہ بیٹھ گئی پھر اس کے بیٹھنے پر پوچھنے لگی۔

''تم روزے سے ہو......؟''

''نہیں......! لیکن تمہارے ساتھ افطار ضرور کروں گا......!'' وہ اس کے سامنے کھجور کی پلیٹ رکھتے ہوئے بولا۔ پھر اسے دیکھنے لگا۔

نشی دوپٹے کا پلو سر پر ڈال کر دُعا مانگنے لگی۔ پلکیں جھکی ہوئی، دھیرے دھیرے ہلتے ہونٹ، حاکم علی پہلی بار اسے اتنے غور سے دیکھ رہا تھا۔ پھر بے ساختہ اسے پکار کر بولا۔

''نشی......! میرے لیے دُعا کرو......!''

''کیا دُعا کروں......؟'' وہ پلکیں اُٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

''میں جسے چاہتا ہوں وہ مجھے مل جائے......!'' اس نے کہا تو وہ حیران ہو گئی۔

''تم......! تم چاہتے ہو......! کیا واقعی تمہیں محبت ہو گئی ہے سردار......! لیکن تم تو محبت پر یقین نہیں رکھتے۔''

''یہ سب باتیں بعد میں، پہلے افطار کرلو اذان ہو رہی ہے۔'' اس نے کہا تو نشی نے ایک دم خاموش ہو کر پہلے اذان کی آواز سنی پھر افطار کرنے لگی۔ کچھ دیر تک دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی بس حاکم علی مختلف چیزیں اُٹھا اُٹھا کر اس کے سامنے رکھتا رہا پھر وہ نماز کے لیے اُٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی اور اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے فضل دین کو پکارا پھر سگریٹ سلگا لی۔

''جی صاب......!'' فضل دین قدرے تاخیر سے آیا تھا جس پر وہ اسے کچھ سخت سست کہنا چاہتا تھا لیکن پھر سمجھ کر بولا۔

''اچھا......! نماز پڑھ رہے تھے...... پڑھ لو......!''

''پڑھ لی صاب......!''

''پھر چائے بناؤ اچھی سی، اسٹرونگ چائے......!'' وہ کہتا ہوا اُٹھنے لگا تھا کہ نشی آ گئی۔ نماز کے انداز میں پیشانی تک پورا دوپٹہ اوڑھے ہوئے وہ ہمیشہ سے بہت مختلف لگ رہی تھی۔ آتے ہی چائے چائے کرنے لگی۔

''چائے آ رہی ہے، تم جب تک کچھ کھا لو......!''

''نہیں بس......! بہت کھا لیا......!''

''چلو پھر لاؤنج میں بیٹھتے ہیں اور دیکھو جانے کی جلدی مت کرنا......!'' وہ اُٹھتا ہوا بولا۔

''میں کل جا رہا ہوں......!'' اس نے کہا وہ رُک کر اسے دیکھنے لگی۔

''کہاں......؟''

''اپنے پیرنٹس کے پاس......! پھر عید کے بعد ہی آؤں گا۔'' وہ اس کے رُکنے پر ایک لحظہ کو رُکا تھا پھر قدم بڑھا کر لاؤنج میں داخل ہو گیا۔

''اتنے دن......! میرا مطلب ہے ابھی تو عید میں بھی پندرہ دن ہیں۔ اتنی جلدی کیوں جا رہے ہو......؟'' نشی نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا تو وہ اصل بات گول کر گیا۔

''اصل میں رمضان میں زیادہ کام نہیں ہوتا اس لیے میں نے سوچا یہ دن اپنے پیرنٹس کے ساتھ گزار لوں۔ وہ بھی خوش ہو جائیں گے۔''

''اگر ان کی خوشی کے لیے جا رہے ہو پھر تو ٹھیک ہے......!'' وہ خاصے آرام دہ انداز میں صوفے میں دھنس گئی۔ تب ہی فضل دین چائے لے آیا تو حاکم علی نے خود کپ اُٹھا کر اسے تھمایا پھر اپنا کپ لے کر بیٹھا تو کہنے لگا۔

''میں نے بہت کم عمری میں گاؤں چھوڑ دیا تھا۔ بس مڈل تک وہاں پڑھا، پھر ملتان سے میٹرک کیا اس کے بعد لندن چلا گیا۔ پانچ سال بعد لندن سے لوٹا تو بس چند مہینے ہی گاؤں میں رہا پھر یہاں سیٹل ہو گیا۔''

''تمہارا یہاں سیٹل ہونا میری سمجھ میں نہیں آتا جبکہ تم کہتے ہو وہاں تمہاری جاگیریں ہیں اور میں نے سنا ہے جاگیردار کبھی اپنی زمینوں سے ناطہ نہیں توڑتے پھر تم کیسے......؟''

''تم نے ٹھیک سنا ہے لیکن تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ یہاں آ جانے سے میرا اپنی زمینوں سے ناطہ ٹوٹ گیا۔ میں اپنے پیرنٹس کی رضامندی سے یہاں سیٹل ہوا ہوں، ان سے لڑ جھگڑ کر نہیں آیا جو وہ مجھے ہر شے سے بے دخل کر دیں گے۔ یوں بھی میں ان کا اکیلا وارث ہوں اور صرف اپنے والد کا ہی نہیں چچا کا بھی کیونکہ میرے چچا کا کوئی بیٹا نہیں ہے صرف ایک بیٹی ہے۔ یوں ان کی جاگیر کا بھی میں ہی وارث ہوں۔''

اس کے لہجے میں بلا کا غرور تھا جسے محسوس کر کے نشی نے بات بدل دی۔

''اچھا......! ابھی تم اپنی چاہت کا ذکر کر رہے تھے۔ کیا واقعی تمہیں کسی سے محبت ہو گئی ہے......؟''

''اگر دل کی بے قراری کو محبت کہتے ہیں تو پھر ہاں......! میں اعتراف کرتا ہوں، مجھے اس سے محبت ہو گئی ہے، محبت......! محبت......!'' وہ محبت کی گردان کرتے ہوئے جیسے اسے سوچنے لگا تھا پھر گہری سانس کھینچ کر کہنے لگا۔

''جب سے میں نے اسے دیکھا ہے تب سے دل بے قرار ہے...... صرف اسے ہی سوچتا ہوں...... میری خلوتوں کے ہر ہر پل پر وہ قابض ہے...... میں تمہیں کیا بتاؤں نشی کہ وہ میرے لیے کیا ہے...... وہ میرا جنون ہے، میں اسے پانا چاہتا ہوں...... اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہوں اُسے...... بتاؤ......! میں کیا کروں......؟''

''تم......!'' نشی جو اپنی جگہ ساکت ہو گئی تھی اسی قدر کہہ سکی۔

''ہاں تو مس نور جہاں......! ابھی کچھ دیر پہلے میرے پاس ایک شخص کا فون آیا تھا جو یہ کہہ رہا تھا کہ میں اس کی کزن نور کو پریشان کرتا ہوں تو غالباً آپ وہی نور ہیں اور میرا خیال ہے آپ دونوں کزنز مل کر یا تو مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہے ہیں یا پھر......''

''شٹ اپ......!'' وہ چیخ پڑی تو نعمان نے اس کے ہاتھ سے موبائل چھین کر آف کر دیا۔

''یہ کیا بے وقوفی ہے......!''

''نومی......! وہ......'' وہ غصے سے کانپنے لگی۔

''نومی......! وہ سمجھ گیا ہے کہ تم میرے پاس کھڑے اس کی باتیں سن رہے ہو اس لیے وہ......''

''اچھا......! ریلیکس ہو جاؤ......!'' نعمان نے اسے کندھوں سے تھام کر بٹھایا۔ پھر کہنے لگا۔

''غلطی ہو گئی......! تمہیں ابھی فون نہیں کرنا چاہیے تھا دو تین دن بعد کرتیں تو شاید......! خیر تم فکر مت کرو اب وہ تمہیں تنگ نہیں کرے گا۔''

''یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو......؟''

''بھی دیکھ لو......! جب اسے معلوم ہو گیا کہ تم نے اپنے گھر والوں کو اس کے بارے میں بتا دیا ہے تو کیسے تمہیں پہچاننے سے ہی انکار کر دیا اور اُمید ہے آئندہ بھی نہیں پہچانے گا۔'' نعمان نے کہا تو وہ اُچھل پڑی۔

''ہاں نومی............! یہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو......!''

''اسی لیے ایسی باتیں چھپائی نہیں جاتیں ہیں، آئی سمجھ......!'' وہ اس کے بالوں کی لٹ کھینچ کر مسکرایا تھا۔

○○○

نشی نے حاکم علی کو فون کرنے کی غرض سے موبائل اُٹھایا اور جب آن کیا تو حاکم کا میسج موجود تھا کہ میں کراچی آ چکا ہوں، اور وہ جو اسے بہت مس کر رہی تھی اس سے ملنے کو بے قرار ہو گئی، اس تمام عرصے میں پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ وہ اتنے دنوں کے لیے کہیں گیا تھا۔ گو کہ اکثر وہ بزنس کے سلسلے میں بیرون ملک بھی جاتا تھا اور ایک ہفتے میں ہی واپس بھی آ جاتا، اور گاؤں تو وہ کبھی تین دن سے زیادہ رہا ہی نہیں تھا اس بار اس نے پورے پچیس دن گزار دیئے تھے اور یہ پچیس دن جس طرح نشی نے گزارے تھے یہ وہی جانتی تھی۔ جب ہی اب اس کی آمد کا میسج دیکھ کر اس کا دل مچل گیا تھا۔

اس وقت دوپہر کے دو بجے تھے۔ پھر بھی وہ اسی وقت اس کے پاس جانے کو تیار ہو گئی لیکن پھر اچانک احساس ہوا کہ وہ غلط کر رہی ہے اور یہ احساس اکثر اس کے اندر جاگتا تھا کہ وہ ایک ہرجائی شخص سے وفاداریاں نبھا کر خود اپنا ہی نقصان کر رہی ہے۔ پھر اس کے دل اور دماغ میں جنگ شروع ہو جاتی کبھی دل جیت جاتا کبھی دماغ اور اس وقت دماغ حاوی ہو گیا تھا جب ہی اس نے اپنا جانا ملتوی کر دیا

لیکن پھر دل بے قرار کو بہلانا بھی آسان نہیں تھا۔ وہ کچھ دیر کوئی مصروفیت ڈھونڈتی رہی پھر ممی سے کہہ کر باہر نکل آئی اور یونہی بے مقصد سڑکوں پر گاڑی دوڑاتے ہوئے اسے شدت سے احساس ہوا کہ وہ کتنی تنہا ہے۔ یعنی اس کی کوئی ایسی دوست نہیں جس سے وہ اپنے دل کا احوال کہہ سکے۔

''ایک سردار کو ہی میں نے سب کچھ سمجھ لیا یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ میرا نہیں پھر بھی......'' وہ دل ہی دل میں خود سے باتیں کرنے لگی تھی۔

''کیا پاگل پن ہے......؟ لیکن میں کیا کروں......؟ مجھے خود پر اختیار نہیں جیسے وہ کہتا ہے کہ اسے نور کے معاملے میں خود پر اختیار نہیں۔''

''نور......! کون ہے یہ نور......! جانے کیا بات ہے اس میں کہ سردار حاکم علی جیسا گھمنڈی اس کے سامنے بے اختیار ہو گیا اور اسے محبت بھی ہو گئی وہ جو محبت پر یقین ہی نہیں رکھتا تھا۔''

''ہا......!'' وہ ذرا سا ہنسی پھر راستے پر دھیان دیا تو چونک پڑی۔ اگلے موڑ پر حاکم علی کا بنگلہ تھا اور یہاں سے واپس پلٹنا یا اس موڑ سے نظریں چرا کر گزر جانا قطعی ناممکن تھا۔ وہ اپنی بے بسی پر کڑھ کر رہ گئی اور پھر پانچ منٹ بعد ہی وہ حاکم علی کے سامنے کھڑی تھی۔

''کیسے ہو سردار......! کیا گاؤں میں دل لگ گیا تھا......؟'' اس کے سامنے وہ نارمل ہو جاتی تھی۔

''دل اپنے بس میں کہاں ہے......؟'' حاکم علی نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے آہ بھر کر کہا۔

''کب تک آہیں بھرتے رہو گے، اسے اپنا لو یا بھول جاؤ......!'' نشی نے یوں کہا جیسے دونوں باتیں بہت آسان ہوں۔

''اپنانا ہی تو چاہتا ہوں اور ایک دن اپنا کر رہوں گا۔'' حاکم علی کے لہجے میں عزم تھا۔

''اچھی بات ہے......! یہ بتاؤ تمہارے پیرنٹس کیسے ہیں......؟'' وہ بات بدل گئی۔

''اچھے ہیں اور بہت خوش کیونکہ انہوں نے میری شادی کر دی ہے۔'' وہ یوں ہی چونکایا کرتا تھا۔

''کیا......؟'' نشی کے اندر چھن سے کچھ ٹوٹا تھا۔

''کیا واقعی......؟''

''ہاں......!'' وہ ہنسا۔

''نہیں سردار......! تم مذاق کر رہے ہو......؟'' نشی نے گویا خود کو بہلانے کی کوشش کی۔

''مذاق نہیں نشی......! سچ کہہ رہا ہوں۔ اس لیے تو میں اتنے دن وہاں رہ گیا ورنہ تم جانتی ہو تیسرے دن ہی چلا آتا ہوں۔'' حاکم علی ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔ وہ کتنی دیر اسے دیکھتی رہی پھر تاسف سے بولی۔

''کمال ہے......! تم نے شادی کر لی اور ہمیں بلایا بھی نہیں......؟''

''کم آن نشی......! یہ کوئی شادی نہیں ہے۔ بس یوں سمجھو میں نے اپنے پیرنٹس کی خوشی پوری کی ہے۔ خود میں اس سے بالکل خوش نہیں ہوں۔'' وہ کہتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا۔

''ہاں......! میں بتاؤ کیا کروں......؟'' حاکم علی نے اب نشی کو دیکھ کر پوچھا تو اس نے پہلے یوں کندھے اُچکائے جیسے کچھ سمجھ نہ پا رہی ہو پھر کہنے لگی۔

''میرا خیال ہے تمہیں اسے پرپوز کرنا چاہیے یا پہلے یہ معلوم کرو کہ وہ کہیں انگیج تو نہیں ہے۔''

''اگر انگیج ہو تو......!'' وہ پوری جان سے نشی کی طرف متوجہ تھا۔

''تو پھر ظاہر ہے تمہیں اس کا خیال چھوڑنا پڑے گا......!'' نشی نے سیدھی سی بات کی تھی اور وہ ہتھے سے اُکھڑ گیا۔

''نہیں نہیں......! یہ تو ممکن نہیں ہے۔''

''کم آن سردار......! تم کسی کو زبردستی تو اپنا نہیں بنا سکتے......!'' نشی نے ٹوکا تو وہ ہنوز سابقہ انداز میں بولا۔

''کیوں......! کیوں زبردستی نہیں اپنا سکتا......؟ سب کچھ کر سکتا ہوں میں......؟''

''تو پھر محبت کا دعویٰ مت کرو......! کیونکہ جہاں محبت ہوتی ہے وہاں دھاندلی نہیں ہوتی۔'' نشی کہتے ہوئے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''تم...... تم لکھاری لوگ پتا نہیں کون سی دُنیا کی باتیں کرتے ہو......؟ مجھے تو کبھی کبھی تم بھی کوئی افسانوی کردار لگنے لگتی ہو۔ بس......! بس نشی......! نکل آؤ افسانوی دُنیا سے، حقائق دیکھو، حقائق سمجھو۔'' وہ آخری بات پر زور دے کر بولا۔

''حقائق کی تلخیاں ہی تو مجھے افسانوی دُنیا میں پناہ لینے پر مجبور کرتی ہیں سردار......! بڑی شانتی ہے وہاں۔ محبت ہی محبت، کوئی دھاندلی نہیں ہوتی۔'' وہ آزردگی میں گھر گئی تھی۔

''ایسا کرو......! اب اپنے افسانے کا ہیرو مجھے بنا لو اور محبت کے ساتھ دھاندلی لکھنا۔'' اس نے کہہ کر اپنے مخصوص انداز میں زوردار قہقہہ لگایا پھر اسے دیکھ کر اصرار سے بولا۔

''لکھو گی ناں......!''

''ہوں......!'' نشی کے چہرے پر محسوس کیا جانے والا دُکھ تھا اور وہاں کون تھا جو محسوس کرتا۔

○ ○ ○

رات دھیرے دھیرے بھیگ رہی تھی اور وہ جانے کب سے اپنی رائٹنگ ٹیبل پر بیٹھی تھی۔ ٹیبل لیمپ کے عین نیچے اس کی ڈائری کھلی پڑی تھی اسی طرح اُنگلیوں میں پین دبا تھا لیکن اس نے ابھی تک ڈائری کو نہیں چھوا تھا کیونکہ اس کا ذہن کسی ایک خیال پر ٹھہر نہیں رہا تھا جبکہ نظریں سادہ صفحے پر جم کر رہ گئی تھیں کہ اب تو آنکھوں میں چبھن ہونے لگی تھی۔ پھر چبھن اتنی بڑھی کہ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ کچھ دیر وہ اسی حالت میں آنکھیں بند کیے بیٹھی رہی پھر اُٹھ کر بیڈ پر چلی آئی اور تکیے پر سر رکھتے ہی آہ کے ساتھ بڑبڑائی۔

''محبت کے ساتھ دھاندلی......!''

''تم محبت کے ساتھ دھاندلی کرنا چاہتے ہو سردار......! تمہارے لیے شاید سب جائز ہے......!''

''اور میں...... میں کیا کروں......؟'' اس کے اندر ڈھیروں آزردگی سمٹ آئی۔ آنکھیں بھی یکلخت نمکین پانیوں سے لبریز ہو گئی تھیں۔ اس نے پلکیں موند لیں تو جہاں پانی کناروں سے چھلک کر تکیے میں جذب ہونے لگا وہاں ذہن کچھ پیچھے بھٹک گیا تھا۔

تقریباً پانچ سال پہلے کی بات تھی۔ وہ بی اے کے امتحانات سے فارغ ہوتے ہی اپنے بھیا بھابی کے پاس لندن چلی گئی تھی۔ یونہی چھٹیاں گزارنے کی غرض سے اور وہ مہینے اس نے خوب سیر و تفریح میں گزارے تھے۔ پھر بھیا اور بھابی نے بھی بہت کہا تھا کہ وہ مزید تعلیم کے لیے وہیں کسی یونیورسٹی میں اپلائی کر دے لیکن وہ نہیں مانی۔ ایک تو ممی ڈیڈی کی وجہ سے دوسرے اسے اپنے وطن اپنی مٹی اور اپنے کلچر سے بہت محبت تھی۔ اس لیے جہاں بھیا بھابی نے رُکنے پر اصرار کیا اس نے واپسی کی رٹ لگا دی اور اپنا سامان بھی پیک کر لیا۔ اس کے بعد وہ یہی کہتی رہی کہ وہ پھر آئے گی اور پھر آنے کا وعدہ کر کے جب واپسی کے سفر پر روانہ ہوئی تو پلین میں اس کے برابر والی سیٹ پر حاکم علی تھا جو لندن میں پانچ سال گزار کر اب اپنے وطن لوٹ رہا تھا۔

بہر حال یہ حاکم علی سے اس کی پہلی ملاقات تھی۔ چند گھنٹوں کے اس سفر میں وہ اپنی ساحرانہ شخصیت کے بڑے گہرے نقوش اس پر چھوڑ گیا تھا کہ وہ اس کی ہمیشہ ہمسفری کی تمنا کرنے لگی تھی۔ یوں بھی اس وقت ایک تو وہ ٹین ایج میں تھی دوسرے افسانوی خیالات رکھتی تھی۔ جب ہی حاکم علی کی ظاہری وجاہت سے بے حد متاثر ہو گئی تھی اور جب کراچی ایئرپورٹ پر وہ اسے خدا حافظ کہہ کر دُور چلا گیا تب کتنی دیر وہ حیران کھڑی رہ گئی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے سفر ہی نہیں اس کی زندگی بھی تمام ہو گئی ہو۔

''نشی...... نشی......!'' ممی ڈیڈی اُدھر سے پکار رہے تھے اور اس کے قدم اُدھر بڑھے جس طرف حاکم علی گیا تھا۔

''نشی......!'' ڈیڈی نے آ کر اسے کندھوں سے تھاما تب وہ چونکنے کے ساتھ کچھ پریشان بھی ہو گئی تھی۔

''کیا ہوا بیٹا......!''

''کچھ نہیں......! کچھ نہیں ڈیڈی......!'' وہ کہتی ہوئی بھاگ کر ممی سے لپٹ گئی تھی۔ پھر کتنا وقت گزر گیا اس نے ایم اے میں ایڈمیشن لے لیا اور بظاہر مصروف بھی ہو گئی تھی لیکن اس کے ذہن سے وہ وجیہہ سا شخص محو نہیں ہوا۔ غیر ارادی طور پر وہ اسے کھوج بھی رہی تھی۔ اکثر راستہ چلتے ہوئے وہ کسی پر اس کا گمان کر کے رُک جاتی اور کبھی کسی کے پکارنے پر یوں چونکتی جیسے پلٹ کر دیکھے گی تو سامنے وہ کھڑا ہو گا اور پھر خود کو ڈھیروں سرزنش کرتی۔

عجیب لڑکی تھی کسی کے ساتھ اپنا حال شیئر بھی نہیں کرتی تھی اور یہ اس کی شروع سے عادت تھی۔ سب کچھ سہہ لیتی کسی سے کچھ نہیں کہتی تھی۔ ابھی بھی وہ ایک ان دیکھی آگ میں چپکے چپکے جل رہی تھی اور اسے لگتا جیسے کسی دن وہ سچ مچ جل کر راکھ ہو جائے گی لیکن پھر اچانک ایک دن وہ نظر آ گیا۔

وہ اپنی دوست سارہ کی برتھ ڈے پارٹی میں گئی تھی اور وہیں حاکم علی کو دیکھ کر وہ بس ایک پل کو بے اختیار ہوئی تھی۔ دوسرے پل اس کی آنکھوں میں دھند اتر آئی تھی کہ جسے اس نے دیوتا مان کر اپنے دل کی سب سے اونچی منڈیر پر بٹھایا تھا وہ لڑکیوں کے درمیان راجہ اندر بنا کھڑا تھا اور سب کے لیے اس کی نظروں میں ایک جیسے پیغام تھے۔ اس کا دل چاہا یہیں سے واپس پلٹ جائے اور اس نے رخ موڑا بھی تھا کہ اسی پل سارہ نے اسے پکار لیا۔

''نشی...... ہائے نشی......!'' اس نے بمشکل خود پر قابو پایا پھر مسکراتی ہوئی سارہ کے پاس آئی تو وہ حاکم علی کو مخاطب کر کے بولی۔

''سردار......! اس سے ملو...... میری بیسٹ فرینڈ......!''

''ہیلو......!'' حاکم علی اسے پہچانا نہیں تھا۔ اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ بھی بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اس کے ہاتھ تھام کر نارمل انداز میں بولی۔

''گلیڈ ٹو میٹ یو......!''

''تھینک یو......!'' حاکم علی نے عادت کے مطابق اس کے ہاتھ دبایا پھر ایک دم چونک کر بولا۔

''میں نے شاید پہلے آپ کو کہیں دیکھا ہے......؟''

''کم آن سردار......!'' اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی سونیا بول پڑی۔

''تم نے ہر ایک کو کہیں نہ کہیں دیکھا ہوتا ہے......!''

''ہاں......! لیکن یہ......'' حاکم علی کی نظریں اس پر جمی تھیں جبکہ ذہن سوچتا ہوا پھر اس سے پوچھنے لگا۔

''ہم پہلے کبھی ملے ہیں......؟''

''مجھے یاد نہیں......!'' وہ اپنے جذبے سنبھالنا جانتی تھی جب ہی بے نیازی سے کندھے اچکائے تو سونیا نے حاکم علی کو مزید کچھ کہنے کا موقع نہ دیا اور اس کے بازو میں بازو ڈال کر کھینچتی ہوئی دوسری طرف لے گئی تھی۔

پھر اکثر اس کا حاکم علی سے سامنا ہونے لگا تھا۔ کبھی کسی پارٹی میں کبھی سر راہ۔ یوں وہ اس کے بارے میں بہت کچھ جان گئی خصوصاً جب اسے یہ پتا چلا کہ وہ کتنا فلرٹ ہے تب حقیقتاً اسے شدید دھچکا لگا تھا۔ اس کے بعد ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ ہر اس جگہ جانا چھوڑ دیتی جہاں حاکم علی کی موجودگی کا امکان ہوتا لیکن ایسا نہیں ہوا کیونکہ وہ اپنے دل کے ہاتھوں مجبور تھی۔ دل کو کہ اب اس کی ہمسفری کا تمنائی نہیں رہا تھا

لیکن اس سے دور ہونے پر بھی آمادہ نہیں تھا۔ یوں اپنے جذبوں کی لگامیں تھام کر وہ بہت محتاط ہو گئی تھی۔ نہ اس کی طرف کھنچی چلی جاتی نہ اس سے کترا کر گزرتی۔ پھر پہلے حاکم علی نے ہی اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا۔ جسے تھامنے سے پہلے اس نے پوچھا تھا۔

''دوستی کا مطلب جانتے ہو سردار......!''

''ہاں......! اور اگر تم مزید شرائط رکھنا چاہتی ہو تو رکھ سکتی ہو......!'' حاکم علی نے کہا تو وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولی تھی۔

''نہیں......! مجھے اپنے آپ پر بھروسہ ہے......!''

''اور مجھ پر......؟'' حاکم علی نے فوراً پوچھا تھا۔

''اونہہ......!'' وہ نفی میں سر ہلاتی چلی گئی اور پھر وہ اپنے دیوتا کی دوست بن گئی، راز داں بن گئی۔ لیکن کبھی اپنا راز اس پر عیاں نہیں ہونے دیا۔

''حاکم علی اپنے فلرٹ کے قصے بھی اسے سناتا تھا اور اب اپنی محبت کا اعتراف بھی کر گیا تھا۔ جانے کون تھی وہ خوش نصیب جو اس کی خلوتوں کے ہر پل پر قابض ہو گئی تھی۔

''اور وہ جو کوئی بھی ہے سردار......! خدا کرے تمہیں مل جائے......!'' حاکم علی کو دعا دیتے ہوئے اس کا دل دکھ سے بھر گیا۔ پھر کتنی دیر تک وہ اپنے دل کو سمجھاتی رہی آخر ناکام ہو کر پھر رائٹنگ ٹیبل پر آ بیٹھی اور پین اٹھا لیا۔

میں نے اس طور سے چاہا تجھے اکثر جاناں
جیسے مہتاب کو بے انت سمندر چاہے
جیسے سورج کی کرن سیپ کے دل میں اترے
جیسے خوشبو کو ہوا رنگ سے ہٹ کر چاہے
جیسے پتھر کے کلیجے سے کرن پھوٹتی ہے
جیسے غنچے کھلے موسم سے حنا مانگتے ہیں
جیسے خوابوں میں خیالوں کی کماں ٹوٹتی ہے
جیسے بارش کی دعا آبلہ پا مانگتے ہیں
میرا ہر خواب میرے سچ کی گواہی دے گا
وسعت دید نے مجھ سے تیری خواہش کی ہے
میری سوچوں میں کبھی دیکھ سراپا اپنا
میں نے دنیا سے الگ تیری پرستش کی ہے

اس نے اچانک پین ڈائری پر پٹک دیا۔

"تم کیوں مجھے رُسوا کرنے پر تلے ہو۔ نہیں......! میں یہ سب اس سے نہیں کہہ سکتی...... کبھی نہیں......!" وہ ڈائری پر پیشانی رکھ کر پھر رونے لگی۔

○ ○ ○

نوریہ روا کے ساتھ شاپنگ کا پروگرام بنا رہی تھی اسی وقت ہمایوں کی امی اور بہن سعدیہ آ گئیں۔ ان کے ہاتھوں میں بڑے بڑے شاپرز دیکھ کر روا اسے کہنی مار کر بولی۔

"لو......! تمہارا مسئلہ حل ہو گیا......!"

"کون سا مسئلہ......؟" وہ سمجھی نہیں تھی۔

"شاپنگ کا......! خیر سے عیدی آ رہی ہے تمہاری......!" روا اب سرگوشی میں بولی کیونکہ ہمایوں کی امی اور سعدیہ قریب آ چکی تھیں اس لئے وہ روا کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہہ سکی اور انہیں دیکھ کر بولی۔

"السلام علیکم......!"

"خوش رہو......!" ہمایوں کی امی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا پھر سعدیہ اس کے گلے لگ کر شوخی سے بولی۔

"ہم آپ کو لینے آئے ہیں......!"

"کیا......؟" وہ بوکھلا کر سعدیہ سے الگ ہوئی پھر اس کی شریر ہنسی سے جھینپ کر فوراً سیڑھیاں چڑھتی اُوپر آئی اور امی کو مہمانوں کی آمد کا بتا کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

اس کے اندر فطری تجسس جاگ اُٹھا تھا کہ ہمایوں کی امی صرف اس کی عیدی دینے آئی ہیں یا شادی کی بھی کوئی تاریخ طے کریں گی۔ کچھ دیر وہ دوبارہ نیچے جانے کا سوچتی رہی تاکہ کسی طرح ہمایوں کی امی کا ارادہ معلوم کر سکے لیکن پھر اس کی ہمت نہیں ہوئی جبکہ تجسس بڑھتا جا رہا تھا۔ تب اپنا دھیان بٹانے کی خاطر اس نے روبی کو فون کر ڈالا۔

"ہاں بتاؤ......! کب ہے تمہاری شادی......؟" اِدھر سے روبی نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

"پتا نہیں......! ابھی کچھ طے نہیں ہوا۔" اس نے کہا تو روبی زور دے کر بولی۔

"تو طے کراؤ نا میری جان......! ورنہ میرا بڑا نقصان ہو جائے گا۔"

"ہیں......! تمہارا کیا نقصان ہوگا......؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ جو تمہاری شادی میں پہننے کے لیے اتنے مہنگے مہنگے سوٹ خریدے تھے، وہ آؤٹ آف فیشن ہو جائیں گے، پھر بتاؤ......! مجھے نئے سرے سے خریداری کرنی پڑے گی کہ نہیں......؟" روبی کی توجیح سن کر پہلے اس نے اس سے اتفاق کیا پھر لاپروائی سے کہنے لگی۔

"خیر اتنی جلدی فیشن چینج نہیں ہوتا اور اگر ہو بھی گیا تو کوئی بات نہیں......! تم وہی پہن لینا میں

بالکل برا نہیں مانوں گی۔"

"تمہارے برا ماننے نہ ماننے کی کسے پرواہ ہے......؟" اِدھر سے روبی نے بھی اسی جیسی لاپرواہی کا مظاہرہ کیا۔

"پھر......؟" اس نے فوراً ٹوکا تو روبی زور سے ہنسی پھر پوچھنے لگی۔

"سچ بتاؤ......! ابھی تاریخ طے ہو گئی......؟"

"نہیں بھئی......! طے ہو گی تو سب سے پہلے تمہیں ہی بتاؤں گی۔ ویسے ابھی ہمایوں کی امی اور بہن آئی ہوئی ہیں ہو سکتا ہے طے کر کے جائیں یا پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ طے کرنے کی کوئی تاریخ طے کر جائیں۔" وہ کہہ کر ہنسنے لگی۔ روبی نے بھی اس کا ساتھ دیا پھر ایک دم سنجیدہ ہو کر پوچھنے لگی۔

"اچھا سنو......! تم نے اسے فون کیا تھا......؟"

"کسے......؟"

"اس لوفر کو......؟" روبی نے یاد دلایا تو وہ مایوسی سے کہنے لگی۔

"ہاں......! کیا تھا لیکن وہ بہت ڈھیٹ آدمی ہے۔ میری کسی بات کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ آخر تک یہی کہتا رہا کہ میں تمہارا خیال نہیں چھوڑ سکتا بلکہ میرا مذاق بھی اُڑانے لگا تھا کہ میں ڈر رہی ہوں کہ کہیں وہ ہمایوں کے سامنے میرا ہاتھ نہ پکڑ لے۔"

"یہ تو بڑی خطرناک بات ہے نور......!" روبی نے تشویش ظاہر کی۔

"پھر تم بتاؤ میں کیا کروں......؟" وہ فکرمند ہو گئی تھی۔

"لعنت بھیجو منحوس پر......! کچھ نہیں بگاڑ سکتا وہ تمہارا......! اگر ایسی کوئی کوشش کرے گا تو منہ کی کھائے گا۔" روبی نے پہلے حاکم علی پر غصہ اُتارا پھر ایک دم جیسے کوئی نئی راہ سجھائی دی تھی۔ اسے پکار کر کہنے لگی۔

"سنو نور......! ایسا کرو تم ہمایوں سے بات کرو......! میرا مطلب ہے انہیں شروع سے ساری تفصیل بتا دو۔"

"نہیں روبی......! میں ہمایوں کو زیادہ نہیں جانتی۔ آئی مین......! مجھے نہیں پتا وہ کس نیچر کے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو میں مزید کسی مشکل میں پھنس جاؤں۔" وہ ہمایوں کو بتانے کے خیال سے ہی خائف ہو گئی۔

"کسی مشکل میں نہیں پھنسو گی۔ ہمایوں ماشاء اللہ......! پڑھے لکھے اور سنا ہے بہت سلجھے ہوئے انسان ہیں۔ تم اگر شروع سے انہیں ساری بات بتاؤ گی تو وہ ضرور تمہاری حمایت کریں گے اور مدد بھی۔" روبی نے اسے روشن پہلو سمجھانے کی کوشش کی۔

"لیکن اگر اس کے برعکس کچھ ہوا تو......" وہ ہنوز خائف تھی۔

"کیا ہوگا......؟ اس کے برعکس کیا ہو سکتا ہے بتاؤ......!" روبی نے تیز ہو کر کہا۔

''مجھے نہیں پتا...... !بس تم اس موضوع کو ختم کرو۔'' اس کے روٹھے انداز پر روبی چڑ کر بولی۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا تمہیں کیا ہوگیا ہے......؟ اتنی بزدل تو تم کبھی نہیں تھیں۔''

''اب بھی نہیں ہوں...... !'' اس نے کہہ کر ریسیور پٹخ دیا پھر اپنے کمرے میں آ گئی۔ کچھ دیر بعد ردا اور مریم کے ساتھ سعدیہ کو اپنے کمرے میں آتے دیکھ کر وہ کچھ پریشان سی ہو گئی کیونکہ اس کا موڈ سخت آف تھا۔ اس لیے اس وقت وہ کسی کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''آپ ہمیں دیکھ کر چھپ کیوں جاتی ہیں......؟'' سعدیہ نے اسے دیکھتے ہی کہا۔

''نہیں تو...... !'' وہ خود کو نارمل پوز کرنے کی سعی میں اسی قدر کہہ سکی۔

''کیا کر رہی تھیں......؟'' سعدیہ نے اس کے کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے یونہی پوچھا۔

''کچھ نہیں...... !بیٹھو...... !'' اس نے سعدیہ کے ساتھ مریم اور ردا کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''سوری...... !بیٹھ نہیں سکتی کیونکہ نیچے امی جان تو تیار کھڑی ہیں۔'' سعدیہ نے کہتے ہوئے پرس کھول کر اس میں سے ایک لفافہ نکالا پھر اس کی طرف بڑھا کر بولی۔

''یہ آپ کے لیے عید کارڈ بھائی نے دیا ہے...... !''

''کیا...... !ہمیں دکھاؤ...... !'' مریم اور ردا دونوں اُچھل کر کارڈ چھیننا چاہتی تھیں۔

''سوری...... !'' سعدیہ نے پہلے ہاتھ اُونچا کیا پھر فوراً کارڈ اسے تھما دیا۔

''یہ بے ایمانی ہے...... !'' ردا کی نظریں کارڈ پر تھیں۔

''میں نے کوئی بے ایمانی نہیں کی جن کی امانت تھی انہیں سونپ دی۔ ہاں...... !اگر یہ خود آپ کو دکھا دیں تو ان کی مرضی...... !'' سعدیہ ان دونوں کی بے تابی پر مسکرا رہی تھیں۔

''اس سے تو خیر ہم چھین لیں گے...... !'' مریم اسی وقت چھیننے کے موڈ میں تھی۔

''لیکن میرے جانے کے بعد...... !اوکے بھابی...... !'' سعدیہ نے اس سے اجازت چاہی پھر مریم اور ردا کو دیکھا تو وہ دونوں اسے گھورتی ہوئی اس کے ساتھ چلی گئیں۔ اس نے بھاگ کر کمرے کا دروازہ بند کیا۔ گلابی لفافے میں سے عید کارڈ نکالتے ہوئے اس کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو گئی۔ ہمایوں نے کوئی لمبی چوڑی تحریر نہیں لکھی تھی۔ چند خوبصورت جملوں کے ساتھ عید مبارک لکھا تھا۔ اس نے بار بار پڑھا پھر کارڈ واپس لفافے میں ڈال کر الماری میں چھپا دیا کیونکہ اسے یقین تھا کہ مریم اور ردا کارڈ دیکھنے ضرور آئیں گی لیکن وہ دونوں جانے کن کاموں میں مصروف ہو گئی تھیں کہ وہ انتظار ہی کرتی رہ گئی۔

''رات میں جب وہ امی ڈیڈی کو شب بخیر کہہ کر اپنے کمرے میں آئی تو پھر کارڈ نکال کر دیکھنے لگی جس پر تحریر چند جملے اس کے احساسات کو نرمی سے چھو گئے تھے۔ یہ اس کی زندگی کا خوبصورت موڑ تھا۔ اس کے ہونٹوں پر آپ ہی آپ مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ اس نے کارڈ واپس رکھا اور موبائل نکال کر آن کرتے

ہوئے بیڈ پر آ بیٹھی اور ہمایوں کو تھینک یو کہنے کے لیے اس کے نمبر پش کرنے لگی تھی کہ اچانک بزر بجنے سے بوکھلا کر اس نے فوراً ریسیو کا بٹن پش کر کے موبائل کان سے لگا لیا۔

''ہیلو...... !'' رات کے سناٹے کے باعث اس نے بہت دھیمی آواز میں ہیلو کہا تھا۔

''تھینک گاڈ...... !'' دوسری جانب جیسے کسی تھکے ہارے مسافر کو اچانک پانی منزل کا نشان مل جائے۔ حاکم علی کی آواز اور لہجے میں ایسا ہی تاثر تھا۔

''کون......؟'' اس نے اب بھی دھیمے سے پوچھا۔

''کیا ستم ظریفی ہے، ادھر ہر سانس تمہیں پکارتی ہے اور تم پوچھتی ہو کون......؟'' حاکم علی نے آہ بھر کر کہا۔

''تم...... !'' اس نے اب پہچان کر دانت پیسے۔

''تم کیا ہر وقت میرے نمبر ڈائل کرتے رہتے ہو......؟''

''اور تم اسی خوف سے موبائل آف رکھتی ہو......؟'' حاکم علی نے کہا تو وہ تڑخ کر بولی۔

''خوف سے نہیں...... !میں تمہاری آواز نہیں سننا چاہتی۔''

''میری آواز اتنی بری تو نہیں ہے۔ پھر بھی اگر تم کہو تو میں ریاض شروع کر دیتا ہوں۔'' وہ ڈھٹائی سے بولا۔

''شٹ اپ...... !بند کرو فون...... !مجھے ضروری کال کرنی ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں چیخی۔

''کسے......؟'' اس کے پوچھنے پر وہ مزید تلملائی لیکن پھر اس پر جتا کر بولی۔

''اپنے منگیتر کو...... !''

''اچھا...... !کیا باتیں کرو گی اس سے......؟ دیکھو سب باتیں کرنا لیکن اس سے اپنی جھوٹی محبت کا اظہار مت کرنا کیونکہ محبت تو تم مجھ سے کرتی ہو۔'' وہ جانے ہوش میں نہیں تھا یا قصداً اس کا دل جلا رہا تھا۔

''ہاں...... !محبت تو میں تم سے کرتی ہوں۔ ایسی محبت جو اس روئے زمین پر کبھی کسی نے کسی سے کی ہوگی۔'' اس کے روم روم سے تنفر پھوٹ رہا تھا اور لہجہ حد درجہ زہریلا تھا۔

''میں بھی تم سے ایسی ہی محبت کرتا ہوں۔'' حاکم علی اس کے بالکل برعکس محبت میں ڈوب کر بولا۔

''واقعی......؟'' اس نے اچانک کسی خیال کے تحت اپنا لہجہ بدل کر غیر یقینی ظاہر کی۔

''آزما دیکھو۔'' وہ فوراً بولا۔

''اور اگر تم میری آزمائش پر پورے نہ اُترے تو......؟'' اس کا ذہن متحرک ہو گیا تھا۔

''بس...... !یہ مت کہنا کہ میں تمہارا خیال چھوڑ دوں۔'' ادھر وہ کوئی کچا کھلاڑی نہیں تھا۔

''نہیں...... !میں ایسا کچھ نہیں کہوں گی۔'' وہ پھر مایوس ہو گئی تھی۔

''تو کہو...... !اور جو بھی کہنا ہے کہہ ڈالو...... !''

"ابھی نہیں......! ابھی شاید کوئی اس طرف آ رہا ہے۔ میں پھر تمہیں فون کروں گی، او کے......!" اس نے عجلت ظاہر کرتے ہوئے سلسلہ منقطع کر دیا۔

اصل میں اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کی آزمائش میں ایسی کیا بات ہے جو وہ اس کے راستے سے ہٹ جائے۔ فون بند کرنے کے بعد بھی وہ کتنی دیر تک اسی نہج پر سوچتی رہی پھر تھک کر سو گئی۔

○ ○ ○

حویلی کی سجاوٹ اور اس میں اتری ساری رونقیں جس کے لیے تھیں وہ اس سے بے خبر تو نہیں تھا لیکن حد درجہ بے نیازی اور لاتعلقی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ شاید اس لیے کہ سب کچھ اس کی مرضی کے خلاف ہو رہا تھا۔ یہ نہیں تھا کہ وہ چاندنی سے شادی نہیں کرنا چاہتا تھا اس کی جاگیر کی خاطر وہ آمادہ ہو گیا تھا لیکن بے بے اور بابا کے جلدی مچانے پر وہ ناراض تھا اور یہ بھی نہ ہوتا اگر جو اس کے حواسوں پر نوریہ نہ سوار ہوتی، اس کے معاملے میں ایک تو وہ بے اختیار تھا۔ دوسرے اس کے گریز نے اس کے اندر جو ضد اور ہٹ دھرمی پیدا ہو گئی تھی اس میں ہر نئے دن کے ساتھ اضافہ ہی ہو رہا تھا اور وہ اسے تو پریشان کر ہی رہا تھا خود بھی چین سے نہیں تھا۔ پھر رات جو اچانک اس کا فون مل گیا تھا اور نوریہ نے محبت میں اسے آزمانے کی بات کر کے مزید اس کی نیندیں اڑا دی تھیں۔ اس نے کہا تھا کہ وہ پھر فون کرے گی اور اسی انتظار میں اس نے تمام رات سوتے جاگتے گزاری تھی۔ پھر سارا دن بھی وہ کمرے سے نہیں نکلا تھا۔ ناشتے کھانے کے علاوہ بھی کتنی بار بے بے کا بلاوا آ چکا تھا اور وہ بس اچھا کہہ کر رہ گیا۔ اپنے جنون میں وہ یہ بھی نہیں سوچ رہا تھا کہ جس لڑکی کے ساتھ اس کی شادی ہو رہی ہے وہ اپنے دل میں کتنے ارمان لیے بیٹھی ہوگی۔ اس کی آنکھوں میں کیسے کیسے خواب سجے ہوں گے۔

کچھ پرواہ نہیں تھی اسے۔ نہ جذبوں کی نہ امنگوں اور نہ آرزوؤں کی۔ اس کے نزدیک یہ شادی محض ایک کمٹ منٹ تھی۔ جس میں دوسرا فریق تن، من، دھن سب کچھ ہار رہا تھا تو کیوں؟ وہ یہ سوچنے کی زحمت ہی نہیں کر رہا تھا اور یہ اس کی خود غرضی کی انتہا تھی۔ بہر حال جب وہ سارا دن بھی نیچے نہیں اترا تو شام میں سردار ہاشم علی خود اس کے پاس چلے آئے۔

"کیا کر رہا ہے حاکم......!" سردار ہاشم علی نے قصداً اس کا احوال پوچھا نہ یہ کہ وہ بار بار بلانے جانے پر بھی نیچے کیوں نہیں آیا۔

"کچھ نہیں بابا......! بس ایسے ہی بیٹھا تھا۔" وہ ان کی آمد پر کھڑا ہو گیا تھا پھر ان کے بیٹھنے پر بیٹھ گیا۔

"تیری بے بے بتا رہی تھی تو نے دوپہر میں کھانا نہیں کھایا۔ طبیعت ٹھیک ہے تیری......؟" سردار ہاشم علی کا انداز اب بھی سرسری تھا۔

"جی......! ٹھیک ہوں......! بس بھوک نہیں تھی اس لیے نہیں کھایا۔" وہ بھی ان ہی کے انداز میں

جواب دے رہا تھا۔

"رات میں ضرور کھا لینا ورنہ تیری بے بے پریشان ہوتی ہے۔" سردار ہاشم علی نے اب تاکید کی۔

"جی......!" اس نے اختصار سے کام لیا۔

"ہوں......!" سردار ہاشم علی نے پہلے ہنکارا بھرا پھر اصل موضوع کی طرف آتے ہوئے پوچھنے لگے۔

"تو نے شادی میں اپنے دوستوں کو بھی بلایا ہے کہ نہیں......؟"

"نہیں......!" وہ اب بھی مختصر تھا۔

"کیوں......؟" سردار ہاشم علی نے پہلے سوال اٹھایا پھر خود ہی اس بات سے ہٹ کر پوچھنے لگے۔

"اچھا خیر......! یہ بتا تو نے کیا سوچا ہے......؟"

"کس بارے میں......؟" وہ سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگا۔

"میں چاندنی کی جاگیر کی بات کر رہا ہوں۔" انہوں نے کہا تو وہ پوچھنے لگا۔

"اس کے بارے میں کیا سوچوں......؟"

"وہ تجھے اپنے نام کرانی ہے......!" سردار ہاشم علی زور دے کر بولے اور چاندنی سے شادی کا مقصد تو اس کا بھی یہی تھا۔ پھر بھی محض انہیں زچ کرنے کی غرض سے بولا۔

"کیا فرق پڑتا ہے بابا......! اس کے نام رہے یا میرے نام......!"

"فرق پڑتا ہے پتر......! فرق پڑتا ہے۔ عورت اگر پیسے والی ہو تو قابو میں نہیں آتی۔ اپنے پیسے کا رعب جماتی ہے اس لیے تو ابھی سے یہ رعب اپنے ہاتھ میں لے لے۔ چاندنی ابھی کم عمر ہے، نادان ہے، آرام سے تیری بات مان جائے گی، جو تو کہے گا وہی کرے گی۔" سردار ہاشم علی نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تو وہ پرسوچ انداز میں اثبات میں سر ہلانے لگا۔

"اور تیرا کیا پروگرام ہے، چاندنی کو ساتھ شہر لے جائے گا......؟" قدرے توقف کر کے سردار ہاشم علی نے پوچھا۔

"نہیں......!" اس نے بے اختیار سختی سے منع کیا پھر فوراً سنبھل کر کہنے لگا۔

"نہیں بابا......! ابھی نہیں......! وہ وہاں اکیلی پریشان ہو جائے گی۔ میں تو سارا دن آفس میں ہوتا ہوں۔"

"پھر کب لے جائے گا اسے......؟" انہوں نے پھر وہی سوال اٹھایا اور اگر ان کی جگہ بے بے ہوتیں تو وہ صاف کہہ دیتا کبھی نہیں، لیکن اب انہیں مطمئن کرتا تھا۔

"لے جاؤں گا......! پہلے بے بے اسے گھرداری سنبھالنا سکھا لیں پھر لے جاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے......! جیسے تیری مرضی......! پر زیادہ دن اسے یہاں نہ چھوڑنا۔" سردار ہاشم علی نے اس کی بات مان کر بھی تنبیہ ضروری سمجھی۔ وہ خاموش ہو رہا۔

''اچھا پھر کھانے پر نیچے آجانا......!'' سردار ہاشم علی کہتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے تو وہ بھی اُٹھ گیا اوران کے پیچھے چلتے ہوئے دروازے تک آ کر رُک گیا۔ سردار ہاشم علی چلے گئے۔

اس نے آہستگی سے دروازہ بند کیا اور سگریٹ سلگا کر ٹہلنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ سردار ہاشم علی اچانک اتنے کٹھور کیسے ہو گئے تھے۔ وہ تو ہمیشہ سے اس کی ہر بات مانتے آئے تھے۔ پھر شادی کے معاملے میں زبردستی کیوں کر رہے تھے۔ ایسا تو وہ جب کرتے اگر جو اس نے چاندنی کے ساتھ شادی سے صاف انکار کر دیا ہوتا لیکن وہ تو خود آمادہ تھا بس کچھ وقت کی مہلت چاہتا تھا اور سردار ہاشم علی کو جانے کس بات کا خدشہ تھا یا شاید اس کا اعتبار نہیں تھا۔ جو بھی تھا وہ بہر حال بہت شاکی ہو رہا تھا اور اسے یہ دن گزارنے بہت کٹھن لگ رہے تھے۔

اور وقت خواہ کیسا ہی کٹھن کیوں نہ ہو گزر ہی جاتا ہے۔ وہ لاکھ بیزار رہا، گھر کے باقی سب لوگوں نے اپنے سارے ارمان پورے کیے۔ اس کی بہنیں ہر موقعے پر ہی کہتی رہیں کہ ہمارے کون سے اور بہت سارے بھائی کھڑے ہیں، ایک ہی تو ہے اسی پر سارے ارمان نکالیں گے۔ اسی طرح اس کے بھانجے، بھانجیوں نے بھی ہر کام میں بھرپور حصہ لیا۔ مہندی کی رسم میں تو سب زبردستی اسے کھینچ لائے تھے اور اس کے سامنے لڑکوں نے خوب بھنگڑا ڈالا۔ اتنا جوش و خروش دیکھ کر بھی اس کے اندر کوئی شوق نہیں اُبھرا۔ اس کے برعکس وہ ان سب ہنگاموں سے دُور بھاگ جانا چاہتا تھا اور یہی ممکن نہیں تھا۔

سردار ہاشم علی اس وقت تک کٹھور بنے رہے جب تک اس نے نکاح نامے پر دستخط نہیں کر دیئے اس کے بعد ہمیشہ کی طرح بہت خوش ہو کر انہوں نے اسے گلے لگایا اور اس کی پیشانی چوم کر ڈھیروں دُعائیں دیں تو وہ بس انہیں دیکھتا رہ گیا۔ پھر جانے کتنی رسموں سے گزرنے کے بعد اسے اُوپر جانے کی اجازت ملی تو اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی سرخ گٹھری بنی چاندنی کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور دھیرے دھیرے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اُوپر اپنے کمرے میں آتے ہی اس نے چاندنی کو باقاعدہ بیڈ پر دھکیل دیا۔ یوں جیسے کسی ناگوار بوجھ کو اُتار پھینکا جائے۔

بیڈ پر گرنے سے چاندنی کو کوئی چوٹ تو نہیں لگی تھی البتہ اپنے ہی بوجھ سے دب کر اس کی کلائی میں کانچ کی چوڑیاں ٹوٹ کر غالباً کلائی میں چبھ گئی تھیں جس سے وہ بے ساختہ کراہی تھی۔

''اوئی اللہ......!''

''خبردار......! کوئی ڈراما کرنے کی کوشش کی تو......'' وہ دھاڑ کر بولا۔ چاندنی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے جنہیں چھلکنے سے روکنے کی خاطر وہ پلکیں جھپکنے لگی۔

''نانسنس......!'' وہ سر جھٹک کر ڈریسنگ روم میں چلا گیا اور کچھ ہی دیر میں چینج کر کے واپس کمرے میں آیا تو چاندنی اپنی ٹوٹی ہوئی چوڑیاں سمیٹنے میں لگی تھی۔

''یہ کیا ہے......!'' اس کے اندر اتنے دنوں سے جو غصہ بھرا تھا وہ اس پر نکال رہا تھا جس کا کہ کوئی

تصور نہیں تھا۔

''چو......چوڑیاں......!'' چاندنی کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔

''پھینکو انہیں اور جاؤ اپنا حلیہ ٹھیک کرو......!'' وہ نخوت سے کہہ کر موبائل چیک کرنے لگا کہ شاید نور یہ نے فون کیا ہو لیکن اس کے نام سے کوئی مس بیل نہیں تھی۔ وہ مایوس سا ہو گیا پھر بلا ارادہ چاندنی کو دیکھا۔ وہ بیڈ سے اتر کر یوں کھڑی تھی جیسے سمجھ نہ پا رہی ہو کیا کرے۔

''ایسے کیوں کھڑی ہو......؟'' اس نے ناگواری سے ٹوکا۔

''وہ کپڑے......!'' وہ اسی قدر کہہ سکی۔

''ہاں......! جاؤ چینج کرو۔'' اس نے جھڑکنے والے انداز میں کہا تو چاندنی بے چارگی سے بولی۔

''کپڑے نہیں ہیں......! سب نیچے ہیں......!''

''تو تم اُوپر کیا کر رہی ہو......؟'' وہ پھر دھاڑا اور اس کے سر جھکانے پر اس کے قریب آ کر کاٹ دار لہجے میں کہنے لگا۔

''سنو......! اگر تم یہ سمجھ رہی ہو کہ میں بھاگ کر تمہارے کپڑے اُٹھا لاؤں گا پھر چینج کرنے میں بھی تمہاری مدد کروں گا تو ایسا کبھی خواب میں بھی مت سوچنا، سمجھیں......!''

''جی......!'' چاندنی کا جی نہ سمجھنے والا تھا لیکن اس نے کوئی توجہ نہیں دی اور اپنی کہے گیا۔

''میں نہیں جانتا تمہارے دل میں میرے لیے کیا ہے اور تم مجھ سے کیا توقع کر رہی ہو۔ میں یہ سب جاننا بھی نہیں چاہتا کیونکہ مجھے تم سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور تم بھی سن لو کبھی مجھ سے کسی قسم کی کوئی اُمید مت رکھنا۔'' وہ اپنی جگہ سن ہو کر ایک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھی۔

''میں تمہاری جھولی میں محبت تو کیا نفرت بھی نہیں ڈال سکتا۔ بس یا کچھ اور بھی سننا چاہو گی۔'' وہ اس کی پوری کھلی آنکھوں میں دیکھ کر انتہائی سفاکی سے بولا پھر یک دم سر جھٹک کر کمرے سے نکل آیا اور برآمدے میں ٹہلنے لگا۔ اس کے اندر جانے کیسا غبار بھرا تھا کہ چاندنی کو اتنا کچھ سنا کر بھی اس کا غصہ کم نہیں ہوا تھا۔ کتنی دیر وہ ٹہلتا رہا پھر دوسرے کمرے میں آ گیا اور دروازہ بند کر کے لاکر میں سے شراب کی بوتل نکال لی۔ ابھی گلاس میں انڈیل رہا تھا کہ اس کی جیب میں موبائل بجنے لگا۔

''نور جہاں......!'' اسے جس کے فون کا انتظار تھا فوراً موبائل آن کرتے ہی اسے پکارا تو ادھر سے نشی کھلکھلا کر بولی۔

''تو نور جہاں نام ہے اس کا......؟''

''اوہ......!'' اس نے سینے میں دبی سانس ہونٹ سکیڑ کر باہر نکالی، پھر پوچھنے لگا۔

''خیریت تو ہے نشی......! اتنی رات کو......''

''سب خیریت ہے......! بس نیند نہیں آ رہی تھی۔ سوچا تمہاری خیریت معلوم کر لوں۔ کہاں ہو

تم......؟'' نشی نے جواب کے ساتھ پوچھا تو وہ ذو معنی انداز میں بولا۔

''بس......! جہاں ہونا چاہیے وہاں نہیں ہوں۔''

''کیا مطلب......؟''

''کیا بتاؤں......! ایک دُلہن میرے انتظار میں بیٹھی ہے اور میں......'' اس نے ابھی اسی قدر کہا تھا کہ نشی بول پڑی۔

''سوری سردار......! میں نے شاید تمہیں نیند سے اُٹھا دیا...... چلو سو جاؤ......! ہو سکتا ہے تمہارے خواب کا سلسلہ پھر وہیں سے شروع ہو جائے۔''

''نہیں......! میں دوبارہ وہ خواب نہیں دیکھنا چاہتا۔'' وہ بھی محظوظ ہو کر بولا۔

''کیوں......! دُلہن اچھی نہیں تھی......؟'' نشی نے ہنس کر پوچھا۔

''اچھی بری کا کوئی سوال نہیں...... میری دُلہن بس وہ ہوگی۔'' اس نے کہا تو نشی فوراً بولی۔

''نور جہاں......!''

''ہاں......! اس کی جگہ میں کسی کو نہیں دے سکتا۔'' اس نے اعتراف کے ساتھ کہا۔

''اچھا......! تم واپس کب آ رہے ہو......؟ میں تمہیں بہت مس کر رہی ہوں۔'' نشی نے بات بدلی۔

''آ جاؤں گا......! دو چار دن میں آ جاؤں گا......!''

''مائی گاڈ......! ابھی دو چار دن اور......''

''کیا کروں......؟ بابا نہیں آنے دے رہے۔'' اس نے یہ بات جتنے آرام سے کہی اسی قدر وہ اس بات سے تلملایا ہوا تھا۔

''اچھا ٹھیک ہے......! چار دن سے زیادہ نہیں......!''

''او کے......!'' اس نے موبائل آف کر کے گلاس اُٹھا لیا اور ایک ہی سانس میں خالی کر کے پھر بھرنے لگا۔

ادھر چاندنی کی شب زفاف شب انتظار بن گئی تھی۔ کوئی آہٹ نہیں تھی پھر بھی وہ چونکتی رہی گو کہ نیند کی مہربان دیوی بانہیں پھیلائے کھڑی تھی لیکن اس نے پلک نہیں جھپکی۔ ایک ٹک دروازے کو دیکھتی رہی یہاں تک کہ صبح کا اُجالا دستک دینے لگا۔

''کہاں رہ گیا ظالم......! کیا کہوں گی میں سب سے......؟''

اور وہ اتنی سی لڑکی جس کی آنکھوں میں اُترے گلابی ڈورے رت جگے کی چغلی کھا رہے تھے وہ سب سہیلیوں کے چھیڑنے پر شرمیلی مسکراہٹ کے ساتھ کہہ رہی تھی۔

''ظالم نے سونے نہیں دیا......!''

⊖ ⊖ ⊖

نوریہ کی شادی کی تاریخ طے ہو گئی تو پھر سے گھر میں خوشگوار ہنگامے جاگ اُٹھے اور اب سب لوگ واقعی خوش تھے۔ خوش تو نوریہ بھی تھی لیکن اس کے ساتھ ہی اسے حاکم علی کی طرف سے مسلسل دھڑکا لگا ہوا تھا جس سے چھٹکارا پانے کی وہ اپنی طرف سے ہر ممکن کوشش کر چکی تھی۔ بس ایک آخری کوشش رہ گئی تھی۔ ہمایوں کو ساری صورت حال سے آگاہ کرنے کی، اور روبی تو اسے مسلسل اُکسا رہی تھی لیکن اس کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ کتنی بار اس نے چاہا کہ جویریہ سے کہے پھر یہ سوچ کر رہ گئی کہ وہ بھلا اس کی کیا مدد کر سکتی ہے، اُلٹا وہ بھی پریشان ہی ہوگی۔ اس وقت بھی اس سلسلے میں پریشان بیٹھی تھی کہ اچانک اسے نعمان کا خیال آیا جسے وہ ہر بات بتا دیا کرتی تھی۔

''میں نے نومی سے اس کا ذکر کیوں نہیں کیا......؟'' وہ اپنے آپ بڑبڑانے لگی۔

''مجھے نومی کو بتانا چاہیے۔ وہی اس لوفر سے نمٹے گا۔''

''میں خوامخواہ اتنے عرصے سے پریشان رہی، پہلے ہی اگر نومی کو بتا دیتی تو وہ اس بدمعاش کا دماغ ٹھکانے لگا چکا ہوتا۔'' وہ سوچتی ہوئی اسی وقت نیچے آ گئی۔ ردا اور مریم بازار جانے کو تیار کھڑی تھیں لیکن وہی مسئلہ کہ کوئی لے جانے والا نہیں تھا۔ جس پر وہ دونوں جھنجلائی ہوئی تھیں۔

''کیا بات ہے......؟'' وہ ان دونوں کے پاس رُک گئی۔

''ہم لوگ ہمیشہ کنویں کے مینڈک بنے رہیں گے، کبھی ترقی نہیں کر سکیں گے، شاپنگ مال تک جانے کی اجازت تو ہے نہیں ہمیں، اس کے لیے بھی ایک ایک کی خوشامد کرو۔'' ردا ایک دم پھٹ پڑی۔

اس نے مریم کو دیکھا اس کا بھی یہی حال تھا۔

''کیا ضرورت ہے کسی کی خوشامد کرنے کی۔ تم دونوں چلی جاؤ......!'' اس نے کہا تو مریم اسے سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے طنز آمیز لہجے میں کہنے لگی۔

''ماشاءاللہ......! آپ تو ایسے کہہ رہی ہیں جیسے اس گھر کی روایتوں سے آگاہ ہی نہیں ہیں۔''

''اس کا قصور نہیں ہے۔ اسے تو چچا جان آرام سے اجازت دے دیتے ہیں۔ جاؤ بیٹا......! اکیلی

چلی جاؤ اور اگر گاڑی چھن جائے تو پرواہ مت کرنا۔" روا نے جلے بھنے انداز میں کہا تو گاڑی چھن جانے پر اسے خیال آیا کہ وہ نعمان کے پاس آئی تھی۔ فوراً پوچھنے لگی۔

"سنو......! نومی کہاں ہے......؟"

"اسے بہزاد چاچو نے منع کر دیا ہے وہ کہیں نہیں جائے گا۔" مریم یہی سمجھی کہ وہ انہیں نومی کے ساتھ جانے کا مشورہ دے گی، جب ہی مایوسی سے بولی تھی۔

"اوہو......! میں اس لیے نہیں پوچھ رہی۔ مجھے اس سے کام ہے۔" اس نے جھنجھلا کر کہا۔

"ہوگا اپنے کمرے میں......!" روا سر جھٹک کر بولی۔

"اچھا سنو......!" وہ جاتے جاتے رُک کر پوچھنے لگی۔

"تم لوگوں کو شاپنگ مال کیوں جانا ہے......؟"

"دُکانداروں سے علیک سلیک کرنے......!" روا مزید تپ گئی۔

"بہت دن ہوگئے ہیں ناں دُکانداروں کی شکلیں دیکھے ہوئے......!" وہ بے ساختہ ہنسنے لگی۔ مریم کو بھی ہنسی آ گئی تھی۔

"بس......! اب مزید میری جان مت جلاؤ......! جاؤ اپنا کام کرو......!" روا نے اسے دھکیل دیا تو وہ ہنستی ہوئی نعمان کے کمرے میں آ گئی۔

"ماشاءاللہ......! آج سورج کدھر سے نکلا تھا۔" نعمان اسے ہنستے دیکھ کر بولا۔

"کیا کر رہے ہو......؟" وہ اس کی بات ان سنی کر گئی۔

"کرنا تو بہت کچھ چاہتا ہوں لیکن خیر تم بتاؤ......! بہت خوش نظر آ رہی ہو......!" نعمان اپنی بات چھوڑ کر اس کی طرف آ گیا۔

"خوش نہیں نومی......! میں بہت پریشان ہوں اور آج نہیں بہت دنوں بلکہ بہت مہینوں سے......" اس نے کہا تو نعمان بغور اسے دیکھنے لگا۔

"کس بات سے......؟"

"بات خاصی طویل ہے، مجھے شروع سے بتانی پڑے گی۔ تم اس وقت فارغ ہو ناں......!" اس نے دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں......! فارغ ہی ہوں، تم آرام سے بتاؤ......!" وہ قدرے ٹھٹکا تھا۔

"وہ تمہیں یاد ہے جب میری گاڑی چھنی تھی......؟" وہ بیٹھتے ہوئے بولی۔

"ہاں......!"

"اور میں گاڑی چھوڑ کر بھاگتی ہوئی ایک گھر میں داخل ہوگئی تھی جہاں پھر تم مجھے لینے آئے تھے۔"

"مجھے سب یاد ہے، تم اصل بات بتاؤ......!" نعمان نے بے صبری سے ٹوکا۔

"اصل بات اسی گھر سے شروع ہوتی ہے۔" وہ اس کے ٹوکنے پر جھنجلا کر بولی۔

"اچھا......! پھر......؟"

"پھر یہ کہ اس گھر میں ایک آدمی نہیں بلکہ دو آدمی تھے۔ ایک تو مجھے دیکھتے ہی چلا گیا تھا اور دوسرے نے اس وقت تو کوئی ایسی بات نہیں کی تھی لیکن بعد میں پھر وہ میرا تعاقب کرنے لگا۔ ایک دو بار سرِراہ سامنا ہوا تو اس نے میرا راستہ روک لیا اور اُلٹی سیدھی باتیں کیں۔ یہ بھی کہا کہ وہ مجھے ہر موڑ پر ملے گا اور ایسے ہی میرا راستہ روکے گا۔" وہ رُک رُک کر بتا رہی تھی۔ درمیان میں نظریں بھی چرا جاتی آخر میں سر جھکا گئی۔

"تم......تم نے اسے منہ توڑ جواب کیوں نہیں دیا......؟" ضبط کے باوجود نعمان کے لہجے سے غصہ ظاہر ہو رہا تھا۔

"بہت باتیں سنائیں لیکن اس پر کچھ اثر ہی نہیں ہوتا۔" وہ کوئی جرم نہ ہوتے ہوئے بھی مجرمانہ احساس میں گھر گئی تھی۔

"تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا......؟" نعمان نے شاکی ہو کر کہا۔

"میرا خیال تھا وہ باز آ جائے گا۔ آئی مین......! میں نے جو اسے اتنی باتیں سنائیں لیکن وہ تو اتنا ہی ضد میں آ گیا جس سے اب مجھے ڈر لگنے لگا ہے نومی......!" وہ ایک روہانسی ہوگئی۔

"ارے نہیں......ڈرنے کی کیا بات ہے......؟" وہ ایک دم نرم پڑ گیا پھر چند لمحے سوچنے کے بعد پوچھنے لگا۔

"اس کا کوئی نمبر وغیرہ......؟"

"ہاں......! میں نے روبی سے لیا تھا۔ وہ اصل میں پہلے روبی کے گھر فون کر کے میرا پوچھتا رہا۔" وہ وضاحت کرنے لگی تھی کہ وہ بول پڑا۔

"مجھے اس کا نمبر دو اور تم بالکل بے فکر ہو جاؤ۔ میں اس سے نبٹ لوں گا......!" نعمان نے اسے تسلی دے کر کہا۔

"لیکن نومی......! مجھے لگتا ہے وہ بہت خطرناک آدمی ہے۔" وہ خائف تھی۔

"میں بھی کچھ کم خطرناک نہیں ہوں......!" نعمان نے کالر اونچے کر کے گردن اکڑائی پھر اس کی سہمی شکل دیکھ کر ہنس پڑا۔

"بے وقوف ہو تم......! اگر پہلے ہی مجھے بتا دیتیں تو اب تک میں اسے ٹھکانے لگا چکا ہوتا۔"

"فضول باتیں مت کرو......!" وہ روٹھے لہجے میں بولی۔

"فضول تم ہو......! ڈرپوک کہیں کی......! حد ہے......! ایمان سے میں تمہیں کیا سمجھتا تھا اور تم......" وہ اس کا مذاق اڑانے لگا تو وہ تپ کر بولی۔

"زیادہ طرم خاں بننے کی ضرورت نہیں ہے......!"

"اچھا......! ناراض مت ہو......! یہ بتاؤ......! وہ دیکھنے میں کیسا ہے......؟ آئی مین......! بدمعاش ٹائپ......؟"

"نہیں......!" وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم بہرحال اس سے کوئی جھگڑا مول مت لینا۔"

"بھئی......! اگر سیدھی اُنگلیوں سے گھی نہیں نکلا تو پھر مجبوراً اُنگلیاں ٹیڑھی کرنی پڑیں گی۔" نعمان نے کہا تو وہ چند لمحے پُرسوچ انداز میں اسے دیکھتی رہی پھر کہنے لگی۔

"ایک اور طریقہ ہے نومی......! میں اگر ہمایوں کو یہ سب بتادوں تو......"

"خبردار......! ایسی غلطی کبھی مت کرنا......!" اس نے سختی سے منع کیا پھر کہنے لگا۔

"تم کیوں فکر کرتی ہو......؟ مجھ پر بھروسہ رکھو......! میں کوشش کروں گا بغیر کسی جھگڑے کے یہ معاملہ یہیں ختم ہوجائے اور انشاءاللہ ہوجائے گا۔"

"خدا کرے......!" وہ دھیرے سے بولی۔

"بس......! تم مجھے اس کا نمبر دے دو......!"

"ابھی لائی......!" وہ کہہ کر اس کے کمرے سے نکل آئی۔

○ ○ ○

چاندنی نے اپنی سہیلیوں کو تو مطمئن کر دیا تھا لیکن وہ خود حیران تھی کہ حاکم علی نے اس کی تعریف تو دُور کی بات پسندیدگی کی ایک نظر بھی اس پر نہیں ڈالی تھی۔ نہ شادی کی رات نہ ولیمے کی تقریب میں جبکہ باقی سب لوگوں کی نظریں اس پر سے ہٹ ہی نہیں رہی تھیں اور وہ جس کے لیے اسے سجایا گیا تھا اس کی ایک نگاہِ التفات کو ترستی رہ گئی بلکہ دوسری شب بھی اس کے انتظار میں کٹی تھی اور وہ دوسرے کمرے میں آرام سے سوتا رہا۔ پھر صبح ناشتے وغیرہ سے فارغ ہوتے ہی حاکم علی نے کراچی جانے کی بات کی تو بے بے حیران ہوکر بولیں۔

"اتنی جلدی......!"

"یہ جلدی ہے بے بے......! میں بیس پچیس دن سے یہاں ہوں اور وہاں آفس کا جو حال ہوگا وہ آپ کیا جانیں......؟ ان دنوں منیجر بھی چھٹی پر گیا ہوا ہے۔" وہ بے بے کے اتنی جلدی کہنے پر جھنجلا گیا تھا۔

"پتر......! تیری بے بے کا مطلب ہے ابھی تو تیری شادی ہوئی ہے۔" سردار ہاشم علی نے "اتنی جلدی" کی وضاحت کی۔

"ہوگئی ناں شادی......! اب آپ مجھے اجازت دیں۔" وہ بہت ضبط سے بولا۔

"ٹھیک ہے......! میں تجھے روک نہیں رہا پر اب جلدی چکر لگانا۔ دلہن چھوڑ کر جا رہا ہے اس کا اب دل نہیں لگے گا یہاں اور ہاں......! تو نے کاغذات سائن کروالئے اس سے......؟" سردار ہاشم علی نے دھیرج سے کہتے ہوئے اچانک یاد آنے پر پوچھا۔

"کروالوں گا......!" اس کی بے نیازی پر سردار ہاشم علی ایک دم تیز ہوکر بولے۔

"کب کروائے گا......؟"

"اب یہ میرا مسئلہ ہے بابا......! آپ فکر نہ کریں......!" اس نے اپنے تئیں انہیں اطمینان دلایا لیکن وہ بگڑ گئے۔

"تو بہت لاپرواہ ہے حاکم......! پھر بھول جائے گا...... یہ کام ابھی کر کے جا...... کاغذات تیرے پاس ہیں ناں......؟"

"جی......!"

"تو سائن کروانے میں کتنی دیر لگتی ہے......؟ جا ابھی کروالے......!"

"جی......!" وہ زیادہ بحث و تکرار سے بچنے کی خاطر اس وقت اُوپر آ گیا لیکن پھر فوراً اس کمرے میں داخل نہ ہوسکا جہاں اس نے چاندنی کو اس کے پہلے حق سے محروم رکھا تھا۔ یہ نہیں تھا کہ اس کے اندر کوئی احساس جاگا تھا بس آپ ہی آپ قدم رُک گئے تھے۔ پھر چند لمحوں بعد اس نے ابھی ہینڈل پر ہاتھ رکھا تھا کہ اندر سے چاندنی نے دروازہ کھول دیا اور اسے دیکھ کر ایک طرف ہٹ گئی۔

"میں کراچی جا رہا ہوں......!" اس نے کمرے میں داخل ہوتے ہی چاندنی کو مخاطب کئے بغیر جیسے اسے اطلاع دی تو وہ سادگی سے پوچھنے لگی۔

"میں بھی......!"

"نہیں......! تم ابھی یہیں رہوگی......!" وہ کہہ کر الماری کی طرف بڑھ گیا پھر بریف کیس نکال کر صوفے پر جا بیٹھا۔

چاندنی کا دل چاہا اس سے پوچھے کہ جب مجھے یہیں چھوڑ کر جانا تھا تو پھر شادی کا ڈھونگ کیوں رچایا؟ میں تو پہلے بھی یہیں رہ رہی تھی، لیکن وہ کیسے پوچھتی۔ اس نے پوچھنے کا حق ہی کب دیا تھا۔ بیشک وہ کم عمر تھی، نادان تھی لیکن اتنی بھی نہیں کہ شادی کا مطلب نہ سمجھتی۔ اس پر تو ادراک کے سارے دَر اسی روز وا ہو گئے تھے جب اس نے اپنی اور حاکم کی شادی کی بات سنی تھی۔ اسی روز سے اس کے دل کا آنگن مہک اُٹھا تھا اور آنکھوں میں خوبصورت خواب سج گئے تھے۔ اسے یاد آیا اس نے کھلکھلاتے ہوئے زینب کو بتایا تھا۔

"میری شادی ہو رہی ہے حاکم کے ساتھ......!"

"ہائے ظالم......!" زینب نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا۔

''کون ظالم......!'' وہ کچھ نہیں تھی۔

''وہی حاکم......! پتا ہے ریشم کی شادی پر آپا کی سہیلیاں کہہ رہی تھیں کہ حاکم بڑا ظالم ہے۔ اسے چوڑیوں کی چھنکار سنائی دیتی ہے نہ پازیب کی جھنکار۔''

اس کی نظریں اپنی کلائی میں سجی سرخ سبز کانچ کی چوڑیوں پر جا ٹھہریں۔ پھر وہ اُنگلی سے انہیں چھیڑنا چاہتی تھی کہ حاکم علی نے پکار لیا۔

''چاندنی......!''

''ہاں......!'' وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''ادھر آؤ......!'' وہ بریف کیس گھٹنوں پر رکھے کچھ کاغذات اُلٹنے پلٹنے میں مصروف تھا۔

''جی......!'' وہ اس کے قریب آن کھڑی ہوئی۔

''یہاں بیٹھو......!'' حاکم علی نے انگلیوں میں دبے پین سے اپنے برابر والے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ بیٹھ گئی تو پوچھنے لگا۔

''میٹرک کر لیا تم نے......؟''

''امتحان دیا ہے......! ابھی رزلٹ نہیں آیا۔'' وہ اس غیر متوقع سوال پر اندر ہی اندر حیران ہو کر بولی۔

''اور تمہارا این آئی سی......؟ وہ تو نہیں بنا ہوگا......؟'' وہ خود ہی سوچ میں پڑ گیا پھر سر جھٹک کر کہنے لگا۔

''خیر......! ابھی تم یہ پیپرز سائن کر دو پھر جب این آئی سی بنے گا تو میں اس کا نمبر دیکھ لوں گا۔''

''یہ کیا ہے......؟'' وہ ایک نظر کاغذات پر ڈال کر پھر اسے دیکھنے لگی۔

''میری قسمت......!'' حاکم علی کے ہونٹوں پر آپ ہی آپ مسکراہٹ پھیل گئی پھر اس سے سائن کروا کر کاغذات واپس بریف کیس میں رکھتا ہوا بولا۔

''بابا کو بتا دینا کہ تم نے سائن کر دیئے ہیں۔''

''جی......!'' وہ کچھ نہیں سمجھ رہی تھی۔

''لیکن اور کسی کو مت بتانا......!''

''جی......!'' وہ بریف کیس بند کر کے اسے دیکھنے لگا تو وہ سر جھکا گئی۔

''میں ابھی واپس جا رہا ہوں کراچی......!'' قدرے توقف سے وہ خود ہی کہنے لگا۔

''بابا کہہ رہے تھے تمہارا اب یہاں دل نہیں لگے گا۔ ہو سکتا ہے وہ ٹھیک کہہ رہے ہوں لیکن تمہیں یہیں دل لگانا ہے یہاں تمہارے لیے بہت کچھ ہے۔''

''تم تو نہیں ہو گے......!'' وہ صرف سوچ سکی۔

''یہ ٹی وی، سی ڈی پلیئر، کمپیوٹر اور بھی کچھ چاہیے تو بتا دو......! میں لا دوں گا۔'' وہ حد درجہ بے حسی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

''بتاؤ......! اور کیا چاہیے......!'' وہ آہستہ آہستہ نفی میں سر ہلانے لگی۔

''او کے......!'' وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ بریف کیس الماری میں بند کیا پھر اپنا کوٹ اُٹھا لیا۔

''میں چلتا ہوں......!'' وہ دروازے تک چلا گیا پھر اچانک پلٹ کر بولا۔

''اپنا خیال رکھنا......!'' وہ اس کی بے حسی پر آزردہ کھڑی تھی لیکن اس آخری بات پر اچانک خوشگوار احساس میں گھر گئی۔ حاکم علی چلا گیا اور وہ اپنے آپ کھلکھلا کر بولی۔

''اپنا خیال رکھنا......!''

○ ○ ○

نعمان نے بظاہر تحمل سے نوریہ کی پریشانی سنی تھی لیکن اندر سے وہ پیچ و تاب کھاتا رہا۔ بس نہیں چل رہا تھا اسی وقت جا کر اس شخص کو شوٹ کر دے۔ وہ تو اچھا ہوا فوراً اس کا حاکم علی سے رابطہ نہیں ہو سکا۔ کبھی اس کا نمبر انگیج ملا اور کبھی نیٹ ورک بزی ہونے کے باعث رابطہ نہ ہو سکا ورنہ غصے میں وہ جانے کیا کچھ کہہ جاتا۔ پھر شام تک گو کہ اس کا غصہ کم نہیں ہوا تھا البتہ ذہن یہ ترغیب دینے لگا تھا کہ غصے میں بات خراب ہو سکتی ہے۔ اس لیے پہلے اس نے اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کی اور جب کسی حد تک کامیاب ہو گیا تب پھر اس کا نمبر پش کیا۔ دوسری طرف بیل جانے لگی پھر حاکم علی کی ٹھوس آواز سنائی دی۔

''ہیلو......!''

نعمان ایک دم بوکھلا گیا کیونکہ وہ غصے سے کھولتا ضرور رہا تھا لیکن یہ سوچا ہی نہیں کہ اسے کیا کہہ کر مخاطب کرے گا اور اپنے تعارف میں کیا کہے گا۔

''ہیلو......!'' دوبارہ حاکم علی کی آواز آئی تب وہ سنبھلتے ہوئے کہنے لگا۔

''دیکھیں مسٹر......! یوں تو میں آپ کو اور آپ مجھے نہیں جانتے پھر بھی مجھے آپ سے بات کرنی پڑ رہی ہے۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا......!'' حاکم علی کے لہجے میں ناگواری تھی۔

''مطلب کو چھوڑیں اور پہلے یہ بتائیں آپ کون ہیں......؟'' نعمان نے اس کی ناگواری محسوس کر کے سخت لہجہ اختیار کیا۔

''میں جو کوئی بھی ہوں آپ کو اس سے مطلب......؟'' حاکم علی بھی اسی کے انداز میں بولا۔

''مطلب ہے کیونکہ آپ میری کزن نور کو مسلسل پریشان کر رہے ہیں اور میں اسی سلسلے میں آپ کو وارن کرنا چاہتا ہوں کہ آئندہ......''

''ایک منٹ......!'' حاکم علی اس کی بات کاٹ کر کہنے لگا۔ آپ کو شاید غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں کسی

نور کو نہیں جانتا اور فرض کریں اگر جانتا بھی ہوتا تو پریشان کیوں کرتا......؟ آئی مین......! جاننے والوں کو پریشان تو نہیں کیا جاتا۔ دوسری بات یہ کہ میں کوئی نوجوان لڑکا نہیں ہوں اور نہ ہی فارغ جو ایسی نازیبا حرکتیں کرتا پھروں۔ آپ اگر میرے بارے میں جاننا چاہتے ہیں تو میرے آفس تشریف لے آیئے......! ایس ایچ اے، نام سنا ہوگا آپ نے......؟ میں اس فرم کا مینجنگ ڈائریکٹر ہوں۔"

"جھوٹ کہہ رہے ہیں آپ......!" نعمان کو خود اپنی آواز کمزور لگ رہی تھی۔

"میں نے کہا ناں......! میرے آفس تشریف لے آیئے......! جھوٹ سچ ثابت ہو جائے گا۔

پھر کب آ رہے ہیں آپ......؟" حاکم علی انتہائی اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ مقصد محض اسے مرعوب کرنا تھا اور نعمان واقعی مرعوب ہو کر سوچ میں پڑ گیا کہ کہیں اس سے کوئی غلط نمبر تو ڈائل نہیں ہو گیا۔

"ہیلو......! ہیلو مسٹر......!" ادھر سے حاکم علی نے اسے پکارا تب چونک کر اس نے موبائل آف کر دیا اور اپنے آپ میں اُلجھتا ہوا کمرے سے نکل کر سیڑھیاں چڑھنے لگا تھا کہ عقب سے ردا پکار کر بولی۔

"بھائی......! اوپر کوئی نہیں ہے......!"

"کیوں......! نوریہ کہاں ہے......؟" اس نے واپس پلٹتے ہوئے پوچھا۔

"دادی کے کمرے میں اور چچی جان کو میں نے بڑے پاپا کی طرف جاتے دیکھا تھا۔" ردا نے بتایا تو وہ یونہی اثبات میں سر ہلا کر دادی کے کمرے میں آ گیا۔

نوریہ دادی کے سر میں تیل لگاتے ہوئے ہمیشہ کی طرح ان کے بالوں کی تعریف کر رہی تھی۔

"السلام علیکم دادی......!" اس نے سلام کیا تو دادی نے ذرا سی آنکھیں کھول کر اسے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"وعلیکم السلام......!"

"صرف ایک آدمی کو سلام کرنے کی کیا تک ہے......؟ یہاں میں بھی موجود ہوں......!" نوریہ نے فوراً اپنا احساس دلایا۔

"اچھا......! تمہیں بھی السلام علیکم......!"

"وعلیکم......!" نوریہ کے اُدھورے جواب پر وہ کہنے لگا۔

"صرف وعلیکم پتا ہے کسے کہتے ہیں......؟"

"پتا ہے......! غیر مسلموں کو۔" وہ کہہ کر شرارت سے ہنسی۔

"سن رہی ہیں دادی......! یہ مجھے غیر مسلموں میں شمار کر رہی ہے۔" نعمان نے اسے گھورتے ہوئے دادی کا گھٹنا ہلا کر کہا۔

"کیا کر رہی ہے......؟" دادی غنودگی سے چونکیں۔

"تیل لگا رہی ہوں دادی......!" وہ فوراً بولی اور ان کے سر پر تیز تیز اُنگلیاں چلانے لگی۔

"اچھا......! اب بس کرو......! زبردستی کیوں انہیں سلا رہی ہو......؟" وہ کہتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا پھر جیب سے موبائل نکال کر دھیرے سے بولا۔

"میں نے ابھی اس نمبر پر فون کیا تھا۔"

"پھر......!" نوریہ فوراً اس کی طرف متوجہ ہوئی پھر آواز دبا کر بولی۔

"اُوپر چلو......! میں آ رہی ہوں......!"

"جلدی آؤ......!" وہ کہہ کر کمرے سے نکل آیا اور تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتا اُوپر نوریہ کے کمرے میں آ گیا۔ کچھ دیر بعد نوریہ آ گئی اور بے صبری سے پوچھنے لگی۔

"ہاں......! کیا کہا اس نے......؟ بلکہ تم نے اس سے کیا کہا......؟"

"پہلے تم بتاؤ......! تم نے اس کا نمبر مجھے دیا تھا یا کوئی اور......" اس نے پوچھا۔

"اور کس کا دوں گی......؟" وہ چیخ کر بولی۔

"اچھا خیر......! وہ بہر حال منع کر رہا ہے، کہہ رہا تھا میں کسی نور کو نہیں جانتا اور نور......! اس نے اپنے بارے میں جو کچھ بتایا اس سے تو میں بھی کنفیوز ہو گیا۔" وہ بتاتے ہوئے اُلجھ گیا۔

"کیا بتایا اس نے اپنے بارے میں......؟" نوریہ نے تنفر سے پوچھا پھر خود ہی کہنے لگی۔

"وہ بہت شارپ آدمی ہے نومی......! اس نے تمہیں بھی چکرا دیا۔"

"لیکن وہ اپنے لہجے اور انداز سے تو خاصا سوبر لگ رہا تھا۔" وہ پُرسوچ انداز میں بولا۔

"انتہائی مکار ہے......! تم ابھی اس کا نمبر ملاؤ......! میں بات کرتی ہوں پھر دیکھو وہ مجھے پہچانتا ہے کہ نہیں......!" نوریہ کی بات پر وہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر اثبات میں سر ہلا کر بولا۔

"ہوں......! لیکن میرے نہیں اپنے موبائل سے بات کرو اور مائک آن کر کے......! تاکہ میں بھی سنوں......!"

"یہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو......!" نوریہ نے فوراً الماری کھول کر اپنا موبائل نکالا اور مائک آن کر کے حاکم علی کا نمبر پش کر دیا۔

"ہیلو......!" قدرے تاخیر سے حاکم علی بولا۔ لہجے میں نہ شناسائی تھی نہ ہمیشہ والی بے قراری۔

"میں ہوں نور......!" نوریہ نے کہا تو وہ حد درجہ اجنبیت سے بولا۔

"جی فرمایئے......!" نوریہ نے حیران ہو کر نعمان کو دیکھا پھر اس کے اشارے پر کہنے لگی۔

"دیکھو مسٹر......! انجان بننے کی کوشش مت کرو......! تم گزشتہ کئی مہینوں سے میرا تعاقب کر رہے ہو۔"

"ایک منٹ......! کیا نام بتایا آپ نے اپنا......؟" ادھر سے حاکم علی نے ٹوک کر پوچھا۔

"نور......! نور جہاں......!" اس نے پہلے دانت پیسے پھر نور جہاں پر زور دیا۔

"ہاں تو مس نور جہاں......! ابھی کچھ دیر پہلے میرے پاس ایک شخص کا فون آیا تھا جو یہ کہہ رہا تھا کہ میں اس کی کزن نور کو پریشان کرتا ہوں تو غالباً آپ وہی نور ہیں اور میرا خیال ہے آپ دونوں کزنز مل کر یا تو مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہے ہیں یا پھر......"

"شٹ اپ......!" وہ چیخ پڑی تو نعمان نے اس کے ہاتھ سے موبائل چھین کر آف کر دیا۔

"یہ کیا بے وقوفی ہے......!"

"نومی......! وہ......" وہ غصے سے کانپنے لگی۔

"نومی......! وہ سمجھ گیا ہے کہ تم میرے پاس کھڑے اس کی باتیں سن رہے ہو اسی لیے وہ......"

"اچھا......! ریلیکس ہو جاؤ......!" نعمان نے اسے کندھوں سے تھام کر بٹھایا۔ پھر کہنے لگا۔

"غلطی ہو گئی......! تمہیں ابھی فون نہیں کرنا چاہیے تھا دو تین دن بعد کرتیں تو شاید......! خیر تم فکر مت کرو اب وہ تمہیں تنگ نہیں کرے گا۔"

"یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو......؟"

"ابھی دیکھ لو......! جب اسے معلوم ہو گیا کہ تم نے اپنے گھر والوں کو اس کے بارے میں بتا دیا ہے تو کیسے تمہیں پہچاننے سے ہی انکار کر دیا اور امید ہے آئندہ بھی نہیں پہچانے گا۔" نعمان نے کہا تو وہ اچھل پڑی۔

"ہاں نومی......! یہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو......!"

"اسی لیے ایسی باتیں چھپائی نہیں جاتیں، آئی سمجھ......!" وہ اس کے بالوں کی لٹ کھینچ کر مسکرایا تھا۔

○○○

نشی نے حاکم علی کو فون کرنے کی غرض سے موبائل اٹھایا اور جب آن کیا تو حاکم کا میسج موجود تھا کہ میں کراچی آ چکا ہوں، اور وہ جو اسے بہت مس کر رہی تھی اس سے ملنے کو بے قرار ہو گئی، اس تمام عرصے میں پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ وہ اتنے دنوں کے لیے کہیں گیا تھا۔ گو کہ اکثر وہ بزنس کے سلسلے میں بیرون ملک بھی جاتا تھا اور ایک ہفتے میں ہی واپس بھی آ جاتا، اور گاؤں تو وہ کبھی تین دن سے زیادہ رہا ہی نہیں تھا اس بار اس نے پورے پچیس دن گزار دیے تھے اور یہ پچیس دن جس طرح نشی نے گزارے تھے یہ وہی جانتی تھی۔ جب ہی اب اس کی آمد کا میسج دیکھ کر اس کا دل مچل گیا تھا۔

اس وقت دوپہر کے دو بجے تھے۔ پھر بھی وہ اسی وقت اس کے پاس جانے کو تیار ہو گئی لیکن پھر اچانک احساس ہوا کہ وہ غلط کر رہی ہے اور یہ احساس اکثر اس کے اندر جاگتا تھا کہ وہ ایک ہرجائی شخص سے وفاداریاں نبھا کر خود اپنا ہی نقصان کر رہی ہے۔ پھر اس کے دل اور دماغ میں جنگ شروع ہو جاتی۔ کبھی دل جیت جاتا کبھی دماغ اور اس وقت دماغ حاوی ہو گیا تھا جب ہی اس نے اپنا جانا ملتوی کر دیا

لیکن پھر دل بے قرار کو بہلانا بھی آسان نہیں تھا۔ وہ کچھ دیر کوئی مصروفیت ڈھونڈتی رہی پھر ممی سے کہہ کر باہر نکل آئی اور یونہی بے مقصد سڑکوں پر گاڑی دوڑاتے ہوئے اسے شدت سے احساس ہوا کہ وہ کتنی تنہا ہے۔ یعنی اس کی کوئی ایسی دوست نہیں جس سے وہ اپنے دل کا احوال کہہ سکے۔

"ایک سردار کو ہی میں نے سب کچھ سمجھ لیا یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ میرا نہیں پھر بھی......" وہ دل ہی دل میں خود سے باتیں کرنے لگی تھی۔

"کیا پاگل پن ہے......؟ لیکن میں کیا کروں......؟ مجھے خود پر اختیار نہیں جیسے وہ کہتا ہے کہ اسے نور کے معاملے میں خود پر اختیار نہیں۔"

"نور......! کون ہے یہ نور......! جانے کیا بات ہے اس میں کہ سردار حاکم علی جیسا گھمنڈی اس کے سامنے بے اختیار ہو گیا اور اسے محبت بھی ہو گئی وہ جو محبت پر یقین ہی نہیں رکھتا تھا۔"

"ہا......!" وہ ذرا سا ہنسی پھر راستے پر دھیان دیا تو چونک پڑی۔ اگلے موڑ پر حاکم علی کا بنگلہ تھا اور یہاں سے واپس پلٹنا یا اس موڑ سے نظریں چرا کر گزر جانا قطعی ناممکن تھا۔ وہ اپنی بے بسی پر کڑھ کر رہ گئی اور پھر پانچ منٹ بعد ہی وہ حاکم علی کے سامنے کھڑی تھی۔

"کیسے ہو سردار......! کیا گاؤں میں دل لگ گیا تھا......؟" اس کے سامنے وہ نارمل ہو جاتی تھی۔

"دل اپنے بس میں کہاں ہے......؟" حاکم علی نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے آہ بھر کر کہا۔

"کب تک آہیں بھرتے رہو گے، اسے اپنا لو یا بھول جاؤ......!" نشی نے یوں کہا جیسے دونوں باتیں بہت آسان ہوں۔

"اپنانا ہی تو چاہتا ہوں اور ایک دن اپنا کر رہوں گا۔" حاکم علی کے لہجے میں عزم تھا۔

"اچھی بات ہے......! یہ بتاؤ تمہارے پیرنٹس کیسے ہیں......؟" وہ بات بدل گئی۔

"اچھے ہیں اور بہت خوش کیونکہ انہوں نے میری شادی کر دی ہے۔" وہ یوں ہی چونکایا کرتا تھا۔

"کیا......؟" نشی کے اندر چھن سے کچھ ٹوٹا تھا۔

"کیا واقعی......؟"

"ہاں......!" وہ ہنسا۔

"نہیں سردار......! تم مذاق کر رہے ہو......؟" نشی نے گویا خود کو بہلانے کی کوشش کی۔

"مذاق نہیں نشی......! سچ کہہ رہا ہوں۔ اسی لیے تو میں اتنے دن وہاں رہ گیا ورنہ تم جانتی ہو تیسرے دن ہی چلا آتا ہوں۔" حاکم علی ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔ وہ کتنی دیر اسے دیکھتی رہی پھر تاسف سے بولی۔

"کمال ہے......! تم نے شادی کر لی اور ہمیں بلایا بھی نہیں......؟"

"کم آن نشی......! یہ کوئی شادی نہیں ہے۔ بس یوں سمجھو میں نے اپنے پیرنٹس کی خوشی پوری کی ہے۔ خود میں اس سے بالکل خوش نہیں ہوں۔" وہ کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

''چلو کہیں باہر چلتے ہیں......!''

''مجھے تمہاری منطق سمجھ نہیں آئی......!'' وہ اُلجھ کر بولی۔

''سمجھ جاؤ گی......! چلو اُٹھو......!'' حاکم علی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اُٹھا دیا پھر پوچھنے لگا۔

''کہاں چلیں......!''

''میرا کہیں جانے کا موڈ نہیں ہے میں بس اب گھر جاؤں گی......!'' نشی کو اچانک اُکتاہٹ ہونے لگی تھی۔

''اتنی جلدی......! اچھا بیٹھو......! میں فضل دین سے چائے کا کہتا ہوں۔'' وہ کہہ کر جانے لگا تھا کہ گلاس ڈور سے سونیا کو داخل ہوتے دیکھ کر رُک گیا اور خوشی کا اظہار کرتا ہوا بولا۔

''آہا سونیا......! آؤ آؤ......!''

''کیسے ہو......؟'' سونیا نے قریب آ کر اسے پھر نشی کو دیکھ کر جملہ پورا کیا۔

تم لوگ......!''

''ٹھیک......! بالکل ٹھیک ہیں ہم لوگ......! بیٹھو......! نشی......! تم فضل دین سے چائے کا کہہ دو......!'' حاکم علی نے سونیا کو جواب دیتے ہوئے اچانک نشی کو مخاطب کر کے کہا۔

''نہیں......! میں چائے نہیں پیئوں گی۔'' سونیا نے نشی کو جانے سے روک لیا۔

''کولڈ ڈرنک......؟''

''نو تھینکس......! مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے، نشی کی موجودگی میں کروں یا......'' سونیا نے پوچھا تو وہ ہنس کر بولا۔

''نشی سے کوئی پردہ نہیں بلکہ میرا خیال ہے کسی سے بھی کوئی پردہ نہیں، کیوں نشی......!''

''میں چلتی ہوں......!'' نشی کو ان دونوں کی گفتگو سے گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔

''نہیں......! رُکو ابھی......!'' وہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔

''تم کہو سونیا......! کیا بات کرنی ہے تمہیں......؟''

''مجھے بچے سے متعلق بات کرنی ہے......!'' سونیا نے فوراً کہا۔

''کون سا بچہ......! وہ جسے تم مجھ سے منسوب کر رہی تھیں......؟'' حاکم علی نے ناگواری سے پوچھا۔

''وہ تمہارا بچہ ہے سردار......! اور تمہیں یہ حقیقت تسلیم کرنی پڑے گی۔'' سونیا زور دے کر بولی۔

''ٹھیک......! آگے بات کرو......!'' وہ روڈلی بولا تھا۔

''میں امریکا جا رہی ہوں نئی زندگی شروع کرنے اور میں چاہتی ہوں تم اپنا بچہ......'' سونیا کی بات ابھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ وہ زور زور سے ہنسنے لگا پھر اسی ہنسی کے درمیان بولا۔

''سنا تم نے نشی......! سارے زمانے میں اسے ایک میں ہی بے وقوف نظر آیا ہوں۔''

''شٹ اپ سردار......! تم بے وقوف نہیں حد سے زیادہ چالاک ہو......!'' سونیا نے چیخ کر کہا تو اس کی ہنسی کو ایک دم بریک لگ گئے۔ پھر انتہائی غضب ناک ہو کر بولا۔

''کیا چاہتی ہو تم......؟''

''میں تم جیسے کنگال سے کیا چاہوں گی......؟ جو شخص اپنے بچے کے ذمے داری نہیں اُٹھا سکتا وہ کسی اور کو کیا دے سکتا ہے......؟ تم مفلس ہو سردار......! مفلس......! اچھا ہوا تم نے اپنی اوقات دکھا دی۔''

سونیا انتہائی غصے میں بول رہی تھی۔

حاکم علی دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچے یوں لگ رہا تھا جیسے ابھی اسے اُٹھا کر باہر پھینک دے گا۔

نشی اپنی جگہ ساکت کھڑی تھی جبکہ سونیا بولے جا رہی تھیں۔

''اس خوش فہمی میں مت رہنا سردار......! کہ میں تمہاری منتیں کروں گی...... مت تسلیم کرو تم اپنے بچے کو...... میں پال لوں گی اسے...... ہاں......! تمہارے بچے کو میں پالوں گی...... تم کسی اور کا بچہ پالنا...... یہی ہوگا...... یہی ہوگا۔'' سونیا انتہائی تنفر سے پیر پٹختی ہوئی چلی گئی۔ اس کے بعد یوں سناٹا چھا گیا جیسے وہاں کوئی ذی النفس موجود ہی نہ ہو۔

کتنی دیر بعد حاکم علی نے ذرا سی گردن موڑ کر نشی کو دیکھا پھر اس کے قریب آ کر بولا۔

''سنیں تم نے اس کی باتیں......!'' نشی ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی۔

''ارے......!'' وہ ذرا سا چونکا۔

''تمہیں کیا ہوا......؟ بے وقوف......! ڈر گئیں کیا......؟''

''تم اتنے بُرے کیوں ہو سردار......!'' وہ ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑتی ہوئی بولی۔

''ہاہاہا......!'' حاکم علی نے حسبِ عادت قہقہہ لگایا تھا۔



سردار ہاشم علی نے حاکم سے ٹھیک کہا تھا کہ اب چاندنی کا یہاں دل نہیں لگے گا۔ گو کہ وہ اس کی حویلی میں کوئی حسین لمحات نہیں ڈال گیا تھا بس جاتے جاتے ایک آخری بات ''اپنا خیال رکھنا'' اور وہ بھی شاید اس نے فارمیلٹی نبھائی تھی لیکن چاندنی کے لیے یہ بات جیسے زندگی بن گئی تھی۔ اس کی ساری کج ادائیاں بھلا کر وہ بس اسی بات میں خوش تھی۔

''اپنا خیال رکھنا......!'' وہ گھنٹوں سوچتی اور اسے ہزار معنی پہناتی۔

اس وقت وہ سردیوں کی ہلکی ہلکی دھوپ میں برآمدے کی سیڑھیوں پہ بیٹھی تھی۔ حاکم علی کو گئے آج تیسرا دن تھا اس کی شادی میں آئے سب ہی مہمان رُخصت ہو چکے تھے۔ بس ایک بڑی آپا ثریا موجود تھیں اور وہ بھی آج جانے کی تیاری کر رہی تھیں۔ شینا ان کے ساتھ پیکنگ میں مصروف تھی اور اس کا کیونکہ اب کسی بات میں دل نہیں لگ رہا تھا جب ہی یہاں آ بیٹھی تھی اپنے خیالوں میں گم۔ اُسے اطراف

کا ہوش ہی نہیں تھا جب آپا ثریا کا بیٹا ظفر اس کے پاس آ کر بیٹھا تب بھی وہ متوجہ نہیں ہوئی تھی۔

''چاندنی......!'' ظفر نے پکارنے کے ساتھ آہستہ سے اسے کونی ماری۔ وہ بری طرح چونکی پھر ناگواری سے بولی۔

''نام کیوں لیتا ہے میرا......!''

''ظاہر ہے......! تو چھوٹی ہے مجھ سے پورے چار سال......!'' ظفر نے چاروں انگلیاں اس کی آنکھوں کے سامنے کیں۔

''تو کیا ہوا......؟ رشتے میں تو بڑی ہو گئی ہوں، مامی بن گئی ہوں تیری......!'' اس نے جتا کر کہا۔

''اچھا......!'' ظفر پہلے ہنسا پھر اسے دیکھ کر پوچھنے لگا۔

''تو خوش ہے ناں......!''

''ہاں......! بہت...... بہت زیادہ......!'' وہ اترا کر بولی۔

''اور حاکم ماما......! میرا خیال ہے وہ تو خوش نہیں ہیں۔'' ظفر اسے کھوجتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''تیرا خیال بالکل غلط ہے ظفر......! اور تجھے ہماری اتنی فکر کیوں ہو رہی ہے......؟ ہم خوش ہیں یا نہیں تجھے کیا......؟'' وہ بگڑنے لگی۔

''تو اپنے کام سے کام رکھ نہیں تو میں آپا سے تیری شکایت کر دوں گی۔''

''کیا کہے گی......؟'' وہ ڈھٹائی سے ہنسا۔

''سب کچھ کہہ سکتی ہوں......!'' وہ غصے سے کہتی اُٹھ کھڑی ہوئی اور پلٹ کر جانے لگی تھی کہ ظفر نے اس کی کلائی پکڑ لی۔

''بے بے......! بے بے......!'' وہ چلانے لگی تو ظفر اس کی کلائی چھوڑ کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

بے بے فوراً کمرے سے نکل کر آ گئیں۔

''کیا ہوا چاندنی......؟'' بے بے نے پوچھا تو وہ بھاگ کر ان کے سینے سے لگ گئی۔

''بے بے......! ظفر کو سمجھا لے، تنگ کرتا ہے مجھے......!'' بے بے نے ایک نظر ظفر کو دیکھا پھر اس کا کندھا تھپک کر بولیں۔

''چل تو اوپر جا......! میں شینا کو بھیجتی ہوں تیرے پاس......!''

''جی......!'' اس نے دزدیدہ نظروں سے ظفر کو دیکھا پھر بھاگ کر سیڑھیاں پھلانگ آئی اور کمرے میں آ کر دروازہ اندر سے لاک کر دیا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ کتنی دیر وہ دروازے کے ساتھ لگ کر کھڑی رہی۔ جب دل ذرا قابو میں آیا تب چاروں طرف دیکھنے لگی۔ حاکم علی کے جانے کے بعد وہ آج اس کمرے میں آئی تھی۔ ایک دم اس کی باتیں یاد آنے لگیں، اس نے کہا تھا۔

''میں نہیں جانتا تمہارے دل میں میرے لیے کیا ہے اور تم مجھ سے کیا توقع کر رہی ہو......؟ میں یہ سب جاننا بھی نہیں چاہتا کیونکہ مجھے تم سے کوئی دلچسپی نہیں اور تم بھی سن لو......! کبھی مجھ سے کوئی امید مت رکھنا...... میں تمہاری جھولی میں محبت تو کیا نفرت بھی نہیں ڈال سکتا۔''

''جھوٹا......! محبت نہ ہوتی تو مجھے اپنا خیال رکھنے کو کیوں کہتا......؟'' وہ بڑبڑائی جب ہی دروازے پر دستک ہوئی تو اس نے چونک کر پوچھا۔

''کون......؟''

''میں ہوں......!'' ادھر سے زینب کی آواز سن کر اس نے فوراً دروازہ کھول دیا اور حیران ہو کر بولی۔

''تو......!'' بے بے نے تو شینا کو بھیجنے کا کہا تھا۔

''شینا چلی گئی......!'' زینب نے بتایا تو وہ مزید حیران ہوئی۔

''کہاں......؟''

''اپنے گھر......! ابھی میں نے سب کو جاتے ہوئے دیکھا ہے اور یہ تو نے مجھے دروازے پر کیوں روک رکھا ہے......؟'' زینب نے جواب کے ساتھ ٹوکا۔

''میں کیوں روکوں گی......؟ تو آپ ہی کھڑی ہے...... اندر آ جا......!'' وہ سامنے سے ہٹ گئی۔

''تو یہ تیرا کمرہ ہے......!'' زینب اندر آ کر اشتیاق سے چاروں طرف دیکھنے لگی۔

''سارے کمرے میرے ہیں...... آرام سے دیکھ لینا۔'' اس نے زینب کا ہاتھ کھینچ کر اپنے ساتھ بیڈ پر بٹھا لیا۔

''تیرے مزے ہو گئے چاندنی...... اخیر......! یہ بتا حاکم تجھے اپنے ساتھ کیوں نہیں لے گیا......؟'' زینب نے پوچھا اور اس سوال بلکہ شاید ہر سوال کے لیے وہ خود کو تیار کر چکی تھی جب ہی بڑے آرام سے بولی۔

''اس نے تو بہت کہا تھا ساتھ چلنے کو...... میں خود نہیں گئی۔''

''کیوں......؟''

''ادھر میں اکیلی ہو جاتی ناں......! وہ تو اپنے کاروبار میں مصروف رہتا ہے اس لیے میں نے منع کر دیا۔'' وہ جواب دے کر فوراً بات بدل گئی۔

''اچھا......! یہ بتا میں دلہن بن کر کیسی لگ رہی تھی......؟''

''مجھ سے کیا پوچھتی ہے......؟ حاکم نے نہیں بتایا تجھے......!'' زینب نے اس کے پہلو میں چٹکی کاٹ کر کہا۔

''وہ تو بہت تعریف کر رہا تھا......!'' وہ لجا کر بولی۔

"تو تجھے اس کی تعریف پر شک ہے جو مجھ سے پوچھ رہی ہے......؟" زینب نے ٹوکا پھر پوچھنے لگی۔

"اچھا......! اس نے منہ دکھائی میں کیا دیا ہے......؟"

"کنگن......!" وہ اپنی کلائی دکھا کر بولی جس میں جڑاؤ کنگن بے بے نے یہ کہہ کر ڈالے تھے کہ اس کی مرحومہ ماں کی نشانی ہیں۔

"ہائے......! کتنے خوبصورت ہیں......!" زینب کنگن چھو کر دیکھنے لگی تب ہی بشیراں آ کر بولی۔

"چاندنی......! بے بے بلا رہی ہے......!"

"آ رہی ہوں......!" وہ اسے جواب دے کر زینب سے بولی۔

"چل زینب......! کھانا کھا لیں......!"

"میں گھر جاؤں گی۔ اماں نے جلدی آنے کو کہا تھا۔" زینب کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"چلی جانا......! ابھی اتنی دیر تھوڑی ہوئی ہے۔" وہ زینب کا ہاتھ پکڑ کر اٹھی پھر اس کے ساتھ نیچے آ گئی۔

"چاندنی......!" بے بے اسے دیکھتے ہی بولیں۔

"جا......! اپنے بابا کی بات سن لے......!"

"بابا کہاں ہیں......؟"

"اپنے کمرے میں......!" بے بے نے بتایا تو وہ زینب کو رکنے کا کہہ کر سردار ہاشم علی کے کمرے میں آ گئی۔

"جی بابا......!"

"ادھر آ پتر......! یہاں بیٹھ......!" سردار ہاشم علی نے اپنے برابر اشارہ کیا۔ وہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔

"حاکم بڑی جلدی چلا گیا......!" وہ کہہ کر پھر توجیح پیش کرنے لگے۔

"اصل میں بہت دن پہلے آ گیا تھا اس لیے جلدی جانا پڑا۔ ادھر اس کے کام کا حرج ہو رہا تھا اور تجھے پتا ہے کیوں ساتھ نہیں لے گیا......؟"

وہ کیا کہتی، خاموشی سے دیکھے گئی۔

"اکیلا رہتا ہے ناں......! کہہ رہا تھا پہلے تو اپنی بے بے سے گھر داری سیکھ لے پھر تجھے لے جائے گا اور پتر......! تجھے کیا گھر داری سیکھنی ہے۔ ہانڈی روٹی، صفائی، ستھرائی کے لیے تو نوکر موجود ہیں۔ بس تو وقت کی پابندی سیکھ لے اور مہمانوں سے بات چیت، ان کی خاطر مدارت، جیسے شہری لوگ کرتے ہیں اسی طرح تجھے بھی آنی چاہیے اور یہ تیرے لیے مشکل نہیں ہے۔ تو ماشاءاللہ......! دس جماعتیں پڑھ چکی ہے۔"

سردار ہاشم علی اسے سمجھانے سے زیادہ شاید بہلا رہے تھے اور شاید وہ بہل بھی گئی تھی۔

○○○

وہ لائٹ آف کر کے کمرے سے نکلنے لگی تھی کہ موبائل کی ٹیون بجنے سے اسے واپس پلٹنا پڑا۔ اس کا خیال تھا روبی ہو گی جب ہی اس نے فوراً موبائل کان سے لگا لیا۔

"ہیلو......!"

"سو تو نہیں رہ گئی تھی......؟" دوسری طرف حاکم علی تھا۔ وہ بری طرح تلملا گئی۔

"بڑے طرم خان بنتے ہو......! میرے کزن کے سامنے ساری طرم خانی دھری رہ گئی تمہاری......! پہچاننے سے انکار کر دیا۔ بزدل......! ڈرپوک......!" وہ جو منہ میں آیا کہتی چلی گئی۔

دوسری طرف وہ خاموشی سے سنتا رہا اور جیسے ہی وہ خاموش ہوئی دھیرج سے بولا۔

"عجیب لڑکی ہو......! میں پہچانتا ہوں تو برا مانتی ہو اور نہ پہچانوں تو اور زیادہ برا مانتی ہو۔ اب تم ہی بتاؤ میں کیا کروں......؟"

"میں اپنے کزن کو فون دیتی ہوں وہی بتائے گا کہ تمہیں کیا کرنا چاہیے......؟" وہ اس کی ڈھٹائی پر مزید سلگ گئی۔

"ایک منٹ......!" وہ اسے ٹوک کر بولا۔

"تم اپنے کزن کو درمیان میں کیوں لا رہی ہو......؟"

"وہی تم سے نمٹ سکتا ہے...... اور دیکھو فون بند مت کرنا......! میں اس کے پاس جا رہی ہوں...... وہی تم سے بات کرے گا۔" وہ جلدی جلدی بول کر یہ ظاہر کرنے لگی جیسے واقعی جا رہی ہو۔

"اتنی رات کو......؟ کیا وہ قریب رہتا ہے......؟" حاکم علی کا انداز ہنوز پرسکون تھا۔

"تمہیں کیا......؟ کہیں بھی رہتا ہو......!" وہ اب واقعی تیزی سے کمرے سے نکل آئی اور اسی رفتار سے صحن عبور کر کے سیڑھیاں اترتے ہوئے بولی۔

"اب تمہیں جو بھی کہنا ہے اس سے کہنا......!"

"میں تو کہہ دوں گا پھر تم برا مت ماننا......!" حاکم علی اپنے آپ محظوظ ہو کر بولا۔

"تم......" وہ دانت پیس کر کچھ کہنا چاہتی تھی کہ برآمدے میں بہزاد چاچو کو ٹہلتے دیکھ کر اس کی تو جیسے جان ہی نکل گئی۔ فوراً موبائل آف کر کے ہاتھ پیچھے کر لیا کیونکہ بہزاد چاچو لڑکیوں کے پاس موبائل کے سخت خلاف تھے اور یہ تو اچھا ہوا انہوں نے دیکھا نہیں ورنہ اسی وقت لیکچر دینے کھڑے ہو جاتے۔

"چاچو......! آپ سوئے نہیں......!" وہ ان سے کترا کر نہیں نکل سکتی تھی مجبوراً رکنا پڑا۔

"شور میں کہاں نیند آتی ہے......!" بہزاد چاچو کا اشارہ ڈھولک کی طرف تھا۔

"تو آپ منع کر دیں......!"

"اب کیا منع کروں......؟ دو چار دن کی بات ہے......!" وہ کہہ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔

''تو تجھے اس کی تعریف پر شک ہے جو مجھ سے پوچھ رہی ہے......؟'' زینب نے ٹوکا پھر پوچھنے لگی۔

''اچھا......! اس نے منہ دکھائی میں کیا دیا ہے......؟''

''کنگن......!'' وہ اپنی کلائی دکھا کر بولی جس میں جڑاؤ کنگن بے بے نے یہ کہہ کر ڈالے تھے کہ اس کی مرحومہ ماں کی نشانی ہیں۔

''ہائے......! کتنے خوبصورت ہیں......!'' زینب کنگن چھو کر دیکھنے لگی تب ہی بشیراں آ کر بولی۔

''چاندنی......! بے بے بلا رہی ہے......!''

''آ رہی ہوں......!'' وہ اسے جواب دے کر زینب سے بولی۔

''چل زینب......! کھانا کھا لیں......!''

''میں گھر جاؤں گی۔ اماں نے جلدی آنے کو کہا تھا۔'' زینب کہتے ہوئے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''چلی جانا......! ابھی اتنی دیر تھوڑی ہوئی ہے۔'' وہ زینب کا ہاتھ پکڑ کر اُٹھی پھر اس کے ساتھ نیچے آ گئی۔

''چاندنی......!'' بے بے اسے دیکھتے ہی بولیں۔

''جا......! اپنے بابا کی بات سن لے......!''

''بابا کہاں ہیں......؟''

''اپنے کمرے میں......!'' بے بے نے بتایا تو وہ زینب کو رُکنے کا کہہ کر سردار ہاشم علی کے کمرے میں آ گئی۔

''جی بابا......!''

''ادھر آ پتر......! یہاں بیٹھ......!'' سردار ہاشم علی نے اپنے برابر اشارہ کیا۔ وہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔

''حاکم بڑی جلدی چلا گیا......!'' وہ کہہ کر پھر توجیح پیش کرنے لگے۔

''اصل میں بہت دن پہلے آ گیا تھا اس لیے جلدی جانا پڑا۔ ادھر اس کے کام کا حرج ہو رہا تھا اور تجھے پتا ہے کیوں ساتھ نہیں لے گیا......؟''

وہ کیا کہتی، خاموشی سے دیکھے گئی۔

''اکیلا رہتا ہے ناں......! کہہ رہا تھا پہلے تو اپنی بے بے سے گھر داری سیکھ لے پھر تجھے لے جائے گا اور پتر......! تجھے کیا گھر داری سیکھنی ہے۔ ہانڈی روٹی، صفائی، ستھرائی کے لیے تو نوکر موجود ہیں۔ بس تو وقت کی پابندی سیکھ لے اور مہمانوں سے بات چیت، ان کی خاطر مدارت، جیسے شہری لوگ کرتے ہیں اسی طرح تجھے بھی آنی چاہیے اور یہ تیرے لیے مشکل نہیں ہے۔ تو ماشاللہ......! دس جماعتیں پڑھ چکی ہے۔''

سردار ہاشم علی اسے سمجھانے سے زیادہ شاید بہلا رہے تھے اور شاید وہ بہل بھی گئی تھی۔

○ ○ ○

وہ لائٹ آف کر کے کمرے سے نکلنے لگی تھی کہ موبائل کی ٹیون بجنے سے اسے واپس پلٹنا پڑا۔ اس کا خیال تھا روبی ہوگی جب ہی اس نے فوراً موبائل کان سے لگا لیا۔

''ہیلو......!''

''سوتو نہیں رہ تھی......؟'' دوسری طرف حاکم علی تھا۔ وہ بری طرح تلملا گئی۔

''بڑے طرم خان بنتے ہو......! میرے کزن کے سامنے ساری طرم خانی دھری رہ گئی تمہاری......! پہچاننے سے انکار کر دیا۔ بزدل......! ڈرپوک......!'' وہ جو منہ میں آیا کہتی چلی گئی۔

دوسری طرف وہ خاموشی سے سنتا رہا اور جیسے ہی وہ خاموش ہوئی دھیرج سے بولا۔

''عجیب لڑکی ہو......! میں پہچانتا ہوں تو برا مانتی ہو اور نہ پہچانوں تو اور زیادہ برا مانتی ہو۔ اب تم ہی بتاؤ میں کیا کروں......؟''

''میں اپنے کزن کو فون دیتی ہوں وہی بتائے گا کہ تمہیں کیا کرنا چاہیے......؟'' وہ اس کی ڈھٹائی پر مزید سلگ گئی۔

''ایک منٹ......!'' وہ اسے ٹوک کر بولا۔

''تم اپنے کزن کو درمیان میں کیوں لا رہی ہو......؟''

''وہی تم سے نبٹ سکتا ہے...... اور دیکھو فون بند مت کرنا......! میں اس کے پاس جا رہی ہوں...... وہی تم سے بات کرے گا۔'' وہ جلدی جلدی بول کر یہ ظاہر کرنے لگی جیسے واقعی جا رہی ہو۔

''اتنی رات کو......؟ کیا وہ قریب رہتا ہے......؟'' حاکم علی کا انداز ہنوز پُرسکون تھا۔

''تمہیں کیا......؟ کہیں بھی رہتا ہو......!'' وہ اب واقعی تیزی سے کمرے سے نکل آئی اور اسی رفتار سے صحن عبور کر کے سیڑھیاں اُترتے ہوئے بولی۔

''اب تمہیں جو بھی کہنا ہے اس سے کہنا......!''

''میں تو کہہ دوں گا پھر تم برا مت ماننا......!'' حاکم علی اپنے آپ محظوظ ہو کر بولا۔

''تم......'' وہ دانت پیس کر کچھ کہنا چاہتی تھی کہ برآمدے میں بہزاد چاچو کو ٹہلتے دیکھ کر اس کی تو جیسے جان ہی نکل گئی۔ فوراً موبائل آف کر کے ہاتھ پیچھے کر لیا کیونکہ بہزاد چاچو لڑکیوں کے پاس موبائل کے سخت خلاف تھے اور یہ تو اچھا ہوا انہوں نے دیکھا نہیں ورنہ اسی وقت لیکچر دینے کھڑے ہو جاتے۔

''چاچو......! آپ سوئے نہیں......!'' وہ ان سے کترا کر نہیں نکل سکتی تھی مجبوراً رُکنا پڑا۔

''شور میں کہاں نیند آتی ہے......!'' بہزاد چاچو کا اشارہ ڈھولک کی طرف تھا۔

''تو آپ منع کر دیں......!''

''اب کیا منع کروں......؟ دو چار دن کی بات ہے......!'' وہ کہہ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔

اس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر اپنی سانس بحال کی پھر تیز قدموں سے ہال کمرے میں آ گئی۔

مریم ڈھولک اور باقی لڑکیاں تالیاں پیٹ کر گا رہی تھیں۔

''بلما چھیل چھبیلا
من چھو مورے
تھوڑا رنگ رنگیلا
تن ڈسیو رے
میں تو واری جاؤں
بلہاری جاؤں
لیا ساجن نے ہاتھوں میں ہاتھ میا میں تو پا ہونی رے۔''

اسے دیکھ کر سب اور شوخی سے گانے لگی تھیں۔

اس نے جھک کر ردا سے سرگوشی میں نومی کے بارے میں پوچھا پھر گاؤ تکیے کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی کیونکہ نومی ان لڑکیوں کی فرمائش پر آئس کریم لینے گیا ہوا تھا۔

''میری دوروں سے آئی بارات۔''

لڑکیاں حلق پھاڑ رہی تھیں۔ وہ کچھ دیر انہیں سنتی رہی پھر اچانک کسی خیال کے تحت اس نے اپنی گود میں رکھے موبائل پر حاکم علی کا نمبر پش کر دیا۔

دوسری طرف حاکم علی نے فوراً اس کا فون ریسیو کیا لیکن ادھر سے ڈھولک اور گانے کی آواز آنے لگی۔

لال دوپٹہ اڑ گیا رے میرا ہوا کے جھونکے سے
مجھ کو پیا نے دیکھ لیا ہائے رے دھوکے سے

نوریہ نے موبائل مٹھی میں دبا کر کان سے لگایا تو حاکم ہمیشہ کی طرح بے زاری سے پکار رہا تھا۔

''نور......! ہیلو نور......!''

وہ کچھ نہیں بولی واپس موبائل گود میں رکھ لیا تب ہی نعمان آئس کریم لے کر آ گیا تو وہ حاکم علی کو سنانے کی غرض سے اُونچی آواز میں بولی۔

''سنو......! سب سے پہلے آئس کریم مجھے ملنی چاہیے کیونکہ میں چار دن کی مہمان ہوں۔''

''یہ اچھی دھونس ہے۔ گلا ہمارا خشک ہوا اور آئس کریم تم کھاؤ، ہرگز نہیں......!'' انیلا نے نعمان کے ہاتھ سے شاپر جھپٹ لیا۔

نعمان نے اسے دیکھ کر سوری کے انداز میں کندھے اُچکائے پھر پوچھنے لگا۔

''تمہارے لیے اسپیشل لے آؤں......!''

اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے بالکل بے دھیانی میں موبائل کان سے ہٹایا تو ادھر حاکم علی شاید اس وقت سے بولے جا رہا تھا۔ اس کی آواز سے ہی لگ رہا تھا۔

''بتاؤ نور......! کیا واقعی تمہاری شادی ہو رہی ہے...... یہ ڈھولک......! یہ گیت......!''

''کس کا فون ہے......؟'' ردا نے پوچھا۔

اس نے چونک کر موبائل آف کر دیا پھر ردا کو دیکھ کر بولی۔

''کسی کا نہیں......! میں روبی کو کر رہی تھی۔''

''ارے ہاں......! تمہاری دوست روبی نہیں آئی......؟'' انیلا کو روبی یاد آ گئی۔

''کل آئے گی......!'' وہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور نعمان کو چلنے کا اشارا کیا۔

''جا کہاں رہی ہو......! آئس کریم نہیں لو گی......؟'' انیلا نے شاپر میں سے کون آئس کریم نکال کر اس کی طرف بڑھائی۔

''تھینک یو......! صبح کھاؤں گی ابھی اسے فریزر میں رکھ دیتی ہوں۔'' اس نے نعمان کو جاتے دیکھ کر کہا اور فوراً اس کے پیچھے باہر آ گئی۔

''کیا بات ہے......؟'' نعمان نے دھیمی آواز میں پوچھا۔

''کمرے میں چلو......! میں یہ رکھ کر آتی ہوں۔'' وہ کہہ کر ڈائننگ کی طرف بڑھ گئی اور جلدی سے آئس کریم فریزر میں ڈال کر پھر نعمان کے کمرے میں آ گئی۔

''تجسس مت پھیلایا کرو......! جلدی بتاؤ......! کیا بات ہے......؟'' نعمان اسے دیکھتے ہی جھنجلا کر بولا۔

''فون آیا تھا اسی لوفر کا......!'' اس نے بغیر کسی تمہید کے کہہ دیا۔

''کب......؟''

''ابھی......! میرا مطلب ہے کوئی گھنٹہ بھر پہلے......! اب یہ مت پوچھنا کہ کیا کہہ رہا تھا......؟''

اس نے کہا تو وہ چڑ کر بولا۔

''یہ تو پوچھ سکتا ہوں کہ تم نے موبائل آن کیوں کیا......؟''

''تم نے جو کہا تھا کہ اب وہ کبھی فون نہیں کرے گا اس لیے میں مطمئن ہو گئی تھی۔'' وہ آرام سے الزام دے گئی۔ نعمان چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر اس کے ہاتھ سے موبائل لے کر بولا۔

''جاؤ......! اب واقعی مطمئن ہو جاؤ......!''

''کیا مطلب ہے تمہارا......!''

''چاچا......! ٹھیک ناراض ہوتے ہیں، لڑکیوں کے پاس موبائل ہو تو یہی سب ہوتا ہے۔ خبردار......! آئندہ اسے ہاتھ لگایا تو......'' نعمان نے موبائل اپنی الماری میں ڈال دیا پھر اسے دیکھا وہ

منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا رہی تھی۔

○○○

حاکم علی کسی طرح بھی یہ حقیقت تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھا کہ نور کسی اور کی ہو رہی ہے۔ حالانکہ رات اس نے ڈھولک پر گیت اور اس کی آواز بھی سنی تھی جو وہ کہہ رہی تھی کہ میں چار دن کی مہمان ہوں۔

''نہیں نور جہاں......! تم کسی اور کی نہیں ہو سکتیں......!'' وہ بار بار یہی بات دہرا رہا تھا اور اسی طرح بار بار اس کا نمبر ٹرائی کر رہا تھا اور ہر بار اسے ایک ہی جواب مل رہا تھا۔

''ٹرائی لیٹر......!''

''کیا کروں......؟ کہاں ڈھونڈوں اس چار دن کی مہمان کو......؟'' وہ ٹہلنے لگا پھر اچانک ایک نئی راہ سجھائی دی تو فوراً موبائل کمپنی فون کر ڈالا اور نوریہ کا نمبر بتا کر پوچھنے لگا۔

''یہ سم کس کے نام سے ہے......؟''

''نوریہ شیراز حسن......!'' ادھر سے جواب آیا۔

''نوریہ......! نور......!'' اس نے دل میں دہرایا۔

''مجھے ان کا ایڈریس چاہیے......!''

''سوری سر......!''

''دیکھیں پلیز......! میری بات سنیں......! مس نوریہ کا موبائل آف ہے، میرا ان سے رابطہ نہیں ہو پا رہا جبکہ مجھے ان سے بہت ضروری بات کرنی ہے آپ پلیز......! ان کا ایڈریس......'' اسے خود پر کنٹرول نہیں رہا تھا۔

''سوری سر......! ہمارے پاس ایڈریس نہیں ہے۔'' ادھر سے معذرت کے ساتھ سلسلہ منقطع ہو گیا۔

''جھوٹا......! ایک یہی نہیں سب جھوٹے ہیں...... وہ نوریہ شیراز حسن خود کو نور جہاں کہتی ہے...... اور کچھ بھی کہے...... میں اسے کسی اور کا نہیں ہونے دوں گا...... میرے ہاتھ کی لکیروں پہ اس کا نام لکھا ہے...... اور وہ کسی اور کی ہو جائے...... نہیں......! یہ ہرگز نہیں ہو سکتا......! میں یہ نہیں ہونے دوں گا......! کبھی نہیں......!'' وہ جنون میں جانے کیا کیا بولے جا رہا تھا۔ کبھی ٹہلتا، کبھی رُک جاتا۔ پھر اس پر بے بسی طاری ہونے لگی اور ایسے عالم میں وہ شراب کا سہارا لیتا تھا جو سارے غم بھلا دیتی تھی۔

○○○

چار دن پلک جھپکتے گزر گئے اور نوریہ شیراز حسن اپنوں کو اُداس چھوڑ کر اس شخص کے ساتھ رُخصت ہو گئی جسے اس نے دیکھا نہیں تھا، جانا نہیں تھا اور یہی اس کی خواہش تھی کہ نئی زندگی کی شروعات نئے لوگوں سے ہو۔ گو کہ اس کے اندر کچھ خدشے بھی تھے لیکن زیادہ وہ خوش تھی۔ ہر لڑکی کی طرح اس کی آنکھوں میں بھی سنہرے خواب سجے تھے اور وہ ہمایوں کی منتظر تھی جسے دروازے پر اس کی بہن سعدیہ اور کزنز روک کر نیگ کا مطالبہ کر رہی تھیں۔ کتنی دیر تک وہ ان کی تکرار سنتی رہی پھر جب خاموشی چھا گئی تو اس نے سر جھکا لیا۔ چند لمحوں بعد دروازہ بند ہونے کی آواز آئی پھر ہمایوں کے قدموں نے دل میں ہلچل مچا دی۔

''السلام علیکم......!'' ہمایوں نے قریب بیٹھ کر سلام کیا۔ جواب میں اس کے ہونٹ لرز کر رہ گئے۔

''نور......؟'' ہمایوں نے دھیرے سے اس کا حنائی ہاتھ تھام لیا۔

''میری طرف دیکھیں......!'' اس نے ذرا سی پلکیں اُٹھائیں پھر اسی طرح سر اُونچا کیا لیکن اس کی طرف دیکھ نہیں سکی۔

''بہت خوبصورت ہیں آپ......! میرے تصور سے بھی زیادہ......!'' ہمایوں نے بے اختیار اسے سراہا پھر آہستہ سے اس کے ہاتھ کو جھٹکا دے کر بولا۔

''میں جانتا ہوں آپ کیا سوچ رہی ہیں......؟''

''کیا......؟'' اس نے بے اختیار دیکھا۔ ہمایوں نے ہونٹوں پر شریر مسکراہٹ مچل رہی تھی تب وہ سمجھ گئی اسے متوجہ کرنے کے لیے یہ حربہ استعمال کیا گیا ہے۔ فوراً نظروں کا زاویہ بدل گئی۔

''ارے......!'' وہ ذرا سا ہنسا۔

''کیا بہت برا ہوں میں......؟''

اس نے آہستہ سے نفی میں سر ہلایا۔

''یوں نہیں......! میری آنکھوں میں دیکھ کر بتائیں......!'' ہمایوں نے اس کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں لے کر اصرار کیا تو اس نے پلکیں اُٹھا دیں اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ہمایوں اچانک ٹھٹکا پھر اپنے آپ میں اُلجھتا ہوا بولا۔

''میں نے شاید پہلے آپ کو کہیں دیکھا ہے......!''

''کہاں......؟'' اس کے اندر اشتیاق اُبھرا۔

''کہاں......!'' ہمایوں سوچ میں پڑ گیا۔

''میں اسی شہر میں رہتی ہوں......! کہیں آتے جاتے دیکھا ہوگا۔'' وہ اپنی چوڑیوں پر اُنگلی پھیرتے ہوئے بولی۔

''کہیں آتے جاتے......!'' وہ اسی طرح سوچتے ہوئے بولا۔

''نہیں......! بہت قریب سے......!''

''قریب سے......!'' وہ حیران ہوئی۔

''ہاں......! بہت قریب سے......!'' وہ اب بغور اسے دیکھنے لگا پھر جیسے اچانک یاد آنے پر اسے جھٹکا لگا۔ وہ مضطرب سا ہو کر اُٹھ کھڑا ہوا اور اس سے دُور صوفے پر جا بیٹھا۔

بارے میں کیا سننا چاہتا ہے اور وہ خود اسے کیسے جانتا ہے۔

''آخر یہ ہے کون سردار حاکم علی......! کیا سارا شہر اس سے واقف ہے......؟ اب اگر سامنے آیا تو میں اس کا منہ توڑ دوں گی۔'' وہ انتہائی تنفر سے بڑبڑا رہی تھی کہ دروازہ کھلنے پر ہونٹ بھینچ گئی۔ پھر آئینے میں ہمایوں کو اندر آتے ہوئے دیکھا لیکن اس کی طرف پلٹی نہیں، چوڑیاں اُتارنے میں لگی رہی۔

''یاد آیا آپ کو......؟'' ہمایوں نے اس سے قدرے فاصلے پر رُک کر بغیر اسے مخاطب کیے پوچھا۔

اس نے پہلے آخر چوڑی کلائی سے کھینچ کر دراز میں پھینکی پھر اس کی طرف پلٹ کر بولی۔

''ہاں......!''

''کیسے......! کیسے جانتی ہیں انہیں!؟'' ہمایوں اس کے انداز سے قدرے ٹھٹکا۔

''جانتی نہیں ہوں، بس ایک حادثے کے باعث اس سے سامنا ہو گیا تھا۔ اس کے بعد سے اب تک وہ میرا تعاقب کر رہا ہے۔'' وہ جو کچھ دیر پہلے ہمایوں کی آمد سے حیا سے کٹی جا رہی تھی اب براہِ راست اسے دیکھ کر بولی۔

''آپ غلط کہہ رہی ہیں......!'' ہمایوں نے یقین سے اسے جھٹلا دیا۔

''کیا غلط کہا میں نے......؟'' اسے خود پر قابو پانے میں انتہائی دقتوں کا سامنا تھا۔

''یہی کہ سردار آپ کا تعاقب کر رہا ہے۔ میں بہت اچھی طرح بلکہ بہت قریب سے جانتا ہوں انہیں۔ وہ کسی کا تعاقب نہیں کرتے، لڑکیاں ان کے پیچھے بھاگتی ہیں، ان کی وجاہت، ان کی امارت پر مرتی ہیں، وہ کسی کو نہیں بلاتے، سب خود آتی ہیں، اپنی مرضی سے اور میں نے آپ کو بھی وہیں دیکھا تھا، سردار کے گھر میں۔'' ہمایوں کے اندر جانے لحاظ، مروّت تھا ہی نہیں یا شاکڈ ہو کر سب بھلا بیٹھا تھا۔

''آپ......!'' اس کا بیچ مچ دماغ گھوم گیا تھا اگر سامنے کھڑا شخص اس کے مجازی ہونے کا سرٹیفکیٹ نہ لیے کھڑا ہوتا تو وہ اس کا منہ نوچ لیتی۔ مزید ستم ظریفی یہ کہ اس کے گھر میں اور ایسے رُوپ میں کھڑی تھی کہ چیخ چلا بھی نہیں سکتی تھی۔ بمشکل خود پر قابو پاتے ہوئے انتہائی تاسف سے بولی۔

''آپ مجھے ان لڑکیوں میں شمار کر رہے ہیں جو اس لوفر کی وجاہت اور امارت پر مرتی ہیں......! میں ہزار بار لعنت بھیج چکی ہوں اس پر......''

''پھر آپ اس کے گھر میں......'' ہمایوں حد درجہ مشکوک تھا۔

''ہاں......! میں گئی تھی اس کے گھر اور یہ آپ اسی سے پوچھئے گا کہ کیوں گئی تھی......؟'' اس نے اب غصہ ضبط نہیں ہو رہا تھا۔

''سردار صاحب سے تو میں معلوم کر لوں گا اس سے پہلے میں آپ سے پوچھنے کا حق رکھتا ہوں۔'' ہمایوں کا حق جتانا غضب ہو گیا۔

''نہیں......! ابھی میں نے یہ حق آپ کو نہیں دیا۔ آپ پلیز......! اس کمرے سے چلے جائیں نہیں تو

مجھے واپس میرے گھر چھوڑ آئیں۔'' وہ تڑخ کر بولی۔

''ہوش میں ہیں آپ......! پتا بھی ہے کیا کہہ رہی ہیں......؟'' ہمایوں نے ٹوکا۔

''بہت اچھی طرح......!'' وہ اس کی طرف سے رُخ موڑ گئی۔

''میرا خیال ہے ہمیں آرام سے بیٹھ کر بات کرنی چاہیے۔'' ہمایوں چند لمحے اس کے سراپے کو دیکھتا رہا پھر دھیرج سے بولا۔

''نہیں......! میں اس موضوع پر اب کوئی بات نہیں کروں گی۔'' اس نے صاف منع کر دیا۔

''کیوں......؟''

''کیونکہ آپ میرا یقین نہیں کریں گے۔ آپ کو اپنے سردار صاحب پر بھروسہ ہے، میں جو کچھ بھی کہوں گی آپ سردار سے اس کی تصدیق یا تردید کروائیں گے اور یہ میری توہین ہوگی۔'' وہ قدرے رُک کر پھر کہنے لگی۔

''میں نے کوئی جرم نہیں کیا نہ کوئی گناہ جو میں خائف ہو کر صفائیاں پیش کرنے کھڑی ہو جاؤں۔ مجھے کسی کے سامنے صفائی پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے آپ کے سامنے بھی نہیں۔ آپ کے دل میں جو شکوک و شبہات اُبھرے ہیں انہیں میں دُور نہیں کر سکتی کیونکہ آپ کو مجھ پر نہیں سردار پر بھروسہ ہے۔ اس لیے آپ پہلے اس سے بات کریں پھر مجھ سے تصدیق یا تردید کروائیے گا۔''

''آپ نے اپنے آپ ساری باتیں فرض کر لیں......!'' ہمایوں نے گہری سانس کھینچ کر کہا۔

''اپنے آپ......!'' وہ پھر چیخ گئی۔

''میں نے سردار کو جاننے سے انکار کیا، آپ کو یقین نہیں آیا...... میں نے کہا وہ میرا تعاقب کر رہا ہے، آپ اس کا یقین تو کیا کرتے اُلٹا مجھے ان لڑکیوں میں شمار کر دیا جو اس کی وجاہت و امارت پر مرتی ہیں۔ اس کے بعد میں کیا توقع رکھوں کہ میں جو کہوں گی......''

''پلیز......!'' ہمایوں نے ہاتھ اُٹھا کر اسے مزید بولنے سے روک دیا۔

''ریلیکس ہو جائیں......! ہم اب اس موضوع پر بات نہیں کریں گے۔''

''جب تک اس موضوع کا فیصلہ کن اختتام نہیں ہو جاتا ہم اور کسی موضوع پر بھی بات نہیں کر سکتے۔ آپ پلیز......! مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''ایز یو لائک......!'' ہمایوں نے ناگواری چھپا کر ذرا سے کندھے اُچکائے اور کمرے سے چلا گیا۔ اس نے دروازہ بند کر دیا۔



نور یہ رُخصت ہوئی تو ساری افراتفری بھی دم توڑ گئی اور عجیب طرح کی خاموشی چھا گئی۔ ابھی سب جاگ رہے تھے لیکن وہ بھاگ دوڑ نہیں تھی۔ خاموشی سے پھیلاوا سمیٹا گیا پھر سب کزنز ہال

کمرے میں آ بیٹھے۔ ردا چائے بنا کر لے آئی اور ٹرے درمیان میں رکھ کر بولی۔
''بھئی......! سب اپنے اپنے کپ اٹھا لو......!'' سب نے کپ اٹھا لیے تب بھی ایک کپ رہ گیا۔
''یہ کس کے لیے......؟'' شوبی سب کو یوں دیکھنے لگا جیسے کوئی رہ گیا ہو۔
''نور......!'' نعمان بے ساختہ کہہ کر خود ہی ہنس پڑا۔
''ہاں......! میں غلطی سے نور کے لیے بھی لے آئی۔'' ردا نے کہا تو اشعر فوراً بولا۔
''اب جا کے اسے دے بھی آؤ......!''
''قریب ہوتی تو ضرور دے آتی......!''
''اسے ہی شوق تھا دور جانے کا...... ویسے اچھا ہی ہوا۔ اب شان سے آیا کرے گی اور ہم لوگ اس کی خاطر مدارت بھی کیا کریں گے۔'' مریم محظوظ ہو کر بول رہی تھی۔
''ویسے لگ بہت پیاری رہی تھی......!''
''مجھے تو ہمایوں بھی بہت اچھے لگے......!''
''ہاں......! ماشاءاللہ......! جوڑی بج رہی تھی اور دادی تو چاند سورج کی جوڑی کہہ رہی تھیں۔''
لڑکیاں دلہا دلہن کی تعریف میں جو شروع ہوئیں تو پھر انہیں کوئی اور موضوع ہی نہیں ملا۔
نعمان بہت خاموشی سے سن رہا تھا پھر اسی خاموشی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ گو کہ کراچی میں کوئی بھی موسم شدت سے نہیں اترتا لیکن دن اور راتیں ضرور چھوٹی بڑی ہو جاتی ہیں اور یہ دسمبر کی طویل رات تھی، خاموش، اُداس۔ کتنی دیر وہ خالی خالی نظروں سے اپنے کمرے کی ایک ایک چیز کو دیکھتا رہا۔ خود اسے لگ رہا تھا جیسے اب اس کے پاس کرنے کو، سوچنے کو کچھ بھی نہیں ہے۔ ذہن بھی بالکل خالی سا ہو گیا تھا۔ بس ایک دل تھا جو مسلسل دہائیاں دے رہا تھا۔
''سب قسمت کے کھیل ہیں......!'' اس کی نظریں اپنی ہتھیلیوں پر جم گئیں۔
''میرے ہاتھ کی لکیروں میں کہیں اس کا نام نہیں ہے پھر اس کی محبت کیوں لکھی گئی......؟ یہ بھی نہ ہوتی تو آرام سے اپنی زندگی جی لیتا، اب کیسے کٹے گی......؟ یہ ایک طویل رات تو کٹ نہیں رہی......؟'' وہ بے پناہ آزردگیوں میں گھر گیا۔ آنکھوں کے کنارے بھی بھیگ گئے تھے۔ تب وہ لائٹ آف کر کے لیٹ گیا اور دل کو سمجھاتے سمجھاتے آخر تھک کر سو گیا۔
صبح دادی نے آ کر اسے اٹھایا اور نوریہ کے سسرال ناشتا لے جانے کو کہا تو وہ حیران ہو کر بولا۔
''اتنی صبح......!''
''ناشتہ صبح ہی ہوتا ہے بچے......! دوپہر میں نہیں ہوتا۔ چلو جلدی سے منہ ہاتھ دھو کر آ جاؤ......!''
دادی نے ٹوکتے ہوئے کہا۔
''لیکن دادی......! میں اکیلا کیسے جاؤں گا......؟'' وہ پریشان ہوا۔

''اکیلے کیوں......؟ لڑکیاں تیار کھڑی ہیں اور قریب کی بات ہوتی تو وہ چلی بھی جاتیں......اب تم جلدی آؤ......!'' دادی کہتی ہوئی چلی گئیں۔
''یہ عجیب رواج ہے......!'' اس نے سر جھٹکا پھر دس منٹ میں تیار ہو کر باہر نکل آیا۔ مریم اور ردا ٹرے اٹھائے گاڑی کے پاس کھڑی تھیں جبکہ جویریہ اپنی ساڑھی کا پلو سیٹ کرنے میں لگی ہوئی تھی۔
''عباد بھائی بھی جا رہے ہیں کیا......؟'' اس نے جویریہ کو دیکھ کر پوچھا اور اس کے نفی میں سر ہلانے پر ناراضگی سے بولا۔
''ہاں......! بس ایک میں ہی ڈرائیور رہ گیا ہوں......!''
''ڈرائیور کی کیا بات ہے......؟ بھائی ہو......!'' جویریہ اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی پھر اسے دیکھ کر پوچھنے لگی۔
''تمہارا موڈ کیوں آف ہے......؟''
''صبح ہی صبح جو اٹھنا پڑا......!'' اس سے پہلے عقب سے مریم بول پڑی۔ اس نے ویو مرر میں مریم اور ردا پر نظر ڈالی پھر اسپیڈ سے گاڑی بھگا دی اور تمام راستہ ان تینوں کو ہی تاکید کرتا رہا کہ وہاں زیادہ دیر نہیں رُکنا فوراً واپس آنا ہے اور وہ تینوں بھی اس کی ہاں میں ہاں ملاتی رہیں لیکن آگے نوریہ کی ساس کے سامنے سب بے بس ہو گئے۔ انہوں نے بہت اصرار سے انہیں ناشتے پر روک لیا۔
نعمان اندر ہی اندر جز بز ہو رہا تھا اور وہ تینوں لڑکیاں نوریہ سے ملنے کو بے چین! کبھی پہلو بدلتیں، کبھی ایک دوسرے کو اشارے کرنے لگتیں۔
''تم لوگ چین سے نہیں بیٹھ سکتیں......!'' آخر نعمان نے جھنجلا کر ٹوک دیا۔
''نور کو دیکھ کر ہی چین آئے گا......!'' مریم نے کہا تو اس کے اندر ٹوٹ پھوٹ ہونے لگی۔ دل چاہا کسی سے بھی کچھ کہے بغیر اٹھ کر چلا جائے کہ وہ لڑکی جسے وہ ہمیشہ سے اپنا مانتا تھا وہ اپنی مرضی اپنی خوشی سے کسی اور کی ہو گئی تھی اور اس کے پہلو سے لگ کر سامنے آنے والی تھی۔ وہ کہاں تک نظریں چرائے گا۔
اس تصور سے ہی پریشان ہو کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔
''ارے......!'' جویریہ اس کے اٹھنے پر متوجہ ہو کر بولی۔
''تمہیں کیا ہوا......؟''
''چلو بس......! بہت ہو گیا......! میرا مطلب ہے ہم خواہ مخواہ یہاں مہمان بن کر بیٹھے ہیں، گھر والے پتا نہیں کہاں ہیں۔ جاؤ ردا......! کہہ آؤ ان سے کہ ہم جا رہے ہیں۔'' اس نے بات ختم کی تھی کہ نوریہ کی نند سعدیہ آ کر بولی۔
''نوریہ بھابی وہیں ڈائننگ روم میں ہیں۔''
''آئیے......!'' سعدیہ نے کہا تو جویریہ سب کو چلنے کا اشارہ کر کے چل پڑی۔ پھر ڈائننگ روم میں

آ کر تینوں لڑکیاں باری باری نوریہ سے گلے ملیں اور اس کے کان میں سرگوشیاں بھی کیں جبکہ نعمان کوشش کے باوجود اس کی طرف متوجہ نہیں ہوا اور ہمایوں سے مل کر خاصے تکلف سے بیٹھ گیا۔

''نعمان بیٹا......! کسی تکلف کی ضرورت نہیں ہے اپنا ہی گھر سمجھو......!'' ہمایوں کی امی نے سب کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہم لوگ اصل میں ناشتہ کر کے آئے ہیں بس چائے پی لیتے ہیں۔'' نعمان نے کہتے ہوئے مریم کو کہنی ماری تو وہ فوراً اس کی تائید کرنے لگی۔

''جی آنٹی......! ہم چائے پی لیتے ہیں۔''

''بیٹا......! جب یہاں آرہے تھے تو ناشتہ بھی ہمارے ساتھ ہی کر لیتے۔ نوریہ کو بھی آسانی ہو جاتی۔ اب دیکھو کیسے شرمارہی ہے......!'' آنٹی نے کہا تو اس نے بے اختیار نوریہ کی طرف دیکھا۔ فیروزی جھلملاتے دوپٹے کے ہالے میں میک اپ سے بے نیاز اس کا چہرہ بالکل سپاٹ اور ہر احساس سے عاری لگ رہا تھا اور وہ جو اس کی طرف دیکھنا نہیں چاہتا تھا بار بار اسے دیکھتا اور چونکتا رہا۔

''یہ او لین صبح کی دُلہن تو نہیں ہے۔'' چائے کا آخری گھونٹ لے کر اس نے سوچا پھر جویریہ کو چلنے کا اشارہ کر کے اُٹھ کھڑا ہوا اور ہمایوں کو دیکھ کر بولا۔

''ہمیں اجازت دیجیے......!''

''آپ لوگوں نے بہت تکلف کیا۔'' ہمایوں اُٹھنے لگا تھا کہ وہ روک کر بولا۔

''پلیز......! آپ ناشتہ کریں......!''

''اوکے......! شام میں ملاقات ہوگی۔'' ہمایوں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

''انشاء اللہ......!'' وہ مسکرایا اور ان لڑکیوں سے پہلے ہی باہر نکل آیا۔

واپسی میں تینوں لڑکیاں مسلسل بولتی رہیں۔ انہیں نوریہ کی غیر معمولی خاموشی زیادہ کھل رہی تھی اور اس پر تشویش بھی ظاہر کر رہی تھیں اور تشویش تو اسے بھی تھی لیکن بولا کچھ نہیں خاموش رہا تھا۔

○○○

سردی اپنے عروج پر تھی اور دو دن سے تو موسم بھی ابر آلود تھا جب ہی وقت کا پتا ہی نہیں چل رہا تھا۔ دوپہر کے دو بجے تھے اور چاندنی اس وقت بھی لحاف میں دبکی بیٹھی تھی۔ بے بے البتہ ٹھٹرتی ہوئی کمرے میں آجا رہی تھیں اور ہر بار اسے کچھ نہ کچھ کہہ جاتیں۔ اس کی سماعتوں سے ان کی آواز ضرور ٹکراتی لیکن اس نے سنا نہیں کہ وہ کیا کہہ گئی ہیں کیونکہ وہ اپنے ہی کسی خیال میں گم تھی۔

''چاندنی......!'' اب بے بے نے اسے جھلاتی ہوئی آواز میں پکارا۔

''کیا ہے......؟'' وہ اپنا خیال منتشر ہونے پر ان سے زیادہ جھنجلائی تھی۔

''دھیئے......! کتنی بار کہا ہے اُٹھ کر ہیٹر جلا دے، کتنی ٹھنڈ پڑ رہی ہے۔'' بے بے نے اب کے نرمی سے کہا۔

''تو آپ رضائی لے لو ناں......! ہیٹر جلانا ضروری ہے کیا......؟'' وہ ہنوز جھنجلا کر بولی شاید لحاف میں سے نکلنا نہیں چاہتی تھی۔

''میں نہیں بے وقت رضائی میں بیٹھ سکتی پھر ابھی مجھے نماز بھی پڑھنی ہے۔ چل اُٹھ شاباش......!''

بے بے نے پچکارا تو وہ لحاف پھینک کر اُٹھ کھڑی ہوئی پھر ہیٹر جلاتے ہوئے کہنے لگی۔

''گرمی پڑتی ہے تو آپ اے سی چلا کر کمرہ ٹھنڈا کر لیتی ہو اور سردی میں ہیٹر جلا کر گرم...... مجھے نہیں اچھا لگتا۔''

''کیا اچھا نہیں لگتا......؟'' بے بے نے نا سمجھتے ہوئے پوچھا۔

''اے سی اور ہیٹر......! دونوں اچھے نہیں لگتے۔ اب دیکھو کمرہ گرم ہو جائے گا تو پھر سردی کہاں پتا چلے گی۔''

''تو تجھے ضرور سردی میں ٹھٹرنا ہے......!'' بے بے نے ٹوکا۔

''اب آپ کو کیا بتاؤں بے بے......! آپ نہیں سمجھو گی یہ موسم ہمارے لیے ہی تو بدلتے ہیں۔'' اس نے کہتے ہوئے دروازہ کھولا تو ٹھنڈی ہوا کا جھونکا اندر تک چلا آیا۔

''کیا کرتی ہے چاندنی......! بند کر دروازہ......!'' بے بے نے ڈانٹا۔

''آپ بیٹھو گرم کمرے میں......! میں اُوپر جا رہی ہوں۔'' وہ کہہ کر کمرے سے نکل آئی پھر بھاگ کر سیڑھیاں پھلانگتی کمرے میں آ کر پہلے لائٹ جلائی پھر دروازہ بند کر دیا۔ اتنی سی دیر میں اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے برف ہو گئے تھے اور ذرا سا منہ کھولتی تو دانت بھی بجنے لگتے اس لیے دانتوں کو مضبوطی سے ایک دوسرے پر جمائے کچھ دیر ہتھیلیاں آپس میں رگڑتی رہی پھر ٹی وی آن کر کے لحاف میں گھس کر بیٹھ گئی۔ پہلے بھی وہ ٹی وی دیکھتی تھی لیکن کیبل پر دوسرے چینلز اس نے حاکم علی کے کمرے میں آ کر ہی دیکھے تھے اور یہ اس کے لیے بالکل نئی چیز تھی بلکہ اسے کوئی اور ہی دُنیا لگتی تھی۔ گلیمر، فیشن، بے باکی اور جانے کیا کچھ۔ جس سے وہ کچے ذہن کی لڑکی بری طرح متاثر ہو رہی تھی۔ مختصر لباس میں ناچتی لڑکیوں کو وہ حیرت سے دیکھتی اور کچھ مناظر پر تو اس کی سانسیں رُک جاتی تھیں۔ کتنے گانے اسے ازبر ہو چکے تھے اور وہ ساتھ ساتھ گنگنانے لگتی۔ بہر حال حاکم علی نے جو اس سے کہا تھا کہ اسے یہیں دل لگانا ہے اور دل لگانے کے لیے جن جن چیزوں کی اس نے نشان دہی کی تھی۔ ٹی وی، سی ڈی پلیئر، کمپیوٹر وغیرہ تو ان میں اس کا دل یوں لگا کہ نیم خوابیدہ ارمان بھی انگڑائیاں لینے لگتے تھے۔ اسکرین پر محبت کے مناظر دیکھتے ہوئے اس کا دل مچلنے لگتا تو اس وقت وہ یہی سوچتی کہ حاکم علی اس کے پاس کیوں نہیں ہے۔ وہ اس سے اتنا انجان کیوں ہے۔ اسے چھوڑ کر کیوں چلا گیا۔

اس وقت فلم دیکھتے ہوئے اسے اچانک حاکم علی یاد آنے لگا اور اس کا دل مچل گیا۔ پھر لاکھ اس نے

خود کو بہلانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہوئی۔ تب اس نے ٹیلی فون اٹھا کر گود میں رکھ لیا اور کچھ ڈرتے ڈرتے حاکم علی کے نمبر ملانے لگی۔ دوسری طرف حاکم علی نے غالباً نمبر دیکھ کر فون اٹھایا تھا جب ہی چھوٹتے ہی بولا۔

''جی بے بے......!'' وہ اس کی آواز سن کر ہی سہم گئی تھی پھر بھی ہمت کر کے بولی۔

''میں ہوں......!''

''کون......! چاندنی......!'' حاکم علی کا انداز سرسری تھا۔

''جی......!''

''ہاں کہو...... ! کیا بات ہے......؟'' حاکم علی کے نارمل انداز پر وہ مزید پزل ہو رہی تھی۔

''ک...... کچھ نہیں......!''

''پھر فون کیوں کیا......؟'' حاکم علی نے پوچھا تو جانے کیسے اس کے ہونٹوں سے پھسل گیا۔

''دل چاہا......!''

''ہاہاہا......!'' حاکم علی نے طویل قہقہہ لگایا۔ جانے کس موڈ میں تھا بے حد محظوظ ہوا۔

''دل چاہا...... ! اور کیا دل چاہتا ہے......؟''

''پتا نہیں......!'' وہ سادگی سے بولی۔

''اچھا...... ! جب پتا چل جائے تب فون کرنا، ٹھیک......!'' حاکم علی کا لہجہ ابھی بھی ہنستا ہوا تھا۔

''جی......!'' ادھر سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔

''ہائے ربا......!'' اس نے دھڑکتے دل پر ہاتھ رکھا پھر مسکرانے لگی۔

○ ○ ○

نوریہ نے سوچ لیا تھا کہ جب تک حاکم علی کا معاملہ صاف نہیں ہو جاتا وہ ہمایوں سے بات نہیں کرے گی کیونکہ پہلے مرحلے پر ہی ہمایوں نے جس انداز سے حاکم علی کے بارے میں پوچھ کر جس طرح اسے جھٹلایا تھا۔ اس سے وہ خود درجہ شاکی اور متنفر ہو چکی تھی۔ ہاں اگر اس کے برعکس ہمایوں اس کی زبانی سارا واقعہ سنتا اور اس کا یقین کر لیتا تب تو شاید کوئی بات ہی نہ تھی لیکن یہاں تو معاملہ ہی اور تھا۔ یعنی وہ ساری تفصیل بیان کر دیتی تب بھی ہمایوں یقین کرنے کو تیار نہیں تھا کیونکہ اس کا یقین اسی بات پر تھا کہ حاکم علی کی وجاہت اور امارت پر لڑکیاں مرتی ہیں اور خود اس کے پاس آتی ہیں۔ بہر حال وہ جو دل میں ٹھان چکی تھی تو پھر سارا دن اس نے ہمایوں سے بات نہیں کی۔ اگر اس نے مخاطب کر کے کچھ کہا تو وہ ہوں ہاں کر کے رہ گئی۔ یہاں تک کہ ساس اور نند کے سامنے بھی اس نے کوئی ایکٹنگ کرنے کی کوشش نہیں کی کیونکہ اسے منافقت سے نفرت تھی۔

''میرے خواب، میرے ارمان بدگمانی کی آگ میں راکھ کر دیے جائیں اور میں ہونٹوں پر شرمیلی

انہیں...... ! یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔ میرے دل پر جو بیتی
مسکان سجا کر سب اچھا ہونے کا اعلان کروں......
میرے چہرے پر وہی لکھا ہوگا۔ میں دوسروں کے اطمینان کے لیے خود سے کچھ رقم نہیں کروں گی۔''

''آر یا پار...... ! جو ہونا ہے ابھی ہو جائے، میں ایک عمر خوف میں نہیں گزار سکتی۔'' اس کی شب زفاف ان ہی سوچوں میں گزری تھی جس کا عکس اب بھی اس کی آنکھوں میں جھلملا رہا تھا اور یہ وہ خود بھی جان رہی تھی جب ہی بس اتنا کیا کہ پلکیں جھکائے رکھیں کیونکہ ولیمے کی تقریب تھی اور وہ اسٹیج پر بیٹھی تھی۔ ہمایوں کبھی اس کے پاس بیٹھتا، کبھی مہمانوں کے استقبال کو اٹھ کر چلا جاتا۔ وہ اس کا بیٹھنا اٹھنا محسوس کر رہی تھی، ایک بار بھی پلکیں اٹھا کر نہیں دیکھا کہ وہ کہاں گیا یا کس کے ساتھ آیا البتہ آوازوں پر دھیان دے رہی تھی۔ شاید اس لیے کہ میکے والوں کا انتظار تھا۔

''بھائی...... ! پہلے مووی بنوا لیں......!'' سعدیہ ہمایوں کو پکار رہی تھی پھر اس سے بولی۔

''بھابی...... ! ذرا سا چہرہ اونچا کر لیں۔'' اس نے چہرہ اونچا کر لیا، پلکیں پھر بھی نہیں اٹھائیں اور جھکی پلکوں سے ہی ہمایوں کو اسٹیج پر چڑھتے دیکھا۔ ابھی اس نے پہلے سیڑھی پر قدم رکھا تھا کہ اس کے عقب سے جو آواز ابھری وہ اس کی سماعتوں پر پگھلے ہوئے سیسے کی مانند تھی اور اس کی پلکیں بلا ارادہ اٹھی تھیں۔

''کانگریچولیشن مسٹر چغتائی......!'' حاکم علی ہمایوں سے مصافحہ کر رہا تھا۔ پھر اسی طرح ہاتھ پکڑے ہوئے دونوں اسٹیج پر چڑھے اور اس سے پہلے کہ ہمایوں اپنی مسز کا تعارف کراتا۔ حاکم علی اسے دیکھ کر ایک لحظہ کو ڈگمگایا۔ یوں جیسے اسے شدید دھچکا لگا ہو لیکن اگلے ہی پل سنبھل کر براہ راست اسے مخاطب کر کے بولا۔

''واؤ...... ! نوریہ شیراز حسن...... ! واٹ اے سرپرائز......!''

''اُف......!'' اس نے سختی سے آنکھیں بند کر لیں لیکن سماعتوں کے در کھلے تھے۔

''سر...... ! آپ جانتے ہیں انہیں......؟'' ہمایوں اس سے پوچھ رہا تھا۔

''یس...... ! شی از مائی کلوز فرینڈ......!'' حاکم علی نے ایک پل میں اسے ان لڑکیوں کی قطار میں لا کھڑا کیا جو اس پر مرتی تھیں۔ اس کا دل چاہا اٹھ کر اس کا منہ نوچ لے، جب ''آر یا پار'' سوچ ہی لیا تھا تو پھر مصلحتوں کا دامن کیا تھامنا۔

اور وہ اتنی ہمتیں کہاں سے لاتی۔ اتنے لوگوں کے سامنے جن میں کوئی اپنا نہیں تھا۔

''سب اجنبی...... ! نئے لوگ...... ! نئی زندگی......!''

''کیا خواہشیں یوں بھی رسوا کرتی ہیں......؟''

''کہاں رہ گئے سب لوگ......؟ امی، ڈیڈی، بڑے پاپا، دادی، نومی، کوئی تو آئے، میں مر رہی ہوں، مجھے سنبھالو...... ! میں اجنبیوں میں نہیں مرنا چاہتی۔'' وہ اندر سے سسک رہی تھی۔

''نور......!'' جویریہ کی آواز نے بہت سہارا دیا جیسے پاتال سے کھینچ لیا تھا۔

"سچ نور......! بہت پیاری لگ رہی ہو......! اور یہ کیا پرانے زمانے کی گٹھڑی بنی ہوئی ہو۔ سر اُونچا کرو، آنکھیں کھولو، موو ی بن رہی ہے۔" جویریہ نے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر چہرہ اُونچا کرنا چاہا لیکن وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

"بس جو جی......! ایسی ہی ٹھیک ہے......!"

"کوئی ٹھیک نہیں ہے......!" جویریہ نے زبردستی اس کا چہرہ اُونچا کر کے آنکھیں کھولنے پر اصرار کیا۔ اس نے ایک دم آنکھیں کھول دیں تو سامنے روش کے اختتام پر حاکم علی اور ہمایوں ایک ساتھ نظروں کے سامنے آ گئے۔ حاکم علی کے چہرے پر چمکتا ہوا غرور تھا اور کسی فاتح کی طرح گردن اکڑائے کھڑا تھا۔ اس کے برعکس ہمایوں کے ہر انداز سے شکستگی چھلک رہی تھی اور اس کے سامنے شرمندہ بھی نظر آ رہا تھا جیسے قسمت نے سرداری چھوڑی ہوئی چیز اس کی جھولی میں ڈالی ہو۔

پھر حاکم علی وہیں سے رُخصت ہو گیا اور ہمایوں ڈھیلے ڈھالے قدموں سے اسٹیج کی طرف آنے لگا شاید اس کا ذہن کام نہیں کر رہا تھا جب ہی اسٹیج کے قریب آ کر یوں چونکا جیسے پتا نہیں کہاں آ گیا ہو۔

"ہار گیا یہ شخص......! اپنے آپ سے ہار گیا اور میں...... میں تقدیر سے مات کھا گئی۔" اس کا دل دُکھ سے بھر گیا، آنکھیں بھی دُھندلا گئیں تو اس نے پھر سر جھکا لیا اور آخر تک اسی طرح بیٹھی رہی۔ اس کے پاس کون کون آ کر بیٹھا، کس نے کیا کہا، اسے کچھ خبر نہیں تھی۔ وہ اپنے آپ میں اُلجھی ہوئی تھی یا اُلجھی ڈوریاں سلجھانے کی کوشش کرتی رہی تھی۔ جب جویریہ نے اس کے بازو میں بازو ڈال کر اُٹھایا تب بھی وہ غائب دماغی سے اسے پھر ہمایوں کی امی کو دیکھنے لگی۔

"تم ابھی ہمارے ساتھ چلو گی......!" جویریہ نے کہا۔

"ہاں بیٹا......! کل پھر ہم تمہیں لینے آئیں گے......!" ہمایوں کی امی نے کہتے ہوئے اس کا گال تھپکا پھر سعدیہ سے پوچھنے لگیں۔

"ہمایوں کہاں ہے......؟"

"وہ شاید اپنے دوستوں کو رُخصت کر رہے ہیں......!" سعدیہ نے گیٹ کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"عجیب لڑکا ہے......! بلاؤ اسے......! دُلہن کے ساتھ گاڑی تک تو جائے......!"

"کوئی بات نہیں آنٹی......! ہم ادھر ہی تو جا رہے ہیں، چلو نور......!" جویریہ نے کہا تو وہ اس کے سہارے چل پڑی۔

ہمایوں، ڈیڈی کے ساتھ گاڑی کے قریب کھڑا تھا۔ اسے آتے دیکھا تو بڑھ کر گاڑی کا دروازہ کھول دیا۔ اس نے بیٹھنے سے پہلے ہمایوں کو دیکھا شاید وہ کچھ کہے لیکن وہ نظریں چرا گیا۔

پھر گھر آتے ہی وہ تھکن اور سر درد کا بہانا کر کے امی کے ساتھ سیدھی اُوپر آ گئی کیونکہ اس وقت وہ

کسی سے بات کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ دل بھر بھر آ رہا تھا، آنکھوں میں بھی چبھن تھی۔ ڈر تھا کہیں بات کرتے ہوئے آنسو نہ چھلک جائیں اس لیے اپنے کمرے میں بند ہو جانا چاہتی تھی۔

"بیٹا......! تم نے کھانا تو ٹھیک سے نہیں کھایا ہوگا...... بھوک لگی ہو تو......" امی نے اس کے ساتھ کمرے میں داخل ہو کر پوچھا۔

"نہیں امی......! میں نے کھا لیا تھا۔"

"چائے پیو گی......؟ ساتھ سر درد کی ٹیبلٹ بھی لے لینا۔" امی نے اس کی تھکن محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں......! میں سونا چاہتی ہوں۔ چائے پی لی تو پھر نیند کہاں آئے گی۔ آپ بھی سو جائیں تھک گئی ہوں گی۔" اس نے امی کے گلے میں بازو ڈال کر کہا۔

"خوش رہو......!" امی نے اس کی پیشانی چومی پھر زیور احتیاط سے رکھنے کی تاکید کر کے چلی گئیں۔

اس نے آہستہ سے دروازہ بند کیا پھر چینج کر کے کمبل میں بیٹھ گئی اور چاہا کہ ٹھنڈے دماغ سے اس ساری صورتِ حال کو سوچے پھر کسی نتیجے پر پہنچے لیکن یہ کہاں ممکن تھا۔ وہ جتنا سوچتی اس قدر اُلجھتی جا رہی تھی یہاں تک کہ اس کا ذہن چٹخنے لگا۔

○ ○ ○

"شکر ہے......! سب ٹھیک ٹھاک بلکہ بہت اچھا ہو گیا، کوئی کمی نہیں رہی اور شکر ہے کوئی بدمزگی بھی نہیں ہوئی۔" ہمایوں کی امی شادی پر خوش اور اب اطمینان کا اظہار کر رہی تھیں۔

"ہاں امی......! میری سہیلیاں بھی بھابی کی بہت تعریف کر رہی تھیں۔" سعدیہ نے کہتے ہوئے شرارت سے ہمایوں کو دیکھا لیکن وہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔

"بھائی تو ابھی سے اُداس ہو گئے...... بھائی......! کل آ جائیں گی بھابی......!" سعدیہ نے پھر خوشی سے کہا۔

"پھر......!" وہ تیز لہجے میں کہہ کر اُٹھ کھڑا ہوا تو سعدیہ نے پریشان ہو کر امی کو دیکھا وہ بھی حیران تھیں۔

"کیا بات ہے بیٹا......! تھک گئے ہو کیا......؟"

"صرف تھکا ہی نہیں ہوں ٹوٹ گیا ہوں......!" اس کا ضبط ٹوٹ رہا تھا۔

"ہائے......! اللہ نہ کرے......! ٹوٹیں تمہارے دُشمن......! کیسی باتیں کر رہے ہو......؟" امی نے دہل کر ٹوکا۔

"سوری......!" وہ ایک دم احساس کر کے کہنے لگا۔

"سوری امی......! میں اصل میں تھک گیا ہوں......! ذہن کام نہیں کر رہا...... پتا نہیں کیا کہہ گیا......! آپ پریشان نہ ہوں۔"

"اکیلے بھی تو ہو...... سارے انتظام بھی تمہیں خود کرنے پڑے۔"

"یہی بات ہے......!" وہ فوراً بولا۔

"چلو آرام کرو...... سعدیہ......! تم بھی اُٹھو چلو کمرے میں......!" امی اُٹھتے ہوئے بولیں۔

"بھائی......! چائے چاہیے تو بنا دوں......!" سعدیہ نے جاتے جاتے رُک کر پوچھا۔

"نہیں......! بس اب سوؤں گا۔" وہ کہہ کر اپنے کمرے میں آ گیا اور دروازہ بند کیا تو کمرے میں رچی گلابوں کی مہک واضح محسوس ہونے لگی اور جب بیڈ پر بیٹھا تو یوں لگا جیسے ابھی ابھی یہاں سے دُلہن اُٹھ کر گئی ہو۔

"میں نے تو بہت صاف ستھری زندگی گزاری ہے۔ کبھی کسی کے ساتھ مذاق میں بھی دل لگی نہیں کی۔ اسکول، کالج پھر ایم بی اے کرنے لندن گیا تو وہاں کی رنگینوں سے بھی متاثر نہیں ہوا کیونکہ میں نے پوری ایمانداری سے اپنا ہر جذبہ اپنی شریکِ سفر کے لئے سنبھال کر رکھا تھا۔ اس لیے میں نے کبھی کسی کو دھوکا نہیں دیا پھر میرے ساتھ دھوکا کیوں ہوا......؟ میرے نصیب میں ایسی لڑکی کیوں لکھی گئی جس کا کوئی کردار ہی نہیں۔"

"کیا میں ایسی لڑکی کو اپنی زندگی میں شامل کر سکتا ہوں......؟ نہیں......! کبھی نہیں......! جب میرے کردار پر کوئی دھبہ نہیں تو اس کا دامن بھی صاف ہونا چاہیے۔ ایسا ہی میرے نصیب میں لکھا ہے جب ہی تو پہلے ہی مقام پر نوریہ شیراز حسن کی قلعی کھل گئی۔ اب وہ لاکھ اپنی صفائیاں پیش کرے میں اس کا یقین نہیں کر سکتا کیونکہ میں نے خود اسے سردار حاکم علی کے گھر میں دیکھا تھا اور پھر سردار بھی تو کہہ رہے تھے کہ وہ ان کی کلوز فرینڈ ہے۔ دیکھتا ہوں وہ انہیں کیسے جھٹلاتی ہے......؟"

"لیکن اب میں کیا کروں......؟ امی اور سعدیہ اتنی خوش ہیں میں کیسے ان کی خوشی خاک میں ملا دوں......؟ نہیں......! مجھے فوراً کوئی ایسا قدم نہیں اُٹھانا چاہیے جس سے امی کو صدمہ پہنچے۔ ابھی بھی وہ کتنی پریشان ہو گئی تھیں جب میں نے کہا کہ میں ٹوٹ گیا ہوں، مجھے خود پر قابو رکھنا چاہیے۔ ہاں......! امی اور سعدیہ کی خاطر کچھ عرصہ خاموش رہنا ہی بہتر ہے اور نوریہ شیراز حسن کو بھی برداشت کرنا پڑے گا، ہونہہ......!" اس کے اندر بے حد تلخی تھی اور ذہن صرف وہ سوچ رہا تھا جو اس نے دیکھا تھا۔ ایک بار بھی یہ خیال نہیں آیا کہ کبھی ایسا بھی تو ہوتا ہے کہ کوئی چیز دیکھنے میں کچھ اور پرکھنے میں کچھ اور ہوتی ہے۔

○ ○ ○

حاکم علی بہت خوش تھا۔ قہقہے لگا رہا تھا۔ نشی دونوں بازو سینے پر لپیٹے اسے دیکھے جا رہی تھی۔

"وہ مل گئی نشی......! میں نے پا لیا اسے......! کھوج لیا......! اب وہ مجھ سے نہیں بھاگ سکتی۔" حاکم

علی اپنی کھوج پر دیوانہ ہوا جا رہا تھا۔

"کس کی بات کر رہے ہو سردار......!" نشی نے کچھ اُلجھتے ہوئے پوچھا۔

"وہی جو میری محبت ہے......! میرا جنون ہے......! نور......! نوریہ......! رات میں نے اسے بہت قریب سے دیکھا اس کی آنکھوں میں گلابی ڈورے تھے۔ یقیناً وہ بہت روئی ہوگی میرے لیے اور ابھی اسے اور بھی رونا ہے لیکن زیادہ عرصہ نہیں......! بس تھوڑے دنوں کی بات ہے پھر میں اسے بہت ہنساؤں گا......! ہنسنے سے ہی تو آنکھیں گلابی ہو جاتی ہیں۔" وہ کسی حسین تصور میں کھو گیا تھا۔ نشی کے اندر بہت سوال اُمڈ رہے تھے لیکن وہ اس کا تصور توڑنا نہیں چاہتی تھی جب ہی خاموش رہی۔ کتنے لمحے چپ چاپ سرک گئے پھر وہ خود ہی چونکا تو پہلے حیران ہوا پھر نشی کو دیکھ کر پوچھنے لگا۔

"تم کیا سوچنے لگیں......؟"

"میں کچھ نہیں سوچ رہی......!" نشی گہری سانس کھینچ کر گویا ہوئی۔

"تمہاری باتیں سن رہی تھی لیکن کچھ سمجھ نہیں سکی۔"

"میں وضاحت سے سمجھاتا ہوں۔" اس نے کہا تو نشی ذرا سا ہنس کر بولی۔

"چھوڑو سردار......! میں تمہیں ہی نہیں سمجھی تمہاری باتیں سمجھ کر کیا کروں گی......؟"

"لیکن میں تمہیں اچھی طرح سمجھتا ہوں۔" وہ بھی ہنس کر بولا۔

"اونہہ......!" نشی نے نفی میں سر ہلایا۔

"تم بہت گہری ہو۔ میں واقعی تمہیں نہیں سمجھ سکتا۔" اس نے سنجیدہ ہو کر اعتراف کیا پھر کہنے لگا۔

"خیر......! میں تمہیں نوریہ کے بارے میں بتا رہا تھا۔"

"مت بتاؤ......!" نشی نے ایک دم ٹوک دیا۔

"مت کسی اور لڑکی کا نام لو، تمہاری شادی ہو چکی ہے، اب تمہیں سدھر جانا چاہیے سردار......!"

"ہاہاہا......!" اس نے حسبِ عادت پہلے قہقہہ لگایا پھر کہنے لگا۔

"سدھر تو گیا ہوں، جو چاہے قسم لے لو......! جب سے نوریہ کو دیکھا ہے صرف اس کا ہو کر رہ گیا ہوں۔ میرے خیالوں میں، خوابوں میں، میری سوچوں میں صرف وہ ہے اور میری زندگی میں بھی صرف وہی آئے گی اور کوئی نہیں۔"

"اور چاندنی......! وہ کیا تمہاری زندگی میں شامل نہیں ہے......؟" نشی کا لہجہ چبھتا ہوا تھا۔

"نہیں......! اگر وہ میری زندگی میں شامل ہوتی تو میرے ساتھ ہوتی۔ میں نے کبھی اسے غور سے دیکھا ہی نہیں چھونا تو دُور کی بات ہے اور پھر میں اسے وہیں چھوڑ آیا ہوں۔" اسے چاندنی کا ذکر ہی ناگوار گزر رہا تھا۔

"واہ سردار......! تمہارے لیے سب کچھ کتنا آسان ہے۔ بیوی کو وہیں چھوڑ دیا، سونیا کے پاس بچہ

چھوڑ دیا۔'' نشی نے بظاہر ہلکے پھلکے انداز میں کہا پھر بھی وہ اس کا طنز سمجھ گیا لیکن یکسر انجان بن کر پوچھنے لگا۔

''ارے ہاں......! سونیا چلی گئی کیا......؟ وہ جو امریکہ جا رہی تھی......؟''

''نہیں......! تیاریوں میں لگی ہے۔ ایک روز وہ مجھے راحلی سینٹر میں نظر آئی تھی۔ بچہ بھی اس کی گود میں تھا۔'' نشی شاید اسے بچے کا احساس دلانا چاہتی تھی اور وہ بہت شارپ تھا ہر بات سمجھ لیتا تھا لیکن یوں ظاہر کرتا جیسے سمجھا ہی نہیں۔ اس وقت خوبصورتی سے بات بدل گیا۔

''نشی......! تم میری واحد دوست ہو......! میری مدد کرو گی......!''

''کس سلسلے میں......؟'' نشی سونیا کا خیال جھٹک کر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

''وہی نور...... نوریہ کے معاملے میں۔ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں...... تم اسے آمادہ کرو مجھ سے ملنے پر...... صرف ایک بار......! صرف ایک بار......! پھر میں خود اسے اپنی محبت کا یقین دلا دوں گا۔'' حاکم علی کے لہجے میں بے قراری کے ساتھ عاجزی سمٹ آئی تھی۔ نشی کو نوریہ پر رشک آنے لگا۔

''جانے کون ہے وہ جس کے لیے سردار اپنی حاکمیت بھول جاتا ہے۔''

''بولو......! میری مدد کرو گی ناں......!'' حاکم علی نے پھر اصرار سے پوچھا تو وہ چونک کر کہنے لگی۔

''ہاں......! لیکن پہلے مجھے اس کے بارے میں بتاؤ تو...... کون ہے......؟ کہاں رہتی ہے اور تم سے کیوں گریز کر رہی ہے......؟''

''گریز......!'' وہ اس کی آخری بات پر ٹھٹکا پھر فوراً سنبھل کر بولا۔

''شاید اس لیے کہ وہ مجھے سمجھ نہیں پا رہی۔''

''نہیں سردار......! میرا خیال ہے وہ تمہیں سمجھ چکی ہے جب ہی......'' نشی کی صاف گوئی پر وہ اندر ہی اندر جز بز ہونے لگا۔

''خیر......! یہ بتاؤ......! وہ رہتی کہاں ہے......؟ بلکہ مجھے شروع سے پوری تفصیل بتاؤ......! تم نے اسے کب، کہاں دیکھا......؟ پھر کتنی ملاقاتیں ہوئیں، وغیرہ وغیرہ......'' نشی نے پوچھا۔

''بتاؤں گا......! سب بتاؤں گا لیکن ابھی نہیں......!'' وہ نفی میں سر ہلانے لگا۔

''اچھا......! کل رات تم نے اسے کہاں دیکھا......؟'' نشی کے اندر تجسس جاگ اٹھا تھا۔

''ایک شادی میں......!'' وہ سرسری انداز میں بتا کر سگریٹ سلگانے لگا پھر اسے دیکھ کر بولا۔

''پوچھو گی نہیں کس کی شادی......؟''

''یہ غیر ضروری سوال ہے......؟'' نشی نے بے نیازی سے کہا۔

''یہی سوال اہم ہے......!'' وہ زور دے کر بولا۔

''پوچھو......!''

''بتا دو......! کس کی شادی میں دیکھا اسے......؟'' نشی اب قدرے جھنجلائی تھی۔

''اسی کی...... نوریہ کی شادی تھی......!'' وہ جیسے انگارے چبا کر بولا۔

''کیا...... نوریہ کی شادی......؟'' نشی اُچھل پڑی۔

''ہاں......! لیکن میں اس شادی کو کامیاب نہیں ہونے دوں گا...... اُجاڑ کے رکھ دوں گا اسے...... پر دیکھنا وہ میرے پاس ہی آئے گی۔'' اس کے خطرناک ارادوں پر نشی کانپ گئی۔

''نہیں سردار......! تم ایسا کچھ نہیں کرو گے......!''

''کوئی نہیں روک سکتا مجھے نشی......! تم بھی ایسی کوشش مت کرنا......!'' وہ ہٹ دھرمی سے بولا۔

''یہ بہت گری ہوئی حرکت ہوگی سردار...... وہ لڑکی جب تمہیں پسند ہی نہیں کرتی تو تم کیوں اس کے پیچھے پڑے ہو......؟ اور اب تو اس کی شادی بھی ہو گئی ہے، اسے اپنی زندگی گزارنے دو......!'' نشی اس کے منع کرنے کے باوجود سمجھانے سے باز نہیں آئی۔

''ہونہہ......! وہ میری ہے صرف میری......! اور یہ تم سے کس نے کہا کہ وہ مجھے پسند نہیں کرتی......؟ محبت کرتی ہے وہ مجھ سے...... اتنی کہ اس روئے زمین پر کبھی کسی نے کسی سے نہیں کی ہوگی۔ یہ خود اس نے مجھ سے اعتراف کیا تھا پھر جب میں اس کی خاطر بیوی چھوڑ آیا ہوں تو وہ میری خاطر شوہر کیوں نہیں چھوڑ سکتی......؟ چھوڑنا پڑے گا اسے......'' وہ غصے میں بولنے لگا۔

نشی چند لمحے تاسف سے اس جنونی کو دیکھتی رہی پھر اپنا پرس اُٹھا کر بس اسی قدر بولی۔

''میں چلتی ہوں......!''

''پھر آؤ گی ناں......!'' اس نے فوراً پوچھا۔

''پتا نہیں......!'' نشی تیز قدموں سے باہر نکل گئی۔ حاکم علی پھر قہقہے لگانے لگا۔

○ ○ ○

ذہنی انتشار نے اسے بیمار کر ڈالا تھا۔ صبح جب امی اسے ناشتے کے لیے بلانے آئیں تو وہ بخار میں بے سدھ پڑی تھی۔

''نور......! اُٹھو گی نہیں بیٹا......؟'' امی نے کہتے ہوئے کھڑکی سے پردے ہٹائے پھر اس کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہی پریشان ہو گئیں۔

''الٰہی خیر......! کیا ہوا میری بچی کو......؟ نور......! نور......!'' اسے ہلایا پھر بھاگ کر ڈیڈی کو بلا لائیں۔

''دیکھیں تو کتنا تیز بخار ہو رہا ہے اسے......!'' ڈیڈی نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا تو وہ بھی متوحش ہو گئے پھر پوچھنے لگے۔

''رات ٹھیک تھی......؟''

''ہاں......!بس سر درد کا کہہ رہی تھی، میں نے کہا بھی تھا کہ چائے کے ساتھ سر درد کی ٹیبلٹ لے لو لیکن......''

''میں نومی سے کہتا ہوں ڈاکٹر لے آئے۔'' ڈیڈی امی کی بات پوری ہونے سے پہلے کہتے ہوئے چلے گئے۔

''نور......!نور......!'' امی پھر اسے پکارنے کے ساتھ کبھی اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھتیں، کبھی اس کا بازو ہلاتیں۔ ان کی پریشانی میں اضافہ ہو رہا تھا پھر ڈاکٹر کے آنے تک انہوں نے کتنے جتن کر ڈالے لیکن نوریہ نے آنکھیں نہیں کھولیں۔ ڈاکٹر نے زیادہ تشویش ظاہر نہیں کی تھی یہی بتایا کہ سردی لگ جانے سے بخار ہوا ہے اسی حساب سے انجکشن لگایا اور دوائیں دے کر تاکید کی کہ پہلے اسے کچھ کھلا پلا دیا جائے۔

''کیسے کچھ کھلاؤں......؟ یہ اُٹھ ہی نہیں رہی......!'' ڈاکٹر کے جاتے ہی امی نے کہا۔

''چائے کے ساتھ بسکٹ لے آؤ......!میں اُٹھاتا ہوں اسے......!'' ڈیڈی انہیں بھیج کر نوریہ کے پاس بیٹھ گئے اور اسے پکارنے لگے۔

''نور......!نور بیٹا......!اُٹھو......!'' نوریہ نے کسمسا کر چہرہ دوسری طرف کر لیا۔

''نور بیٹا......!آپ کی امی پریشان ہو رہی ہیں، آنکھیں کھولو......!'' اب انہوں نے اس کا ہاتھ ہلا کر تیز آواز میں کہا۔ نوریہ نے ذرا سی آنکھیں کھولیں اور سامنے ڈیڈی کو دیکھ کر کچھ پریشان ہوگئی۔

''کیا ہوا ڈیڈی......؟''

''کچھ نہیں......!اُٹھو ناشتہ کرو......!'' ڈیڈی نے فوراً تشویش ظاہر نہیں کی اور وہ اُٹھنے کی سعی میں نڈھال ہوگئی۔

''نہیں اُٹھ سکتی ڈیڈی......!کمر میں درد ہو رہا ہے......!''

''عجیب فیشن ہیں......سردیوں میں بھی کھلے آسمان تلے بٹھا دیتے ہیں......یہ نہیں کہ گرم شال اوڑھا دیں۔'' ڈیڈی نے اس کے پیچھے تکیہ سیدھا کر کے اسے بٹھایا۔

امی چھوٹی ٹرے میں چائے کا کپ اور بسکٹ رکھ کر لے آئیں۔ ان کے پیچھے نعمان میڈیسن لئے آگیا اور کارنر ٹیبل پر رکھ کر بتانے لگا کہ کون سی دوا کس وقت دینی ہے۔

''یہ میڈیسن......؟'' وہ حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

''ہاں بیٹا......!ابھی ڈاکٹر صاحب آئے تھے، چلو پہلے آپ کچھ کھا لو......!'' ڈیڈی کہتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے تو امی ان کی جگہ بیٹھ گئیں اور اپنے ہاتھ سے اسے بسکٹ کھلاتے ہوئے بولیں۔

''پریشان کر دیا تم نے......!''

''جی......!'' وہ چونک کر امی کو دیکھنے لگی۔

''میں نے کیا کیا ہے......؟''

''ایک سو چار بخار ہو رہا ہے تمہیں......!رات میں نے کہا بھی تھا ٹیبلٹ لے لو......!اگر اس وقت لے لیتیں تو یہ حالت نہ ہوتی۔'' امی کی بات سن کر وہ خاموش ہوگئی۔

''بس......اب تم اسے پریشان نہ کرو......!'' ڈیڈی نے امی کو ٹوک دیا۔

''بیٹا......!آپ میڈیسن لے کر آرام کرو......!''

''نومی بیٹا......!تم جویریہ کو بلا لاؤ......!رات کے کھانے کا انتظام کرنا ہوگا۔ اس کے سسرال والے لینے آئیں گے تو......'' امی نعمان کو مخاطب کر کے بولیں تو ڈیڈی نے پھر ٹوک دیا۔

''نہیں......!اس حالت میں یہ نہیں جا سکتی۔ تم اس کی ساس کو فون کر کے کہہ دو کہ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

''تو وہ خود آکر دیکھ لیں گی......!میں انہیں آنے سے تو منع نہیں کر سکتی۔''

''آنے کو منع مت کرو اس کی طبیعت کا بتا دو......!'' ڈیڈی جھنجلاتے ہوئے چلے گئے۔

''ان مردوں کو کسی بات کا کچھ پتا نہیں ہوتا بس اپنی چلاتے ہیں۔ نومی......!تم اسے دوا دے دو۔ بیٹا......!میں ذرا فون کر لوں۔'' امی اُٹھ کر چلی گئیں، وہ گم صم بیٹھی تھی۔

''اے......!'' نعمان اس کے سامنے ہاتھ لہرا کر بولا۔

''تمہیں ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں ہے......؟'' وہ اسے دیکھنے لگی، بولی کچھ نہیں۔

''کیا سوچنے لگیں......!'' نعمان نے پھر ٹوکا۔

''کچھ نہیں......!تم جلدی دوا دو پھر میں لیٹوں گی، مجھ سے بیٹھا نہیں جا رہا۔'' وہ سر جھٹک کر بولی۔

''ہاں......!'' نعمان چیئر کھینچ کر بیٹھ گیا پھر ٹیبلٹ نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''ویسے تمہیں ہوا کیا ہے......؟''

''بخار......!ایک سو چار......!'' اس نے کہہ کر ٹیبلٹ منہ میں رکھ لی اور اس کے ہاتھ سے گلاس لے کر پانی سے نگل لی۔

''یہ تو مجھے بھی پتا ہے، ڈاکٹر کو میں ہی لے کر آیا تھا۔'' وہ اس کی ہتھیلی پر دوسری ٹیبلٹ رکھ کر بولا۔

''پھر......؟''

''پھر یہ کہ بخار کسی وجہ سے ہی ہوا ہوگا......؟'' وہ اب اسے دیکھ کر بولا۔

''تمہارے خیال میں کیا وجہ ہو سکتی ہے......؟'' وہ اُلٹا اس سے پوچھنے لگی۔

''میں کچھ نہیں کہہ سکتا......!''

''اور میرے پاس کہنے کو بہت کچھ ہے لیکن ابھی مجھ میں ہمت نہیں ہے، میں تھک گئی ہوں۔ تم پلیز......!جاؤ میں سوؤں گی۔'' اس کے لہجے میں عاجزی سمٹ آئی تھی۔

''اوکے......!'' وہ افسردگی سے مسکرایا پھر اُٹھ کر چلا گیا۔

"تیز بخار کے باعث واقعی اس کا بدن ٹوٹ رہا تھا۔ آنکھوں میں جلن اور سانسوں میں بے پناہ تپش تھی۔ سر بھی درد کر رہا تھا اس لیے اس نے کچھ بھی سوچنے سے گریز کیا اور کمبل اچھی طرح لپیٹ کر سو گئی۔ کچھ دوا کا اثر بھی تھا کہ جلدی نیند آ گئی۔

پھر وہ بہت دیر تک سوئی تھی۔ اس دوران یقیناً سب اس کے کمرے میں آئے گئے ہوں گے لیکن اسے کچھ خبر نہ ہوئی۔ وہ بہر حال جب اُٹھی اس وقت کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ پہلے اس نے لیٹے لیٹے ہی آس پاس دیکھا پھر اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ اب طبیعت قدرے بہتر لگ رہی تھی۔ بھوک کا احساس تو نہیں تھا البتہ چائے کی طلب ہو رہی تھی۔ وہ کسی کے اس طرف آنے کا انتظار کرنے لگی پھر تھک کر پیشانی گھٹنوں پر رکھ لی۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلنے کی آواز آئی تو اس نے بے اختیار سر اُونچا کیا۔

سامنے ہمایوں تھا۔ وہ بلا ارادہ اسے دیکھے گئی۔

"کیسی طبیعت ہے......؟" ہمایوں نے بیڈ کے قریب آ کر پوچھا۔ یکسر اجنبی انداز تھا۔ وہ کچھ نہیں بولی۔

"مجھے رات ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ آپ......" ہمایوں اُدھوری بات کر کے خاموش ہو گیا۔

"بیٹھ جائیں......!" اس نے چیئر کی طرف اشارہ کیا۔

"تھینک یو......!" وہ بیٹھ گیا تب وہ پوچھنے لگی۔

"کیسے آنا ہوا......؟"

"ظاہر ہے جب تک آپ میری منکوحہ ہیں تب تک تو آنا پڑے گا۔" ہمایوں نے ذرا سے کندھے اُچکا کر کہا۔

"جب تک...... گویا فیصلہ ہو چکا......!" اس نے دُکھ سے سوچا پھر تاسف سے بولی۔

"دُنیاداری کے لئے......!"

"ہوں......!"

"لیکن میں یہ سب نہیں کر سکتی...... نہ میں کروں گی۔" وہ صاف گوئی سے بولی۔

"کیا مطلب......؟" ہمایوں کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔

"پہلے آپ بتائیں کیا چاہتے ہیں......؟" اس نے بھی پیشانی پر شکنیں ڈال کر پوچھا۔

ہمایوں چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر کہنے لگا۔

"میں چاہتا ہوں کہ جب تک میں سچائی نہ جان لوں ہمیں دُنیاداری نبھانی پڑے گی کیونکہ فوراً کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس سے دونوں خاندان متاثر ہوں گے۔"

"میرے خاندان کو چھوڑیں، آپ صرف اپنی بات کریں۔" اس نے ٹوک دیا۔

"آپ جذباتی ہو رہی ہیں نوریہ......! ورنہ حقیقت یہ ہے کہ زیادہ متاثر آپ کے گھر والے ہوں

گے۔ یہ دوسری بات کہ آپ کو کسی پرواہ نہ ہو۔" ہمایوں نے اب قدرے دھیرج سے کہا۔

"میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتی۔" وہ ہنوز نروٹھی تھی۔

"ایز یو لائک......!" وہ کندھے اُچکا کر خاموش ہو گیا تو قدرے توقف سے وہ پوچھنے لگی۔

"آپ کا سردار حاکم علی کے ساتھ کیا رشتہ ہے......؟"

"کوئی رشتے داری نہیں ہے۔ میں ان کی فرم میں جی ایم کی پوسٹ پر ہوں اور میں آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ میں نے آپ کو ان کے گھر میں دیکھا تھا۔" ہمایوں نے جواب کے ساتھ جتا بھی دیا تو وہ کیونکہ آر یا پار سوچ چکی تھی، اس لیے بظاہر بے نیازی سے بولی۔

"دیکھا ہو گا......!"

"چلیں......! آپ یہ بتا دیں کہ آپ ان کے گھر کیا کرنے گئی تھیں......؟" ہمایوں اس کی بے نیازی سے بری طرح سلگ گیا تھا۔

"کوئی فائدہ نہیں......! آپ یقین نہیں کریں گے۔ یوں بھی ہمایوں......! مجھے صفائیاں پیش نہیں کرنیں، کیونکہ میں نے کوئی جرم نہیں کیا اور سچائی وہی ہے جو میں نے اوّلین لمحوں میں بیان کر دی تھی کہ ایک حادثے کے باعث میرا سردار حاکم علی سے سامنا ہوا۔ اس کے بعد سے وہ میرا تعاقب کر رہا ہے جبکہ میں نے ہمیشہ اسے منہ توڑ جواب دیا۔ اس بات کے گواہ کچھ اور لوگ بھی ہیں لیکن میں انہیں درمیان میں نہیں لاؤں گی۔ آپ چاہیں تو سردار حاکم علی کو میرے سامنے لے آئیں۔ پھر دیکھیں میں کیسے اس کے گریبان میں ہاتھ ڈالتی ہوں۔" تنفر سے بولتے ہوئے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ ہمایوں نے ہاتھ اُٹھا کر اسے روکنا چاہا لیکن وہ خاموش نہیں ہوئی۔

"میں تو رات بھی اس کا حلیہ بگاڑ سکتی تھی جب وہ مجھے کلوز فرینڈ کہہ رہا تھا۔ بس مہمانوں کا خیال کر کے مجھے ضبط کرنا پڑا لیکن آئندہ میں کسی کا خیال نہیں کروں گی۔"

"پلیز......! ریلیکس ہو جائیں......! آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" ہمایوں نے اب نرمی سے ٹوکا تو وہ ہونٹ بھینچ کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ کچھ وقت خاموشی کی نذر ہو گیا پھر ہمایوں نے پوچھا۔

"دوائی آپ نے......؟"

"ہوں......!" اس کا روٹھا انداز دل میں اُترنے والا تھا۔ ہمایوں کے چہرے پر بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی تب ہی دروازے پر پہلے دستک ہوئی پھر سب لڑکیاں اندر آ گئیں۔ ہمایوں کی بہن سعدیہ بھی تھی اور وہ سب سے پہلے بیڈ پر چڑھ کر اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔

"اللہ......! بھابی......! آپ بیمار کیوں ہو گئیں......؟ نظر لگی ہے آپ کو......! رات آپ اتنی پیاری جو لگ رہی تھیں۔"

"چلو......! پہلے اسے یہ کھلاؤ......!" جویریہ نے ٹرے سعدیہ کو تھماتے ہوئے کہا۔

''نہیں جو جی......! میں کچھ نہیں کھاؤں گی، بس مجھے چائے دے دو۔'' وہ جویریہ کو دیکھ کر بولی۔

''چائے بھی مل جائے گی، پہلے کچھ کھالو پھر تمہیں دوا بھی لینی ہے۔''

''سب بعد میں، پہلے چائے......!'' وہ منت سے بولی۔

''ہمایوں آپ ہی سمجھائیں اسے......!'' جویریہ نے ہمایوں سے کہا۔

''اونہہ......! جب یہ آپ کی بات نہیں مان رہیں تو میری کہاں سنیں گی......!'' ہمایوں نے خوبصورتی سے دامن بچایا۔

''آپ کہہ کر تو دیکھیں......!'' ردا اور مریم پیچھے پڑ گئیں۔

''چلیں نور......! پہلے کچھ کھالیں......!'' ہمایوں کے لہجے میں اچانک کیسا مان سمٹ آیا تھا اس کا دل ڈولنے لگا۔ پھر لاکھ اس نے اس کی نفی کرنی چاہی لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ سعدیہ نے نوالہ بنایا تو اس نے بے اختیار منہ کھول دیا۔

''دیکھا......!'' ردا اور مریم نے شرارت سے ہمایوں کو دیکھا تو وہ جھینپ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

''ارے......! آپ کہاں جارہے ہیں......؟ بیٹھیں میں چائے لا رہی ہوں۔'' جویریہ اس کے اُٹھنے پر فوراً بولی۔

''ہاں......! بیٹھیں ہمایوں بھائی......اور نہ یہ کھانا چھوڑ دے گی۔'' مریم نے بھی اسے روکنا چاہا۔

''نہیں چھوڑیں گی......!'' وہ کہہ کر چلا گیا کیونکہ اسے ڈر تھا کہ لڑکیوں کی چھیڑ چھاڑ سے کہیں اس کے منہ سے کوئی غلط بات نہ نکل جائے اور نور یہ سمجھ کر اندر ہی اندر جز بز ہونے لگی۔

''ہاں نور......! اب بتاؤ......ہنی مون پر کہاں جانے کا پروگرام بنا......؟'' ہمایوں کے جاتے ہی مریم نے اسے مخاطب کر کے پوچھا تو اس سے پہلے سعدیہ بول پڑی۔

''پہلے بھابی کی طبیعت تو ٹھیک ہوجائے......!''

''ہاں تو میں نے پروگرام پوچھا ہے اس پر عمل ظاہر ہے اس کی طبیعت ٹھیک ہونے کے بعد ہی ہوگا۔'' مریم کی بات پر سعدیہ خاموش ہوگئی۔

''بتاؤ نور......! کہاں کا پروگرام بنا......؟'' اب ردا نے پوچھا تھا۔

''کہیں کا نہیں......!'' اس نے سیدھے سادے انداز میں جواب دیا۔

''یعنی کوئی ملال نہیں تھا۔''

''کیوں......؟'' ردا اور مریم ایک ساتھ بولیں۔

''بھئی دیکھو......! میں اس وقت اپنی طبیعت کی وجہ سے سخت بے زار ہو رہی ہوں اس لئے مجھ سے کسی اچھے جواب کی توقع مت رکھو۔ پلیز جو جی......! مجھے چائے دے دو میرا سر پھٹا جارہا ہے۔'' آخر میں وہ جھنجلا گئی۔

''بس ابھی لائی......!'' جویریہ فوراً اُٹھ کر چلی گئی۔

''آپ لیٹ جائیں بھابی......! میں آپ کا سر دبا دیتی ہوں۔''

''ہاں نور......! لیٹ جاؤ......!'' ردا اور مریم بیڈ سے اُتر کر کھڑی ہوگئیں۔

''ارے نہیں......! تم لوگ بیٹھو میں چائے پی کر لیٹوں گی۔'' اس نے اپنے پیچھے تکیہ سیدھا کرتے ہوئے کہا پھر سعدیہ سے پوچھنے لگی۔

''امی بھی آئی ہیں......؟''

''جی......! میں انہیں لے کر آئی ہوں۔ کہہ رہی تھیں جب آپ اُٹھ جائیں تو میں انہیں بلالوں۔'' سعدیہ کہتے ہوئے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''عجیب سا لگ رہا ہے، مجھے ان کے پاس جانا چاہیے تھا۔'' وہ ایمانداری سے بولی۔

''آپ کی طبیعت جو ٹھیک نہیں ہے۔'' سعدیہ کہتی ہوئی چلی گئی تو مریم برا سا منہ بنا کر اس سے بولی۔

''بور کر کے رکھ دیا تم نے......!''

''میں جان بوجھ کر تو بیمار نہیں پڑی۔'' وہ روٹھے لہجے میں بولی۔

''لگتا ہے نیا گھر، نئے لوگ راس نہیں آئے......!'' ردا کا انداز چھیڑنے والا تھا پھر بھی وہ نظریں چرا گئی تھی۔



وہ دادی کی گود میں سر رکھے لیٹا تھا۔ دادی تسبیح پڑھنے کے ساتھ دھیرے دھیرے اس کے بالوں میں اُنگلیاں بھی پھیر رہی تھیں۔ پھر جب تسبیح پڑھ چکیں تب اس کا سر ہلا کر پوچھنے لگیں۔

''کیا بات ہے......؟'' اتنے چپ چپ کیوں ہو......؟''

''کس سے بات کروں......؟ آپ تو تسبیح میں لگی ہیں۔'' وہ ان کا ہاتھ تھام کر بولا۔

''پڑھ چکی، اب بولو......!'' دادی نے تسبیح اس کی آنکھوں کے سامنے لہرا کر ایک طرف رکھ دی۔

''کیا بولوں دادی......! مجھے تو آپ کی گود میں نیند آنے لگی تھی۔'' وہ جمائی لینے لگا۔

''چلو ہٹو......! نیند آرہی ہے تو اپنے کمرے میں جاؤ......!'' دادی نے اسے دھکیلنا چاہا لیکن وہ ذرا بھی نہیں ہلا، مزید آنکھیں بند کرلیں۔

''نومی......!'' دادی نے اس کے بال مٹھی میں جکڑ کر زور سے اس کا سر ہلایا۔

''اُٹھ کر بیٹھو......! مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے......!''

''کیا بات......؟'' وہ آنکھیں کھول کر انہیں دیکھنے لگا۔

''نور یہ کیسی ہے......! بخار اُترا کہ نہیں......؟'' دادی نے پوچھا۔ ان کے انداز میں جو تشویش تھی

اس سے وہ سمجھ گیا کہ وہ کیا جاننا چاہتی ہیں جب ہی ذہن کو تیار رکھ کر بولا۔

''بالکل تو نہیں اُترا کم ضرور ہو گیا ہے......!''

''بات وات کر رہی ہے......؟''

''جی......!''

''شادی سے خوش تو ہے ناں......؟'' دادی اصل میں شاید یہی پوچھنا چاہتی تھیں۔

''یہ تو میں نے اس سے نہیں پوچھا......!'' وہ بہت معصومیت سے بولا۔

''پوچھنے کی کیا بات ہے......! چہرے سے ہی پتا چل جاتا ہے۔'' دادی جھنجلا کر بولیں۔

''مجھے چہرے پڑھنے نہیں آتے۔ صبح وہ نیچے آئے گی تو آپ خود دیکھ لیجیے گا بلکہ آپ تو اس سے پوچھ بھی سکتی ہیں کہ وہ خوش ہے کہ نہیں۔'' وہ بظاہر سیدھے سادے انداز میں بول رہا تھا ورنہ خود اس کے اندر بھی تشویش تھی۔

''ہاں......!'' دادی جان کسی سوچ میں پڑ گئیں۔

وہ چند لمحے ان کے بولنے کا انتظار کر کے اُٹھ کھڑا ہوا۔

''بس......! زیادہ نہ سوچیں دادی......! سو جائیں آرام سے......!''

''ہیں......! تم کہاں جا رہے ہو......؟'' دادی نے چونک کر اسے دیکھا۔

''اپنے کمرے میں سونے جاؤں......؟'' اس نے بتا کر پوچھا۔

''ہاں......! یہ لائٹ بند کر دو اور دروازہ بھی بند کرتے ہوئے جانا۔'' دادی نے لیٹتے ہوئے کہا تو اس نے پہلے انہیں لحاف اوڑھایا پھر لائٹ آف کر کے کمرے سے نکل آیا۔

کوریڈور میں ٹھنڈک زیادہ تھی۔ اس نے دونوں بازو سینے پر لپیٹ لیے اور قدموں کی رفتار تیز کر کے اپنے کمرے میں جاتے ہوئے ایک دم سیڑھیوں کے پاس رُک گیا۔ سرد، خاموش رات میں سیڑھیوں کے وسط میں جلتا مدھم بلب بڑا خواب ناک منظر پیش کر رہا تھا۔ اس کا دل چاہا ایک ایک سیڑھی پر قدم رکھتا ہوا اُوپر جائے اور بس ایک نظر نوریہ کو دیکھ کر واپس لوٹ آئے۔ یہ کوئی عجیب خواہش نہیں تھی نہ ہی انہونی۔ لیکن اب وہ پرائی ہو چکی تھی اس لیے اپنی خواہش پر وہ افسردگی سے مسکرایا پھر سست روی سے چلتا ہوا اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہی ٹھٹک کر رُک گیا اور حیرتوں میں گھر کر بمشکل اس قدر کہہ سکا۔

''نور......! تم......!''

⊖ ⊖ ⊖

نوریہ سیاہ گرم شال لپیٹے اس کے بیڈ پر بیٹھی تھی۔ اسے دیکھ کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''نوریہ......!'' وہ دو قدم آگے آ کر بولا۔

''تم یہاں......! آئی مین......! تمہیں اس وقت یہاں میرے کمرے میں نہیں آنا چاہیے تھا۔''

''کیوں......؟''

''یہ ٹھیک نہیں ہے......! اگر کسی نے دیکھ لیا تو......'' اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیسے اسے دھکیل کر دروازہ بند کر دے۔

''کیسی باتیں کر رہے ہو نومی......! میں پہلی بار تو تمہارے کمرے میں نہیں آئی۔ ہمیشہ جب بھی نیند نہ آنے سے پریشان ہوئی تمہارے پاس چلی آئی اور پہلے تو کبھی تم نے نہیں ٹوکا۔'' وہ حیرت میں گھر کر بول رہی تھی۔

''پہلے کی بات اور تھی اب تمہاری شادی ہو چکی ہے۔'' وہ جھنجلایا کہ اسے کیسے سمجھائے۔

''تو کیا ہوا......؟ شادی ہو جانے سے پچھلے سارے رشتے ناطے ٹوٹ جاتے ہیں کیا......؟ نہیں نومی......! پرانے رشتے کبھی نہیں ٹوٹتے البتہ نئے رشتوں کا بھروسہ نہیں ہوتا، جانے ٹوٹ جائیں......!'' اس کے لہجے میں آزردگی سمٹ آئی تھی۔

''یہ...... یہ تم کیا کہہ رہی ہو......؟'' وہ اندر سے پریشان ہو گیا۔

''غلط تو نہیں کہہ رہی......!''

''اچھا بس......! زیادہ فضول بولنے کی ضرورت نہیں ہے، بیٹھنا چاہتی ہو تو بیٹھ جاؤ......!'' نعمان نے دو ٹوک کہا۔

''نہیں......! اگر تمہیں اچھا نہیں لگ رہا تو میں چلی جاتی ہوں۔'' وہ کہہ کر دروازے کی طرف بڑھی۔ لیکن نعمان سامنے آ گیا اور بے اختیار اس کے کندھے تھام کر بولا۔

''کبھی کبھی تم عاجز کر دیتی ہو۔ چلو بیٹھو اور بتاؤ......! نیند کیوں نہیں آ رہی......؟''

''میں...... میں بہت پریشان ہوں نومی......! میرے ساتھ اچھا نہیں ہوا'' اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تو نعمان پریشان ہو گیا۔

''رونا مت نور......! مجھے بتاؤ......! کیا بات ہے......؟ کیا اچھا نہیں ہوا......؟ بولو......!''

''اس لوفر کی وجہ سے......'' وہ ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑتے ہوئے ابھی اسی قدر بولی تھی کہ وہ بے صبری سے پوچھنے لگا۔

''کیا مطلب......؟ اس نے وہاں بھی تمہیں فون کیا تھا......؟''

''فون نہیں......! وہ خود آ گیا تھا۔ نومی......! ہمایوں جانتے ہیں اسے اور پہلے ہمایوں نے ہی مجھ سے اس کے بارے میں پوچھا کہ میں سردار کو کیسے جانتی ہوں......؟ وہ مجھے اس کے گھر میں دیکھ چکے تھے۔'' اس نے رُک رُک کر بتایا اور نعمان کا بچ بچ ذہن ماؤف ہو گیا۔ بس آنکھیں پھاڑے اسے دیکھے جا رہا تھا۔

''میں نے تمہیں بتایا تھا ناں کہ میں جب اس گھر میں گئی تھی تو وہاں دو آدمی تھے۔ ایک مجھے دیکھتے ہی چلا گیا تھا، وہی ہمایوں تھے، ہمایوں چغتائی! اس کی فرم میں کام کرتے ہیں اور شادی کی رات ہی اچانک انہیں یاد آ گیا کہ انہوں نے مجھے اپنے باس کے گھر میں دیکھا تھا۔'' وہ بتاتی چلی گئی۔

نعمان سنانے میں کھڑا تھا۔

''اب بتاؤ......! میں کیا کروں......؟ تمہیں پتا ہے مجھے جھوٹ اور منافقت سے نفرت ہے، میں ہرگز بھی پوز نہیں کر سکتی جبکہ ہمایوں کا کہنا ہے کہ وہ فوراً کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔'' اس نے مزید کہا تو اب نعمان کو جھٹکا لگا۔

''ک...... کیا مطلب......! کیسا فیصلہ......؟''

''مجھے نہیں پتا......!'' وہ اس کی غائب دماغی پر چڑ کر بولی۔

''اچھا......! یہاں بیٹھو......!'' نعمان نے اسے کندھوں سے تھام کر بٹھایا پھر دھیرج سے سمجھاتے ہوئے کہنے لگا۔

''دیکھو......! یہ ٹھیک ہے کہ تم ہمایوں کو جھٹلا نہیں سکتی تھیں کیونکہ انہوں نے خود تمہیں وہاں دیکھا تھا لیکن انہیں اصل بات تو بتاؤ کہ تم وہاں پہنچی کیسے......؟ بلکہ تم نے اسی وقت کیوں نہیں بتایا اسے......؟''

''کیونکہ انہیں یقین ہے کہ سردار کے پاس اچھی لڑکیاں نہیں جاتیں اور انہوں نے مجھے بھی ایسی ویسی لڑکی سمجھ لیا تھا اس لیے مجھے غصہ آ گیا اور میں نے صاف کہہ دیا کہ میں اپنی صفائی میں کچھ نہیں کہوں گی، جو پوچھنا ہے سردار سے جا کے پوچھیں اور وہ کیا پوچھیں گے جب سردار نے ہی ان کے سامنے مجھے اپنی کلوز فرینڈ کہہ دیا۔ اس کے بعد تو انہیں اور یقین ہو گیا ہو گا کہ میں......'' بولتے ہوئے اس کے لہجے سے غصہ ظاہر ہو رہا تھا اور آخر میں تو یوں جیسے وہ پھٹ پڑنے کو تھی کہ جب ہی نعمان نے ٹوک دیا۔

''ریلیکس......! ریلیکس......! میں کچھ سوچتا ہوں۔'' وہ ٹہلنے لگا۔

نوریہ کی نظریں اس کے ساتھ ساتھ حرکت کر رہی تھیں۔

''ایسا کرتے ہیں......!'' کچھ دیر بعد نعمان رُک کر خود کلامی کے انداز میں بولا۔ پھر اسے دیکھ کر کہنے لگا۔

''میرا خیال ہے میں ہمایوں سے بات کرتا ہوں، میں انہیں بتاؤں گا کہ تم وہاں کیسے گئی تھیں۔''

''نہیں......! تمہیں ہمایوں سے بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے سختی سے منع کیا۔

''کیوں......؟''

''بس نہیں......!'' وہ غصے سے بولی۔

''لیکن نور......! ایسے تو مسئلہ حل نہیں ہو گا۔ ضد اور غصے میں تو بات اور بگڑتی چلی جائے گی اور اپنے طور پر تو شاید تم نے بگاڑ بھی لی، وہ تو ہمایوں سمجھدار ہیں جو فوری اقدام سے گریز کر رہے ہیں۔'' نعمان نے دھیرج سے ٹوکتے ہوئے کہا۔ وہ منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے لگی۔

''دیکھو......! شادی کوئی گڑیا گڈے کا کھیل نہیں ہے کہ آج ہوئی، کل ختم......! تمہیں جوش سے نہیں ہوش سے کام لینا ہے۔ اگر تم یہ چاہ رہی ہو کہ ہمایوں خود سے حقیقت جان لیں تو پھر انہیں جان لینے دو۔ لیکن یہ فوراً نہیں ہو سکتا، وقت لگے گا اس میں کیونکہ وہ سردار حاکم کو زیادہ جانتے ہیں اور سردار یہ دعویٰ کر گیا ہے کہ تم اس کی کلوز فرینڈ ہو۔ معاف کرنا نور......! اگر ہمایوں کی جگہ میں ہوتا تو ایسی صورت حال میں میری نظروں میں بھی تم ہی مشتبہ ٹھہرتیں۔

''تمہارا دماغ خراب ہے......! میں خوامخواہ تم سے مشورہ کرنے آ گئی۔'' وہ ناراضگی سے اُٹھ کر جانے لگی لیکن نعمان نے اس کا ہاتھ کھینچ کر بٹھا دیا۔

''میرا نہیں تمہارا دماغ خراب ہے جو صرف اپنا سوچ رہی ہو اور کسی کا خیال ہی نہیں۔ پتا ہے ابھی دادی مجھ سے کیا پوچھ رہی تھیں......؟ نوریہ کو بخار کیوں ہوا......؟ وہ شادی سے خوش ہے کہ نہیں......؟ ذرا جا کر دیکھو کتنی فکر مند ہیں وہ......!'' نعمان دبے لہجے میں غصے کا اظہار کر رہا تھا۔

''تو میں انہیں چند دن کی خوشی کیوں دوں......؟ آخر کو یہی ہونا ہے۔'' وہ تڑخ کر بولی۔

''کچھ نہیں ہو گا......! انشاء اللہ......! سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ہمایوں اگر سردار حاکم کو قریب سے جانتے ہیں تو وہ جلد ہی یہ بھی جان جائیں گے کہ وہ کتنا جھوٹا اور مکار ہے۔ تم خدا کے لیے منفی انداز سے مت سوچو......!'' نعمان نے آخر میں اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔

''میں کیا کروں......؟ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔'' وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی۔

''مائی گاڈ......! روتی کیوں ہو......؟'' وہ جھنجلا گیا۔

''تو اور کیا کروں......؟ تم لوگوں کے نزدیک میری کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔ یعنی میں ہمایوں کے

گھر میں رہ کر اس دن کا انتظار کروں کہ کب میری پارسائی کا تعین کر کے وہ مجھے اپناتے ہیں یا دوسری صورت میں کب مجھے ویسے نکالا ملتا ہے۔ نہیں نومی......! میں ایسی گری پڑی نہیں ہوں اس سے پہلے کہ ہمایوں مجھے اپنانے یا رجیکٹ کرنے کی بات کریں میں انہیں ہزار بار رجیکٹ کرتی ہوں۔ کہہ دینا تم سب سے کہ مجھے دوبارہ اس گھر میں نہیں جانا، بس یہ میرا فیصلہ ہے۔'' وہ غصے میں بولتی ہوئی حتمی فیصلہ سنا کر بھاگتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔ نعمان سناٹے میں کھڑا رہ گیا۔

○○○

ہمایوں جب سے نوریہ کے پاس سے ہو کر آیا تھا تب سے ذہنی کشمکش کا شکار تھا۔ یعنی وہ لڑکی نہ تو سردار حاکم علی سے خائف تھی نہ اسے آئندہ کا کوئی خوف تھا اور ایسا تو جب ہوتا ہے جب انسان اپنے ضمیر کی عدالت میں سرخرو کھڑا ہو۔ پھر کل جس طرح وہ غصے میں بولتی چلی گئی تھی کہ سردار حاکم علی اس کا تعاقب کرتا رہا ہے اور وہ اسے منہ توڑ جواب دیتی رہی ہے تو اس وقت ہمایوں کو یہی لگا تھا جیسے وہ سچ کہہ رہی ہو۔ اس کے اندر کوئی ڈر خوف نہیں تھا اور نہ وہ دُنیا دکھاوے کو منافقت پر آمادہ تھی۔ بہر حال نوریہ کے روّیے نے ہمایوں کو سوچنے پر مجبور کر دیا تھا لیکن مسئلہ وہی تھا کہ وہ سردار حاکم علی کو بھی قریب سے جانتا تھا اس لیے اس کا ذہن بار بار بھٹک جاتا۔ یعنی نوریہ کا یقین کرتے کرتے اچانک سردار حاکم کو سوچنے لگتا تو پھر نوریہ پر سے اعتبار اُٹھنے لگتا۔ عجیب صورت حال تھی۔ متضاد سوچوں کے باعث اس کا ذہن بری طرح متاثر ہو رہا تھا۔ اس وقت ناشتے کی ٹیبل پر وہ ذہنی طور پر حاضر نہیں تھا۔ اس کی امی نے ایک دو بار جانے کیا کہا۔ اس نے سنا ہی نہیں تب سعدیہ شوخی سے اسے مخاطب کر کے بولی۔

''بھائی......! امی کچھ کہہ رہی ہیں۔''

''کیا......؟'' اس نے چونک کر پہلے سعدیہ پھر امی کو دیکھا۔

''میں یہ کہہ رہی ہوں بیٹا......! کہ آج نوریہ کو لے آؤ......!'' امی نے کہا تو وہ بہت سنبھل کر بولا۔

''جی امی......! ابھی تو میں آفس جا رہا ہوں۔''

''آفس جاؤ گے......؟'' امی نے تعجب کا اظہار کیا شاید اس لیے کہ آج اس کی شادی کو تیسرا دن تھا۔

''جی......! پہلے ایکسیڈنٹ کی وجہ سے بھی تو کتنی چھٹیاں ہو گئی تھیں اب مزید نہیں کر سکتا۔'' اس نے کہتے ہوئے اپنی ریسٹ واچ پر ٹائم دیکھا۔

''اچھا......! تو پھر شام میں واپسی پر اسے لیتے آنا۔ آس پاس کی خواتین خاص طور سے دُلہن دیکھنے آتی ہیں۔ اگر اس کی طبیعت ٹھیک نہ ہو تب بھی لے آنا، یہیں ڈاکٹر کو دکھا دیں گے۔'' امی نے اس کے عذر کو اہمیت نہ دیتے ہوئے کہا۔

''جی بہتر......!'' وہ جز بز ہوتا اُٹھ کھڑا ہوا۔

''میں چلتا ہوں......!''

''اچھی بات ہے......!''

''خدا حافظ......'' وہ باہر نکل آیا تو نئی پریشانی ساتھ تھی کہ نوریہ کو کیسے لائے گا......؟ کیونکہ وہ صاف لفظوں میں کہہ چکی تھی کہ وہ دنیا دکھاوے کو پوز نہیں کر سکتی اور نہ کرے گی۔

''عجیب مشکل ہے......!'' وہ واقعی خود کو مشکل میں محسوس کر رہا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کرے۔ اتنے دنوں بعد آفس آیا تھا کام بھی بہت جمع ہو گیا تھا۔ کتنی دیر فائلوں کو اُٹھاتا اور پٹختا رہا پھر کمپیوٹر آن کیا تھا کہ سردار حاکم علی کا بلاوا آ گیا۔ وہ فوری طور پر وہ کچھ سوچ ہی نہیں سکا بس اُٹھ کر چل پڑا اور ہمیشہ کی طرح سردار حاکم کے کمرے میں داخل ہو کر سلام کیا تو جواب میں وہ خوش دلی سے بولا۔

''ویلکم مسٹر چغتائی......! کیسے ہیں آپ......؟''

''فائن......! تھینک یو......!'' وہ زبردستی مسکرایا۔

''بہت جلدی آفس آ گئے آپ......! آئی مین شادی کے بعد......؟'' سردار حاکم نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے یوں کہا جیسے ''اتنی جلدی دُلہن سے اُکتا گئے۔''

''بس سر......! اصل میں پہلے بھی تو اتنے دن چھٹی پر رہا ہوں ایکسیڈنٹ کی وجہ سے۔''

''ہاں......! کافی نقصان ہو گیا۔ خیر......! کوئی بات نہیں آپ آ گئے ہیں تو مجھے اُمید ہے سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' حاکم علی نے نقصان جتا کر فراخ دلی کا مظاہرہ کیا۔

''جی......! میں کوشش کروں گا کہ جلدی سارے نقصان کی تلافی ہو جائے۔''

''گڈ......! اور ہاں......! آپ کو یاد ہے میں نے آپ کے ساتھ ایک پروجیکٹ ڈسکس کیا تھا، وہ بنگلے والا......!'' حاکم علی نے یاد دلایا تو وہ سوچتے ہوئے انداز میں بولا۔

''یس سر......! میں نے آرکیٹکٹ سے بات کر لی تھی، کیا اس پر فوری کام شروع کرنا ہے......؟''

''اگر میں آرکیٹکٹ کے کام سے مطمئن ہو گیا تب......! آپ اسے نقشہ ڈیزائن کرنے کا کہہ دیں باقی کام ڈیزائن دیکھنے کے بعد، اوکے......!''

''جی بہتر ہے......!'' وہ اُٹھ کھڑا ہوا تو حاکم علی جیسے اچانک یاد آنے پر کہنے لگا۔

''ہاں مسٹر چغتائی......! اصل بات تو میں بھول ہی گیا......! میں آپ کو ڈنر پر انوائٹ کرنا چاہ رہا ہوں......! آپ کی شادی کا ڈنر......! آج رات ٹھیک رہے گا......؟''

ہمایوں کے لیے یہ لمحات بڑے کٹھن تھے۔ اگر سامنے بیٹھا شخص اس کا باس نہ ہوتا تو وہ صاف منع کر دیتا اور ہامی تو وہ کسی صورت نہیں بھرنا چاہتا تھا جب ہی بہت سنبھل کر بولا۔

''سوری سر......! آج ہم کہیں اور انوائٹ ہیں......!''

''چلیں......! ویک اینڈ پر رکھ لیتے ہیں، اوکے......!'' حاکم علی کے ہونٹوں پر شاطرانہ مسکراہٹ

تھی۔

''جی......!'' ہمایوں اس کے کمرے سے نکلا تو دل چاہا آفس سے ہی نکل جائے۔ کتنی دیر لابی میں کھڑا رہا پھر سست روی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔

○○○

نشی اپنے دل سے مجبور تھی گو کہ سردار حاکم علی کا تمنائی نہیں تھا لیکن اس سے دور ہونے پر بھی آمادہ نہیں تھا اور اس کے معاملے میں اپنے دل کی بے اختیاری پر اب وہ کڑھنے لگی تھی۔

''میں کیوں اس کے پاس جاتی ہوں......؟ کیوں......؟ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ کتنا فلرٹ اور کتنا گرا ہوا ہے اور اب تو وہ حد سے گزر گیا ہے۔ کتنے آرام سے دوسروں کی زندگیاں تباہ کرنے پر تلا ہے۔ اس کے اندر ذرا بھی خدا کا خوف نہیں ہے۔ پتا نہیں کیسا شخص ہے......؟ سمجھانے کا بھی اثر نہیں ہوتا۔ شاید اس کے اندر احساس نام کی کوئی چیز ہی نہیں ہے۔ بہر حال میں اب اس سے نہیں ملوں گی جب تک وہ اپنی گھناؤنی حرکتوں سے باز نہیں آ جاتا۔ میں اس کے پاس نہیں جاؤں گی۔'' نشی نے خود کو باور کراتے ہوئے راؤنڈ اباؤٹ سے گاڑی موڑ لی۔ وہ یونہی بے مقصد سڑکوں پر دوڑا رہی تھی۔ ذہنی انتشار اسے یونہی بے چین کرتا تھا۔ کبھی وہ بالکل تنہا ہو جانا چاہتی اور کبھی بھیڑ میں گم۔ اسی طرح بھٹکتے بھٹکتے آخر تھک کر وہ اس شخص کے سامنے جا کھڑی ہوتی جس کے پاس نہ جانے کی قسمیں کھا رہی ہوتی تھی۔

لیکن اس وقت وہ مکمل طور پر اس کی نفی کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ جہاں دیکھتی کہ یہ راستہ اس کے گھر کی طرف جاتا ہے وہیں گاڑی موڑ لیتی۔ پچھلے دو گھنٹوں سے وہ یہی کر رہی تھی اور جب تھک گئی تو گاڑی پارک کر کے شاپنگ مال میں داخل ہو گئی۔ گو کہ اسے کچھ خریدنا نہیں تھا بس اپنا دھیان بٹانے کی خاطر شو کیسوں میں سجی اشیاء دیکھتی پھر آگے بڑھ جاتی اور جب یہاں سے اکتا کر نکل رہی تھی کہ سونیا سے سامنا ہو گیا۔

''ہائے......!'' سونیا نے باقاعدہ اس کا راستہ روک لیا اور قدرے طنزیہ پوچھا۔

''اکیلی نظر آ رہی ہو......؟''

''میں اکیلی ہی ہوتی ہوں......!'' وہ سمجھ گئی سونیا کا اشارہ سردار حاکم کی طرف ہے، جب ہی زور دے کر بولی۔

''اور تمہارا سردار کہاں ہے......؟'' سونیا پھر بھی باز نہیں آئی۔

''سردار کسی کا نہیں ہے سونیا......! یہ تم بھی اچھی طرح جانتی ہو......!'' وہ برا مانے بغیر بولی۔

''ہاں......!'' سونیا نے گہری سانس کھینچی پھر کہنے لگی۔

''اگر تم جلدی میں نہیں ہو تو چلو وہاں کیفے میں بیٹھتے ہیں۔''

''چلو......!'' وہ تو یوں بھی خود سے فرار چاہ رہی تھی جب ہی سونیا کے ساتھ کیفے میں آ بیٹھی اور بلا

ارادہ ہی فوراً پوچھ گئی۔

''تم امریکا کب جا رہی ہو......؟''

''نیکسٹ ویک......! میری سیٹ کنفرم ہو گئی ہے۔'' سونیا نے بتا کر کافی کا مگ ہونٹوں سے لگا لیا اور بے نیاز نظر آنے کی کوشش کرنے لگی لیکن اس کی آنکھوں سے بے چینی اور دکھ صاف چھلک رہا تھا۔

پھر ایک دم مگ رکھ کر اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''سنو نشی......! ایک بات کہوں......! برا مت ماننا......! سردار کی دوستی چھوڑ دو......! وہ اچھا آدمی نہیں ہے۔''

''میں جانتی ہوں......!'' وہ بھی دکھ سے بولی۔

''پھر کیوں اس سے ملتی ہو......؟ مت ملا کرو ورنہ وہ تمہیں بھی میری طرح تباہ کر دے گا۔'' سونیا کا انداز جھنجوڑنے والا تھا۔

''ابھی تو وہ کسی اور کو تباہ کرنے پر تلا ہے۔'' اس کے لہجے میں دکھ کے ساتھ تاسف بھی سمٹ آیا تھا۔

''کسے......؟''

''تم نہیں جانتیں اسے......! انور نام ہے اس کا۔ خیر چھوڑو......! یہ بتاؤ تمہارا بچہ کیسا ہے......؟'' اس نے موضوع بدلا۔

''ٹھیک ہے......! مزے میں ہے کیونکہ ابھی اسے نہیں معلوم کہ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے......؟ وہ تو جب بڑا ہو گا تب اپنی اصلیت جان کر خود اپنے وجود سے شرمندہ ہو گا۔'' آخر میں سونیا کے ہونٹوں پر طنز بھری ہنسی ابھری تھی۔

''تو کیا تم اسے......'' وہ جانے کیوں سہم گئی تھی۔

''ہاں......! میں اسے سب کچھ بتا کر دھتکار دوں گی۔ پھر وہ جانے اور اس کا باپ......!'' سونیا کے اندر انتقامی آگ سلگ رہی تھی جس کی تپش اس کے لہجے سے ظاہر ہو رہی تھی۔

''نہیں سونیا......! یہ زیادتی ہوگی، آئی مین سردار کے کیے کی سزا اس کے بچے کو دینا ٹھیک نہیں ہے۔'' وہ اپنی نرم دلی سے مجبور ہو کر بولی۔

''چلو......! تم یہ مانتی ہو کہ وہ سردار کا بچہ ہے......!'' سونیا ذرا سا ہنسی۔

''صرف سردار کا ہی نہیں تمہارا بھی......! تمہیں اس کے لیے صرف ماں بن کر سوچنا چاہیے اور میں سمجھتی ہوں ماں اپنے بچے کے لیے ہمیشہ اچھا ہی سوچتی ہے۔'' اس نے کہا تو سونیا ہاتھ اٹھا کر بولی۔

''سنو نشی......! میں اس سلسلے میں کوئی لیکچر نہیں سن سکتی۔ ماں، ماں، ماں......! ساری ذمے داریاں ماں ہی کے کھاتے میں کیوں ڈالی جاتی ہیں......؟ باپ آرام سے بری الذمہ کیوں ہو جاتا

ہے......؟ بچہ دونوں کے باہمی تعلق سے ہی وجود میں آتا ہے۔"

"تمہاری بات ٹھیک ہے لیکن......"

"بس......! جب میری بات ٹھیک ہے تو پھر لیکن ویکن کا سوال مت اُٹھاؤ......!" سونیا نے اسے ٹوک دیا تو وہ جزبز ہو کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"تم شاید برا مان گئیں......!" سونیا نے پھر اسے ٹوکا۔

"نہیں......! میں تمہاری کیفیت سمجھتی ہوں، بس مجھے اس بچے پر ترس آ رہا ہے۔" اس نے صاف گوئی سے کہا پھر پوچھنے لگی۔

"تم بچے کو اپنے ساتھ لے جا رہی ہو......؟"

"نہیں......!" سونیا نفی میں سر ہلانے لگی۔

"پھر......؟ آئی مین......! تمہارے پیرنٹس کے پاس رہے گا......؟"

"نہیں......! یتیم خانے میں ڈال جاؤں گی۔" سونیا نے جتنے آرام سے کہا وہ اسی قدر شاکڈ ہوئی تھی۔ الفاظ حلق میں اٹک گئے جبکہ نظروں میں وہ گول مٹول خوبصورت سا بچہ آ سمایا تھا۔

"مجھے یہی کرنا چاہئے نشی......! یہی کروں گی۔ میں لوئر کلاس کی کوئی عام سی لڑکی نہیں ہوں جو بچہ چھاتی سے چمٹائے رکھوں اور اس کی آبیاری میں خود پر زندگی کے دروازے بند کر دوں، نہیں......! میں اپنی زندگی جیوں گی۔" سونیا بولے جا رہی تھی اور وہ ساکت بیٹھی اسے دیکھے گئی۔

"نئی زندگی میری منتظر ہے۔ امریکا میں میرا سیکنڈ کزن کتنی بار مجھے پرپوز کر چکا ہے۔ میں اسی کے پاس جا رہی ہوں۔ وہاں اس سے شادی کر لوں گی اور یہ تم سردار کو بتا دینا لیکن اسے بچے کے بارے میں مت بتانا، سن رہی ہو ناں......!" سونیا نے آخر میں اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا۔

"ہاں......!" اس کے سینے سے ہاں کی صورت گہری سانس خارج ہوئی پھر پوچھنے لگی۔

"سردار کو بچے کے بارے میں کیوں نہ بتاؤں......؟"

"جب وہ اسے تسلیم ہی نہیں کرتا تو پھر بتانے کا فائدہ......؟ تم بس قدرت کے کھیل دیکھو......! سردار حاکم علی کا بچہ یتیم خانے میں پلے گا، ہاہا......!" سونیا کی آنکھیں آنے والے کسی وقت کو سوچ کر چمک اٹھیں۔

"سونیا......!" وہ ایک دم اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

"ایسا مت کرو پلیز......! اگر تمہیں اور سردار کو بچے کی ضرورت نہیں ہے تو اسے مجھے دے دو۔"

"کیا......؟" سونیا نے ایک جھٹکے سے اپنے ہاتھ چھڑائے۔

"ہاں سونیا......! پلیز......! بچے کو اپنے انتقام کی بھینٹ مت چڑھاؤ۔" وہ منت سے کہنے لگی۔

"پھر تمہیں کیا فرق پڑتا ہے......؟ بچہ یتیم خانے میں رہے یا میرے پاس......!"

"مجھے تو واقعی فرق نہیں پڑتا لیکن تمہیں ضرور فرق پڑے گا۔" سونیا نے کندھے اُچکا کر کہا۔

"مجھے...... مجھے کیا فرق پڑے گا......؟" وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"کیوں نہیں......! تم اَن میرڈ ہو......! لوگوں کو اس کے بارے میں کیا بتاؤ گی اور جب تمہاری شادی ہو گی تب اس بچے کا کیا کرو گی......؟ نہیں......! تم خوامخواہ جذباتی ہو رہی ہو۔" سونیا نے اسے سمجھا کر ٹوکا بھی۔

"میں جذباتی نہیں ہو رہی سونیا......! بس تم بچہ مجھے دے دو۔" اس نے جیسے ایک دم فیصلہ کر لیا۔

"اور جیسا تم چاہتی ہو میں سردار کو اس کے بارے میں نہیں بتاؤں گی۔ باقی ساری ذمے داری میری ہے۔" سونیا اس پر نظریں جما کر آہستہ آہستہ نفی میں سر ہلانے لگی۔

"پلیز سونیا......!"

"احمقانہ باتیں مت کرو نشی......! خوامخواہ اپنے لیے مسائل کھڑے کرو گی اور پھر تم اس بچے کا کرو گی کیا......؟" سونیا اس کی منت سے جھنجلا گئی تھی۔

"کچھ بھی کروں......! بس تم اسے مجھے دے رہی ہو، اگر تم نہیں دو گی تو جس یتیم خانے میں ڈالو گی میں وہاں سے لے آؤں گی۔" اس کے حتمی انداز پر سونیا نے کندھے اُچکائے پھر پوچھنے لگی۔

"اپنے ممی ڈیڈی سے کیا کہو گی......؟"

"یہ میرا مسئلہ ہے......!"

"اچھا......! یہ تو بتا دو کہ تم اسے کیوں لینا چاہتی ہو......؟ صرف بچے سے ہمدردی یا اس کے باپ......" سونیا نے معنی خیز انداز میں بات اُدھوری چھوڑ دی تو وہ جزبز ہوتی اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"چلو......! میں ابھی تمہارے ساتھ چل رہی ہوں۔"

"ارے......! تم تو واقعی سنجیدہ ہو لیکن میں پھر کہوں گی کہ اچھی طرح سوچ لو......! دیکھو تم غلطی کر رہی ہو نشی......!" سونیا اس کے ساتھ چلتے ہوئے بولے جا رہی تھی۔

اور وہ جو فیصلہ کر چکی تھی اس سے ہٹنے کو تیار نہیں تھی۔

○○○

بے بے کو اب تشویش ہونے لگی تھی کہ حاکم علی جو شادی کر کے گیا تھا ایک مہینا ہونے کے بعد بھی لوٹ کر آیا تھا نہ فون کرتا تھا۔ جبکہ ان کے خیال میں تو اب اسے بھاگ بھاگ کر آنا چاہیے تھا کیونکہ یہاں اس کی دُلہن تھی اور اولین دنوں میں تو بندے کو دُلہن کے علاوہ اور کچھ یاد ہی نہیں رہتا۔ پھر حاکم علی کیسے بھلائے بیٹھا تھا، یہ واقعی تشویش کی بات تھی۔ پہلے انہوں نے چاندنی سے پوچھا کہ حاکم کا فون تو نہیں آیا اور اس کے انکار پر سردار ہاشم علی کے پاس آ بیٹھیں اور بغیر تمہید کے کہنے لگیں۔

"حاکم کو گئے ایک مہینے سے زیادہ ہو گیا ہے۔ کوئی خیر خبر ہی نہیں اس کی، فون بھی نہیں آیا۔"

''مصروف ہوگا......!'' سردار ہاشم علی نے محض ان کے اطمینان کو سرسری انداز میں جواب دیا۔

''پہلے بھی مصروف ہوتا تھا۔ اب ایسی کون سی مصروفیت آ گئی ہے جو فون کرنے کی فرصت بھی نہیں ملتی اسے۔'' بے بے کو ان کا سرسری انداز نہیں بھایا تھا۔ ناراضگی سے بولیں۔

''تو تو آپ کر......! اس کے انتظار میں کیوں بیٹھی ہے کہ وہی فون کرے......؟'' سردار ہاشم علی نے کہا تو وہ ہنوز ناراضگی سے بولیں۔

''مجھے نہیں آتا فون ملانا......!''

''چاندنی سے کہہ......! اسے تو آتا ہے اور کیا پتا وہ چاندنی کو فون کرتا ہو......! تو خوامخواہ پریشان ہو رہی ہے۔'' سردار ہاشم علی غالباً ابھی اس مسئلے میں اُلجھنا نہیں چاہتے تھے۔

''پریشانی کی بات ہے......! وہ چاندنی کو بھی فون نہیں کرتا...... میں نے پوچھا ہے اس سے...... اور ابھی تو میں نے پوچھا ہے کل کو وہ مجھ سے پوچھے گی۔'' بے بے نے اپنی بات پر زور دے کر کہا۔ گویا انہیں احساس دلانے کی کوشش کی۔ انہیں احساس تو تھا پھر بھی تیز لہجے میں بولے۔

''کیا......! کیا پوچھے گی چاندنی......!''

''یہی کہ دو دن کی بیاہی کو چھوڑ کر کہاں چلا گیا اس کا خاوند......!'' بے بے کا انداز اب سوچتا ہوا تھا۔ جیسے اپنے آپ سے بول رہی ہوں۔

''اب نہیں وہ کہیں گیا۔ پہلے سے وہیں رہ رہا ہے اور تجھے پتا تو ہے وہ گاؤں میں نہیں رہ سکتا۔ انگلینڈ سے آیا ہے۔ اب گاؤں اچھا نہیں لگتا اسے۔'' سردار ہاشم علی نے قدرے جھنجلا کر کہا تھا بے بے اچنبھے سے بولیں۔

''تو کیا بیوی بھی اچھی نہیں لگتی اسے......؟''

''یہ میں نے کب کہا......؟'' سردار ہاشم علی نظریں چرا گئے، پھر سمجھانے لگے۔

''دیکھ......! خوامخواہ وہم نہ کیا کر......! مجھے پتا ہے حاکم علی کا۔ شہر میں بڑا کاروبار پھیلایا ہوا ہے اس لیے...... پھر میں اگلے ہفتے چکر لگاؤں گا اس کے پاس، تو فکر نہ کر......!''

''فکر تو رہتی ہے......!'' بے بے بڑبڑاتی ہوئی ان کے پاس سے اُٹھ کر آئیں تو آگے چاندنی منتظر کھڑی تھی کیونکہ بے بے نے پہلے اس سے حاکم علی کے فون کا پوچھا تھا جب ہی اسے کھوج لگ گئی تھی۔

''کیا ہوا بے بے......! کیا کہہ رہے ہیں بابا......؟ ان کے پاس فون آیا......؟''

''ہاں......! آیا تھا......!'' بے بے کو اس کا دل رکھنے کی خاطر جھوٹ بولنا پڑا۔

''کیا بات ہوئی......! کب آ رہا ہے حاکم......؟'' اب تو وہ براہِ راست پوچھ سکتی تھی پھر بھی جھجک گئی۔

''ابھی تو تیرے بابا جا رہے ہیں اگلے ہفتے۔ شاید ان کے ساتھ آ جائے۔ کاروبار بھی تو اتنا پھیلا لیا ہے اس نے۔'' بے بے سردار ہاشم علی کی باتیں دہراتے ہوئے ان ہی کی طرح نظریں چرانے لگی تھیں۔ پھر اپنی چادر اُٹھا کر بولیں۔

''میں مرشد سائیں کے پاس جاتی ہوں، تو بھی چل......!''

''میں......؟'' چاندنی کشمکش میں پڑ گئی۔

''چلی چل ناں......! دُعا بھی لے لینا......!'' بے بے نے اصرار کیا۔

''اچھا......! چلتی ہوں......!'' وہ بھاگ کر اپنی چادر اُٹھا لائی اور راستے میں کہنے لگی۔

''بے بے......! مرشد سائیں سے تعویز لے لینا......!''

''کس لیے......؟''

''حاکم کے لیے کہ وہ شہر چھوڑ کر یہاں آ بسے......!'' اس نے کہا تو بے بے دھیرج سے بولیں۔

''ناں......! میں نے ایک بار پہلے کہا تھا مرشد سائیں سے، انہوں نے منع کر دیا، کہنے لگے جہاں انسان کا دانہ پانی لکھا ہوتا ہے وہ وہیں رہتا ہے۔ زبردستی بلانا اچھا نہیں ہوتا۔''

''تو پھر اب آپ ان سے کیا کہنے جا رہی ہو......؟'' چاندنی مایوس ہوئی تھی۔

''دُعا کے لیے کہوں گی......!'' بے بے نے کہا تو وہ خاموش ہو رہی اور مرشد سائیں کے سامنے جا کر بھی خاموشی سے سر جھکا کر بیٹھ گئی۔ بے بے ہی ان سے حال احوال کہتی رہیں پھر آخر میں اس کی طرف اشارہ کر کے بولیں۔

''بیاہ تو کر دیا ہے اس کا...... پر حاکم اسے ساتھ نہیں لے گیا۔''

''کیوں......؟'' مرشد سائیں اسے دیکھنے لگے۔

''کہہ رہا تھا وہاں کام زیادہ ہے، یہ گھر میں اکیلی نہیں رہ سکتی اس لیے یہیں چھوڑ گیا۔''

''یہ غلط بات ہے......! شادی کی ہے تو ذمے داری بھی نبھائے، اس کا یہاں رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ اب حاکم آئے تو اسے اس کے ساتھ بھیجنا، سمجھیں......!'' مرشد سائیں نے جانے یہ بات کس خیال کے تحت کہی تھی وہ بہرحال خوش ہوگئی کیونکہ جانتی تھی کہ بے بے اور بابا بھی ان کی بات رد نہیں کر سکتے۔

''اگر حاکم لے جانے پر تیار نہ ہو تو ہاشم علی سے کہنا اسے اس کے پاس چھوڑ آئے۔'' مرشد سائیں پھر زور دے کر بولے۔

''جو حکم سائیں......!'' بے بے ہاتھ جوڑ کر بولیں پھر اسے اشارہ کر کے اُٹھ کھڑی ہوئیں تو وہ اسی خاموشی سے ان کے ساتھ حجرے سے باہر نکل آئی۔

''تو بھی کچھ بولا کر......! ایسے گونگی بن کے بیٹھ جاتی ہے۔'' بے بے کے ٹوکنے پر وہ روٹھے لہجے میں بولی۔

”آپ تو میری اپنی ہو بے بے......! آپ سے نہیں بولوں گی تو کس سے بولوں گی......؟“

”اب حاکم سے کیا بولنا......! تیرے بابا سے کہوں گی اگلے ہفتے شہر جا رہا ہے تو تجھے بھی ساتھ لیتا جائے، مرشد سائیں کا حکم ہے......!“ بے بے نے اس کے دل میں پھول کھلا دیے تھے اور اس کے پاؤں بھی زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔ ہواؤں میں اُڑنے لگی تھی وہ۔

○ ○ ○

دونوں وقت مل رہے تھے اور ایسے وقت جانے کیوں سارا ماحول آزردگی کی لپیٹ میں محسوس ہوتا ہے۔ مؤذن کی آواز میں بھی سوز کے ساتھ عاجزی سمٹ آتی ہے۔

”نماز کی طرف آؤ......!“

”بھلائی کی طرف آؤ......!“

اس نے آنکھیں بند کر کے پوری اذان سنی پھر وضو کر کے جاء نماز بچھالی۔ اس وقت نماز پڑھنے سے اسے بہت سکون ملا تھا، دل ٹھہر سا گیا تھا۔ جب دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے تو صرف اتنا کہا۔

”میرے اللہ......! میری راہنمائی فرما اور مجھے رُسوائی سے بچا۔ ابھی وہ جاء نماز لپیٹ رہی تھی کہ نعمان ہلکی سی دستک دے کر اندر چلا آیا اور اسے دیکھ کر بلا ارادہ مسکرایا، پھر پوچھنے لگا۔

”نماز پڑھ چکی ہو یا پڑھنے جا رہی ہو......؟“

”پڑھ چکی ہوں......!“ اس نے بتایا تو وہ کرسی کھینچ کر بولا۔

”پھر تو میں بیٹھ سکتا ہوں......!“

”ضرور بیٹھو......! لیکن کوئی نصیحت مت کرنا......!“ وہ انتہائی سنجیدگی سے بولی۔

”توبہ کرو......! میں کیا نصیحت کروں گا......؟ مجھے تو خود نصیحتوں کی ضرورت ہے۔“ وہ اس کی سنجیدگی سے اندر ہی اندر ٹھٹکا ضرور لیکن بظاہر ہلکے پھلکے انداز میں کہہ کر ہنسا بھی، پھر پوچھنے لگا۔

”اب تمہاری طبیعت کیسی ہے......!“

”ٹھیک ہوں......!“

”تو چلو دادی کے پاس......! بہت یاد کر رہی ہیں تمہیں......!“ وہ فوراً کھڑا ہو گیا جیسے وہ فوراً چل پڑے گی۔

”نہیں......! ابھی ہمایوں آنے والے ہیں۔“ وہ رُخ موڑ کر بولی۔

”تمہیں لینے......!“ وہ بے اختیار پوچھ گیا تو وہ ایک دم اس کی طرف پلٹ کر بولی۔

”میں ان کے ساتھ نہیں جاؤں گی، سمجھے......! تمہیں شوق ہے تو تم چلے جانا......!“

”ہاہاہا......!“ وہ ہنسنے لگا۔

”بند کرو ہنسنا......! اور جاؤ یہاں سے...... میں اس وقت اپنا موڈ خراب نہیں کرنا چاہتی۔“ وہ

دانت پیس کر بولی۔

”ہاں......! یہ تم نے اچھی بات کی، شاباش......! ہمایوں سے ہنستے ہنستے ملنا اور اگر وہ ساتھ چلنے کو کہیں تو منع مت کرنا۔“ وہ جلدی جلدی بولتا ہوا بھاگ گیا تو وہ سلگ کر اسے گالیاں دینے لگی۔ پھر ٹائم دیکھا سات بج چکے تھے۔ تب وہ کمرے سے نکل آئی۔ امی ڈیڈی لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ اس نے سلام کیا تو جواب کے ساتھ ڈیڈی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا۔

”کیسی طبیعت ہے بیٹا......!“

”اب تو میں بہت بہتر محسوس کر رہی ہوں ڈیڈی......!“ وہ قصداً مسکرائی۔

”گڈ......!“

”تمہاری ساس کا فون بھی آیا تھا۔ بہت پوچھ رہی تھیں تمہیں......!“ امی نے بتایا تو وہ بس سر ہلا کر رہ گئی۔

”ہمایوں کا کیا بتایا تم نے...... ابھی آ رہا ہے......؟“ ڈیڈی نے امی سے پوچھا۔

”ہاں......! آفس سے سیدھا ادھر ہی آئے گا۔“

”پھر کھانا تیار ہے......!“

”سب تیار ہے بس روٹی ڈالنی ہے۔“ امی نے کہا تو وہ اُٹھتی ہوئی بولی۔

”روٹی میں ڈال دیتی ہوں امی......!“

”ارے نہیں بیٹا......! تمہاری طبیعت ایسے ہی ٹھیک نہیں ہے پھر اب تو تم مہمان ہو......! بیٹھو آرام سے......!“ امی کی دوسری بات پر وہ جز بز سی ہو کر بولی۔

”کوئی مہمان نہیں ہوں۔ پہلے بھی میں آپ کی بیٹی تھی اب بھی آپ کی بیٹی ہوں۔“

”یہ تو بالکل ٹھیک کہا میری بیٹی نے......!“ ڈیڈی نے ہنس کر کہا تب ہی ہمایوں دروازے میں آ کر رُک گیا تو امی اسے دیکھ کر بولیں۔

”آؤ بیٹا......! رُک کیوں گئے......؟“

”السلام علیکم......!“ ہمایوں نے آگے آ کر سلام کیا تو ڈیڈی نے اُٹھ کر اسے گلے لگا لیا۔ پھر اپنے ساتھ بٹھاتے ہوئے نوریہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے بھی بٹھا دیا۔

”اور بیٹا......! کیسے ہو......؟ گھر میں سب ٹھیک ہیں......؟“ ڈیڈی ہمایوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔

”جی......! اللہ کا شکر ہے......! آج امی کا اصرار تھا کہ آفس سے واپسی پر نوریہ کو لے کر آؤں۔“ ہمایوں نے کہتے ہوئے اسے دیکھا۔ نوریہ کی پیشانی پر ہلکی سی لکیر اُبھر آئی تھی۔

”چلیں گی نا آپ......!“ ہمایوں نے اب براہ راست اس سے پوچھا تو وہ جو یہ کہتی رہی تھی کہ وہ دُنیا دکھاوے کو بھی پوز نہیں کر سکتی اور نہ کرے گی تو اب اسے احساس ہوا کہ امی ڈیڈی کے سامنے ایک دم نہیں

کہہ دینا کتنا مشکل ہے۔

''بھئی......! یہ تو آتے ہی چلنے کی بات کرنے لگے، پہلے کھانا......!'' ڈیڈی نے امی کو دیکھا۔

''میں نکالتی ہوں......!'' امی اُٹھ کر چلی گئیں تو ڈیڈی پھر ہمایوں سے بولے۔

''بیٹا......! آپ منہ ہاتھ دھولو پھر کھانے کے بعد جانے کی بات کرنا۔''

''جی......!'' ہمایوں اُٹھ کر اسے دیکھنے لگا تو ناچار وہ بھی کھڑی ہوگئی اور اسے کے ساتھ اپنے کمرے میں آتے ہی واش روم کی طرف اشارہ کر دیا۔

''آپ چلیں گی ناں......!'' ہمایوں نے واش روم کی طرف جاتے جاتے اچانک پلٹ کر پوچھا۔

''نہیں......!'' وہ اب آرام سے کہہ گئی۔

''کیوں......؟'' ہمایوں اس کے انکار سے پریشان ہوا تھا۔

''آپ بار بار میرے منہ سے کیا سننا چاہتے ہیں......؟ جبکہ مجھے اب کچھ نہیں کہنا اور بہتر یہ ہے کہ آپ بھی کچھ نہ کہیں اور اپنے طور پر جو بھی فیصلہ کرنا چاہتے ہیں کر ڈالیں......!'' وہ رُوٹھے انداز میں کہہ کر جانے لگی کہ ہمایوں تیزی سے اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

''مجھے کوئی فیصلہ نہیں کرنا......!''

''کیا مطلب......؟'' وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

''جو فیصلہ کریں گی آپ کریں گی، لیکن پلیز ابھی نہیں......!'' ہمایوں نے اختیار اسے سونپ کر التجا کیا۔

''میں......!'' اس کی آنکھوں میں حیرت سمٹ آئی تھی۔

⊖ ⊖ ⊖

''جی ہاں آپ......!'' ہمایوں نے اس کی حیران آنکھوں میں جھانکا۔

''سوری ہمایوں......!'' وہ چیختی ہوئی کہنے لگی۔

''میں مانتا ہوں......!'' ہمایوں نے اسی قدر کہا تھا کہ وہ بول پڑی۔

''جب مانتے ہیں تو پھر مجھے کسی بات پر مجبور مت کریں......؟''

''میں صرف ریکویسٹ کر سکتا ہوں۔ آپ پلیز......! میری بات سمجھنے کی کوشش کریں۔ یہ معاملہ بیشک میرے اور آپ کے درمیان ہے لیکن اس سے دو خاندان بھی جڑے ہیں۔ ہمیں ان کا خیال کرنا چاہیے۔'' ہمایوں نے دھیرج سے پھر اسے احساس دلانے کی کوشش کی تو اب وہ خاموش ہو رہی کیونکہ ابھی کچھ دیر پہلے خود اسے احساس ہو چکا تھا کہ وہ امی پاپا کے سامنے فوراً یہ نہیں کہہ سکتی کہ وہ ہمایوں کے ساتھ نہیں جائے گی۔

''کیا سوچنے لگیں آپ......!'' ہمایوں نے اس کی خاموشی پر ٹوکا۔

''کچھ نہیں......!'' وہ بلا ارادہ بولی پھر اسے دیکھ کر کہنے لگی۔

''ٹھیک ہے......! ابھی میں آپ کے ساتھ چل رہی ہوں لیکن کب تک وہاں رہوں گی یہ میں خود طے کروں گی۔''

''میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ فیصلہ آپ کو کرنا ہے، یعنی آپ بااختیار ہیں میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ ہمارے کسی بھی اقدام سے ہمارے بزرگوں کو دُکھ نہیں پہنچنا چاہیے۔'' ہمایوں نے اس کی آمادگی پر اطمینان سے ہو کر کہا۔

''ہوں......! ابھی تو ہمارے بزرگ کھانے پر ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔'' وہ بے ساختہ کہہ کر ذرا سا مسکرائی۔

''اوہ سوری......! میں بس ابھی ہاتھ دھو کر آتا ہوں۔'' ہمایوں فوراً واش روم کی طرف بڑھ گیا۔

○ ○ ○

حاکم علی نشی کو فون کر کر کے تھک گیا تھا۔ وہ یا تو فون ریسیو ہی نہیں کرتی تھی یا پھر بہت عجلت ظاہر کرتے ہوئے مختصر بات کر کے موبائل آف کر دیتی۔ پتا نہیں کن کاموں میں مصروف تھی۔ پہلے تو خواہ کتنی ہی مصروفیت ہو وہ ہمیشہ اس کے بلانے پر چلی آتی تھی لیکن اب دو ہفتوں سے وہ بالکل غائب تھی جس پر حاکم علی کو اب تشویش ہونے لگی تھی کیونکہ دوسرے معاملات اور دوسروں کے ساتھ وہ خواہ کیسا ہی سہی، نشی کے ساتھ بہر حال سنسیئر تھا اور صرف اسے ہی دوست مانتا تھا۔ اپنی ہر بات اسی کے ساتھ شیئر کرتا، اس وقت وہ اسے بہت مس کر رہا تھا۔ پہلے اس کا نمبر ٹرائی کیا اور جواب موصول نہیں ہوا تو اسی وقت اس کے گھر چل پڑا۔ حقیقتاً اس کی طرف سے وہ خاصا فکر مند ہو گیا تھا جب ہی اس کے سامنے آتے ہی تشویش سے پوچھنے لگا۔

''نشی......! تم ٹھیک تو ہو......؟''

''ہاں......! کیوں......؟ کیا تمہیں کسی نے میرے بارے میں کوئی غلط اطلاع دے دی ہے......؟ آئی مین......! میرے مرنے کی۔'' نشی نے اسے اپنے لئے خوش دیکھ کر اپنے اندر انجانی خوشی محسوس کی۔

''شٹ اپ......! کہاں غائب ہو اتنے دن سے......؟'' حاکم علی نے رعب سے پوچھا۔

''گھر پر ہی ہوتی ہوں......!'' نشی کی بے نیازی پر وہ سلگ کر بولا۔

''گھر پر ہوتی ہو تو میرا فون ریسیو کیوں نہیں کرتیں......؟ پتا ہے میں دن میں کتنی بار تمہارا نمبر پش کرتا ہوں۔''

''ارے......! ابھی دو دن پہلی ہی تو تم سے بات ہوئی ہے۔ خیر چھوڑو......! یہ بتاؤ کیا پیئو گے......؟ چائے، کافی یا کولڈ ڈرنک......!'' نشی نے گویا اس کی بات کو کوئی اہمیت نہیں دی۔

''کچھ نہیں......!'' وہ روٹھا ہوا تھا۔

''کم آن سردار......! مجھے اصل میں آج کل فون کرنے اور سننے کی فرصت نہیں ملتی اس لیے میں موبائل آف رکھتی ہوں۔ آئی ایم سوری......! تمہیں پریشانی ہوئی۔'' نشی نے سفاکانہ انداز میں کہا۔

''فرصت نہیں ملتی......؟ ایسی کون سی مصروفیت ڈھونڈ لی ہے تم نے......؟'' اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''ڈھونڈی نہیں بس مل گئی۔ بڑی خوبصورت مصروفیت ہے۔'' نشی کی آنکھیں چمکنے لگی۔

''مجھے نہیں بتاؤ گی......؟'' حاکم علی نے اپنا لہجہ دوستانہ بناتے ہوئے کہا۔

''صرف بتاؤں گی ہی نہیں دکھاؤں گی بھی......!'' نشی کہتی ہوئی اُٹھ کر چلی گئی۔

وہ کندھے اُچکا کر سامنے دیوار پر لگی پینٹنگ دیکھنے لگا جس میں ایک لڑکی ہاتھ میں شمع لیے کھڑی تھی اور ابھی وہ اس کے چہرے کے تاثرات سے اس کی اندرونی کیفیات کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ نشی آ گئی۔ اس کے بازوؤں میں ساتھ آٹھ ماہ کا صحت مند سرخ و سفید بچہ دیکھ کر وہ بلا ارادہ اپنی جگہ سے

کھڑا ہو گیا۔

''یہ ہے میری مصروفیت......!'' نشی نے بچے کو گدگداتے ہوئے کہا تو وہ یونہی حیران حیران سا بولا۔

''یہ......کس کا ہے......؟''

''اب تو میرا ہے......!'' نشی بچے کے ساتھ خوش ہو رہی تھی۔

''کیا مطلب......؟'' اسے نشی کے ہونٹوں پر کھلکھلاتی مسکراہٹ بہت بری لگ رہی تھی۔

''مطلب کو چھوڑو سردار......! یہ بتاؤ کیسا ہے میرا بیٹا......! پیارا ہے ناں......! دیکھو تمہارے پاس آنے کو مچل رہا ہے۔'' نشی اس کے قریب آنے لگی کہ وہ ٹوک کر بولا۔

''نہیں......! مجھے بچے گود میں لینے کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔''

''ارے......!'' نشی بے ساختہ زور سے ہنسی، پھر بچے کو وا کر میں بٹھا کر کہنے لگی۔

''بچے کو لینے کے لیے تجربے کی نہیں محبت کی ضرورت ہوتی ہے اور تم نے تو ابھی محبت کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھا ہے سردار......!''

''اوں ہوں......! پہلی سیڑھی میں بہت پیچھے چھوڑ آیا ہوں، اب تو آخری سیڑھی پر کھڑا ہوں۔'' وہ سمجھ گیا تھا کہ نشی کا اشارہ نور پری کی طرف ہے جب ہی جتا کر بولا تھا۔

''اچھا......! پھر اب کیا ارادہ ہے......؟'' نشی نے قصداً دلچسپی ظاہر کی ورنہ اندر سے وہ بہت خائف تھی۔

''ارادہ نیک ہے......! پھر کسی وقت فرصت سے بتاؤں گا۔ تم بتاؤ......! کب آ رہی ہو......؟ یا اس مصروفیت نے تمہیں سب بھلا دیا ہے۔ میں......میری دوستی......!'' وہ خود کو روکتے روکتے بھی شکوہ کر گیا۔

''نہیں......! میں کچھ نہیں بھولی......! بس ذرا یہ بچہ مجھ سے، اس گھر سے مانوس ہو جائے پھر میں اپنی اسی روٹین پر آ جاؤں گی ابھی تو سب کام چھوڑے بیٹھی ہوں، لکھنا لکھانا بھی۔'' نشی نے کہا اور اس کے خاموش رہنے پر خود ہی بچے کے بارے میں بتانے لگی۔

''یہ میری سیکنڈ کزن کا بچہ ہے اور وہ بیچاری کچھ ایسے حالات کا شکار ہو گئی کہ اسے اپنے پاس نہیں رکھ سکتی تھی۔ وہ تو مجھے بھی دینے کو تیار نہیں تھی لیکن میں زبردستی لے آئی اسے۔ کتنا کیوٹ ہے ناں......!''

''ہوں......!'' وہ قصداً ذرا سا مسکرایا پھر پوچھنے لگا۔

''اور اس کا باپ......! وہ کہاں ہے......؟''

''اس نے دوسری شادی کر لی ہے، وہی پرانی کہانی ہے۔'' نشی نے گہری سانس کھینچ کر یوں کندھے اُچکائے جیسے اس موضوع پر بات نہ کرنی چاہتی ہو۔

''اس کا نام کیا ہے......؟'' حاکم علی بچے کو دیکھتے ہوئے بلا ارادہ پوچھ گیا۔

''ولی......! محمد ولی......!'' نشی نے واکر کے قریب گھٹنے ٹیک کر بیٹھتے ہوئے بتایا۔

''میں نے رکھا ہے اس کا نام......! اچھا ہے ناں......!''

''ہوں......!'' وہ اب جیسے اکتا گیا تھا۔

''ٹھیک ہے......! میں چلتا ہوں......!'' وہ ٹائم دیکھتے ہوئے بولا۔

''پھر آؤ گے......؟'' نشی ایک دم کھڑی ہوگئی۔

''تم کیا چاہتی ہو......؟'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

''سچ کہوں سردار......! مجھے تمہارا آنا اچھا لگا پھر بھی میں تم سے بار بار آنے پر اصرار نہیں کروں گی۔ بس جب تمہارا دل چاہے......!'' نشی نے صاف گوئی سے کہا۔

''اور میں تم سے کہوں گا۔ دل نہ چاہے تب بھی آ جانا، او کے......!'' یہ کہہ وہ کر باہر نکل آیا۔

اچانک اسے نشی پر غصہ آنے لگا تھا شاید اس لیے کہ وہ ایک بچے کو اس پر ترجیح دے رہی تھی اور یہ وہ کہاں گوارا کر سکتا تھا۔

○○○

چاندنی کو بے بے نے یقین دلا دیا تھا کہ اس بار سردار ہاشم علی شہر جائیں گے تو اسے بھی ساتھ لے جائیں گے اور اسے تیاری کر رکھنے کو بھی کہا تھا جب ہی وہ بہت خوش تھی۔ روزانہ سوٹ کیس تیار کرتی، یعنی ایک دن جو سوٹ اس میں بھرتی اگلے دن انہیں رجیکٹ کر کے پھر نئے سرے سے دوسرے سوٹ منتخب کر کے سوٹ کیس تیار کرتی۔ اس وقت بھی وہ اسی کام میں مصروف تھی ساتھ ساتھ گنگنا بھی رہی تھی کہ زینب اسے پکارتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی اور پہلی نظر میں سوٹ کیس دیکھ کر پرچھنے لگی۔

''پہلے تو بتا اتنے دن سے کہاں غائب تھی......؟'' اس نے کہا تو زینب لجا کر بولی۔

''وہ جاوید آیا ہوا تھا ناں......! اس لیے میں تیرے پاس نہیں آئی۔''

''اوہو......! تو یہ ٹھاٹ ہیں، ملاقات بھی ہوئی اس سے کہ نہیں......؟'' وہ سوٹ کیس چھوڑ کر زینب کے قریب چلی آئی۔

''ہاں......! روز ہی ملنے آتا تھا۔ یہ چوڑیاں دیکھ اس نے خود پہنائی ہیں مجھے......!'' زینب نے اپنی کلائی اس کے سامنے کر کے بتایا تو وہ چوڑیوں پر انگلی پھیرتے ہوئے بولی۔

''سچ......! تجھے شرم نہیں آئی اس سے......!''

''آئی تھی......! جب اس نے چوڑیاں پہنا کر میرا ہاتھ چوما تب بہت شرم آئی تھی۔'' زینب بتاتے ہوئے اب بھی شرما رہی تھی۔

''ہائے......! تیرا ہاتھ چوما......!'' چاندنی نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا۔ اندر دل ڈولنے لگا تھا۔

''زینی......! ایسا تو میں فلموں میں دیکھتی ہوں، ہاتھ چومتے ہیں، ناچتے گاتے ہیں اور پتا نہیں کیا

کیا کرتے ہیں......؟''

''اچھا سن تو......! جاوید کی اماں بھی آئی تھی۔'' زینب نے اپنا ہاتھ کھینچ کر بتایا۔

''تیری شادی کی بات کرنے......؟'' اس نے فوراً پوچھا۔

''ہاں......! میرے اماں ابا نے کہا ہے سوچ کر جواب دیں گے اور ابھی تک سوچ ہی رہے ہیں۔'' زینب نے دوسری بات پر برا سا منہ بنایا۔

''تو تو کیا چاہتی ہے، بے سوچے سمجھے تیرا بیاہ کر دیں۔'' وہ اس کے پہلو میں چٹکی کاٹ کر بولی۔

''پاگل ہے تو......! زیادہ سوچا سمجھا وہاں جاتا ہے جہاں بالکل غیر اور پرائے لوگ ہوں۔ جاوید تو سامنے ہی رہتا ہے اور اماں ابا کے سامنے ہی بڑا ہوا ہے۔'' زینب نے بڑی عقل مندی کی بات کی۔

''یہ تو، تو ٹھیک کہتی ہے......! چل میں تیری اماں سے کہوں گی جلدی تیرا بیاہ کر دیں۔'' چاندنی نے اس کی تائید کر کے کہا پھر خود ہی اُچھل کر بولی۔

''ہائے......! نہیں زینب......! اتنی جلدی نہ مچا ورنہ میں تیرے بیاہ میں نہیں آ سکوں گی۔''

''کیوں......! تو کیوں نہیں آ سکے گی......!'' زینب نے یک دم تیز ہو کر پوچھا اور اس کے ہونٹوں پر شرمگیں مسکراہٹ پھیلنے لگی

''بتا ناں......!'' اب زینب نے اس کا بازو زور سے ہلایا۔

''وہ میں...... میں جا رہی ہوں ناں شہر......! حاکم کے پاس......!'' اس نے اسی طرح لجاتے ہوئے بتایا تو زینب اُچھل پڑی۔

''ہائے سچ......! کب جا رہی ہے......؟ حاکم خود آ رہا ہے تجھے لینے......؟''

''نہیں......! بابا جائیں گے تو میں ان کے ساتھ جاؤں گی۔ یہ...... یہ ساری تیاری میں اسی لیے تو کر رہی ہوں۔'' وہ کہتی ہوئی پھر سوٹ کیس کے پاس آ کھڑی ہوئی۔

''کیا کیا لے جا رہی ہے......؟'' زینب قریب آ کر سوٹ کیس کا جائزہ لینے لگی۔

کب جائے گی تو......؟'' اس نے قریب ہو کر پوچھا۔

''وہ اصل میں بابا کو زمینوں پر کچھ کام ہیں۔ وہ نمٹا لیں پھر مجھے لے جائیں گے۔''

''یہ تو اچھی بات ہے......! پر میں تیرے بغیر کیسے رہوں گی......؟'' زینب اُداس ہونے لگی۔

''جاوید کو بلا لینا......!'' وہ شرارت سے بولی۔

''چل ہٹ......! وہ کوئی فارغ تھوڑا ہی ہے جو میرے بلانے پر بھاگا چلا آئے گا اور ابھی تو کہہ کر گیا ہے کہ دو مہینے بعد آئے گا۔ اس کا سیٹھ اتنی جلدی چھٹی نہیں دیتا۔''

''خیر......! دو مہینے گزرنے میں کیا پتا چلتا ہے......؟'' اس نے کہتے ہوئے سوٹ کیس بند کیا اور گھسیٹ کر ایک طرف رکھ دیا پھر زینب کو دیکھ کر بولی۔

"چل چھت پر چلتے ہیں......!"

"ہاں چل......!" زینب اس کے ساتھ چل پڑی۔

چھت پر قدم رکھتے ہی معطر و مست ہوا نے ان کا استقبال کیا کیونکہ سردیوں کے بعد بہار رنگ دکھا رہی تھی۔ ایک طرف لائن سے رکھے گملوں پر ٹوٹ کر نکھار آیا تھا۔ وہ زینب کا ہاتھ پکڑے منڈیر کے پاس آ کھڑی ہوئی اور دُور لہلہاتے کھیتوں کو دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"ایک بات بتاؤں زینی......! مجھے حاکم کے پاس جانے کی خوشی تو ہے لیکن پتا نہیں کیوں ڈر بھی لگ رہا ہے۔"

"ڈر کیوں......؟"

"بس......! یہ خیال آتا ہے کہ وہ مجھے دیکھ کر کہیں ناراض نہ ہو......!" وہ اپنا خدشہ زبان پر لے تو آئی لیکن پھر خود ہی خائف بھی ہو گئی، جب ہی بات بنانے لگی۔

"وہ اصل میں میرے طور طریقے شہری لوگوں جیسے نہیں ہیں ناں......! اور آپ جناب بھی مشکل ہی سے میری زبان پر آتا ہے۔"

"تو کیا ہوا......! آہستہ آہستہ سب سیکھ جائے گی اور جب شہر میں رہے گی تو شہری لوگوں جیسے طور طریقے بھی سیکھ لے گی۔" زینب نے لاپرواہی سے کہا تو وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"میں نے غلط کہا ہے کیا......؟" زینب نے اس کی خاموشی پر ٹوکا۔

"نہیں......! تو ٹھیک کہہ رہی ہے......! بس میں ہی کچھ وہمی ہو گئی ہوں۔"

"چل حاکم تیرے سارے واہمے دُور کر دے گا۔" زینب کی شوخی پر وہ قصداً مسکرائی تھی۔

○○○

نوریہ ہمایوں کے ساتھ آ تو گئی تھی لیکن اب اسے ہر قدم پر دُشواریوں کا سامنا تھا۔ کیونکہ اس کی فطرت میں بناوٹ نہیں تھی۔ وہ ہمیشہ سے جیسی تھی ویسی ہی نظر آتی تھی۔ اس نے کبھی کسی موقعے پر یا معاملے میں مصلحتاً بھی خود پر خول چڑھانے کی کوشش نہیں کی تھی اور یہ صرف اس کا دعویٰ نہیں تھا کہ اسے جھوٹ اور منافقت سے نفرت ہے، حقیقتاً وہ ان باتوں سے دُور تھی جب ہی اب بہت پریشان ہو گئی تھی کہ ہر قدم پر جھوٹ اور بناوٹ کا سہارا لینا تھا اور صرف ہمایوں کے گھر ہی نہیں امی ڈیڈی کے سامنے بھی وہ پوز کرنے پر مجبور تھی۔ گو کہ بہت زیادہ خوش نظر آنے کی کوشش نہیں کرتی تھی بس یہ کہ وہ ناخوش نہیں ہے اور کسی کے بھی پوچھنے پر اتنا کہنے پر اکتفا کرتی کہ ابھی تو میں سسرال والوں کو سمجھنے میں لگی ہوئی ہوں۔ زیادہ نعمان ہی سوال جواب کرتا تھا کیونکہ وہ تمام حالات سے واقف تھا اس لئے اس کی طرف سے فکرمند رہتا تھا کہ کہیں وہ غصے میں کوئی غلط قدم نہ اُٹھا لے۔ بہرحال وہ اب کچھ محتاط ہو گئی تھی۔ ہمایوں کے سامنے ہی امی ڈیڈی سے ملنے جاتی اور اسی کے ساتھ واپس آ جاتی تھی۔

اسے ہمایوں کے گھر آئے دو مہینے ہو گئے تھے۔ مختصر افراد پر مشتمل یہ گھرانہ حقیقتاً آئیڈیل گھرانہ تھا۔ ہمایوں کی امی محبت کرنے والی مہربان خاتون تھیں نہ اسے کسی بات پر روکتی ٹوکتیں نہ بے جا نکتہ چینی کرتی تھیں۔ اسی طرح سعدیہ بھی تھی۔ ہمایوں کے ساتھ گو کہ اس کا رویہ اجنبیوں جیسا تھا پھر بھی گھر کا نظام دیکھتے ہوئے وہ یہ ضرور جان گئی تھی کہ وہ ایک ذمے دار اور دیانتدار شخص ہے۔ اگر حاکم علی درمیان میں نہ آتا تو وہ یقیناً اس دیانتدار شخص کی ہم سفری پر ناز کرتی جیسے اگر ماں، بہن کی خوشی کا خیال تھا تو اسے بھی تحفظ دے رہا تھا۔ بہرحال وہ جو اوّل روز سے غصے اور ضد میں آ کر تہیہ کر چکی تھی کہ اپنی صفائی میں کچھ نہیں کہے گی اور ہمایوں سے بھی شکی ہو گئی تھی تو اب اسے اپنا رویہ غلط لگنے لگا تھا۔ شاید اس لئے کہ اب وہ غصے اور جوش کی بجائے ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچنے لگی تھی۔ اب اسے ہمایوں پر رحم بھی آنے لگا تھا کہ اس شخص کے ساتھ واقعی زیادتی ہوئی، جس نے اپنی نئی زندگی کے بارے میں جانے کیا کیا سوچ رکھا تھا۔ اس وقت بھی وہ اپنی ذات سے ہٹ کر ہمایوں کے بارے میں سوچ رہی تھی کہ اس کی نند سعدیہ پکار کر بولی۔

"بھابی......! فون ہے......!"

"کون ہے......؟" اس نے چونک کر پوچھا۔

"آفس سے ہے......! بھائی بات کریں گے......!" سعدیہ کارڈلیس اسے تھما کر چلی گئی۔

"ہیلو......!" وہ کچھ نروس ہو گئی تھی کہ ہمایوں جانے کیا کہیں گے لیکن دوسری طرف آپریٹر تھی۔

"آپ مسز ہمایوں......؟"

"جی......!"

"پلیز......! ہولڈ کریں......!" اس کے ساتھ ہی ہولڈ کی مخصوص ٹون بجنے لگی۔ پھر چند لمحوں بعد حاکم علی کی آواز آئی۔

"کیسی ہو نوریہ......؟"

"یا اللہ......!" اس نے گھبرا کر اپنے اطراف دیکھا پھر بمشکل ضبط سے بولی۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں......!"

"واقعی......! تم ٹھیک ہو......! پھر تمہارا شوہر مجھ سے غلط بیانی کیوں کر رہا ہے......؟ آ ئی مین......! میں پچھلے دو ہفتوں سے اسے اپنے گھر آنے کی دعوت دے رہا ہوں اور وہ مسلسل یہ کہہ رہا ہے کہ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" حاکم علی نے کہا تو وہ دانت پیس کر بولی۔

"اس سے تمہیں سمجھ لینا چاہیے کہ وہ تمہارے گھر نہیں آنا چاہ رہا۔"

"اور تم......! کیا تم بھی نہیں آنا چاہتیں......؟" حاکم علی نے ڈھٹائی سے پوچھا۔

"یہ فضول سوال کر کے تم کیا ثابت کرنا چاہتے ہو......؟" وہ ہتھے سے اُکھڑنے لگی۔

"اور تمہیں جرأت کیسے ہوئی یہاں فون کرنے کی......؟ ہمایوں اگر تمہاری فرم میں جاب کرتے

ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم ان سے اپنی ہر جائز ناجائز بات منوالو گے......!‘‘

’’کم آن یار......! میں تم دونوں کی شادی کی خوشی میں ڈنر دینا چاہ رہا ہوں......! اس میں ناجائز کیا ہے......؟‘‘ حاکم علی پر اس کی باتوں کا کوئی اثر ہی نہیں ہوا تھا۔

’’ناجائز تمہاری خواہشات ہیں جن کا اظہار کر کے تم نے اپنے کردار کو مسخ کر دیا ہے۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گی کہ تمہارا سرے سے کوئی کردار ہی نہیں ہے۔ پتا نہیں تمہارے جنم دینے والے کیسے ہیں......؟ جنہوں نے تمہیں بے لگام چھوڑ دیا ہے...... انتہائی قابل نفرت ہو تم......!‘‘ اس نے فون بند کر دیا اور تیز قدموں سے اپنے کمرے میں آ گئی۔ اس کے اندر ایک آگ سی دہک اٹھی تھی بس نہیں چل رہا تھا اس شخص کو جلا کر راکھ کر دے جو یہاں بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑ رہا تھا۔ کتنی دیر اِدھر سے اُدھر ٹہلتی رہی پھر شاور لے کر سو گئی۔ اس وقت اس کا سو جانا ہی بہتر تھا کیونکہ ذہن بری طرح چیخ رہا تھا۔ سونے سے کم از کم اس اذیت سے نجات مل گئی تھی۔ پھر رات میں جب ہمایوں اسے شب بخیر کہہ کر کمرے سے نکلنے لگا تب وہ اسے پکار کر بولی۔

’’ہمایوں......! مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے......!‘‘

’’ہوں......!‘‘ ہمایوں نے رُک کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا پھر پلٹ کر صوفے پر جا بیٹھا گویا سکون سے اس کی بات سننا چاہتا تھا۔

’’وہ...... میں آپ کو یہ بتانا چاہتی ہوں کہ آج دن میں آپ کے پاس سردار حاکم کا فون آیا تھا۔‘‘ وہ ساری ہمتیں یکجا کر کے روانی سے کہہ گئی اور وہ جو سکون سے سننا چاہتا تھا یکلخت اس کا سارا سکون درہم برہم ہو گیا۔

’’کیا کہہ رہے تھے سردار صاحب......!‘‘ بڑی دقتوں کے بعد وہ بول پایا۔

’’یہ آپ ان ہی سے پوچھ لیجیے گا......!‘‘ وہ کہہ کر اس کی طرف سے رُخ موڑ گئی۔

’’نور......!‘‘ ہمایوں اُٹھ کر اس کے قریب چلا آیا۔

’’مجھے سردار صاحب نے کچھ نہیں پوچھنا اگر آپ بتا دیں تو......‘‘

’’وہ کہہ رہا تھا کہ وہ آپ کو ڈنر پر انوائٹ کرنا چاہتا ہے اور آپ منع کر رہے ہیں۔‘‘ اس نے جلدی سے کہہ کر گویا جان چھڑانی چاہی۔

’’تو وہ آپ سے میری شکایت کر رہے تھے......!‘‘ ہمایوں ذرا سا ہنسا پھر اسے دیکھ کر پوچھنے لگا۔

’’آپ کا کیا خیال ہے مجھے ہامی بھر لینی چاہیے......؟ آئی مین......! وہ ہم دونوں کو انوائٹ کرنا چاہ رہے ہیں۔‘‘

’’میں کیا کہہ سکتی ہوں......؟ جیسے آپ مناسب سمجھیں......!‘‘ وہ قصداً بے نیازی سے بولی۔

’’ہوں......!‘‘ ہمایوں چند لمحے سوچنے کے بعد کہنے لگا۔

’’بہت اصرار سے بلا رہے ہیں سردار صاحب......! اور میں صرف آپ کی وجہ سے منع کر رہا ہوں کہیں آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں کسی مقصد کے تحت آپ کو ان کے سامنے لے جا رہا ہوں۔‘‘

’’میں ایسا کچھ نہیں سمجھوں گی اور یہ بھی سن لیں کہ میں اس شخص سے خائف نہیں ہوں، سامنا کر سکتی ہوں اس کا۔‘‘ اس کے مضبوط لہجے پر ہمایوں چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر کچھ کہے بغیر کمرے سے نکل گیا۔

○○○

’’نشی...... انشی......! جب مجھے دوست کی ضرورت ہوتی ہے تب تم کہاں چلی جاتی ہو......؟‘‘ حاکم علی نشی کو دیکھ کر بولا تو اس کی سانسوں سے آتی ناگوار مہک سے نشی کو چکر سا آ گیا۔ فوراً پیچھے ہٹ کر بولی۔

’’سردار پلیز......! مجھ سے یہ سب برداشت نہیں ہوتا۔‘‘

’’کیا......! کیا برداشت نہیں ہوتا......؟‘‘ وہ اپنی سرخ آنکھیں اس پر جما کر بولا۔

’’تم نے ڈرنک کی ہے ناں......! جاؤ پہلے برش کرو اور شاور لو......!‘‘ نشی ناگواری سے کہہ کر دور جا بیٹھی۔

’’بہت نازک مزاج ہو تم......! اچھا......! جا نا مت میں بس ابھی آیا......!‘‘ وہ کہتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

’’مائی گاڈ......!‘‘ اس کے پیچھے دیکھتے ہوئے نشی نے تاسف سے سر ہلایا پھر ٹیبل سے میگزین اٹھا لیا۔ کچھ دیر بعد حاکم علی فریش ہو کر آیا تو وہ اسے دیکھتے ہی کہنے لگی۔

’’دیکھو سردار......! میں سیریسلی کہہ رہی ہوں کہ اگر تم ان حرکتوں سے باز نہیں آؤ گے تو میں سچ مچ تم سے دوستی ختم کر دوں گی۔‘‘

’’میں باز آ سکتا ہوں......! بلکہ توبہ بھی کر لوں گا اگر تم میری مدد کرو......!‘‘ اس نے کہا تو نشی نے فوراً پوچھا۔

’’کس سلسلے میں......؟‘‘

’’نوریہ کے سلسلے میں......! میری شادی کرادو اس سے......!‘‘ حاکم علی نے سگریٹ سلگانے کے بعد کہا۔

’’فار گاڈ سیک سردار......!‘‘ نشی چیخ پڑی۔

’’میں ایک شادی شدہ لڑکی سے کیسے تمہاری شادی کرا سکتی ہوں......؟ اور میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم ایسا سوچ کیسے رہے ہو......؟ یہ صرف جرم ہی نہیں گناہ بھی ہے۔‘‘

’’محبت کرتا ہوں میں اس سے......! اور محبت گناہ نہیں ہے۔‘‘ وہ بھی زور دے کر بولا۔

’’بے شک محبت گناہ نہیں ہے لیکن کسی کی بیوی کے ساتھ......‘‘

’’وہ کسی کی نہیں ہے صرف میری بیوی بننا ہے اسے اور میں اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھوں گا

جب تک اس کے تمام جملہ حقوق اپنے نام نہیں لکھوا لیتا۔ تم اس سلسلے میں میری مدد نہیں کر سکتیں تو مت کرو، مجھے گناہ ثواب بھی مت سمجھاؤ......!" وہ ہٹ دھرمی سے بولا۔

"تو میرے سامنے اس کا ذکر بھی مت کیا کرو......!" نشی نے بھی ٹوک دیا۔

"یہ ممکن نہیں ہے نشی......! اس کے نام سے تو میری صبح شام ہوتی ہے۔" وہ اب دھیرج سے بولا تھا۔

"پھر جو تمہارا دل چاہے کرو......! میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتی۔" نشی اکتا کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"چلو چھوڑو اس بات کو۔ یہ بتاؤ......! وہ بچہ مانوس ہو گیا تم سے......؟" حاکم علی نے اس خیال سے کہ کہیں وہ چلی نہ جائے موضوع چینج کر دیا۔

"ہاں......! مجھ سے اور ممی ڈیڈی سے بھی۔ پتا ہے ابھی جب میں آ رہی تھی تو وہ میرے ساتھ آنے کو مچل رہا تھا۔" نشی بچے کا ذکر کرتے ہوئے خوش ہو گئی تھی۔

"کبھی لے مت آنا اسے......!" وہ بے اختیار کہہ گیا۔

"کیوں......! تمہیں بچے اچھے نہیں لگتے......؟" نشی نے حیرت سے پوچھا۔

"زیادہ نہیں......! اصل میں میں نے کبھی بچوں کو غور سے دیکھا ہی نہیں۔"

"پھر تو میں ضرور لے کر آؤں گی اسے، تاکہ تمہیں پتا چلے کہ دُنیا کا حسن بچوں کی بدولت ہے۔" نشی نے جوش سے کہا۔

"ہوگا......! میری دُنیا تو صرف......" اس نے نوریہ کا نام نہیں لیا لیکن جس انداز سے مسکرایا اس سے نشی سمجھ گئی تھی۔

"خدا کے لیے سردار......! اپنے آپ پر رحم کرو۔ جو چیز تمہاری نہیں اس کے حصول کا مت سوچو۔ ویسے بھی تم اب کچھ نہیں کر سکتے۔" نشی عادت کے مطابق پھر اسے سمجھانے سے باز نہیں آئی۔

"سب کچھ کر سکتا ہوں میں......! سب کچھ......! اور اب تو سمجھو وہ میری دسترس میں ہے۔ جب چاہوں اسے اُٹھا کر لے آؤں، کہو تو ابھی......!" حاکم علی کے لہجے میں ایسا کچھ تھا کہ نشی سہم گئی۔

"نہیں سردار......! دھاندلی مت کرنا......!"

"دھاندلی......!" حاکم علی نے حسب عادت زوردار قہقہہ لگایا پھر جیسے اپنے آپ سے محظوظ ہو کر بولا۔

"دھاندلی تو کرنی پڑے گی......! محبت میں سب جائز ہے......!"

"اچھا......! ایک بات بتاؤ......! کیا وہ بھی تم سے محبت کرتی ہے......؟" نشی نے بہت سنبھل کر پوچھا۔

"ہاں......! میں نے شاید تمہیں بتایا تھا کہ اس نے اقرار کیا تھا۔" وہ فوراً بولا۔

"پھر وہ کسی اور کی کیسے ہو گئی......؟"

"ہوگی کوئی مجبوری......! جیسے لڑکیوں کے ساتھ ہوتی ہے۔" وہ سامنے ٹیبل پر ٹانگیں سیدھی کرتا ہوا بڑے آرام سے بولا۔

"چلو......! میں مان لیتی ہوں لیکن شادی ہو جانے کے بعد کیا اب بھی وہ تمہاری محبت کا دم بھرتی ہے اور تمہارے پاس آنا چاہتی ہے......؟" نشی طریقے سے اسے گھیرنا چاہتی تھی لیکن وہ بہت شاطر تھا۔

"میں یہ سب نہیں جانتا......!"

"تو اس سلسلے میں، میں تمہاری مدد کر سکتی ہوں، آئی مین......! میں اس کے پاس جاؤں گی اور اس سے معلوم کروں گی کہ......" نشی کی بات پوری ہونے سے پہلے وہ بول پڑا۔

"نہیں......! وہ تمہیں کچھ نہیں بتائے گی......!"

"کوشش تو کر لینے دو......!"

"میں نے کہا ناں نہیں......!" وہ سختی سے کہہ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

"پھر تم مجھ سے کیسی مدد چاہتے ہو......؟" نشی پھر بھی باز نہیں آئی۔

"بتاؤں گا......! وقت آنے پر بتاؤں گا......!" پہلے اس نے اپنے کسی دھیان میں کہا پھر نشی کو دیکھ کر مسکرایا۔

○○○

"بے بے......! بابا شہر کب جائیں گے......؟ مجھے لے بھی جائیں گے کہ نہیں......؟" چاندنی اب صبح شام بے بے سے یہی سوال کرتی تھی اور بیچاری بے بے اسے یقین دلاتے دلاتے عاجز آ گئی تھیں جب ہی اس وقت چڑ کر بولیں۔

"مجھے نہیں پتا......! جا کر بابا سے پوچھ لے......!"

"میں نہیں پوچھتی......! مجھے ڈر لگتا ہے ان سے......!" وہ منہ پھلا کر بولی۔

"ڈرنے کی کیا بات ہے......؟ کھا نہیں جائیں گے وہ تجھے......!"

"آپ بھی ڈانٹتی رہتی ہو......! نہیں پوچھوں گی میں ان سے...... اور اب آپ سے بھی نہیں پوچھوں گی۔" وہ ناراضگی سے کہہ کر سیڑھیاں پھلانگتی ہوئی اُوپر آ گئی اور کمرے میں بند ہو کر رونے لگی۔

کچی عمر میں کیسے کیسے خواب سجائے تھے اس نے جن میں رنگ بھرنے کی بجائے سیاہی مل گیا تھا وہ ظالم۔

"حاکم ایسا کیوں کر رہا ہے......؟ کیوں مجھے چھوڑ کر چلا گیا......؟ کیا میں اسے اچھی نہیں لگتی......؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ شہر میں ہی کسی لڑکی کو پسند کرتا ہو......؟ نہیں نہیں......! یہ نہیں ہو سکتا۔ بابا اس کے پاس جاتے تو رہتے ہیں۔ اگر ایسی کوئی بات ہوئی تو ضرور انہیں بھی پتا ہوتا۔ پھر وہ کبھی میری شادی حاکم سے نہ کرتے۔" وہ روتے ہوئے سوچتی، کڑھتی اور پھر خود کو تسلی بھی دے رہی تھی۔ یونہی شام پھر رات ہو

تھی۔ بشیراں اسے کھانے کے لیے بلانے آئی تو اس نے ڈانٹ کر بھگا دیا۔ پھر ٹی وی آن کر کے بیٹھ گئی۔

اس کا ذہن بری طرح چیخ رہا تھا۔ شدت گریہ سے آنکھیں بھی سرخ اور بھاری ہو گئی تھیں اور ٹی وی کی اسکرین پر نظر بھی نہیں رہی تھیں لیکن اسے دھیان تو بٹانا ہی تھا، کرنے کو اور تو کچھ بھی نہیں تھا۔ جب ہی آنکھوں میں جلن ہونے کے باوجود اس نے ٹی وی آف نہیں کیا۔ کچھ دیر بعد ایک دم دروازہ کھول کر ظفر اندر آیا تو وہ اسے دیکھ کر غصے سے بولی۔

"کیا ہے......! ایسے منہ اٹھائے اندر کیوں چلا آیا ہے......؟"

"کیوں......! میرے مامے کا کمرہ ہے۔" ظفر بدتمیزی سے بولا۔

"اور میں کون ہوں......؟" اس نے مزید تیز ہو کر پوچھنے سے زیادہ ظفر کو باور کرانا چاہا، لیکن وہ مامی کہنے کی بجائے ڈھٹائی سے ہنس کر بولا۔

"چاندنی......!"

"چاندنی نام ہے میرا......! میں تجھ سے رشتہ پوچھ رہی ہوں۔" وہ ایسے ہی بھری بیٹھی تھی۔ اندر کا غبار کہیں تو نکلنا تھا۔

"کیا لگتی ہوں میں تیرے مامے کی......؟"

"یہ میں مامے سے پوچھ کر بتاؤں گا......! تو بتا اتنے غصے میں کیوں ہے......؟ اور تیری تو آنکھیں بھی لال ہو رہی ہیں، روئی ہے کیا......؟" وہ بولتا ہوا بیڈ کے قریب آ گیا تو وہ ایک دم چھلانگ مار کر دوسری طرف اتر گئی اور ہنوز غصے سے بولی۔

"تجھے کیا......! میں روؤں یا ہنسوں......!"

"یہ تو میرے ساتھ اتنا غصہ کیوں کرتی ہے......؟ آرام سے بات نہیں کر سکتی......!"

"نہیں......! مجھے آرام سے بات کرنی نہیں آتی۔ میں سب کے ساتھ ایسے بولتی ہوں۔ تجھے نہیں اچھا لگتا تو مت بات کیا کر مجھ سے......!" وہ بولتی ہوئی بیڈ کے نیچے سے اپنی چپلیں نکالنے لگی۔

"تیرے لیے ہی تو میں یہاں آتا ہوں اور تجھ سے بات نہ کروں......! یہ کیسے ہو سکتا ہے......؟" ظفر نے کہا تو وہ سلگ کر بولی۔

"دیکھ ظفر......! اگر تو ایسی باتیں کرنے سے باز نہ آیا تو اب میں بابا سے تیری شکایت کر دوں گی۔"

"بابا سے کیوں......؟ اپنے میاں سے کرنا......! پر تیرا میاں تو تجھے پوچھتا ہی نہیں......! تو ہی زبردستی اس کے ساتھ رشتہ جوڑتی ہے۔" ظفر کی بات پر اسے شدید دھچکا لگا جب ہی فوراً کچھ کہہ نہیں سکی۔

"ایسا کر مجھ سے دوستی کر لے......!" ظفر نے پھر کہا تو وہ بمشکل سنبھل کر بولی۔

"دشمنی تو نہیں ہے میری تجھ سے......!"

"پھر مجھ سے لڑتی کیوں ہے......؟"

"تو باتیں ہی ایسی کرتا ہے......! مجھے غصہ آ جاتا ہے۔" وہ غیر محسوس طریقے سے دروازے کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔

"چل تو بتا......! کیسی باتیں کیا کروں......؟" ظفر اس کے دھیرج سے بولنے پر خوش ہو گیا۔

"ابھی نہیں بتا سکتی......! ابھی مجھے بھوک لگی ہے، دوپہر سے میں نے کچھ نہیں کھایا۔" اس نے کہا تو ظفر پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔

"اوہو......! میں تو بھول ہی گیا کہ میں تجھے کھانے کے لیے بلانے آیا تھا۔ چل نیچے بے بے انتظار کر رہی ہے۔" اور وہ تو یوں بھی بھاگنا چاہ رہی تھی فوراً چل پڑی لیکن جیسے ہی دروازے تک پہنچی وہ پھر سامنے آ گیا۔

"سن......! حاکم ماما کے لیے جی کو روگ نہ لگا، وہ پکا ہرجائی ہے۔"

"دیکھ ظفرے......! تو مجھے جو مرضی کہہ دے پر حاکم کو کچھ مت کہنا اور اگر تو یہ سمجھتا ہے کہ مجھے حاکم کے خلاف ورغلا لے گا تو یہ تیری بھول ہے۔" وہ بہت ضبط سے بولی۔

"میں ورغلا نہیں رہا، سچ بتا رہا ہوں تجھے......! ادھر شہر میں حاکم ماما کے پاس بہت لڑکیاں آتی ہیں جب ہی تو اس کا وہیں دل لگا ہوا ہے۔" ظفر نے رازداری کے انداز میں بتایا۔

"جھوٹ بولتا ہے تو......!" وہ غصے سے چیخی۔

"نہیں نہیں......! جھوٹ نہیں بول رہا، جو چاہے قسم لے لے......! میں نے خود دیکھا ہے اپنی آنکھوں سے۔" ظفر یقین سے کہہ رہا تھا۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی پھر نفی میں سر ہلا کر بولی۔

"مجھے تیرا اعتبار نہیں......!"

"نہ کر میرا اعتبار......! تو جا رہی ہے ناں......! خود جا کر دیکھ لینا......!"

"اگر تیری بات جھوٹ ہو تو......؟"

"جو چور کی سزا وہ میری......! پر اگر سچ ہوا تو پھر وعدہ کر مجھ سے دوستی کرے گی......! کر وعدہ......!" ظفر نے اپنا بھاری ہاتھ اس کے سامنے پھیلایا جسے دیکھتے ہوئے اس کا دل ڈوبنے لگا، آنکھیں بھی دھندلا گئی تھیں۔

○○○

وہ ریسیور رکھ کر پلٹی تو سعدیہ نے یونہی پوچھ لیا۔

"کس کا فون تھا بھابی......؟"

"ہمایوں کا......!" اس کا ذہن ہمایوں کی باتوں میں الجھا ہوا تھا جب ہی دھیرے سے بولی۔

"کیا کہہ رہے تھے بھائی......! دیر سے آئیں گے......؟" سعدیہ نے پھر پوچھا۔

"نہیں......! جلدی آئیں گے......! کہہ رہے تھے ان کے باس کے گھر ڈنر پر جانا ہے میں تیار

رہوں۔'' اس نے اب بہت سنبھل کر بتایا۔

''ہاں کے گھر......! پھر تو بھابی آپ کی تیاری زبردست ہونی چاہیے......! کیا پہنیں گی......؟''

''تم بتاؤ......! کیا پہنوں......؟'' اس نے اُلٹا سعدیہ سے پوچھا۔

''ساڑھی......! ساڑھی آپ پر بہت سوٹ کرتی ہے۔ پتا ہے میں نے اپنی دوستوں سے کہہ رکھا ہے کہ ساڑھی صرف میری بھابی کے لیے بنی ہے۔'' سعدیہ نے خاصے جوشیلے انداز میں کہا۔

''اچھا......!'' وہ بے ساختہ ہنس کر بولی۔

''تم کہتی ہو تو ساڑھی باندھ لوں گی......!''

''لیکن بالوں کو باندھنے کی زحمت مت کیجیے گا......! پتا ہے اگر میرے بال آپ کی طرح ہوتے تو میں اِترائی اِترائی پھرتی۔''

''اسی لیے نہیں ہیں......!'' وہ بے ساختہ بولی۔

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں......! خیر......! آپ نے بالوں کو کھلا چھوڑنا ہے۔''

''اچھی بات ہے......!'' وہ سعدیہ کا گال تھپک کر اپنے کمرے میں آ گئی اور جب تیار ہونے لگی تو پریشان ہوگئی کہ اسے حاکم علی کے سامنے جانا ہے۔ ہمایوں سے تو اس نے کہہ دیا تھا کہ وہ اس شخص سے ڈرتی نہیں ہے اور ڈرتی تو وہ واقعی نہیں تھی۔ بس اس بات سے خائف ہو رہی تھی کہ وہ ہمایوں کے سامنے جانے کیا کہہ ڈالے۔

''اب اگر اس نے کوئی اُلٹی سیدھی بات کی تو میں ہرگز اس کا لحاظ نہیں کروں گی۔'' اس نے سوچا پھر موبائل اُٹھا کر نعمان کو فون کر ڈالا۔

''خیر سے میری یاد آ گئی......!'' نعمان نے چھوٹتے ہی کہا۔

''اس وقت کوئی فضول بات نہیں ہوگی، بس سنجیدگی سے میری بات سنو اور بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا چاہیے......؟'' اس نے ٹوک کر کہا تو ادھر وہ ایک دم سنجیدہ ہوگیا۔

''ہاں......! کہو کیا بات ہے......؟''

''بات یہ ہے کہ ہمایوں کے باس وہی لوفر، اس نے آج ہمیں ڈنر پر انوائٹ کیا ہے اور میں ہمایوں کے ساتھ جا رہی ہوں۔'' اس نے بات شروع کی تھی کہ نعمان بول پڑا۔

''خبردار......! تم مت جانا......! صاف منع کر دو......!''

''نہیں تومی......! میں اگر منع کروں گی تو ہمایوں یہی سمجھیں گے کہ میرے دل میں چور ہے جبکہ میں ان سے کہہ چکی ہوں کہ میں اس شخص کا سامنا کر سکتی ہوں، ڈرتی نہیں ہوں اس سے......! میری اس بات پر ہی انہوں نے اس کی دعوت قبول کی ہے۔'' اس نے جلدی جلدی بتایا تو نعمان چڑ کر بولا۔

''تو پھر جاؤ......! شوق سے جاؤ......!''

''جا تو رہی ہوں لیکن اگر وہاں اس نے کوئی بدتمیزی کی تو......!'' اس نے خدشہ ظاہر کیا۔

''تو ہمایوں خود سنبھال لیں گے......! تمہیں کچھ بولنے کی ضرورت نہیں ہے اور تم ایسا کرو وہاں جانے سے پہلے ہمایوں کو اصل صورتِ حال بتا دو......! یعنی تم کس طرح مجبوری کے عالم میں اس کے گھر گئی تھیں یا تم انہیں بتا چکی ہو......؟''

''نہیں......! میں نے کچھ نہیں بتایا......!'' وہ کچھ اُلجھ کر بولی۔

''تو اب ضرور بتا دو......! یہ تمہارے لیے بہتر ہوگا، سمجھیں......!''

''میں نہیں سمجھ رہی......!''

''بے وقوفی کی باتیں مت کرو نور......! ہمایوں صحیح معنوں میں تمہارا دفاع اس وقت کر سکیں گے جب انہیں اصل بات معلوم ہوگی، سن رہی ہو ناں......!''

''اچھا ٹھیک ہے......! میں فون بند کر رہی ہوں، شاید ہمایوں آ رہے ہیں۔'' اس نے موبائل آف کر دیا اور نعمان کی آخری بات سوچتی ہوئی آئینے کے سامنے آ کر اپنا جائزہ لینے لگی۔

چند لمحوں بعد ہمایوں کمرے میں داخل ہوتے ہی اسے دیکھ کر رُک گیا۔ نیوی بلیو جارجٹ کی ساڑھی میں اس کے دراز سراپے کی دلکشی نمایاں ہوگئی تھی۔ میچنگ جیولری، ہلکا میک اَپ اور پشت پر کھلے گھنیرے سیاہ بال، بلاشبہ وہ ہمیشہ سے زیادہ حسین لگ رہی تھی۔ پتا نہیں وہ خود سے آگاہ تھی یا نہیں۔ بظاہر یہی لگتا تھا جیسے اس نے کبھی خود کو دیکھا ہی نہیں جب ہی بے نیاز سی نظر آتی تھی۔ ابھی بھی بے نیازی سے پلو سنبھالتی ہمایوں کی طرف پلٹی لیکن اسے مبہوت دیکھ کر کچھ نروس سی ہوگئی۔

''چلیں......!'' ہمایوں اپنی محویت سے چونک کر بولا۔

''جی......!'' اس نے جلدی سے ٹشو پیپر اُٹھایا اور اس کے ساتھ باہر نکل آئی۔

''جب ہم خواب سجاتے ہیں تو ایک طویل شاہراہ جہاں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی نہ کوئی موڑ، ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے ہم محبت کی اس طویل شاہراہ پر چلتے چلے جاتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ حقیقت میں بھی ایسا ہی ہوگا لیکن حقیقت کتنی مختلف ہوتی ہے موڑ ہی موڑ اور ہر موڑ پر خدشہ کہ جانے اب کیا ہو۔'' وہ شیشے سے باہر دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ اچانک نعمان کی بات یاد آنے پر سیدھی ہو بیٹھی اور کن انکھیوں سے ہمایوں کو دیکھ کر کہنے لگی۔

''ہمایوں......! میں آپ کو بتانا چاہتی ہوں کہ میں سردار حاکم کے گھر کیسے گئی تھی......؟''

ہمایوں نے ذرا سی گردن موڑ کر ایک نظر اسے دیکھا لیکن بولا کچھ نہیں تو قدرے رُک کر وہ خود ہی بتانے لگی۔

''میں اپنی دوست روبی کی برتھ ڈے میں جا رہی تھی۔ میرے ساتھ کوئی نہیں تھا۔ میں خود اپنی گاڑی ڈرائیو کر رہی تھی کہ ایک موڑ پر اچانک ایک آدمی نے مجھے ریوالور دکھا کر ڈرائیونگ سیٹ سے ہٹنے کو کہا تو

میں خوفزدہ ہونے کے باوجود بہت تیزی سے دوسرے دروازے سے اُتر کر بھاگ پڑی اور بھاگتے بھاگتے مجھے جو گیٹ کھلا نظر آیا میں اس میں داخل ہو گئی تھی۔ اب یہ میری بدقسمتی کہ وہ سردار حاکم کا گھر تھا مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ کون ہے اور کیسا شخص ہے......؟ اور سچ تو یہ ہے کہ اس وقت اس نے مجھ سے کوئی بدتمیزی بھی نہیں کی تھی۔ میں نے اسے اپنے ساتھ ہونے والا حادثہ بتایا پھر وہاں سے نعمان کو فون کیا جو آ کر مجھے لے گیا تھا۔" اس نے خاموش ہو کر ہمایوں کو دیکھا جس کی نظریں ونڈ اسکرین پر جمی تھیں لیکن سارا دھیان اسی کی طرف تھا جو اسے بھی محسوس ہو رہا تھا جب ہی وہ مزید گویا ہوئی۔

"میں اور میرے گھر والے سب اس بات پر خوش تھے کہ میری جان بچ گئی اور کتنی عجیب بات ہے کہ وہاں سے تو میں بچ گئی لیکن سردار میرے پیچھے پڑ گیا۔ میں نے اسے بہت دھتکارا لیکن وہ کسی طرح باز نہیں آیا۔ تب میں نے نومی کو اس کے بارے میں بتا دیا لیکن وہ پتا نہیں کیسا شخص ہے جو......" اس کے اندر اُبال اُٹھنے لگا تھا۔ دانت پیس کر بولی۔

"میرا دل چاہتا ہے اسے شوٹ کر دوں......!"

"ریلیکس......!" ہمایوں نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر آہستہ سے دبایا۔

"آپ کو اندازہ نہیں ہے اس نے مجھے کتنا پریشان کیا۔" اسے خود پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا۔

"میں سمجھ سکتا ہوں......! آپ پلیز......! ریلیکس ہو جائیں......!" ہمایوں نے دھیرج سے کہتے ہوئے اس کا ہاتھ تھپکا پھر ایک جگہ گاڑی روکی اور اتر کر اس کے لیے کولڈ ڈرنک لے آیا۔

"تھینک یو......!" اس نے فوراً بوتل کھول کر منہ سے لگالی۔ چند گھونٹ لے کر قدرے پرسکون ہوئی تو ہمایوں سے نظریں چرا کر بولی۔

"آپ یہ مت سمجھے گا کہ میں اپنی صفائی پیش کر رہی ہوں۔ بس مجھے سچائی بتانا تھی سو بتا دی......!"

"آپ نہ بتاتیں تب بھی......"

"کیا تب بھی......؟" اس نے چونک کر پوچھا۔

"کچھ نہیں......!" ہمایوں نے گاڑی اسٹارٹ کر کے دھیرے سے آگے بڑھا دی۔

○ ○ ○

حاکم علی بہت بے قراری سے ٹہل رہا تھا، کبھی رُک کر اپنی ریسٹ واچ پر ٹائم دیکھتا، کبھی گلاس وال سے گیٹ پر نظر ڈالتا پھر ٹہلنے لگتا۔ وہ جتنا بے قرار تھا اسی قدر خوش، اور یہ دونوں کیفیات اس کے اَنگ اَنگ سے چھلک رہی تھیں جبکہ نشی صوفے پر آرام دہ انداز میں بیٹھی پچھلے پندرہ منٹ سے اسے دیکھے جا رہی تھی اور انتظار میں تھی کہ وہ کب اپنی بے قراری اور خوشی کے راز سے پردہ اُٹھاتا ہے لیکن جب وہ آمادہ نظر نہیں آیا تب نشی اُکتا کر اُٹھ کھڑی ہوئی اور اسے پکار کر بولی۔

"سردار......! آخر تم مجھے کس بات کی سزا دے رہے ہو......؟"

"ہیں......!" وہ چونک کر رُکا پھر اسے دیکھ کر پوچھنے لگا۔

"کیا کہا تم نے......؟"

"تم نے شاید مجھے ڈنر پر بلایا تھا......!" نشی نے کچھ طنز سے اسے یاد دلایا۔

"شاید نہیں......! یقیناً......!" وہ خوش دلی سے بولا۔

"پھر یہ سب کیا ہے......؟ آئی مین......! مجھے بٹھا کر بھول کیوں گئے ہو......؟" نشی نے کچھ اُلجھ کر کہا۔ لہجے میں ناراضگی بھی تھی۔

"میں تو خود کو بھی بھول رہا ہوں یار......!"

"ہاں......! لگ رہا ہے لیکن اس کی کوئی وجہ بھی تو ہوگی......؟" نشی کا انداز ہنوز تھا۔ حاکم علی نے گہری سانس کھینچ کر پہلے گلاس وال سے گیٹ پر نظر ڈالی پھر اسے دیکھ کر کہنے لگا۔

"میں تمہیں سرپرائز دینا چاہ رہا تھا لیکن خیر......! اب بتا دیتا ہوں کہ نوریہ بھی ڈنر پر آ رہی ہے۔"

"واقعی......؟" نشی بے حد حیران ہوئی۔

"واقعی......! میں نے اسے بھی انوائٹ کیا ہے، بس آنے والی ہوگی۔" اس کے حواسوں پر صرف نوریہ سوار تھی جب ہی اس کے ساتھ ہمایوں کا نام نہیں لیا۔

"اچھا......!" نشی کی حیرت نہیں ٹوٹی تھی۔

"ہاں نشی......! میں نے تمہیں اسی لیے بلایا ہے کہ تم اسے دیکھو......! جب دیکھو گی تب تمہیں میری محبت، میرے جنون پر حیرت نہیں ہوگی اور میں یقین سے کہتا ہوں کہ تم مجھے گناہ و ثواب سمجھانا بھی چھوڑ دو گی بلکہ مزید اُکساؤ گی کہ میں......"

"رُکو سردار......! شاید وہ آ رہی ہے......!" نشی نے گلاس وال سے گیٹ کی طرف اشارہ کیا جہاں سے وائٹ کرولا اندر داخل ہو رہی تھی۔

"ہاں وہی......! وہی ہے......! تم ایسا کرو بیٹھ جاؤ......! میں...... میں بھی بیٹھ جاتا ہوں۔" وہ بوکھلا رہا تھا اور اس کا یہ رُوپ نشی کے لیے بالکل نیا تھا۔

"مائی گاڈ سردار......! تم یہ کیسی حرکتیں کر رہے ہو......؟" نشی ٹوکنے کے ساتھ گرنے کے انداز میں صوفے پر بیٹھ گئی تو وہ بھی بیٹھ کر سگار سلگانے لگا۔

چند لمحوں بعد نوریہ کو ہمایوں کے ساتھ اندر آتے دیکھ کر نشی آواز دبا کر بولی۔

"سردار......! وہ لوگ آ گئے ہیں......!"

"السلام علیکم......!" ہمایوں نے سلام کیا تو وہ سر اُونچا کر کے دیکھنا اسے چاہتا تھا لیکن نظریں نوریہ پر یوں جا ٹھہریں کہ ہٹنا بھول گئیں۔

"السلام علیکم......!" نوریہ نے جزبز ہوتے ہوئے نشی کو دیکھ کر سلام کیا تو وہ فوراً اُٹھ کر اس کے

قریب چلی آئی اور سلام کا جواب دینے کے ساتھ اس کی طرف ہاتھ بڑھا کر بولی۔

''کیسی ہیں آپ......!''

''بالکل ٹھیک......!'' نوریہ اس کا ہاتھ تھام کر بولی۔

''پلیز......! تشریف رکھیں......!'' نشی نے دونوں کو بیٹھنے کے لیے کہا اور حاکم علی کی محویت توڑنے کی خاطر قصداً اس کے اور نوریہ کے درمیان کھڑی ہو کر کہنے لگی۔

''میں اپنا تعارف کروا دوں......! میرا نام نشی ہے......! میں سردار کی دوست ہوں اور اس وقت تو میں بھی آپ کی طرح یہاں مہمان ہوں......!''

''نو نو......! نشی......! مہمان نہیں ہو......!'' حاکم علی کافی حد تک سنبھل چکا تھا۔ نشی کا بازو تھام کر اسے ایک طرف ہٹاتے ہوئے کہنے لگا۔

''مہمان صرف یہ ہیں......! مسٹر ہمایوں چغتائی اینڈ نوریہ......! آپ ابھی تک کھڑے ہیں مسٹر چغتائی......! پلیز......! تشریف رکھیں......!''

''تھینک یو......!'' ہمایوں نے بیٹھتے ہوئے نوریہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے بھی ساتھ بٹھا لیا تو یکلخت حاکم علی کی پیشانی شکن آلود ہو گئی اور براہ راست نوریہ کو مخاطب کر کے بولا۔

''نور......! میرا خیال ہے مسٹر چغتائی کو تم پر اعتبار نہیں ہے اس لیے انہوں نے تمہارا ہاتھ پکڑ لیا ہے کہیں تم بھاگ نہ جاؤ......!''

''اُف......! اتنی تذلیل......!'' نوریہ کا خون کھول اُٹھا۔ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ ہمایوں نے اس کا ہاتھ دبا کر روک دیا اور مسکرا کر حاکم علی سے بولا۔

''یہی بات ہے......!''

''ہاہاہا......!'' حاکم علی نے مخصوص قہقہہ لگایا۔

''سردار......!'' نشی اس صورتِ حال سے پریشان ہو گئی تھی۔ فوراً بات سنبھالنے کی غرض سے بولی۔

''یہ مذاق کی باتیں بعد میں...... چلو پہلے کھانا......''

''ہاں......! باتیں تو ہوتی ہی رہیں گی...... پہلے کھانا......! چلیں مسٹر چغتائی......! لیکن پلیز اب آپ نوریہ کا ہاتھ مت پکڑیے گا......! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں یہ بھاگے گی نہیں......!'' حاکم علی نے کمینگی کی انتہا کر دی تھی اور نوریہ اب کسی طرح خود پر قابو نہیں رکھ سکی۔ ایک دم ہمایوں سے ہاتھ چھڑا کر اُٹھی اور اسی تیزی سے حاکم علی کا گریبان پکڑ کر کھینچ لیا۔

''تم انتہائی گھٹیا اور کمینے......! تمہاری جرأت کیسے ہوئی مجھ پر اٹیک کرنے کی......؟''

''نور......! نور......!'' ہمایوں نے اسے پکڑنا چاہا لیکن وہ بے قابو ہو چکی تھی۔

⊖ ⊖ ⊖

''کیا سمجھتے ہو تم خود کو......؟ کس بات کا زعم ہے تمہیں......؟ تم جو بھی ہو اپنے لیے ہو اور بس......! تم جیسے لوگوں کو جوتے کی نوک پر رکھتی ہوں میں......!'' نوریہ اس کا گریبان کھینچتے ہوئے انتہائی غصے سے جوش میں آیا بولے جا رہی تھی۔

''نور......! نور......! پلیز......!'' ہمایوں نے پوری قوت سے اسے اپنی طرف کھینچا تو حاکم علی کی شرٹ کے سارے بٹن ٹوٹ کر اسے عریاں کر گئے جبکہ وہ خود سناٹے میں کھڑا تھا۔

نشی اپنی جگہ حیران یہ تماشا دیکھ رہی تھی۔

''چھوڑیں ہمایوں......! آج مجھے اس سے پوچھ لینے دیں کہ یہ آخر چاہتا کیا ہے......؟ کیوں ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑا ہے......؟'' وہ ہمایوں کے بازوؤں میں مچل کر اپنا آپ چھڑانے کی سعی کرتے ہوئے پھر حاکم علی پر چیخی۔

''بولو سردار......! کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ......! تمہارا مقصد کیا ہے......؟ اور جو بھی مقصد ہو تم سن لو......! میں نفرت کرتی ہوں تم سے......! تمہارے ہر عمل سے......! اس روئے زمین پر سب سے زیادہ قابلِ نفرت ہو تم......! صرف تم......!'' اس کی آنکھوں سے شرارے نکل رہے تھے اور لہجے کا زہر وہاں موجود ہر شخص کو ہی نہیں در و دیوار کو بھی محسوس ہو رہا تھا۔

''پانی......!'' نشی کو اور کچھ نہیں سوجھا تو گلاس میں پانی بھر کر نوریہ کے پاس آ گئی۔

''پانی پی لیں......!''

''ہونہہ......!'' نوریہ نے حقارت سے صرف سر ہی نہیں جھٹکا ہاتھ مار کر گلاس بھی گرا دیا۔ پھر ہمایوں سے پوچھنے لگی۔

''آپ اپنے باس کے ساتھ ڈنر کریں گے یا میرے ساتھ چلیں گے......؟''

ہمایوں نے پہلے سناٹے میں کھڑے حاکم علی کو دیکھا پھر اس کا ہاتھ تھام کر چل پڑا اور جب ان کی گاڑی گیٹ سے نکل گئی تب نشی آہستہ سے حاکم علی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

"بیٹھ جاؤ سردار......!"

"ہوں......!" حاکم علی یوں ہی سناٹے میں گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

"بیٹھ جاؤ......!" اب نشی نے اس کا کندھا دبایا تو وہ چونک کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا پھر اس سے پوچھا۔

"وہ......وہ نوریہ کہاں ہے......؟"

"چلی گئی اپنے شوہر کے ساتھ......!" نشی نے گویا اس پر جتایا پھر اس سے ہٹ کر سنگل صوفے پر جا بیٹھی۔ انداز ایسا تھا جیسے بس کھیل ختم ہوگیا۔

"چلی گئی......! تم نے جانے کیوں دیا اسے......؟ روکا کیوں نہیں......؟" وہ اب ہوش میں آ کر جھنجلانے لگا تھا۔

"کم آن سردار......! وہ میرے نہیں تمہارے مہمان تھے اور معاف کرنا......! تم نے اپنے مہمانوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔" نشی نے ناگواری سے ٹوکا۔

"کیا......! کیا اچھا نہیں کیا......! تم نے دیکھا نہیں میں نے اس کے لیے کتنا اہتمام کر رکھا ہے، یہاں سے وہاں تک یہ ساری سجاوٹ اسی کے لیے کی گئی ہے اور وہ......"

"اور وہ ٹھوکر مار کر چلی گئی......!" نشی نے بات پوری کرتے ہوئے اسے تاسف سے دیکھا۔

"ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا اسے......!" وہ ایک دم اپنے پیچھے صوفے پر ڈھے گیا پھر جب بولا تو اس کے لہجے میں عجیب سی بے بسی اور بیچارگی سمٹ آئی۔

"وہ ایسا کیوں کر رہی ہے......؟ ہر موڑ پر مجھے اسی طرح ٹھوکر مار کر نکل جاتی ہے، کیوں......؟ کیوں......؟"

"کیونکہ وہ تم سے نفرت کرتی ہے......!" نشی مسلسل حوصلہ شکن جواب دے کر اسے احساس دلانا چاہ رہی تھی کہ وہ غلط کر رہا ہے لیکن وہ بجائے احساس کرنے اور سمجھنے کے پھر اکھڑ گیا۔

"اس کی نفرت ہی تو مجھے چیلنج کرتی ہے، اُکساتی ہے اور جب تک میں اس کی نفرت کو محبت میں نہ بدل لوں نہ خود چین سے بیٹھوں گا نہ اسے چین سے رہنے دوں گا۔ یہ میرا خود سے وعدہ ہے۔" اس کا عزم پھر انتہا پر تھا۔ نشی ایک ٹک اسے دیکھے گئی۔

○ ○ ○

حاکم علی کے گھر سے نکل کر ہمایوں اسے ایک ریسٹورنٹ میں لے آیا۔ ایک تو اسے ریلیکس کرنے کی خاطر دوسرے گھر میں اس کی امی اور سعدیہ کو معلوم تھا کہ وہ باس کی دعوت میں گئے ہیں اس لیے جلدی واپسی پر وہ سوال جواب کر سکتی تھیں جس کے لیے وہ تیار نہیں تھا کیونکہ نوریہ اگر غصے میں تھی تو وہ بھی بے حد ڈسٹرب ہوگیا تھا۔ حقیقتاً اسے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ سردار حاکم علی انہیں گھر بلا کر اس طرح بی ہیو کرے

گا۔ بہر حال کتنی دیر وہ خود پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے بار بار نوریہ کو بھی دیکھتا رہا، جس کا اندرونی انتشار چہرے پر جھلک رہا تھا اور وہ بھی خود پر قابو پانے کی سعی میں مصروف تھی۔ کبھی بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر ہلکے سے سر کو جھٹکا دیتی، کبھی اُنگلیاں مروڑنے لگتی اور اس کی طرف دیکھنے سے گریز بھی کر رہی تھی۔

"نور......!" وہ اس کے سامنے کولڈ ڈرنک رکھ کر بولا۔

"آئی ایم سوری......! مجھے سردار کی دعوت قبول نہیں کرنی چاہیے تھی۔"

وہ کچھ نہیں بولی۔ کولڈ ڈرنک اُٹھا کر دو تین گھونٹ حلق سے اُتارے پھر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"آئی ایم سوری نور......!" ہمایوں نے پھر کہا۔

"لیکن مجھے کوئی افسوس نہیں ہے......! مجھے اس کے ساتھ ایسا ہی کرنا چاہیے تھا۔" وہ اس کی طرف دیکھے بغیر بولی۔

"ہاں......! آپ نے جو کیا ٹھیک کیا......! میں آپ کی ہمت کی داد دیتا ہوں......!" ہمایوں نے کہا تو وہ ایک دم اسے دیکھنے لگی۔

"وہ اسی سلوک کا مستحق تھا......!" ہمایوں کی مسکراہٹ نے کافی حد تک اسے سہارا دیا تھا۔

"بس......! اب اس موضوع کو ختم کریں......! میں اس کا نام بھی نہیں سننا چاہتی۔"

"اوکے......! یہ بتائیں کھانے میں کیا پسند کریں گی......؟" ہمایوں نے مینو کارڈ اُٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ نہیں......!"

"کیا مطلب......؟"

"ابھی بھوک نہیں ہے......! گھر چلیں بلکہ اگر آپ مجھے ڈیڈی کے گھر چھوڑ دیں تو...... آئی مین......! میں ابھی وہاں جانا چاہتی ہوں اور کچھ دن وہیں رہوں گی۔" اس نے کہا تو ہمایوں گہری سانس کے ساتھ بولا۔

"اوکے......! ایز یو لائک......!"

"تھینک یو......!" وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ ہمایوں نے اسے چلنے کا اشارہ کیا پھر بل پے کر کے اس کے پیچھے باہر آ گیا۔

اسے اچانک نوریہ کا اپنے ڈیڈی کے گھر جانا سمجھ نہیں آیا تھا۔ پریشان تو نہیں تھا لیکن سوچ میں ضرور پڑ گیا تھا جب ہی تمام راستہ خاموشی میں کٹا پھر ڈیڈی کے گھر بھی وہ زیادہ دیر نہیں بیٹھا بس چائے پینے تک رُکا پھر اجازت لے کر نکلا تو وہ اسے سی آف کرنے دروازے تک آ گئی جس پر وہ کچھ حیران ہوا اور ایک دم اس کی طرف پلٹ کر پوچھ گیا۔

"کب تک یہاں رہنے کا پروگرام ہے......؟"

"بس......!" وہ اسی قدر کہہ سکی۔

"کیا بس......؟" وہ اس کے منہ سے جانے کیا سننا چاہتا تھا، چند لمحے انتظار کرتا رہا پھر اسے بولنے پر آمادہ نہ دیکھ کر خود ہی دھیرے سے بولا۔

"زیادہ دن نہیں......! میں جلد ہی لینے آؤں گا، او کے......!"

"ہوں......!" وہ آہستہ سے اثبات میں سر ہلا کر اندر چلی گئی اور وہ باہر نکل آیا۔ پہلے ایک ریسٹورنٹ میں کھانا کھایا پھر گھر آ کر کچھ دیر امی اور سعدیہ کے ساتھ بیٹھا۔ اس کے بعد اپنے کمرے میں آ گیا۔ اب اسے کچھ نہیں سوچنا تھا کیونکہ وہ فیصلہ کر چکا تھا۔ جب ہی اسی وقت بیٹھ کر ریزائن لیٹر تیار کیا اور اگلے دن آفس جاتے ہی اس نے حاکم علی کے سامنے رکھ دیا۔

"واٹ از دس......!" حاکم علی نے لیٹر پر نظر ڈالے بغیر پوچھا۔

"مائی ریزیگنیشن......!" وہ اطمینان سے بولا۔

"وائے......!" حاکم علی نے پیشانی سکیڑ کر اسے دیکھا۔

"میں ریزن بتانے کا پابند نہیں ہوں......!" اس نے کہا تو حاکم علی ایک دم ٹیبل پر ہاتھ مار کر اُٹھ کھڑا ہوا اور زور دے کر بولا۔

"پابند ہیں مسٹر چغتائی......! آپ پابند ہیں کیونکہ آپ فرم کے اُصولوں کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔"

"میں اس خلاف ورزی کا جرمانہ ادا کر دوں گا۔" اس کے ٹھوس لہجے پر حاکم علی چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر بیٹھتے ہوئے سامنے اشارہ کر کے بولا۔

"بیٹھ جائیں مسٹر چغتائی......! بیٹھ کر بات کریں بلکہ میری بات سنیں......! آپ کو میرے اور نوریہ کے معاملے......"

"ایکسکیوزمی سر......!" ہمایوں فوراً ٹوک کر بولا۔

"نوریہ میری بیوی ہے اور اس کا کسی کے ساتھ کوئی معاملہ نہیں ہے۔"

"میں کسی کی نہیں اپنی بات کر رہا ہوں۔" حاکم علی نے اپنی اہمیت جتائی۔

"آپ زبردستی خود کو منوانا چاہ رہے ہیں سر......! جبکہ اس کے نزدیک آپ کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔" ہمایوں اب اس کا لحاظ کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

"یہ آپ کیا جانیں مسٹر چغتائی......!" حاکم علی نے اس کا تمسخر اُڑایا۔

"آپ کی زندگی میں وہ اب آئی ہے جبکہ مجھ سے برسوں کی شناسائی ہے۔"

ہمایوں کی رگوں میں خون کی گردش تیز ہو گئی تھی لیکن وہ ضبط کا دامن نہ چھوڑنے کا خود سے عہد کر کے آیا تھا۔ جب ہی خود پر قابو پا کر بولا۔

"ہو گی......! مجھے اس کے ماضی سے کوئی غرض نہیں ہے۔"

"تو حال کی بات کر لیتے ہیں مسٹر چغتائی......! میں اب بھی اس سے محبت کرتا ہوں......! کیا آپ کو اس سے بھی کوئی غرض نہیں......!" حاکم علی پھر ڈھٹائی اور کمینگی پر اُتر آیا۔

"مجھے اور میری بیوی کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہمارے لیے یہی بہت ہے کہ ہم ایک دوسرے کے وفادار ہیں اور رہیں گے۔ آپ مجھے اس سے بدظن کرنے کی فضول کوشش کر رہے ہیں اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا اس سے آپ کو کیا حاصل ہوگا......؟" ہمایوں کے تاسف پر وہ غصے سے بولا۔

"نوریہ......! میں نوریہ کو حاصل کرنا چاہتا ہوں اور کر کے رہوں گا......!"

"شٹ اَپ مسٹر حاکم علی......! میں بہت لحاظ کر رہا ہوں آپ کا......! بار بار میری بیوی کا نام لے کر آپ میری غیرت کو للکار رہے ہیں۔ وہ میری عزت، میری ناموس ہے اور آپ اچھی طرح سمجھ لیں کہ میں اپنی ناموس کی حفاظت کرنا جانتا ہوں۔

ناؤ گڈ بائے......!" ہمایوں آخر کہاں تک ضبط کرتا غصے سے چیئر کو ٹھوکر مار کر نکل آیا۔

○ ○ ○

دوپہر ڈھل رہی تھی۔ جب چاندنی سردار ہاشم علی کے پیچھے چلتی ہوئی لاؤنج میں داخل ہوئی تب ذرا سا سر اُونچا کر کے نظریں گھما کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

"بیٹھ جا پتر......! آرام سے بیٹھ......! تیرا اپنا گھر ہے......!" سردار ہاشم علی نے بیٹھتے ہوئے اسے بھی بیٹھنے کو کہا پھر فضل دین کو پکارا تو فوراً ہی وہ بھاگا آیا۔

"جی صاب......!"

"حاکم کب آتا ہے دفتر سے......؟" انہوں نے پوچھا۔

"شام میں......! کبھی رات بھی ہو جاتی ہے صاب......!" فضل دین اب صاف اُردو بولنے لگا تھا۔

"اچھا......! یہ حاکم کی دُلہن ہے......! اسے اس کا کمرہ دکھا اور یہ اس کا سامان بھی کمرے میں پہنچا دے۔ جا پتر......! کمرے میں جا کے آرام کر، تھک گئی ہو گی۔" انہوں نے فضل دین کو ہدایت دے کر اسے ہی مخاطب کر لیا تو وہ خاموشی سے فضل دین کے پیچھے چل پڑی۔

"ٹھیک ہے بی بی جی......!" فضل دین اس کا سوٹ کیس رکھ کر بولا۔

"کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دیں......!"

"نہیں بس......!" وہ اس قدر بولی اور اس کے جاتے ہی دروازہ بند کر لیا پھر چادر اُتار کر کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ ہر شے سے ہلکا گلابی رنگ جھلک رہا تھا۔ پردے، صوفے، کشن، کارپٹ اور بیڈ شیٹ بھی اسی رنگ کی تھی۔ خود اسے یہ رنگ بہت پسند تھا اس لیے وہ یہ سوچ کر خوش ہو گئی کہ شاید حاکم کو اس کے

آنے کی خبر مل گئی ہوگی اور خاص اس کے لیے اس نے کمرے کو یہ رنگ دیا ہوگا۔ بڑا خوش کن خیال تھا۔ اس کا دل کھلکھلانے کو چاہنے لگا۔ دونوں بازو دائیں بائیں پھیلا کر گول گول گھومتے ہوئے وہ بیڈ پر جا گری اور تکیے میں منہ چھپا کر ہنسنے لگی اور یونہی ہنستی خود سے باتیں کرتے سو گئی۔ جبکہ سردار ہاشم علی وہیں لاؤنج میں ہی صوفے پر دراز ہو گئے تھے کیونکہ ان کا رُکنے کا ارادہ نہیں تھا، بس حاکم علی کے انتظار میں تھے کہ اس سے مل کر جانا چاہتے تھے اور وہ شام ڈھلنے سے کچھ پہلے آیا تھا۔

''بابا......!'' وہ انہیں صوفے پر دراز دیکھ کر خاصا جھنجلایا۔

''آپ یہاں کیوں لیٹے ہیں......؟ آرام سے کمرے میں......''

''بس پتر......! بس......! زیادہ غصہ نہ کیا کر......!'' سردار ہاشم علی نے ٹوکتے ہوئے اُٹھ کر اسے گلے لگایا پھر اپنے ساتھ بٹھا کر کہنے لگے۔

''تجھ سے ملنے کو بیٹھا ہوں......! بس......! ابھی واپس جاؤں گا......!''

''کیا مطلب......! ابھی آئے ہیں، ابھی جانے کی بات کرنے لگے......؟ کسی کام سے آئے ہیں یا صرف مجھ سے ملنے......؟'' حاکم علی نے پوچھا تو وہ مسکرا کر بولے۔

''صرف تجھ سے ملنے......!''

''بس تو پھر جانے کی بات نہ کریں......! کچھ دن رہیں میرے پاس......! یوں بھی آج کل میں بہت تنہائی محسوس کر رہا ہوں۔ اگر آج آپ نہ آتے تو شاید اگلے دو چار دنوں میں میں آپ کے پاس آ جاتا......!'' حاکم علی اچانک شکست خوردہ سا نظر آنے لگا۔

''تیری تنہائی کا خیال کر کے ہی تو آیا ہوں......! اب اکیلا نہیں رہے گا تو......!'' سردار ہاشم علی اندر ہی اندر خوش ہوئے کہ اسے خود تنہائی کا احساس ہونے لگا ہے جب ہی اس کی شکست خوردگی محسوس کرنے کے باوجود نظر انداز کر گئے اور اس کا کندھا تھپک کر بولے۔

''جا......! منہ ہاتھ دھو کے کپڑے بدل لے پھر کھانا کھاتے ہیں۔''

''جی اچھا......! اور ہاں......! آپ اس وقت نہیں جائیں گے۔'' وہ کہتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا۔ فضل دین کو کھانا لگانے کا کہہ کر اپنے کمرے میں آ گیا اور جیسے ہی لائٹ آن کی بیڈ پر بے خبری کی نیند کے مزے لیتی چاندنی کو دیکھ کر ٹھٹکنے کے ساتھ ہی سردار ہاشم علی کی بات سمجھ میں آئی کہ اب تو اکیلا نہیں رہے گا۔

''مائی گاڈ......!'' وہ جھنجلا گیا اور فوراً بڑھ کر بے دردی سے اسے جھنجوڑ ڈالا۔

''میں نے تمہیں یہاں آنے سے منع کیا تھا پھر کیوں آئی ہو......؟'' وہ اس کے نیند سے اُٹھنے کا خیال کیے بغیر خاصے خون خوار لہجے میں بولا۔

''وہ......بس......بابا......!'' وہ کانپنے لگی۔

''بابا پر الزام مت رکھو......! تمہارے کہنے پر وہ تمہیں لے کر آئے ہوں گے۔'' وہ کوئی عذر سننے،

ماننے کو تیار نہیں تھا۔

''کیوں ضد کی تم نے......! بہت شوق تھا تمہیں یہاں آنے کا، بولو......!'' وہ کیا بولتی، ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی۔

''نان سنس......!'' وہ پیر پٹختا واش روم چلا گیا اور جب چینج کر کے نکلا تو وہ دوپٹے کے پلو سے آنسو پونچھ رہی تھی۔

''بند کرو یہ رونا دھونا......! اور سن لو......! تمہیں یہاں نہیں رہنا......! بابا واپس جائیں گے تو تم بھی ان کے ساتھ جاؤ گی، سمجھیں......! اب جاؤ......! منہ دھو کر باہر آؤ......! بابا انتظار کر رہے ہیں۔'' وہ اسے واش روم کی طرف دھکیل کر کمرے سے نکل آیا۔

پھر کھانے کے بعد اس کے لاکھ اصرار پر بھی سردار ہاشم علی رُکنے پر آمادہ نہیں ہوئے۔ جانے وہ کیا سوچ کر آئے تھے یقیناً ان کا مقصد چاندنی کو اس کے پاس چھوڑنا تھا اور یہ خدشہ بھی تھا کہ اگر وہ کچھ دن رہ گئے تو پھر حاکم زبردستی چاندنی کو ان کے ساتھ واپس بھیج دے گا اور وہ تو ابھی بھی یہی چاہ رہا تھا لیکن سردار ہاشم علی نے اسے کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں دیا اور دوبارہ جلد ہی آنے کا کہہ کر چلے گئے۔ تب وہ چاندنی کی طرف سے بے نیاز ہو گیا کیونکہ اب اس پر چیخنے چلانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ جواباً وہ رونے لگی اور اسے روتی ہوئی لڑکیاں زہر لگتی تھیں۔

○○○

نوریہ حاکم علی کے خوف سے آزاد ہو گئی تھی جب ہی خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی اور اب اس نے خود کو کمرے تک محدود بھی نہیں رکھا تھا۔ صبح ناشتے وغیرہ سے فارغ ہوتے ہی امی سے کہہ کر نیچے دادی کے پاس چلی آئی کیونکہ اب اسے پوز نہیں کرنا تھا۔ پہلے کی طرح بے اختیار دادی کے گلے میں جھول گئی۔

''ارے......! تم کب آئیں......؟'' دادی اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھام کر پوچھنے لگیں۔

''رات کو آئی تھی دادی......! اس وقت آپ نماز پڑھ رہی تھیں، میں سیدھی اُوپر چلی گئی پھر جلدی سو بھی گئی تھی، جب ہی آپ کے پاس نہیں آ سکی۔ خیر......! اب تو آ گئی ہوں ناں......!'' وہ صفائی پیش کر کے پھر ان سے لپٹ گئی۔

''اچھا......! میری گردن تو چھوڑو......!'' دادی نے اس کے بازو ہلائے تو وہ پیچھے ہٹ کر بولی۔

''بہت جلدی تنگ پڑنے لگتی ہیں آپ......!''

''تنگ نہیں پڑتی بیٹا......! اب بوڑھے بدن میں دم خم نہیں ہے۔ خیر......! تم سناؤ......! تمہارے سسرال میں سب لوگ کیسے ہیں......؟'' دادی کے پوچھنے پر وہ ہنس کر کہنے لگی۔

''میرا سسرال کوئی اتنا لمبا چوڑا تو نہیں ہے دادی......! ایک ساس ایک نند اور دونوں اچھی ہیں۔''

"تمہارے ساتھ اچھی ہیں......؟" اب دادی نے رازداری سے پوچھا۔

"جی......! میرے ساتھ بھی اچھی بلکہ بہت اچھی ہیں......!"

"شکر ہے......! بڑی فکر تھی مجھے......! غیر لوگوں میں جا رہی ہو، پتا نہیں کیسے ہوں......؟" دادی نے اپنے خدشوں کا اظہار کیا۔

"اور مجھے فکر نہیں......! شوق تھا نئی زندگی، نئے لوگ......!" اس نے سوچا پھر پوچھنے لگی۔

"دادی......! میرے جانے کے بعد آپ کے سر میں تیل کون لگاتا ہے......؟"

"بس......! ایک دو بار نومی کو شوق چرایا تھا۔" دادی نے بتایا تو وہ اُٹھ کر تیل کی بوتل اُٹھا لائی اور ان کے بال کھولتے ہوئے بولی۔

"اب نومی جاب سے بھی تو لگ گیا ہے ناں......!"

"ہاں......! اللہ کا شکر ہے......! بڑا محنتی لڑکا ہے۔ نوکری کے ساتھ پڑھائی بھی کر رہا ہے اور باپ کی ڈانٹیں بھی سنتا ہے۔"

"کیا مطلب......! ابھی بھی بہزاد چاچو مطمئن نہیں ہیں۔ آخر وہ چاہتے کیا ہیں......؟ کیسا دیکھنا چاہتے ہیں اسے......؟" اس نے حیرت کے اظہار کے ساتھ پوچھا۔

"پتا نہیں کیا چاہتا ہے......؟" دادی پر اس کی نرم اُنگلیوں کے مساج سے ہمیشہ کی طرح فوراً غنودگی طاری ہونے لگی تھی۔

"آپ کو بھی نہیں پتا......! میرا مطلب ہے آپ تو ماں ہیں بہزاد چاچو کی، پرابلم سمجھتی ہوں گی۔" اس نے کہا تو دادی بیزاری سے بولیں۔

"ارے بیٹا......! وہ اپنے باپ پر گیا ہے۔"

"دادا......! کیا دادا بھی ایسے تھے غصے والے......؟" اس نے بہت زیادہ تعجب کا اظہار کیا۔

"ہاں......! جوانی میں ایسے ہی تھے پھر بعد میں نرم پڑ گئے۔" اب غنودگی کے باعث دادی رُک رُک کر بول رہی تھیں۔ جب ہی وہ خاموش ہو گئی پھر انہیں سلا کر اُوپر آئی تو امی اسے دیکھتے ہی بولیں۔

"بیٹا......! تمہارا موبائل بار بار بج رہا ہے......! مجھے تو دیکھنا بھی نہیں آتا۔"

"ہمایوں......!" اس کے اندر یکلخت خوشگوار احساس جاگا۔ سماعتوں نے جیسے ابھی ابھی اس کی سرگوشی سنی تھی۔

"میں جلد ہی لینے آؤں گا......!"

"جلد ہی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آج ہی......!" وہ اپنے آپ اتراتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی تھی کہ پھر موبائل بجنے لگا۔ اس نے فوراً بڑھ کر موبائل اُٹھا لیا اور آن کر کے کان سے لگاتے ہی بے اختیار بولی۔

"اتنی جلدی نہیں......!"

"پھر......!" دوسری طرف حاکم علی تھا۔ گو کہ سمجھ گیا تھا کہ یہ بات اس سے نہیں کہی گئی پھر بھی یوں بولا جیسے وہ اسی سے مخاطب ہو اور وہ اس کی آواز سنتے ہی سلگ گئی۔

"ابھی بھی تمہارے ہوش ٹھکانے نہیں آئے......! لگتا ہے تمہیں اپنی بے عزتی کروانے کا بہت شوق ہے......! تو ایسا کرو بیچ چوراہے پر ننگے ہو جاؤ......!"

"ہاہاہا......!" حاکم علی مخصوص قہقہہ لگا کر بولا۔

"تم جتنی دلیر ہو......! تمہارا میاں اتنا ہی بزدل......!"

"خبردار......! جو ہمایوں کے بارے میں ایک لفظ بھی کہا تو......" وہ چیخی۔

"ریلیکس......! ریلیکس......! میں صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تمہارا میاں میری نوکری کیوں چھوڑ گیا ہے......؟ کیا تم نے اسے مجبور کیا تھا......؟" حاکم علی نے پوچھا اور کیونکہ اس کے علم میں یہ بات نہیں تھی جب ہی کچھ حیران اور خوش بھی ہوئی لیکن اس پر جتا کر بولی۔

"وہ خود بہت جینئس ہے......! فیصلے کر سکتا ہے اور یہ فیصلہ تو اسے بہت پہلے کر لینا چاہیے تھا۔"

"اچھا......! تو اب وہ کیا کرے گا......؟" حاکم علی کا انداز ایسا تھا جیسے سارے شہر میں ایک وہی ان داتا ہو۔

"تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے......! اور اب بس......! ختم کرو یہ سلسلہ......! میں تمہاری آواز نہیں سننا چاہتی۔"

"اور میں جب تک تمہاری آواز نہ سن لوں تو......"

"شٹ اَپ......!" اس نے فوراً لائن کاٹ کر موبائل لاک کر دیا اور غصے سے بڑبڑانے لگی۔

"عجیب سر پھرا آدمی ہے، منہ کی کھانے کے بعد بھی باز نہیں آ رہا۔ میں ہمایوں سے......نہیں......! اب میں ہمایوں کو نہیں بتاؤں گی۔ بیچارے پہلے ہی اتنے پریشان رہے ہیں اب انہیں مزید پریشان نہیں کروں گی۔ انہوں نے میری وجہ سے اس کی جاب چھوڑ دی اور یقیناً یہ سوچ کر اطمینان سے ہوں گے کہ اب بھی حاکم علی ہماری زندگی میں مداخلت نہیں کرے گا۔ ان کا اطمینان قائم رہنا چاہیے۔ میں بھی اس لوفر کا ذکر نہیں کروں گی۔" وہ ہمایوں کو اطمینان دینے کا سوچ کر خود بھی اطمینان سے ہو گئی تھی۔



چند دن میں ہی چاندنی اُکتا گئی تھی کیونکہ یہاں کوئی نہیں تھا جس سے وہ بات کر سکتی۔ حاکم علی صبح کا گیا شام اور کبھی رات میں لوٹتا تو سیدھا اپنے کمرے کا رُخ کرتا۔ اگر اس سے سامنا ہوتا بھی تو یکسر نظر انداز کر جاتا۔ وہ سارا دن کمروں میں چکراتی کبھی سو جاتی۔ اب اس کا ٹی وی دیکھنے کا بھی دل نہیں چاہتا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ حاکم علی اس کے ساتھ ایسا سلوک کیوں کر رہا ہے۔ وہ اگر اسے پسند نہیں

تھی تو اس کے ساتھ شادی کیوں کی، کوئی زبردستی تو نہیں تھی، وہ تو اپنی بات منوانا جانتا تھا پھر صاف منع کیوں نہیں کر دیا۔ یہ بات وہ دن میں کتنی بار سوچتی تھی لیکن کوئی ایسا جواب نہیں سوجھتا تھا جس سے وہ مطمئن ہو سکے۔ بہر حال اس وقت وہ بہت بیزار سی پہلے کمروں میں چکراتی رہی پھر لان میں نکل آئی اور چیئر پر بیٹھ کر بیک پر سر رکھ دیا۔ آسمان عجیب سا لگ رہا تھا۔ کچھ میلا سا، اس کی آنکھوں میں چبھن ہونے لگی تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور دھیرے دھیرے چلتی ہوئی کیاری کی طرف بڑھ رہی تھی کہ گیٹ سے داخل ہوتی گاڑی کو دیکھ کر رک گئی اور جب نشی کو اترتے دیکھا تو اس کی سمجھ میں نہیں آیا کیا کرے۔ یہیں کھڑی رہے یا اندر چلی جائے۔ ابھی اس شش و پنج میں تھی کہ نشی اس کے پاس آ گئی اور سر تا پا اسے دیکھ کر پوچھنے لگی۔

''تم کون ہو......؟''

''چ...... چاندنی......!'' وہ نشی سے بھی خائف ہو رہی تھی۔

''ہاؤ سویٹ......!'' نشی یکدم شگفتہ ہو گئی تھی۔

''کب آئیں......؟ سردار نے تمہارے آنے کا نہیں بتایا......!''

''آ...... آپ مجھے جانتی ہو......؟'' وہ حیران تھی۔

''ہاں......! سردار نے بتایا تھا کہ وہ تم سے شادی کر کے آیا ہے لیکن یہ نہیں بتایا تھا کہ تم اتنی پیاری ہو۔'' نشی کو اس کی معصوم صورت پر بے پناہ پیار آیا۔ بے اختیار اس کی ٹھوڑی چھو کر کہا تو وہ نروس ہو گئی۔

''ہے کہاں سردار......! ابھی آیا نہیں آفس سے......؟'' نشی نے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلایا پھر پوچھنے لگی۔

''آپ کون ہو......؟''

''میں......؟ میرے بارے میں سردار نے تمہیں نہیں بتایا......!''

''چاندنی نے پھر نفی میں سر ہلایا۔

''میں اس کی دوست ہوں۔ کچھ غلط مت سمجھنا......! صرف دوست......!'' نشی نے کہا تو وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

''کیسا لگ رہا ہے تمہیں یہاں آ کر......؟'' نشی نے اس کی خاموشی توڑنے کی خاطر پوچھا۔

''اچھا نہیں لگ رہا......!'' اس کی سادگی اور صاف گوئی پر نشی بے ساختہ ہنس دی۔

''یہاں کوئی ہے ہی نہیں......! بہت اکیلا پن ہے۔ میرا جی گھبراتا ہے۔'' وہ رو دینے کو ہو گئی تو نشی کو اس پر ترس آیا۔ اس کا ہاتھ تھام کر تسلی دینا چاہتی تھی کہ حاکم علی آ گیا۔ اس نے ان دونوں کو نہیں دیکھا تھا جب ہی گاڑی سے اتر کر سیدھا اندر جا رہا تھا کہ نشی نے پکار لیا۔

''سردار......! ہم یہاں ہیں......!''

حاکم علی نے پہلے گردن موڑ کر دیکھا پھر اسی طرف آ گیا اور چاندنی کو دیکھ کر بولا۔

''تم اندر جاؤ......!''

''کیوں......؟ یہ بیچاری پہلے ہی تنہائی کا شکار ہے۔'' نشی نے فوراً ٹوک کر چاندنی کی طرفداری کی لیکن اس نے کوئی توجہ نہیں دی پھر اس سے بولا۔

''سنا نہیں تم نے......؟ اندر جاؤ......!'' چاندنی گھبرا کر بھاگ کھڑی ہوئی۔

''یہ کیا حرکت ہے......؟'' نشی کو بہت برا لگا تھا ٹوکتے ہوئے کہنے لگی۔

''بیوی ہے تمہاری......! تمہیں اس کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرنا چاہیے۔ پھر اتنی سادہ اور معصوم ہے۔''

''تو کیا کروں......؟ سر پر بٹھا لوں......!'' وہ بگڑ کر بولا۔

''ہے تو وہ اسی قابل کہ سر پہ، پلکوں پہ بٹھایا جائے لیکن تمہارے سر پر تو وہ نوریہ سوار ہے۔ وہ شادی شدہ لڑکی جس نے تمہاری دھجیاں اڑا دیں اور معاف کرنا سردار......! چاندنی کے مقابلے میں تو وہ کچھ بھی نہیں ہے۔ پتا نہیں تمہیں کیا نظر آتا ہے اس میں......؟''

''جو تم نہیں دیکھ سکتیں......!'' وہ اس کی کڑوی باتوں کے جواب میں آرام سے بولا۔ جس سے نشی سلگ گئی۔

''سب دیکھ سکتی ہوں میں......! سب سمجھ سکتی ہوں......! تمہاری عقل پر پردے پڑے ہیں۔''

''کم آن یار......! ابھی آفس سے آیا ہوں، کچھ تو خیال کرو......!'' وہ اکتا کر بولا۔

''خیال کرنے والی موجود ہے۔ تم اسے موقع تو دو پھر دیکھو کیسے خیال کرتی ہے تمہارا......!'' نشی نے چاندنی کا احساس دلایا۔

''شٹ اَپ......!'' وہ دھیرج سے ٹوک کر لان چیئر پر جا بیٹھا۔ نشی پہلے وہیں کھڑی اسے دیکھتی رہی پھر خود پر قابو پا کر اس کے سامنے آ بیٹھی۔

''ایک بات بتاؤ سردار......! چاندنی میں کیا کمی ہے......؟ قدرت نے بڑی فرصت سے اور بڑے پیار سے بنایا ہے اسے پھر ابھی کم سن بھی ہے۔ تم اسے جس رنگ میں ڈھالنا چاہو گے ڈھل جائے گی۔ پھر کیوں اسے اگنور کر رہے ہو......؟''

''اوہ گاڈ......! تم اگر کوئی اور بات نہیں کر سکتیں تو پلیز......! خاموش ہو جاؤ......!'' وہ اب عاجز ہو کر بولا تھا۔

نشی ہونٹ بھینچ کر دوسری طرف دیکھنے لگی تو قدرے رک کر وہ ایک دم اٹھا اور نشی کا ہاتھ پکڑ کر اسے بھی اٹھا دیا۔

''چلو کہیں باہر چلتے ہیں......!''

"نہیں......! میں اب گھر جاؤں گی......!" نشی نے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا۔

"وہیں سے چھوڑ دوں گا، چلو......!" وہ زبردستی اسے کھینچتا ہوا لے گیا اور ادھر گلاس وال سے لگی چاندنی کی آنکھیں دھندلا گئیں جبکہ ساعتوں میں ظفر بولنے لگا تھا۔

"حاکم ماما کے لیے جی کو روگ نہ لگا......! وہ پکا ہرجائی ہے۔"

"ہرجائی......! ہرجائی......! ہرجائی......!" اس کی پلکوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر گرتا ہر قطرہ دہائی دینے لگا تھا۔ وہ پریشان ہوئی، گھبرائی پھر بے بے کو فون کر ڈالا اور ان کی آواز سنتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"چاندنی......! چاندنی......! دھیے......! کیوں رو رہی ہے......؟" بے بے اس کے رونے سے پریشان ہو کر پکارے گئیں۔

"چاندنی پتر......! کیا ہوا ہے......؟ بول چاندنی......! کیوں روتی ہے......؟"

"میں مر جاؤں گی بے بے......!" وہ ہچکیوں کے درمیان بولی۔

"ہائے......! رب نہ کرے......! مریں تیرے دشمن......!" بے بے تڑپ گئیں۔

"کیا ہوا ہے تجھے......! حاکما کہاں ہے......؟"

"مجھے نہیں پتا......!"

"اچھا تو رو ناں......! میں تیرے بابا سے کہتی ہوں وہ حاکے کا پتا کرتے ہیں۔" بے بے نے تسلی دی تو وہ اور بھڑک گئی۔

"کوئی ضرورت نہیں اس کا پتا کرنے کی......! بس آپ مجھے واپس بلالو......! میں یہاں نہیں رہوں گی۔ میرا دم گھٹ رہا ہے۔ مجھے بلالو بے بے......! مجھے بلالو......!" آخر میں وہ ٹوٹ گئی تھی۔

"ہائے چاندنی......! میری دھی......!" بے بے بھی رونے لگیں۔ بس نہیں چل رہا تھا کیسے اسے اپنی آغوش میں سمیٹ لیں۔ وہ ان ہی کی آغوش میں تو پروان چڑھی تھی۔ اس کی ہچکیاں ان کا دل ہلا رہی تھیں۔ چاندنی سے مزید کچھ بولا نہیں گیا۔ کچھ دیر بے بے کی پکار سنتی رہی پھر ریسیور رکھ کر اپنے کمرے میں بند ہوگئی۔



بے بے کو کسی کل چین نہیں آ رہا تھا۔ جلے پیر کی بلی کی مانند چکراتی پھر رہی تھیں۔ ان سے تو کبھی چاندنی کی معمولی سی ناراضگی برداشت نہیں ہوئی تھی کہاں اس کا ہچکیوں سے رونا۔ پتا نہیں ایسا کیا ہوا تھا اس کے ساتھ جو وہ یوں ٹوٹ کر رو رہی تھی۔ بے بے اپنے آپ سوچتی، قیاس کرتی رہیں اور پھر جیسے ہی سردار ہاشم علی آئے، وہ تیزی سے ان کے پیچھے کمرے میں چلی آئیں اور بغیر تمہید کے شروع ہوگئیں۔

"حاکم کے ابا......! چاندنی کا فون آیا تھا۔ بڑا رو رہی تھی۔ میرا تو کلیجہ پھاڑ کے رکھ دیا کملی نے۔

آپ بھی ایسے ہی چھوڑ کے آ گئے ہوا سے۔"

"کسی جنگل میں نہیں چھوڑ آیا۔ اس کے خاوند کے پاس چھوڑ کر آیا ہوں اور اب وہی اس کا گھر ہے، وہیں رہنا ہے اسے، تو خواہ مخواہ کی ہمدردی نہ جتا اس کے ساتھ......!" سردار ہاشم علی نے بگڑ کر کہا۔

"کیوں نہ جتاؤں......! میری اپنی دھی ہے۔ ایسے بلک بلک کر رو رہی تھی۔" بے بے کا ابھی بھی کلیجہ ہل رہا تھا۔

"کیا کہا اس نے......! رونے کی کوئی وجہ بھی بتائی ہوگی......؟" سردار ہاشم علی نے روٹھے انداز میں پوچھا۔

"نہیں بتائی......! بس یہی کہے جا رہی تھی کہ مجھے واپس بلالو......!" بے بے نے بتایا تو وہ ناگواری سے بولے۔

"کیوں......! ادھر کیا تکلیف ہے اسے......؟"

"اکیلی گھبرا رہی ہوگی۔ پہلی بار ہم سے دُور گئی ہے، پھر حاکے کا مزاج آپ کو پتا ہے۔ پتا نہیں اس سے کس طرح بات کرتا ہوگا......؟"

"تو فکر نہ کر......! تھوڑے دنوں کی بات ہے پھر آپ ہی سیٹ ہو جائے گی اور ہاں......! اکیلی گھبراتی ہے تو بوا جنتے کو بھیج دے اس کے پاس......!" سردار ہاشم علی اب قدرے نرم پڑ کر بولے تھے۔

"بوا جنتے تو چلی جائے گی پر ابھی تو اس کا پتا کرو کس حال میں ہے......! مجھے تو ساری رات نیند نہیں آئے گی۔" بے بے کی منت پر سردار ہاشم علی نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور ان کی تسلی کے لیے موبائل اٹھا کر حاکم علی کا نمبر پش کیا تو کتنی دیر بعد اس کی لڑکھڑاتی ہوئی آواز آئی۔

"کون ہے......؟"

"میں ہوں......! تیرا باپ......!" سردار ہاشم علی اس کی آواز سے سمجھ کر تیز لہجے میں بولے۔

"ہاں......! کیا ہوا......؟" ادھر وہ ہوش میں نہیں تھا۔

"تو بتا......! تیرے گھر میں کیا ہو رہا ہے......؟ چاندنی کہاں ہے......؟" سردار ہاشم علی نے غصے سے پوچھا اور وہ ہوش میں کہاں تھا جو اس پر اثر ہوتا، ہنوز سابقہ انداز میں بولا۔

"چاندنی......! کون چاندنی......! میں نے تو عرصہ ہوا چاند نہیں دیکھا......! پتا ہے کیوں نہیں دیکھا......؟ چڑاتا ہے مجھے......! میری کھڑکی میں آ کر چڑاتا ہے......! میں نے ساری کھڑکیاں بند کر دی ہیں۔"

"حاکم علی......!" سردار ہاشم علی پوری قوت سے دھاڑے تھے کہ بے بے نے دل تھام کر پوچھا۔

"کیا ہوا حاکم کے ابا......!"

"بدذات ہے......! پتا نہیں کیا کیا بک رہا ہے......؟" وہ پہلے غصے سے بولے پھر بے بے کی

پریشانی دیکھ کر فوراً لہجہ بدل گئے۔

"ابھی نیند میں تھا، صبح بات کروں گا اس سے......!"

"اور چاندنی......! چاندنی کا نہیں بتایا اس نے......؟" بے بے کا دھیان چاندنی میں اٹکا تھا۔

"ہاں بتایا......! سو رہی ہے، وہ بھی سو رہی ہے، جا تو بھی سو جا......! خواہ مخواہ پریشان ہو جاتی ہے۔" سردار ہاشم علی نظریں چرا کر بول رہے تھے۔

"اچھا......! صبح میری بھی بات کرا دینا حاکے سے اور ہاں......! بوا جنتے کب جائے گی......؟" بے بے نے جاتے جاتے پلٹ کر پوچھا۔

"بھجوا دوں گا دو چار دن میں، اس سے کہہ تیاری کر رکھے۔" سردار ہاشم علی کہتے ہوئے لیٹ گئے۔

بے بے گو کہ سادہ مزاج خاتون تھیں لیکن وہی بات کہ بال دُھوپ میں سفید نہیں کیے تھے۔ وقت نے انہیں بہت کچھ سکھایا سمجھایا تھا۔ وہ باتیں جو کتابوں میں نہیں ملتیں وقت نے سمجھائی تھیں۔ حاکم علی ان کی اولاد تھا خواہ کتنا بھی ان سے دُور سہی پھر بھی وہ اس سے واقف تھیں۔ اسی طرح چاندنی کو بھی سمجھتی تھیں اور دونوں کے لیے ان کے دل میں ایک جیسی محبت تھی۔ جبکہ سردار ہاشم علی بیٹے کے مقابلے میں چاندنی کو نظر انداز کر رہے تھے۔ جب ہی اس کے رونے بلکنے کا سن کر ان پر کوئی خاص اثر نہیں ہوا تھا۔ الٹا انہیں سمجھانے لگے کہ چاندنی کے ساتھ ہمدردی نہ جتا اور یہ ان کے لیے ممکن نہیں تھا۔ وہ جانتی تھیں کہ چاندنی ابھی کم سن اور زمانے کے چلن سے نا آشنا ہے جبکہ حاکم علی دُنیا دیکھ چکا تھا اور ضرور اس کی طرف سے کوئی زیادتی ہوئی تھی جب ہی سردار ہاشم علی غصے سے چلا رہے تھے۔ بے بے سے چھپا گئے کہ وہ نیند میں تھا۔

"کملی سمجھتے ہیں مجھے......! اُدھر حاکا چھپاتا ہے اِدھر اس کا باپ......! اور میں چپ رہتی ہوں تو سمجھتے ہیں میں نے ان کی باتوں کا یقین کر لیا۔ جھوٹے ہیں دونوں، مجھے پتا ہے دونوں جھوٹے ہیں اور اپنی چاندنی کے لیے میں ان کے جھوٹ کا یقین نہیں کروں گی۔ پتا نہیں کس حال میں ہے میری بچی......! اللہ میری چاندنی کو صبر دے......!" بے بے تمام رات کڑھتی اور جھولی پھیلا پھیلا کر چاندنی کے لیے دُعائیں مانگتی رہیں۔

○○○

ہمایوں نے حاکم علی کی جاب چھوڑ دی تھی تو اب اسے نئے سرے سے کہیں اپلائی کرنا تھا لیکن وہ اس کے لیے زیادہ فکر مند نہیں تھا کیونکہ ایک تو اس کے دو تین اچھی فرمز کے مینجنگ ڈائریکٹرز کے ساتھ بہت اچھے مراسم تھے، دوسرے وہ اسے اپنے ہاں جاب کی آفر بھی کر چکے تھے۔ وہ کسی بھی وقت ان سے مل سکتا تھا لیکن اس نے سوچا کہ نئی جاب سے پہلے اسے نوریہ کو شہر سے یا ملک سے باہر گھمانے پھرانے لے جانا چاہیے یعنی ہنی مون۔ اور یہ اس کا حق بھی تھا۔ شادی کے بعد سے اب تک وہ اور نوریہ دونوں ہی مسلسل ٹینشن میں رہے تھے۔ ابتدائی دنوں کا خوبصورت تصور حاکم علی کی فضول اور نازیبا حرکات کی نذر ہو گیا تھا

اور اسے احساس تھا کہ اس نے بھی نوریہ کے ساتھ کچھ اچھا سلوک نہیں کیا تھا۔ جلد بازی کا مظاہرہ کر کے وہ اس کے جذبات کو ٹھیس پہنچا گیا تھا۔ جانے وہ لڑکی اپنے ساتھ کیسے کیسے خواب لے کر آئی تھی۔ وہ اس کے خوابوں کو سوچ کر نہ صرف مسکرایا بلکہ تعبیر دینے کا وعدہ کرنے اسی وقت اس کے پاس چلا آیا۔ اس کا ارادہ اسی وقت اسے اپنے ساتھ لے آنے کا تھا لیکن آگے وہ بالکل اکیلی کھڑی تھی اور اسے دیکھ کر نروس بھی ہو گئی۔

"آپ......!"

"ہوں......!" وہ غیر معمولی خاموشی محسوس کر کے پوچھنے لگا۔

"امی ڈیڈی نہیں ہیں کیا......؟"

"نہیں......! وہ ایک شادی میں گئے ہیں، آپ بیٹھیں......!" وہ کہتے ہوئے سوئچ بورڈ کی طرف بڑھ گئی اور تمام غیر ضروری لائٹس آن کر کے گویا رات کو دن کرنے کی سعی کی اور دن تو نہیں ہوا البتہ کمرہ بہت زیادہ روشن ہو گیا تھا۔

"آپ نہیں گئیں......! آئی مین......! شادی میں......؟" ہمایوں نے یونہی پوچھ لیا۔

"نہیں......! آپ بیٹھیں......!" مختصر جواب کے ساتھ اس نے پھر بیٹھنے کو کہا۔

"بیٹھ جاؤں گا، آپ کا فیصلہ سننے کے بعد......!" ہمایوں نے کہا تو وہ فوراً سمجھی نہیں۔

"کیا مطلب......؟"

"مطلب......! اب کیا ارادہ ہے......؟ میرے ساتھ چلیں گی......! آئی مین......! چند دنوں کے لیے نہیں ہمیشہ کے لئے......!" وہ پوچھ کر اندر سے کچھ خائف سا ہو گیا تھا کہ جانے وہ کیا جواب دے اور وہ سر جھکا کر دھیرے سے بس اسی قدر بولی۔

"ابھی......! ابھی تو امی ڈیڈی......"

"ہوں......!" ہمایوں کے اندر ڈھیروں اطمینان اُتر آیا۔ کچھ نہ کہہ کر بھی اس نے سب کچھ کہہ دیا تھا۔ جب ہی مسکرا کر پوچھنے لگا۔

"کب تک آ جائیں گے وہ لوگ......؟"

"شادی میں گئے ہیں، دیر تو ہو ہی جائے گی۔ آپ ان کے آنے تک بیٹھ سکیں تو......"

"بیٹھ تو سکتا ہوں لیکن امی اور سعدیہ......! آپ جانتی ہیں امی جب تک میرے آنے کا اطمینان نہ کر لیں سوتی نہیں ہیں۔" ہمایوں نے کہا، پھر چلتا ہوا اس کے قریب آ گیا تو وہ نا سمجھی کے عالم میں اسے دیکھنے لگی۔

"تھینک یو نور......! میں ڈر رہا تھا کہیں آپ مجھے مایوس نہ لوٹا دیں......!" ہمایوں نے ایک دم اس کا ہاتھ تھام لیا تو وہ بہت زیادہ نروس ہو کر سر جھکا گئی۔

”میں کل آ جاؤں گا......! یا جب تم کہو......!“ ہمایوں نے اس کی تھوڑی چھو کر تکلف کی دیوار گرا دی پھر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اپنے ساتھ بٹھاتے ہوئے کہنے لگا۔

”پتا ہے میں نے کیا سوچا ہے کہ ہم کچھ دنوں کے لیے کہیں باہر گھوم پھر آئیں......! تم بتاؤ......! کہاں جانا پسند کرو گی......؟“

”میرے خدا......!“ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

”بتاؤ نور......! تاکہ میں فوراً ویزے کے لیے اپلائی کر دوں......!“ ہمایوں نے اس کا ہاتھ دبایا تو وہ بمشکل بولی۔

”مجھے نہیں پتا......!“

”چلو......! پھر ایسا کرتا ہوں کہ جہاں کا ویزا آسانی سے اور جلدی ملنے کی اُمید ہوگی وہیں کے لیے اپلائی کر دیتا ہوں کیونکہ میں اب جلدی اپنے اور تمہارے خوابوں کو تعبیر دینا چاہتا ہوں۔“ وہ آخر میں اس کی آنکھوں میں جھانک کر مسکرایا تو وہ گھبرا کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

”میں چائے لاتی ہوں......!“

”اوں ہوں......!“ ہمایوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر جانے سے روک دیا پھر اُٹھتے ہوئے کہنے لگا۔

”بس......! اب چلتا ہوں اور ہاں......! میں تمہیں یہ بتانا تو بھول ہی گیا کہ میں نے سردار حاکم کو ریزائن دے دیا ہے۔“

”میں جانتی ہوں......!“ وہ بے اختیار کہہ گئی۔

”تم......! تم کیسے جانتی ہو......!“ ہمایوں نے تعجب کا اظہار کیا۔

”بس......! میں نے سوچا تھا کہ آپ کو ایسا ہی کرنا چاہیے پھر جانے کیوں مجھے یقین سا ہو گیا۔“ وہ بات بنا گئی۔

”چلو......! تمہارا یقین سچ ہو گیا۔ اب بتاؤ......! تمہیں لینے کب آؤں......؟“

”میں کیا بتاؤں......؟“

”چلو......! میں بتا دیتا ہوں......! کل آؤں گا اسی وقت......! ٹھیک......!“ ہمایوں کے ہونٹوں میں دل فریب مسکراہٹ دبی تھی۔

اس نے ذرا سا اثبات میں سر ہلایا پھر اس کے ساتھ چلتی ہوئی سیڑھیوں تک آ گئی۔

”بس......! تم یہیں رُکو......! میں چلا جاؤں گا۔“ وہ کہہ کر دو اسٹیپ اُتر گیا پھر اچانک جانے کیا خیال آیا ایک دم پلٹ کر اسے کندھوں سے تھام لیا۔

”نور......! میری طرف سے اگر تمہارے دل میں کوئی اندیشہ باقی رہ گیا ہو تو اسے بھی نکال پھینکنا اور یہ یقین رکھنا کہ میں نے اپنے دل کی حکمرانی صرف تمہیں سونپی ہے، صرف تمہیں......! تم میری اولین

محبت ہو۔ میں چاہتا ہوں آج کی رات تم میری محبت کو دل سے محسوس کرو۔“ وہ محبت سے چور لہجے میں بول رہا تھا۔ پھر اس کی پیشانی پر ہونٹ رکھ کر گویا محبت کی مہر ثبت کی اور پلٹ کر سیڑھیاں پھلانگ آیا۔

○ ○ ○

وہ کھلی چھت پر کھلے آسمان تلے کھڑی بار بار اپنی پیشانی چھو رہی تھی۔ جہاں وہ اپنی محبت کی مہر ثبت کر گیا تھا اور ہر بار دھڑکنوں کو نیا احساس مل رہا تھا۔ پہلے سے زیادہ حسین، اسی طرح اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹیں کھل رہی تھیں۔ اطراف کا ہوش بھی نہیں تھا جب نعمان نے دبے پاؤں آ کر اس کے کان کے پاس ”ہاؤ“ کی آواز نکالی تو وہ اُچھلنے کے ساتھ چیخ پڑی۔

”نومی کے بچے......!“

”ابھی کہاں......! ابھی تو بہت دیر ہے۔ پہلے لڑکی ڈھونڈی جائے گی پھر شادی ہوگی پھر کہیں جا کر......“ وہ اپنے انداز سے شروع ہو گیا تو وہ ہاتھ جوڑ کر بولی۔

”بس......! خدا کے لیے......! فضول بکواس کرنا چھوڑ دو......!“

”چھٹی نہیں ظالم......!“ وہ گنگنایا پھر شرارت سے پوچھنے لگا۔

”کیا بات ہے......! ہمایوں ابھی بڑے خوش گئے ہیں یہاں سے۔ کوئی گڈ نیوز ہے کیا......؟“

”مائی گاڈ......! نومی......! تم بہت ہی بدتمیز ہو......!“ وہ سمجھ گئی اس کا اشارہ کس طرف ہے جب ہی دانت پیس کر بولی۔

”اس میں بدتمیزی کی کیا بات ہے......! میں نے ہمایوں کی خوشی کا سبب پوچھا ہے۔ کوئی لاٹری واٹری نکلی ہے کیا......؟“ وہ فوراً انجان بن کر انتہائی سادگی سے بولا۔

”ہاں......! ہم دونوں باہر جا رہے ہیں۔“ وہ بھی مزید اُلجھنا ترک کر کے فوراً بولی۔

”ہنی مون......!“ نعمان کی شرارت پر اس کا دل یکبارگی زور سے دھڑکا لیکن سنبھل کر بولی۔

”اتنے عرصے بعد کون سا ہنی مون......! ہم یونہی گھومنے جا رہے ہیں۔“

”اچھا......! کب......؟“ نعمان اب سنجیدہ ہو گیا۔

”بس......! جیسے ہی ویزا ملے گا۔“ وہ تاثر بدل گئی۔

”تمہاری جاب کیسی جا رہی ہے......!“

”فرسٹ کلاس......!“

”تو اب شادی کر لو......! اس لڑکی کے ساتھ جس کے بارے میں تم نے کہا تھا کہ وقت آنے پر بتاؤں گا۔“ اس نے یاد دلایا تو نعمان جھنجھلا کر کہنے لگا۔

”یا اللہ......! یہ تم لڑکیاں اتنی کریزی کیوں ہوتی ہو......؟“ ہر بات میں جلدی، یہ ہو گیا ہے تو اب یہ بھی ہو جانا چاہیے، جاب ہو گئی اب شادی کر لو تم لوگ شادی سے ہٹ کر کچھ نہیں سوچ سکتیں......؟“

''اور تم لوگ کیا سوچتے ہو......؟'' وہ تڑخ کر بولی۔

''اور بھی غم ہیں زمانے میں شادی کے سوا......!'' نعمان نے گہری سانس کھینچ کر کہا پھر اسے دیکھ کر مسکرایا تو وہ کندھے اُچکا کر بولی۔

''ہوں گے......! میں ابھی اس پر کوئی بحث نہیں کروں گی کیونکہ میرا موڈ بہت اچھا ہے۔ بہت خوشگوار، ایسا لگ رہا ہے جیسے احساسات کو نئی زندگی مل رہی ہے۔ رنگوں، روشنیوں سے سجی خوبصورت زندگی میرے دل پر دستک دے رہی ہے، کیا کروں......!'' وہ بولتے ہوئے کھوسی گئی تھی آخر میں چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''سب دروازے کھول دو......!'' وہ اس کے چہرے پر اُترے ان گنت رنگ دیکھتے ہوئے دھیرے سے بولا تھا۔

''ہوں......!'' وہ کھل کر مسکرائی پھر کہنے لگی۔

''آؤ......! اندر چلو......! امی ڈیڈی پتا نہیں کب آئیں گے......؟''

''نہیں......! بس میں اب سونے جارہا ہوں، صبح آفس جانا ہے، اوکے......! گڈنائٹ اینڈ سویٹ ڈریمز......!'' نعمان وہیں سے پلٹ کر سیڑھیاں اُتر گیا اور وہ گنگناتی ہوئی اپنے کمرے میں آگئی۔

''میں چاہتا ہوں آج کی رات تم میری محبت کو دل سے محسوس کرو۔'' ہمایوں جاتے جاتے کہہ گیا تھا اور رات کے اختتامی پہر تک وہ اسے ہی سوچتی رہی تھی۔ گزشتہ سے ہٹ کر آنے والے دنوں کا تصور اپنے اندر بے پناہ خوبصورتیاں لیے ہوئے تھا۔ وہ ہمایوں کی سنگت میں نئے خواب سجائے بالآخر سوگئی۔

پھر صبح وہ بہت دیر سے اُٹھی۔ ڈیڈی آفس جاچکے تھے۔ امی دوپہر کے کھانے کی تیاری میں مصروف تھیں۔ اس نے اپنے لیے چائے بنائی اور وہیں اسٹول پر بیٹھ کر چائے پیتے ہوئے امی کو بتایا کہ آج ہمایوں اسے لینے آئیں گے۔

''ہاں......! ہمایوں کا فون بھی آیا تھا، تم سو رہی تھیں۔ میں نے اُٹھانے کو کہا تو اس نے منع کردیا۔'' امی نے بتایا تو وہ فوراً پوچھنے لگی۔

''کیا کہہ رہے تھے......؟''

''یہی کہا کہ وہ پھر فون کرے گا، کچھ عجلت میں لگ رہا تھا۔'' امی نے کام میں مصروف رہ کر بتایا۔

''اچھا......! میں فون کرلیتی ہوں......!'' وہ کپ رکھ کر لاؤنج میں آگئی اور گھر کے نمبر ڈائل کیے تو دوسری طرف سعدیہ نے فون اُٹھایا۔

''ہمایوں کہاں ہیں......؟'' اس نے سعدیہ کی آواز سنتے ہی بے اختیار پوچھ لیا۔

''بھائی اسلام آباد گئے ہیں......!'' سعدیہ نے بتایا تو وہ حیران ہوئی۔

''خیریت......! رات تو انہوں نے ذکر نہیں کیا۔''

''رات ان کا ایسا کوئی پروگرام تھا بھی نہیں۔ صبح ہی کسی دوست کا فون آیا بس اسی وقت انہوں نے تیاری کرلی۔ کہہ رہے تھے وہاں پہنچتے ہی آپ کو فون کریں گے۔''

''اچھی بات ہے اور امی ٹھیک ہیں......؟'' اسے مزید کریدنا اچھا نہیں لگا جب ہی بات بدل گئی۔

''جی......! آپ کب آئیں گی......؟''

''آجاؤں گی......! جلدی آؤں گی، اوکے......!'' اس نے فون رکھ دیا پھر سوچ میں پڑ گئی۔

''ہمایوں اچانک اسلام آباد کیوں گئے ہیں......؟''

○ ○ ○

نشی خاص طور سے چاندنی سے ملنے آئی تھی کیونکہ وہ سادہ اور معصوم لڑکی اسے بہت اچھی لگی تھی اور وہ حیران تھی کہ اتنی پیاری لڑکی کو چھوڑ کر حاکم علی کسی اور کے لیے تڑپتا پھرتا ہے اور اس بات کے لیے اسے حاکم علی پر جتنا غصہ تھا اتنا ہی چاندنی پر پیار کے ساتھ رحم بھی آرہا تھا کہ آخر اسے کس بات کی سزا مل رہی ہے۔ بہرحال اس وقت وہ یہ سوچ کر آئی تھی کہ حاکم علی کی غیر موجودگی میں چاندنی کے ساتھ ڈھیروں باتیں کرے گی لیکن چاندنی اسے دیکھتے ہی بھاگ کر کمرے میں بند ہوگئی۔ اس کی اس حرکت پر وہ محظوظ ہو رہی تھی کہ عقب سے فضل دین کے سلام کرنے پر پلٹ کر اسے دیکھنے لگی۔

''سردار صاحب اپنے کمرے میں ہیں......!'' فضل دین نے بتایا تو وہ حیران ہوئی۔

''کیا مطلب......! سردار آج آفس نہیں گیا......؟''

''گئے تھے، جلدی آگئے......! آپ کے لیے چائے لاؤں......؟'' فضل دین نے جواب کے ساتھ پوچھا۔

''نہیں......! میں پہلے سردار سے مل لوں......!'' وہ کہتی ہوئی حاکم علی کے کمرے کی طرف آگئی اور ہینڈل پر ہاتھ رکھا تھا کہ دروازہ کھلتا چلا گیا۔ حاکم علی کھڑکی کے قریب کھڑا موبائل پر کسی سے بات کر رہا تھا۔

نشی نے محض اسے چونکانے کی خاطر دھیرے سے قدم آگے بڑھایا لیکن اگلا قدم اُٹھنے سے پہلے ہی وہ ٹھٹک گئی۔ حاکم علی جانے کس سے اور کس کے بارے میں کہہ رہا تھا۔

''بس......! جہاں بھی نظر آئے ختم کروادے......!''

⊖ ⊖ ⊖

نشی نے خود کو سہارا دینے کے لئے دروازہ تھام لیا تب ہی حاکم علی موبائل آف کر کے پلٹا اور اُسے دیکھ کر حیرت سے پوچھنے لگا۔

"نشی......! تم کب آئیں......؟"

"اب......ابھی......!" اُس کے حلق سے بمشکل آواز نکلی۔

"چلو اچھا ہوا تم آ گئیں......! میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ تمہیں فون کر کے آنے کو کہوں......!" وہ کہتا ہوا اُس کے قریب آ گیا پھر مسکرا کر پوچھنے لگا۔

"تمہیں کیا الہام ہوا تھا کہ میں اس وقت گھر پر ہوں گا......؟"

"ہوں......!" نشی نے سنبھل کر اثبات میں سر ہلایا پھر پوچھنے لگی۔

"چاندنی کہاں ہے......؟"

"ہو گی یہیں کہیں......!" حاکم علی کی بے نیازی پر وہ تاسف سے گویا ہوئی۔

"کتنے افسوس کی بات ہے......! تم نے اس لڑکی کو بالکل اکیلا کر دیا ہے جبکہ وہ کوئی اتنی سمجھدار بھی نہیں ہے۔"

"سنو......! تم اس معاملے میں نہ ہی پڑو تو اچھا ہے......!" حاکم علی ٹوک کر کہا۔

"میں آج کل میں اُسے واپس گاؤں چھوڑ آؤں گا......! وہاں وہ اکیلی نہیں ہو گی۔"

"تمہارے بغیر وہ ہر جگہ اکیلی ہو گی۔ خواہ اُس کے گرد کتنے ہی چاہنے والے ہوں، تم نہیں ہو گے تو اُسے کچھ اچھا نہیں لگے گا۔ تم یہ بات کیوں نہیں سمجھتے سردار......!" نشی زچ ہو کر بولی۔

"سمجھتا ہوں......! سب سمجھتا ہوں لیکن اپنے دل کو کیسے سمجھاؤں جو اس کی طرف بلکہ اب کسی کی طرف بھی مائل ہونے کو تیار نہیں ہوتا۔ بس نوریہ نوریہ کی رٹ لگا رکھی ہے۔" وہ بھی عاجز ہو کر بولا۔

"جبکہ یہ طے ہے کہ وہ تمہاری نہیں ہو سکتی......!" نشی نے کندھے اُچکا کر بات ختم کرنے والے انداز میں کہا۔

"کیوں......! کیوں میری نہیں ہو سکتی......؟ کیا صرف اس لئے کہ اس کا شوہر زندہ ہے......؟ وہ ہمیشہ تو زندہ نہیں رہے گا۔" وہ پھر اَڑ گیا۔

"اور تمہارا اپنے بارے میں کیا خیال ہے......؟" نشی نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"مجھے نوریہ کے حصول تک زندہ رہنا ہے۔" وہ گردن اکڑا کر بولا۔

"اتنا زعم اچھا نہیں ہوتا سردار......! خدا سے ڈرو......! کہیں اگر پکڑ ہو گئی تو......"

"اوہ مائی گاڈ......! تمہیں تو موقع ملنا چاہئے......! فوراً لیکچر دینے کھڑی ہو جاتی ہو۔" حاکم علی نے اکتاہٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہاتھ اُٹھا کر اُسے مزید بولنے سے روک دیا۔

"اچھا......! ایک بات بتاؤ......! ابھی تم فون پر کسے ختم کرنے کی بات کر رہے تھے......؟" نشی کا ذہن اُسی بات میں اُلجھا ہوا تھا، سنبھل کر پوچھا۔

"کب......! میں نے کب ایسی بات کی......؟" وہ یکسر انجان بن گیا۔

"ابھی جب میں کمرے میں آئی تو تم یہی بات کر رہے تھے کہ جہاں بھی نظر آئے ختم کر دو اُسے۔ کس کے بارے میں کہہ رہے تھے......؟" نشی اُس سے اُگلوانے پر مصر ہو گئی۔

"وہ......!" حاکم علی پہلے قہقہہ لگا کر ہنسا پھر بتانے لگا۔

"آفس سے فون تھا۔ سائٹ پر کہیں سانپ نکل آیا، میں اُسی کے بارے میں کہہ رہا تھا۔"

"اچھا......!" نشی اُس کی شریر نظروں سے نظریں چرا کر بولی۔

"خیر......! آپ بتائیں......! کیا پروگرام ہے......؟ کب چلیں گے......؟"

"تم فضل دین سے چائے کا کہو......! میں چینج کر کے آتا ہوں پھر چائے پی کر چلیں گے......!" حاکم علی پروگرام بتا کر وارڈروب کی طرف بڑھ گیا تو وہ جاتے جاتے اچانک کسی خیال سے پلٹ کر بولی۔

"سنو سردار......! ایک بات مانو گے......!"

"میں نے کب تمہاری کوئی بات ٹالی ہے......؟" وہ گردن موڑ کر اُسے دیکھنے لگا۔

"ٹالتے تو نہیں ہو، پھر بھی پہلے تمہیں وعدہ کرنا پڑے گا۔" نشی نے کہا تو وہ پورا اُس کی طرف گھوم کر پوچھنے لگا۔

"ایسی کیا بات ہے......؟"

"پہلے وعدہ کرو پھر بتاؤں گی......!"

"اور اگر میں وعدہ نہ کروں تو......"

"تو پھر جانے دو......!" وہ کندھے اُچکا کر جانے لگی کہ حاکم علی تیزی سے اُس کے سامنے آ گیا اور ہاتھ بڑھا کر بولا۔

"وعدہ......!"

''پکاوالا ناں......! یعنی مردوں والا......!'' نشی نے اُس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر اُسے دیکھا۔

''بالکل......! تم اپنی بات کہو......! نہ مانوں تو یہیں شوٹ کر دینا۔'' حاکم علی ایک دم بہت سنجیدہ ہو گیا تھا۔ تب وہ اُس کا اعتبار کر کے بولی۔

''ہم چاندنی کو بھی ساتھ لے چلیں گے......!''

''کہاں......؟'' حاکم علی نے بلا ارادہ اُس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ کھینچا۔

''کلب......! اور دیکھو منع مت کرنا......! تم وعدہ کر چکے ہو۔'' وہ فوراً بولی اور حاکم علی ہونٹ بھینچ کر پھر وارڈ روب کی طرف بڑھ گیا۔

''میں چاندنی کو تیار کر دوں......؟'' نشی نے اُس کی خاموشی سے اندر ہی اندر خائف ہو کر پوچھا۔

''ہمارے ہاں کی عورتیں......'' حاکم علی نے ابھی اسی قدر کہا تھا کہ وہ بول پڑی۔

''مجھے صرف ہاں یا ناں میں جواب دو سردار......!''

''وعدہ لے کر تم نے مجھے پابند کر دیا ہے۔ اب میں یہی کہہ سکتا ہوں تمہاری مرضی......!'' وہ کہہ کر واش روم میں بند ہو گیا اور نشی بھاگی ہوئی چاندنی کے کمرے میں آ گئی۔

چاندنی بیڈ پر آڑی ترچھی لیٹی تھی۔ نشی کو دیکھ کر فوراً اُٹھ گئی۔

''ایسے کیوں اکیلی پڑی رہتی ہو......! چلو کہیں باہر گھومنے چلتے ہیں......!'' نشی نے کھڑکیوں سے پردے سمیٹتے ہوئے کہا۔

''باہر......!'' چاندنی ڈر کر بولی۔

''ہاں......! سردار نے کہا ہے۔ تم جلدی سے تیار ہو جاؤ......! پھر باہر چلتے ہیں۔'' نشی نے ہلکے پھلکے انداز میں اُس کا حوصلہ بڑھایا لیکن اُسے یقین نہیں آیا۔

''حاکم نے کہا ہے......؟''

''ہاں بھئی......! اُس نے کہا ہے، میں تمہارے کپڑے نکالتی ہوں نا۔'' نشی نے کہتے ہوئے اُس کی وارڈ روب کھول لی جس میں زیادہ تر جھلملاتے ہوئے سوٹ تھے۔ ان ہی میں سے ڈھونڈ کر اس نے ایک ہلکا سا سوٹ نکالا اور اُسے جلدی تیار ہونے کا کہہ کر کمرے سے نکل آئی۔

پھر حاکم علی کے ساتھ چائے پیتے ہوئے وہ قصداً اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی رہی تاکہ اُس کا دھیان چاندنی کی طرف نہ جائے اور جب وہ چائے پی کر اُٹھا تب وہ بھاگ کر چاندنی کو اُس کے کمرے سے لے آئی جسے دیکھتے ہی حاکم علی کی پیشانی پر ناگواری کی لکیریں اُبھر آئیں لیکن کیونکہ وہ وعدہ کر چکا تھا اس لئے کچھ کہا نہیں اور ان دونوں سے پہلے ہی تیز قدموں سے باہر نکل گیا۔

○ ○ ○

نوریہ کا سارا دن انتظار میں کٹ گیا کیونکہ سعدیہ نے اُسے ہمایوں کا میسج دیا تھا کہ وہ اسلام آباد

پہنچتے ہی اُسے فون کرے گا۔ وہ پتا نہیں کن کاموں میں اُلجھ گیا تھا کہ شام ہو رہی تھی اور ابھی تک اس کا فون نہیں آیا تھا۔ نوریہ کو اب پریشانی کے ساتھ طرح طرح کے وہم ستانے لگے تھے۔ زیادہ اُس کا دھیان حاکم علی کی طرف جا رہا تھا کہ اُس نے ہمایوں کو اپنی جاب پر مجبور کر کے کسی کام سے اسلام آباد بھیج دیا ہوگا۔ بہرحال ان ہی واہموں کے ساتھ وہ مسلسل خود بھی ہمایوں کے موبائل پر ٹرائی کر رہی تھی لیکن اُس کا رابطہ نہیں ہو پا رہا تھا۔ کبھی موبائل آف ملتا کبھی نیٹ ورک بزی اور ہر بار مایوسی کے ساتھ اُس کی پریشانی اور اندیشوں میں اضافہ ہو رہا تھا۔ امی کتنی دیر سے اُسے نوٹ کر رہی تھیں آخر پوچھ ہی لیا۔

''نور بیٹا......! تم کچھ پریشان لگ رہی ہو......! کیا بات ہے......؟''

''وہ......امی......! ہمایوں......! اُن کا فون نہیں آیا......!'' اُس نے کہا تو امی ہنس کر بولیں۔

''تو بیٹا......! اس میں پریشانی کی کیا بات ہے......؟ تم خود کر لو......!''

''میں کب سے ٹرائی کر رہی ہوں، پتا نہیں موبائل آف کر کے بیٹھے ہیں یا کیا ہے......؟'' وہ اب کوفت میں مبتلا تھی۔

''مجھے تو اس موبائل کی سمجھ نہیں آتی۔ جب وقت پر بات نہیں ہو سکتی تو پھر ایسے فون کا کیا فائدہ......؟ خیر......! تم فکر مت کرو۔ ہمایوں ضرور کسی کام میں پھنس گیا ہوگا۔'' امی نے اُسے تسلی دی۔

''یہی بات ہوگی، پھر بھی اُنہیں فون تو ضرور کرنا چاہئے تھا۔'' وہ روٹھے لہجے میں بولی تھی۔

''اچھا......! تم اس فکر میں مت بیٹھو......! جاؤ......! اپنا دھیان بٹاؤ......! جوریہ کے پاس چلی جاؤ......!'' ان کے مشورے پر وہ منہ بنا کر بولی۔

''اوں......! جو جی اس وقت کچن میں مصروف ہوتی ہیں، ٹھیک سے بات بھی نہیں کرتیں۔''

''تو بیٹا......! مریم بھی تو ہے......!'' امی نے کہا تب ہی فون کی بیل بج اُٹھی تو اُس نے بھاگ کر ریسیور اُٹھا لیا۔

''السلام علیکم......!'' دوسری طرف ہمایوں تھا اور وہ خفا تھی۔ سلام کا جواب بھی نہیں دیا، بے اختیار خفگی کا اظہار کر گئی۔

''یہ کیا طریقہ ہے ہمایوں......! ایک تو آپ بتا کر نہیں گئے پھر فون بھی نہیں کیا۔''

''اسی لئے نہیں کیا......!'' ہمایوں نے دھیرے سے کہا لیکن وہ سمجھی نہیں۔

''کیا مطلب......؟''

''دیکھنا چاہتا تھا تم شکایت کیسے کرتی ہو......؟ لڑتی کیسے ہو......؟ خفا کیسے ہوتی ہو......؟'' ہمایوں محظوظ انداز میں کہہ گیا اور وہ ایک دم نروس ہو گئی۔

''بہت خراب ہیں آپ......! پتا ہے میں صبح سے پریشان ہو رہی ہوں۔''

''سوری......! میرا مقصد تمہیں پریشان کرنا نہیں تھا۔'' ہمایوں اب سنجیدہ ہو کر بتانے لگا۔ بس ایسا

ہے کہ یہاں آتے ہی میرا موبائل کہیں گر گیا پھر مصروفیت کچھ ایسی تھی کہ میں فون نہیں کر سکا۔ آئی ایم...... !میں نے جان بوجھ کر تمہیں تنگ نہیں کیا، پھر بھی سوری...... !''

''اب یہ بھی بتا دیں اچانک اسلام آباد کس سلسلے میں جانا ہوا...... ؟'' اُس نے پوچھا۔

''جاب کے سلسلے میں آیا ہوں، رات میرے ایک دوست کا فون آیا تھا۔ اُس نے ایک ویکنسی بتائی اور فوراً آنے کو کہا تو میں نے سوچا یہ چانس مس نہیں کرنا چاہئے۔ یوں بھی وہ شہر ہمیں راس نہیں آرہا۔ پھر ہو سکتا ہے ہماری نئی زندگی کی شروعات یہاں سے لکھی ہو۔ ایسا ہو سکتا ہے ناں...... !'' ہمایوں نے تفصیل بتا کر اُس سے پوچھا۔

''پتا نہیں...... ! آپ یہ بتائیں پھر کیا رہا...... ؟ آئی مین...... ! جاب کا...... ؟'' وہ اُس کی بات کا جواب دینے سے کترا گئی۔

''اُمید تو ہے...... ! باقی جو اللہ کو منظور ہو گا۔''

''اللہ بہتر کرنے والا ہے اور ہمیں بہتری ہی کی اُمید کرنی چاہئے، بہر حال اب واپسی کب ہے...... ؟''

''جب تم کہو...... ! ابھی آجاؤں...... !'' ہمایوں کے لہجے میں شوخی تھی۔

''وہ بات کیا کریں، جس پر اختیار ہو...... !'' اُس نے ذرا سا ہنس کر ٹوکا۔

''یہ تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو...... ! خیر...... ! دو تین روز میں آجاؤں گا، کیا لاؤں تمہارے لئے...... ؟''

''بس...... ! آپ آجائیں...... !'' اُس نے بے اختیار کہا اور کریڈل پر ہاتھ رکھ کر سلسلہ منقطع کر دیا لیکن پھر فوراً ہی بیل بجنے لگی تو وہ یہی سمجھی کہ ہمایوں اس کی بات کے جواب میں کچھ کہیں گے اور اُس سے مزید کچھ کہلوانا چاہیں گے۔ جب ہی کریڈل سے ہاتھ ہٹا کر بولی۔

''بس...... ! جو کہنا تھا کہہ دیا...... !''

''کیا کہہ دیا...... ؟ میں نے تو کچھ نہیں سنا...... !'' دوسری طرف اُس کی دوست روبی تھی۔

''ہائے روبی...... !'' وہ اُچھل پڑی۔

''بس بس...... ! زیادہ جوش دکھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ آواز سن لی تو ہائے روبی...... ! ورنہ تمہیں تو جب سے شادی ہوئی ہے توفیق ہی نہیں ہوئی۔'' روبی ناراضگی سے بولتی چلی گئی۔

''میری بات تو سنو روبی...... ! یار...... ! میں بہت کرائسس کا شکار رہی۔ یقین کرو...... ! مجھے اپنا ہوش نہیں تھا۔'' اُس نے بمشکل روبی کو خاموش کرا کے کہا۔

''کیا مطلب...... ! ابھی تمہاری شادی کو عرصہ ہی کتنا ہوا ہے...... ! کیا سسرال والے بہت ظالم ہیں...... ؟''

''نہیں بھئی...... ! وہاں تو سب اچھے ہیں بس وہی لوفر حاکم علی...... ! اُس نے جینا حرام کر دیا تھا۔''

اُس نے بتایا تو روبی کی چیخ نکل گئی۔

''کیا...... ! وہ وہاں کیسے پہنچ گیا...... ؟ ہمایوں کو تو پتا نہیں چلا...... ؟''

''سب پتا چل گیا انہیں...... ! تم آؤ تو بتاؤں گی، فون پر نہیں بتا سکتی، ڈیڈی آنے والے ہیں، کب آؤ گی...... ؟'' آخر میں اُس نے پوچھا تو روبی دانت پیس کر بولی۔

''پکی چار سو بیس ہو تم...... ! تجسس پھیلا کر پوچھتی ہو کب آؤ گی تاکہ میں منع ہی نہ کر سکوں۔''

''کل صبح سے آجاؤ...... ! سارا دن میرے ساتھ رہنا...... !''

''جی نہیں...... ! زیادہ فری ہونے کی ضرورت نہیں ہے، بس جب فرصت ملے گی آجاؤں گی، ابھی تو اتنا بتا دو کہ تم ٹھیک ہو ناں...... !'' روبی ایک سانس میں بول رہی تھی۔

''ہاں...... ! اور اب سب ٹھیک ہونے والا ہے۔'' وہ کہہ کر خود ہی ہنسی۔



رات نصف سے زیادہ بیت چکی تھی اور کلب کی رونقیں اپنے عروج پر تھیں۔ چاندنی کے لئے یہ سب کچھ نیا اور حیران کن تھا۔ حقیقتاً اُس کی سانسیں رُکی ہوئی تھیں اور اُسے گھن بھی آرہی تھی۔ جو بھی اُس کے قریب سے گزرتا شراب کی ناگوار مہک سے اُسے ابکائی آنے لگی۔ دل چاہتا بھاگ کر باہر کی کھلی فضا میں چلی جائے لیکن اُس میں چلنے کی سکت بھی نہیں تھی۔ ٹانگوں میں جیسے جان ہی نہیں رہی تھی۔ بس ایک تک حاکم علی کو دیکھے جا رہی تھی جو لڑکیوں کے جھرمٹ میں رعنا اندر بنا سب پر نوازشیں لٹا رہا تھا اور اس پل وہ اُسے خود سے بہت دور لگا۔ صدیوں کی مسافتیں طے کر کے بھی وہ جیسے اُس تک نہیں پہنچ پائے گی۔ یہ خیال اُسے بار بار آرہا تھا اور اُس کا ننھا سا دل اپنی پہلی محبت کی رُسوائی پر تڑپ تڑپ کر رو رہا تھا۔ نشی بھی اُسے چھوڑ کر جانے کہاں چلی گئی تھی۔ وہ اس کی تلاش میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگی تب ہی کوئی اُس کے قریب چیئر پر ڈھے کر بولا۔

''ہیلو سوئیٹی...... !'' وہ چونک کر اُسے دیکھتے ہی ڈر سی گئی۔

''کب سے اکیلی بیٹھی ہو...... ! کوئی پارٹنر نہیں ہے تمہارے ساتھ...... !'' اُس شخص نے کہا تو اُس کے منہ سے آتی بدبو سے وہ مزید پریشان ہو گئی۔

''ڈ پرابلم...... ! میں ہوں ناں...... ! آؤ میرے ساتھ...... !'' اُس شخص نے اُس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ ایک دم کھڑی ہو کر چیخی۔

''حاکم...... !''

''سردار حاکم مست ہو رہا ہے، نہیں سنے گا وہ...... !'' اُس شخص نے کہتے ہوئے اُس کی کلائی تھام لی تو وہ اور زور زور سے چیخنے لگی۔ اُس کی چیخوں پر حاکم علی تو متوجہ نہیں ہوا البتہ نشی بھاگی آئی تھی۔

''کیا ہوا چاندنی...... !''

''یہ......!'' اس کی آنکھوں سے ایک تواتر سے آنسو بہہ نکلے۔ اس شخص کی طرف اشارہ کیا تو نشی اُسے مخاطب کر کے بولی۔

''روہیل پلیز......!اس کا ہاتھ چھوڑو......!''

''ابھی تو میں نے صرف ہاتھ پکڑا ہے......!'' روہیل کمینگی سے ہنسا۔

''شٹ اَپ روہیل......!تم جانتے نہیں یہ کون ہے......؟'' نشی نے جھٹکے سے اس کی گرفت سے چاندنی کی کلائی چھڑاتے ہوئے کہا۔

''یہاں کوئی کسی کو نہیں جانتا مائی ڈیئر......!پھر بھی سب اپنے ہیں۔ ویسے یہ حسین چڑیا آئی کہاں سے......؟ پہلے تو کبھی اسے نہیں دیکھا......!'' روہیل نے کہتے ہوئے پھر چاندنی کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ فوراً نشی کے پیچھے چھپ کر بولی۔

''حاکم کو بلاؤ......!مجھے یہاں سے لے چلو......!''

''ہاں......!چلو......!'' نشی اُس کا ہاتھ پکڑ کر حاکم علی کے پاس آ گئی اور اُونچی آواز میں اُسے مخاطب کر کے بولی۔

''سردار......!چاندنی پریشان ہو رہی ہے، گھر چلو......!''

''ابھی تو رات باقی ہے......!'' حاکم علی ہوش میں نہیں تھا۔

''اچھا سنو......!میں اسے اپنے ساتھ لے جا رہی ہوں......!'' نشی نے پھر زور سے کہا لیکن حاکم علی نے کوئی توجہ نہیں دی تب وہ چاندنی کو لے کر باہر آ گئی۔

''وہ حاکم......!'' چاندنی ہچکیوں سے رو رہی تھی۔

''اس کی فکر چھوڑو......!تم بیٹھو گاڑی میں......!'' نشی نے گاڑی کا لاک کھول کر اُسے بٹھایا اور ڈرائیونگ پر آ گئی اور گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے بولی۔

''تم پلیز......!رونا بند کرو......!''

''آپ مجھے کہاں لے جا رہی ہو......؟'' چاندنی نے ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑتے ہوئے پوچھا۔

''گھر......!اپنے گھر......!''

''اپنے گھر کیوں......؟'' چاندنی پھر پریشان ہو گئی۔

''کیونکہ سردار اب صبح ہی آئے گا۔ تم اکیلی خواہ مخواہ پریشان ہوتی رہو گی۔ اس لئے ابھی میرے ساتھ سو نا پھر صبح سردار آ کر تمہیں لے جائے گا یا میں خود چھوڑ آؤں گی، سمجھیں......!'' نشی نے ڈرائیونگ پر توجہ مرکوز رکھ کر کہا تو وہ خاموش ہی رہی اور بقیہ راستہ خاموشی میں کٹا۔ پھر گھر آتے ہی نشی اُسے سیدھا اپنے کمرے میں لے آئی اور لیٹنے کا کہہ کر خود پتا نہیں کہاں چلی گئی۔

چاندنی لیٹنے کی بجائے صوفے پر سٹ کر بیٹھ گئی کیونکہ وہ اندر سے بہت خوفزدہ تھی اور سچ تو یہ ہے کہ

اُسے نشی پر بھی اعتبار نہیں تھا، جب ہی اُس کا دل کانپے جا رہا تھا کہ اب پتا نہیں کمرے میں کون آئے گا۔ وہ سہمی ہوئی نظروں سے مسلسل دروازے کو دیکھے جا رہی تھی۔ کچھ دیر بعد جیسے ہی دروازہ کھلا وہ بے اختیار اُچھل کر کھڑی ہو گئی لیکن پھر نشی کو دیکھ کر دوبارہ اسی انداز میں بیٹھ گئی۔

''ارے......!تم سوئی نہیں......؟'' نشی نے پوچھا تو وہ نفی میں سر ہلا کر بولی۔

''مجھے نیند نہیں آ رہی اور ڈر بھی لگ رہا ہے۔''

''ڈر کیوں......؟ کیا مجھ سے ڈر رہی ہو......؟'' نشی بچے کو اُٹھا لائی تھی اس کے لئے بیڈ پر جگہ بناتے ہوئے پوچھنے لگی۔

اُس نے کوئی جواب نہیں دیا، خاموشی سے بچے کو دیکھنے لگی۔

''ڈرو مت......!کم از کم میں تمہیں نقصان نہیں پہنچاؤں گی، آؤ......!یہاں لیٹ جاؤ......!'' نشی بچے کو لٹا کر اُس کے پاس چلی آئی اور اُس کا ہاتھ پکڑ کر اُٹھا دیا۔

''یہ بچہ تمہارا ہے......؟'' اس نے بیڈ کے قریب رُک کر پوچھا۔

''میرا ہی سمجھو......!'' نشی ذرا سا ہنسی تھی۔

''اور تمہارا شوہر کہاں ہے......؟''

''وہ یہاں نہیں ہوتا، باہر ہوتا ہے، امریکہ......!'' نشی نے محض اُس کے مزید سوالوں سے بچنے کی خاطر جھوٹ بول کر گویا اُسے مطمئن کیا۔

''جب ہی......!'' وہ جانے کس خیال کے تحت بولی، نشی چونک کر اُسے دیکھنے لگی۔

''کیا جب ہی......؟''

''تم اتنی رات تک گھر سے باہر رہتی ہو، کوئی پوچھنے والا جو نہیں ہے۔'' اُس کی صاف گوئی پر نشی بے ساختہ ہنس پڑی، بولی کچھ نہیں۔

''ایک بات پوچھوں......؟'' قدرے توقف سے اس نے نشی کا ہاتھ ہلا کر کہا۔

''ضرور پوچھو......!'' نشی پھر اُس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

''تم نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا تھا کہ حاکم نے مجھے باہر چلنے کو کہا ہے......؟ وہ تو ناراض تھا، مجھ سے بات ہی نہیں کی، تم زبردستی مجھے لے گئی تھیں ناں......؟'' اُس نے پوچھا تو گہری سانس کھینچتے ہوئے نشی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''کیوں......!کیوں لے گئی تھی تم مجھے وہاں......؟ حاکم کی اصلیت دکھانے......؟'' چاندنی کی اس بات پر کتنی دیر تک نشی اُسے دیکھتی رہ گئی۔ غالباً اُسے اس سیدھی سادی اور کم عمر دیہاتی لڑکی سے اس بات کی توقع نہیں تھی۔

''بتاؤ ناں......!'' چاندنی نے پھر اس کا ہاتھ ہلایا تو وہ اس کا ہاتھ ہاتھوں میں لے کر کہنے لگی۔

"بے شک......! میرا یہی مقصد تھا چاندنی......! لیکن تم اس بات کو غلط انداز سے لے رہی ہو یعنی میں تمہیں تمہارے حاکم کی اصلیت نہیں ایکٹویٹیز دکھانا چاہتی تھی۔ میں چاہتی ہوں تم دیکھو اور سمجھو کہ حاکم کیسی زندگی گزارتا ہے اور اگر تمہیں اس کے ساتھ چلنا ہے تو تمہیں بھی خود کو اس کے رنگ میں ڈھلنا ہوگا۔ اپنے اندر ہمت بیدار کرو اور ہائی سوسائٹی موو کرنے کے آداب سیکھو......!"

"کس کے لئے......؟" چاندنی کھوئے ہوئے انداز میں بولی۔

"اپنے حاکم کے لئے......!" نشی نے اس کا ہاتھ دبایا۔

"حاکم میرا نہیں ہے۔ میں نے جان لیا ہے۔ حاکم کبھی میرا نہیں ہو سکتا۔" چاندنی ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی۔

"ارے......! بے وقوف ہو تم......! ایسا کیوں سوچ رہی ہو......؟ تمہیں حاکم کو اپنا کرنا ہے اور تم کر سکتی ہو کیونکہ تم اُس کی بیوی ہو۔ دوسری لڑکیوں کی طرح نہیں ہو جن سے وہ کھلونے کی طرح کھیلتا اور دل بھر جانے پر روند کر آگے بڑھ جاتا ہے۔" نشی نے اُس کی کلائیاں تھام کر جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

"مجھے تو اُس نے کھلونا بھی نہیں سمجھا......!" وہ اسی طرح روتے ہوئے بولی۔

"تمہیں کیوں کھلونا سمجھے گا......؟ تم بیوی ہو اُس کی۔ شرعی، قانونی حق رکھتی ہو اُس پر۔ اپنا حق جتانا اور لینا سیکھو۔ پھر تمہاری تو بیک بھی مضبوط ہے۔ حاکم کے ماں باپ تمہارے ساتھ ہیں اور تمہاری حیثیت بھی کسی طرح حاکم سے کم نہیں ہے۔ برابری کا دعویٰ کر سکتی ہو تم......!" نشی کا بس نہیں چل رہا تھا اسی وقت اُسے ہر لحاظ سے مضبوط کر کے حاکم علی کے مقابل کھڑا کر دے لیکن وہ ساری باتیں ایک ساتھ کہاں سمجھ سکتی تھی۔ بے بسی سے ہونٹ کاٹنے لگی تب نشی کو اپنی حماقت کا احساس ہوا۔

"کاش......! تم اتنی کم عمر نہ ہوتیں۔ اب تو وقت ہی تمہیں سمجھائے گا۔ خیر......! اب رونا بند کرو اور سو جاؤ......!" نشی کہتے ہوئے اُٹھ کھڑی ہوئی اور زیرو پاور کا مدھم بلب جلا کر ٹیوب لائٹ آف کر دی پھر آ کر لیٹ گئی اور کچھ دیر میں سو بھی گئی۔ جبکہ اُس کی نیند ہی اُڑ گئی تھی۔ دل پر کیسی کیسی قیامتیں گزر رہی تھیں یہ وہی جانتی تھی۔ اگر بے بے کے پاس ہوتی تو اُن کی گود میں سر رکھ کر تڑپ تڑپ کر روتی۔ اب تکیے میں منہ چھپائے گھٹ گھٹ کر رو رہی تھی۔ معاً درمیان میں سویا بچہ چیخ کر رویا تو وہ ایک دم اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ نشی بے خبر سو رہی تھی۔ اُس نے پہلے بچے کو تھپک کر سلانے کی کوشش کی پھر گود میں اُٹھایا تو بچہ چپ ہو گیا۔ وہ آہستہ آہستہ اُسے جھلانے کے ساتھ کبھی اس کی ناک پونچھتی، کبھی ہونٹ کبھی آنکھیں اور اس طرح اُس کی دھڑکنیں کبھی تیز ہوتیں کبھی معدوم ہونے لگتیں۔ پھر وہ اُسے بازوؤں میں لے کر لیٹ گئی اور اس کے ساتھ خود بھی سو گئی۔

اور کیونکہ رات کے اختتامی مراحل میں وہ سوئی تھی اس لئے صبح آنکھ ہی نہیں کھلی۔ بہت دن چڑھ آیا تھا جب نشی نے اُسے اُٹھا کر حاکم علی کے آنے کا بتایا تو وہ اُٹھ کر واش روم چلی گئی۔ منہ ہاتھ دھو کر آئی تو نشی

کہنے لگی۔

"حاکم کہہ رہا ہے، وہ اسی وقت گاؤں جا رہا ہے، تمہیں لے کر......!" وہ کچھ نہیں بولی، خاموشی سے ہاتھوں سے بال ٹھیک کرنے لگی۔

"تم جانا چاہتی ہو......؟" نشی نے پوچھا۔

"ہاں......! یہاں رہ کر کیا کروں گی......؟" وہ سادگی سے بولی۔

"حاکم کو اپنا احساس دلانا......!" نشی نے کہا تو وہ افسردگی سے مسکرائی۔

"بہت مشکل بلکہ شاید ناممکن ہے اور یہ تم بھی جانتی ہو، پھر کیوں زور دے رہی ہو......؟"

"کیونکہ میں چاہتی ہوں حاکم علی تمہارا ہو کر رہے، صرف تمہارا......!" نشی نے ایمانداری سے کہا۔

"وہ کسی ایک کا نہیں ہو سکتا، اچھا میں چلتی ہوں......!" اُس نے کہہ کر فوراً دروازے کی طرف قدم بڑھائے، پر کسی خیال کے تحت رُک گئی اور پلٹ کر نشی کو دیکھنے لگی۔

"کیا بات ہے......؟" نشی کو وہ کشمکش میں لگی۔

"ایک بات پوچھوں......! سچ بتاؤ گی......؟" اُس نے کہا تو نشی نے کچھ ٹھٹک کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

"یہ بچہ حاکم کا ہے ناں......!" وہ پوچھتے ہوئے آزردہ تھی اور نشی دنگ رہ گئی۔

"مان لو......! کیونکہ یہ بالکل حاکم پر گیا ہے، اس کی آنکھیں، اس کے ہونٹ، اس کی پیشانی۔"

"بس......! چپ ہو جاؤ چاندنی......!" نشی نے اُس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

"میں تو چپ ہو جاؤں گی، اس کے نقش کیسے بدلیں گے......؟ حاکم نے شادی کی ہے تم سے......؟" اس نے نشی پر جتا کر پوچھا۔

"نہیں......! اور یہ بچہ بھی میرا نہیں ہے......! میری دوست کا ہے اور حاکم کا اس سے کوئی تعلق نہیں......! تم خواہ مخواہ بدگمان مت ہو......!" نشی نے سنبھل کر صفائی پیش کی پھر دروازہ کھول کر بولی۔

"چلو......! حاکم انتظار کر رہا ہے......!"

وہ ست روی سے نشی کے پیچھے چلتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آئی تو حاکم علی انہیں دیکھ کر اُٹھ کھڑا ہوا اور نشی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"اوکے نشی......! میں ابھی گاؤں جا رہا ہوں، کچھ دن وہیں رہوں گا۔"

"پھر چاندنی کو لے کر آؤ گے......؟" نشی نے بلا ارادہ ہی پوچھ لیا۔

"نہیں......! یہ یہاں رہنے کے قابل نہیں ہے، چلو چاندنی......!" اُس نے چاندنی کو سختی سے مخاطب کیا۔ وہ سر جھکائے اُس کے پیچھے چل پڑی۔

○○○

نوریہ، روبی کے آنے سے خوش ہوگئی تھی۔ اتنے دنوں بلکہ مہینوں بعد اُسے اچھی دوست اور ہمراز ساتھی کی رفاقت میسر آئی تھی تو وہ اُس کے ساتھ اپنے کمرے میں بند ہوگئی اور شادی کے بعد کے تمام حالات اُسے بتائے۔ روبی حیرت سے سنتی رہی تھی، آخر وہ کہنے لگی۔

''اللہ کرے......! ہمایوں کی اسلام آباد میں جاب ہو جائے تو پھر وہ وہیں شفٹ ہو جائیں گے۔''

''نہیں نور......! یہ ٹھیک نہیں ہے......! اب جبکہ ہمایوں تمہارے ساتھ ہیں تو تمہیں یہیں رہ کر باقاعدہ اس کا مقابلہ کرنا چاہیے تاکہ ایسے لوگوں کو سبق ملے کہ وہ کبھی اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہو سکیں۔'' روبی نے جوش سے کہا۔

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو......! لیکن خواہ مخواہ کی ٹینشن، بندہ دوسرے کاموں سے بھی رہ جاتا ہے اور پھر میں تمہیں بتاؤں روبی......! وہ چین سے بیٹھنے والا نہیں ہے، عجیب جنونی شخص ہے۔ مجھے ابھی بھی اُس کی طرف سے دھڑ کا لگا رہتا ہے۔ پتا نہیں کب کیا کر ڈالے......!''

''کچھ نہیں کر سکتا......! فضول میں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' روبی نے ٹوکا۔

''میں فضول میں نہیں ڈر رہی روبی......! تم نے اس کی ڈھٹائی نہیں دیکھی، کس دھڑ لے سے ویسے والے روز اسٹیج پر چلا آیا، پھر اپنے گھر بلا کر...... یقین کرو......! میں ابھی بھی سوچ کر کانپ جاتی ہوں۔'' اُس نے جھرجھری لی۔

''کم آن یار......! جو ہونا تھا ہو گیا......! بھول جاؤ سب اور اب آنے والے دنوں کو سوچو......!''

روبی نے اُس کا ہاتھ دبایا پھر پوچھنے لگی۔

''ہنی مون ٹور کتنے دنوں کا ہے......؟''

''پتا نہیں......! اگر ہمایوں کی اسلام آباد میں جاب ہوگئی تو پھر شاید باہر کا پروگرام رہ جائے گا۔ خیر......! مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔ میں چاہتی ہوں ہمایوں جلدی سیٹ ہو جائیں کیونکہ یہاں بھی میں گلٹی فیل کر رہی ہوں کہ میری وجہ سے اُن کی جاب گئی۔'' وہ کچھ عجیب سے احساس میں گھر گئی تھی۔

⊖ ⊖ ⊖

ہمایوں خاصا پُر امید تھا کہ اسے اسلام آباد میں نہ صرف جاب مل جائے گی بلکہ عنقریب ڈیوٹی بھی جوائن کرنی پڑے گی اور اس بات سے جہاں وہ خوش تھا وہاں اسے یہ خیال بھی آ رہا تھا کہ وہ نوریہ سے باہر جانے کی بات کر چکا تھا اور ابھی یہ کسی طرح ممکن نہیں تھا۔ وہ یا تو جاب کرتا یا ہنی مون پر نکل جاتا اور کیونکہ وہ جذباتی نوجوان نہیں تھا پھر اسے اپنی ذمے داریوں کا بھی احساس تھا اس لیے اس نے جاب کو ترجیح دی اور فی الحال باہر جانا ملتوی کر کے ایک نیا پروگرام بناڈالا اور اسی وقت نوریہ کو فون کیا تو وہ فوراً پوچھنے لگی۔

''آپ آگئے......؟''

''کہاں......؟'' وہ اس کی بے قراری سے محظوظ ہو رہا تھا۔

''کراچی......!''

''نہیں......! اور ابھی میں اپنے ٹکٹ کینسل کروا رہا ہوں۔'' اس نے کہا تو اب وہ کچھ حیران ہوئی۔

''کیوں......؟''

''کیونکہ یہاں کا موسم بہت خوبصورت ہے اور اگر ایسے موسم میں تم ساتھ ہو تو مجھے بہت اچھا لگے گا۔ آئی مین......! تم یہاں آ جاؤ......! یہاں سے پھر ہم سوات کاغان وغیرہ چلیں گے، کیاں خیال ہے......؟'' ہمایوں نے پروگرام بنا کر اسے پوچھا تو وہ دھیرے سے بولی۔

''جیسے آپ کہیں......!''

''ہاں......! بس تم آ جاؤ......! صبح معلوم کرو جو بھی فلائٹ ہے پھر سیٹ کنفرم ہوتے ہیں مجھے فون کر دینا، اوکے......!'' وہ اس کی آمد کے خیال سے خوشی محسوس کر رہا تھا۔

''لیکن یہ سب...... آئی مین......! میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔'' وہ جانے کیا معلوم کرنا چاہ رہی تھی۔

''میں سب سمجھا دوں گا، بس تم آ جاؤ......!'' اس کے ذومعنی انداز پر ادھر وہ غالباً بلش ہوگئی تھی جب ہی کچھ کہے بغیر فون رکھ دیا تو وہ ہنس پڑا۔ پھر گھر فون کر کے اس نے اپنی امی کو اپنے وہاں مزید قیام کے بارے میں بتایا اور یہ بھی کہ وہ نوریہ کو بلا رہا ہے۔ اس کے بعد اس کے لیے وقت کاٹنا واقعی مشکل

ہو گیا تھا۔

○ ○ ○

"تمہاری وجہ سے کچھ نہیں ہوا، سب کچھ اس لوفر کی وجہ سے ہوا ہے۔ ویسے نور......! میں حیران ہوں تم میں ایسی کیا خاص بات ہے جو بندہ بالکل ہی پاگل ہو گیا......؟" آخر میں روبی نے ہلکے پھلکے انداز میں اس کے بازو میں چٹکی کاٹ کر کہا تو وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

"بس یونہی ہنستی رہو اور اب خدا کے لیے......! کچھ کھلا پلا دو......! کب سے بھوکی پیاسی بیٹھی ہوں۔" روبی نے پیٹ پر ہاتھ پھیرا، پھر تکیہ کھینچ کر لیٹ گئی۔

"سوری یار......! باتوں میں مجھے خیال ہی نہیں رہا۔ خیر......! اب لیٹو مت......! چلو کھانا کھاتے ہیں۔ پھر میں تمہیں اچھی سی چائے پلاؤں گی۔" اس نے اُٹھتے ہوئے روبی کا ہاتھ کھینچ کر اسے بھی اُٹھا دیا۔

پھر کھانے کے دوران روبی اس کی آئندہ زندگی کے بارے میں باتیں کرتے ہوئے مسلسل اسے چھیڑتی رہی جس سے وہ ریلیکس ہو گئی تھی۔ اس کے بعد چائے بنا کر وہ پھر روبی کو اپنے کمرے میں لے آئی اور اب دونوں اپنے طالب علمی کے زمانے کو یاد کر رہی تھیں۔ طالب علمی کا سنہرا دور کبھی نہیں بھولتا، انسان خواہ اپنی زندگی میں کتنا خوش، کتنا مطمئن ہو پھر بھی اس دور کے لوٹ آنے کی شدت سے تمنا رکھتا ہے۔ شاید اس لیے کہ بے فکری، آزادی اور ہر امتحان کی پہلے سے آگاہی! جبکہ پریکٹیکل لائف میں امتحان آزمائش بن کر آتا ہے اور وہ بھی بغیر بتائے جب ہی انسان بوکھلا جاتا ہے لیکن جوان آزمائشوں پر ثابت قدم رہتے ہیں وہی کامیاب ہوتے ہیں۔ بہر حال اس وقت کو یاد کرتے ہوئے اچانک روبی کو نعمان کا خیال آیا تو پوچھنے لگی۔

"سنو......! تمہارا وہ کزن کیسا ہے......؟"

"کون......! نومی......! ہاں ٹھیک ہے......! اس نے بھی میرا بڑا ساتھ دیا لیکن وہ جھنجھلاتا بہت ہے۔" اس نے بتایا تو روبی ہنس کر بولی۔

"تمہاری حماقتوں پر جھنجھلاتا ہوگا۔ کیا کر رہا ہے آج کل......؟"

"جاب......! اور ابھی پرسوں میں نے اس سے کہا کہ اب شادی بھی کر لو تو بگڑ گیا کہ تم لڑکیوں کو ہر بات کی جلدی ہوتی ہے۔" اس نے اب محظوظ ہو کر نعمان کی بات دہرائی پھر ایک دم کسی خیال سے روبی کا ہاتھ تھام کر پوچھنے لگی۔

"سنو......! تمہیں کیسا لگتا ہے......؟"

"کون......؟" روبی سمجھی نہیں تھی۔

"نعمان......! میں نومی کا پوچھ رہی ہوں، تمہاری بات چلاؤں اس سے......؟" نور نے شوخی سے کہا۔

"دماغ ٹھیک ہے تمہارا......!" روبی اُچھل کر بولی۔

"کیوں......! اس میں دماغ ٹھیک یا خراب ہونے کی کیا بات ہے......؟ ماشاء اللہ......! اتنا ہینڈسم ہے میرا کزن......!" اس نے اترا کر نعمان کی تعریف کی۔

"تو وہ ہینڈسم تمہیں نظر کیوں نہیں آیا......؟ جبکہ وہ تمہیں پسند بھی کرتا تھا۔" روبی نے نعمان کے پسند کرنے پر زور دیا۔

"نہیں روبی......! ہمارے درمیان پسند و ناپسند کا کوئی معاملہ نہ تھا نہ ہے، تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔" وہ ایک دم سنجیدہ ہو گئی۔

"اچھا بابا......! تم اتنا سیریس مت لو......!" روبی نے موضوع ختم کرنا چاہا۔

"لیکن تمہیں سیریس ہونا پڑے گا کیونکہ میں مذاق نہیں کر رہی، سمجھیں......!"

"سوچنا ضرور......! نومی اچھا لڑکا ہے......!" اس نے پھر اصرار سے کہا تو روبی ہاتھ جوڑ کر بولی۔

"اچھا بھئی......! سوچ لوں گی لیکن تم خدا کے لیے ابھی اس سے کچھ مت کہنا......!"

"نہیں......! تمہارے سوچنے اور پھر ہامی بھرنے کے بعد اس سے بات کروں گی......!" وہ کہہ کر شرارت سے ہنسی لیکن پھر اپنی بات پر قائم نہیں رہی اور روبی کے جاتے ہی نعمان کے پاس بھاگی آئی۔

"نومی......! مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔" اس کے انداز میں حد درجہ بے صبری تھی جب ہی نعمان کچھ ٹھٹک کر پوچھنے لگا۔

"خیریت تو ہے......؟"

"ہاں ہاں......! سب خیریت ہے۔ بس تم وعدہ کرو میری بات کو مذاق میں نہیں اُڑاؤ گے......!"

"نہیں اُڑاؤں گا......! تم کہو......!" نعمان کو اب تجسس ہوا تھا۔

"وہ میری دوست روبی ہے ناں......! تم اس کے ساتھ شادی کر لو......!" وہ بغیر کسی تمہید کے کہہ گئی وہ بھی یوں جیسے یہ کام ابھی کرنے والا ہو۔

"ہاہا......!" نعمان بے ساختہ زور سے ہنسا پھر ہنستا چلا گیا۔

"نومی کے بچے......!" وہ دانت پیس کر بولی۔

"میں نے کوئی لطیفہ نہیں سنایا......!"

"لطیفہ......! ہاں......! یہ لطیفہ ہی تو ہے......!" وہ ہنسی کے درمیان بولا۔

"انتہائی فضول ہو تم......! میں اب کبھی تم سے بات نہیں کروں گی۔" وہ ناراض ہو کر جانے لگی کہ نعمان نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"ارے ارے......! ناراض کیوں ہوتی ہو......؟ میں تمہاری بات پر تو نہیں ہنس رہا۔"

"پھر......؟"

"اپنے آپ پر ہنس رہا ہوں۔ خیر......! تم بتاؤ......! کیا کہہ رہی تھیں......؟" نعمان بمشکل خود کو سنجیدہ ظاہر کر پایا۔

"کچھ نہیں......!" وہ ہنوز روٹھی ہوئی تھی۔

"کم آن یار......!" نعمان نے اسے کھینچ کر بٹھایا پھر کہنے لگا۔

"تم میری شادی کی بات کر رہی تھیں تو بے وقوف......! تمہیں سوچنا چاہیے کہ میں ابھی روزگار سے لگا ہوں۔ اتنی جلدی شادی کیسے کر سکتا ہوں......؟ پھر یہ میرے اختیار میں بھی نہیں ہے۔ اللہ سلامت رکھے میرے ماں باپ کو، جیسا وہ چاہیں گے اور میرا خیال ہے امی ابو پہلے ردا کی شادی کرنا چاہیں گے، یہی مناسب ہے۔"

"بالکل......! یہی مناسب ہے۔ میں نے تم سے یہ تو نہیں کہا کہ فوراً سر پر سہرا سجا لو......!" وہ اب اپنی خجالت مٹانے کو بولی۔

"چلو......! جب بھی سہرے کے پھول کھلنے کا وقت آئے گا تب میں پہلے تمہاری دوست کے بارے میں سوچوں گا۔ بشرطیکہ تب تک اس کی شادی نہ ہوئی ہو، ٹھیک......!" وہ واقعی سنجیدہ ہو گیا تھا اور نوریہ کے پاس اب کہنے کو کچھ نہیں تھا۔

○ ○ ○

حاکم علی نے تمام راستے چاندنی سے کوئی بات نہیں کی تھی اور اب چاندنی کو بھی اس کی بے اعتنائی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ وہ بالکل بے حس ہو چکی تھی۔ شاید دُکھ کی انتہا پر اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفلوج ہو گئی تھی۔ یہ اس کے لیے بڑا دُکھ تھا کہ وہ شخص جسے اس نے اپنا سب کچھ مان لیا تھا وہ اس کا ہو کر بھی اس کا نہیں ہو سکا تھا۔ گو کہ وہ بہت زیادہ حقیقت پسند نہیں تھی بلکہ ابھی تو اسے حقیقت اور فریب میں کچھ زیادہ تمیز بھی نہیں تھی البتہ یہ وہ جانتی تھی کہ حاکم علی کے مقابلے میں وہ بہت کمزور ہے اور شاید اسی لیے اس نے اپنی ہار مان لی تھی اور اس ہار کو جیت میں بدلنے کے جتن وہ نہیں کر سکتی تھی۔ یہ بھی وہ جانتی تھی جب ہی سارے ہتھیار ڈال کر آزردہ بیٹھی تھی اور حاکم علی کو تو وہ ہمیشہ ایسی ہی لگتی تھی روئی ہوئی۔ جب ہی اس نے محسوس نہیں کیا بلکہ وہ تو سرے سے اس کے وجود سے ہی منکر تھا، البتہ جب گھر میں داخل ہوا تب ایک دم اس کی کلائی تھام لی اور بڑی بے رحمی سے اسے بے بے کے سامنے دھکیل کر غصے سے کہنے لگا۔

"جب میں نے کہا تھا کہ اسے یہیں رہنا ہے تو پھر یہ میرے پاس کیوں آئی......؟ کیوں بھیجا آپ نے اسے میرے پاس......؟"

"تو اور کس کے پاس بھیجتی......؟ تجھ سے شادی ہوئی ہے اس کی۔" بے بے یوں بھی ان دنوں چاندنی کی محبت میں سب سے نالاں تھیں جب ہی انہیں حاکم علی پر غصہ آ گیا۔

"آپ لوگوں کے کہنے پر میں نے اس سے شادی کی، مجھے کوئی شوق نہیں تھا۔" وہ مزید دھاڑا۔

"شوق نہیں تھا تو منع کر دیتا۔ چاندنی کے لیے کیا کمی تھی......؟"

"مجھے بھی کمی نہیں ہے۔ رکھیں اسے اپنے پاس اور تم بھی سنو چاندنی......! خبردار......! آئندہ اپنی منحوس شکل لے کر میرے پاس مت آنا......!" وہ آخر میں اس پر چلایا اور تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتا ہو اُوپر چلا گیا۔

"دماغ پھر گیا ہے اس کا، کسی کو کچھ سمجھتا ہی نہیں ہے، میں اس کے بابا سے بات کروں گی۔" اپنے آپ بولتے ہوئے بے بے کی نظر چاندنی پر پڑی۔ اس کا چہرہ دُھواں دُھواں ہو رہا تھا۔

"ہائے چاندنی......! میری دھی......!" بے بے نے اسے کھینچ کر سینے سے لگایا تو وہ یوں ٹوٹ کر روئی کہ سنبھالنا مشکل ہو گیا، بے بے کبھی اسے بازوؤں میں بھرنے کی کوشش کرتیں، کبھی اس کا چہرہ ہاتھوں میں لیتیں، پھر بشیراں کو پکار کر پانی لانے کو کہا۔ فوراً ہی بشیراں پانی لے آئی تو بے بے نے پہلے اس کے منہ پر چھینٹے مارے پھر گلاس اس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ ساتھ ساتھ پچکارتی بھی جا رہی تھیں۔

"نہ رو......! میری دھی......! نہ رو......! اچھا ہوا تو آ گئی، تیرے بغیر میرا بھی دل نہیں لگتا۔"

چاندنی کچھ نہیں بولی۔ پانی پی کر اُٹھی اور جا کر پلنگ پر لیٹ گئی تو بے بے اس کے سرہانے آ بیٹھیں اور اس کے بالوں میں اُنگلیاں چلانے لگیں۔

"بے بے......!" کتنی دیر بعد وہ بے بے کا ہاتھ تھام کر کہنے لگی۔

"میں اب کبھی شہر نہیں جاؤں گی اور حاکم سے بھی کبھی بات نہیں کروں گی۔ اس کے سامنے بھی نہیں جاؤں گی پردہ کروں گی اس سے۔"

"کملی......! میاں سے پردہ کرے گی......؟" بے بے اس کی آخری بات پر بے ساختہ ہنس کر بولیں۔

"نہیں ہے وہ میرا میاں......! اُدھر شہر میں پتا نہیں کس کس کا میاں بنا پھرتا ہے......؟" وہ تڑخ کر بولی۔

"یہ تو کیا کہہ رہی ہے......؟" بے بے پریشان ہو گئیں۔

"ٹھیک کہہ رہی ہوں بے بے......! یہاں تو بڑا شریف بنا پھرتا ہے، کسی کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھتا اور اُدھر شہر میں صرف لڑکیوں سے دوستی ہے۔" وہ تنفر سے بول رہی تھی۔ بے بے نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"بس......! چپ کر جا چاندنی......!"

"چپ کراتا ہے تو گلا دبا کر مار ڈالو مجھے......!" وہ پھر رونے لگی۔

"تجھے مار ڈالوں تو آپ کیسے جیوں گی میری جھلی دھی......!" بے بے اسے پچکارتے ہوئے پھر بازوؤں میں بھرنے لگی تھیں کہ حاکم علی دروازے میں آ کھڑا ہوا اور غصے سے کہنے لگا۔

''بے بے......! اسی کے ساتھ لاڈ کرتی رہیں گی، میرا کوئی خیال نہیں، چائے تک نہیں پوچھی کسی نے۔'' پھر آگے آ کر چاندنی کو دیکھ کر پوچھنے لگا۔

''یہ کیوں رو رہی ہے......؟''

چاندنی نے فوراً تکیہ کھینچ کر منہ پر رکھ لیا تو بے بے اس خیال سے کہ کہیں حاکم علی اس پر غصہ نہ کرے فوراً اٹھتی ہوئی بولیں۔

''چل تو جا جا کے......! میں تیرے لیے چائے بھیجتی ہوں، کچھ کھائے گا بھی......؟''

''نہیں......! بس چائے بھیج دیں......!'' وہ کہہ کر واپس چلا گیا تو بے بے چاندنی کا کندھا ہلا کر بولیں۔

''چل تو بھی بس کر چاندنی......! رو رو کر خود کو ہلکان نہ کر......! اُٹھ کر منہ ہاتھ دھو لے میں تیرے لیے کچھ کھانے کو لاتی ہوں۔''

''مجھے نہیں کھانا کچھ بھی، اسی کو کھلاؤ جا کر......!'' چاندنی نے چادر کھینچ کر سر تک تان لی تو بے بے بڑبڑاتی ہوئی کمرے سے نکل گئیں۔



زندگی اچانک بہت خوبصورت لگنے لگی تھی۔ نوریہ اور ہمایوں دونوں ایک دوسرے کی سنگت میں بہت خوش تھے۔ گزشتہ دنوں کی ساری باتیں بھلا کر حال میں مست دونوں خوبصورت وادیوں میں بہت انجوائے کر رہے تھے اور یہ وقت جیسے پر لگا کر اُڑا تھا۔ وہاں سے کال آ گئی پہلی تاریخ سے اسے ڈیوٹی جوائن کرنا تھی اور پہلی تاریخ میں صرف پانچ دن تھے۔ تب واپسی کی تیاری کرتے ہوئے وہ اس سے کہنے لگا۔

''نور......! اب تمہارے بنا رہنا بہت مشکل ہو گا۔ دُعا کرنا جلدی گھر وغیرہ کا انتظام ہو جائے۔''

''ہو جائے گا......!'' وہ پیکنگ میں مصروف تھی، اسی مصروف انداز میں کچھ بے نیازی سے بولی تو وہ اس کے قریب چلا آیا۔

''کیا ہو جائے گا......؟''

''ہیں......!'' وہ چونک کر سیدھی ہو گئی۔

''وہی......! جو آپ کہہ رہے ہیں......!''

''کیا کہہ رہا ہوں میں......؟'' وہ شریر مسکراہٹ ہونٹوں میں دبا کر اسے دیکھنے لگا۔

''مجھے نہیں پتا......!'' وہ رُخ موڑنے لگی تھی کہ ہمایوں نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیئے۔

''سنو......! میں تمہارے ساتھ بہت لمبی عمر بِتانا چاہتا ہوں اور یہ بھی چاہتا ہوں کہ تم کبھی مجھ سے غافل نہ ہو۔''

''نہیں ہوں گی اور ابھی بھی میں غافل نہیں تھی آپ ہی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔'' اس نے یقین سے کہا۔

''کیا......! کیا سوچ رہی تھیں میرے بارے میں......؟'' ہمایوں نے فوراً پوچھا۔

''یہی کہ آپ اکیلے کیسے رہیں گے......؟ پرابلم ہو گی آپ کو کھانے وغیرہ کی بھی......!'' اس نے کہا تو وہ پُرسوچ انداز میں سر ہلاتا ہوا بولا۔

''ہوں......! ہو گی تو لیکن مجبوری ہے......! اس لیے تو میں کہہ رہا ہوں کہ دُعا کرنا جلدی گھر مل جائے۔''

''انشاء اللہ......! مل جائے گا اور آپ ایک وعدہ کریں......!'' اس نے کہا تو ہمایوں نے فوراً اس کے سامنے ہاتھ پھیلا دیا۔

''جو چاہے اور جتنے چاہے وعدے لے لو......!''

''بہت سارے نہیں......! بس ایک وعدہ......! آپ کبھی مجھ سے بدگمان نہیں ہوں گے۔'' اس نے کہتے ہوئے ہمایوں کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

''وعدہ......!'' وہ اس کا ہاتھ دبا کر بولا۔

''یہی وعدہ تم بھی کرو......!''

''نہیں......!'' وہ شرارتاً ہنس کر بولی۔

''میں ایسا کوئی وعدہ نہیں کروں گی......!''

''کیوں......؟'' وہ گھورنے لگا۔

''کیونکہ سنا ہے مردوں کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا۔''

''یہ تم نے ٹھیک سنا ہے......!'' ہمایوں اس کے شریر انداز پر محظوظ ہو کر بولا۔

''گویا آپ اعتراف کر رہے ہیں......!'' اس نے آنکھیں دکھائیں۔

''میں تمہیں جھٹلانا نہیں چاہتا......!'' اب ہمایوں اسے تنگ کر رہا تھا۔

''آپ جھٹلا سکتے بھی نہیں کیونکہ یہی سچ ہے......!'' وہ روٹھ گئی۔

''یہ بے ایمانی ہے نور......! مذاق تم نے شروع کیا تھا پھر میری بات کا برا کیوں مانتی ہو......؟'' ہمایوں نے اس کی ٹھوڑی چھو کر کہا لیکن وہ ہنوز روٹھے لہجے میں بولی۔

''ہٹیں......! کام کرنے دیں ورنہ فلائیٹ مس ہو جائے گی۔''

''اوہو......!'' ہمایوں نے فوراً ٹائم دیکھا۔

''جلدی کرو یار......! بہت کم وقت رہ گیا ہے...... میں ٹیکسی کے لیے فون کرتا ہوں...... تم تیار تو ہو ناں......!''

''ہوں......!''اس نے سوٹ کیس بند کر دیا پھر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی کہ کوئی چیز رہ تو نہیں گئی۔

''میں بل پے کر کے آتا ہوں، تم جب تک اپنا موڈ ٹھیک کرو......!'' ہمایوں کہہ کر کمرے سے نکل گیا۔ وہ بے ساختہ مسکرائی تھی۔

○ ○ ○

پُر فضا مقامات اور پھر ہمایوں کی سنگت نے اسے مزید نکھار دیا تھا۔ وہ واقعی بہت خوش تھی اور اندرونی خوشی اس کے چہرے پر چھلکنے لگی تھی۔ ہمایوں کی امی نے بے ساختہ اس کی بلائیں لیں اور سعدیہ تو اس سے لپٹ گئی۔

''ماشاء اللہ......! بھابی......! اسلام آباد کی فضا آپ کو بڑی راس آئی ہے۔ ایمان سے بہت پیاری ہو گئی ہیں۔''

''اچھا......!'' وہ جھینپ سی گئی۔

''اگر کچھ دن اور رہتیں تو پتا نہیں کیا سے کیا ہو جاتیں......!'' سعدیہ کو اس پر بہت پیار آ رہا تھا۔

''اب کچھ دن نہیں بلکہ ہم مستقل وہیں رہیں گے۔'' ہمایوں نے کہا تو امی پوچھنے لگیں۔

''کیا مطلب......؟''

''وہاں میری جاب ہو گئی ہے امی......! پہلی تاریخ سے مجھے ڈیوٹی جوائن کرنی ہے پھر میں گھر وغیرہ کا انتظام کر لوں تو آپ سب وہیں آ جایئے گا۔'' ہمایوں نے امی کے پاس بیٹھ کر انہیں بتایا۔

''یہ تو بہت مشکل ہے......!'' امی سوچتے ہوئے بولیں۔

''کیا مشکل ہے......؟''

''بیٹا......! میں اپنا گھر کیسے چھوڑ دوں......؟ پھر سعدیہ کے ایک دو اچھے رشتے آئے ہوئے ہیں انہیں بھی دیکھنا ہے اور تمہیں یہ بیٹھے بٹھائے اسلام آباد جاب کی کیا سوجھی......؟ یہاں ماشاء اللہ......! اچھی جاب ہے تمہاری......!'' امی نے نہ جانے کی توجیح کے ساتھ کہا۔

''نہیں امی......! میں نے آپ کی پریشانی کے خیال سے آپ کو بتایا نہیں تھا، میری یہاں والی جاب ختم ہو چکی ہے اور میں اسلام آباد جاب کے سلسلے میں ہی گیا تھا اور یہ تو میری خوش قسمتی ہے کہ فوراً ہی کال آ گئی ورنہ آپ کو پتا ہے جاب آسانی سے نہیں ملتی۔'' ہمایوں دھیرج سے بول رہا تھا۔

''چلو......! یہ تو اللہ کا شکر ہے کہ جاب مل گئی اور جہاں تک ہم سب کے وہاں جانے کی بات ہے تو بیٹا......! سعدیہ کی شادی تک تو میں کہیں نہیں جا سکتی البتہ نوریہ کو تم گھر کا انتظام کر کے لے جانا۔'' امی نے کہا تو وہ اُلجھ گیا۔

''لیکن امی......! آپ اور سعدیہ اکیلی کیسے رہیں گی......؟''

''مجبوری ہے......! پھر فکر کی کوئی بات نہیں، ہم برسوں سے یہاں رہ رہے ہیں بلکہ سعدیہ تو پیدا

بھی اسی گھر میں ہوئی ہے۔ آس پاس کے سب لوگ جانے والے اور بہت اچھے ہیں۔'' امی نے اسے اطمینان دلایا پھر کہنے لگیں۔

''چلو......! یہ تم آتے ہی کیا مسئلہ لے کر بیٹھ گئے......؟ جاؤ......! نہا دھو کر فریش ہو......! میں سعدیہ سے چائے کا کہتی ہوں یا کھانا کھاؤ گے......؟''

''نہیں......! کھانا تو ابھی نہیں......! بس چائے......!'' وہ کہہ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔

نوریہ گیلے بالوں میں برش کر رہی تھی اسے دیکھتے ہی پوچھنے لگی۔

''کیا رہا......! آئی مین......! امی جانے پر تیار ہوئیں......؟''

''نہیں......! کہہ رہی ہیں سعدیہ کی شادی تک یہیں رہیں گی۔ خیر......! انہیں میں منالوں گا، یہ بتاؤ......! ابھی تمہارا کیا پروگرام ہے......؟'' ہمایوں نے واڈروب کھولتے ہوئے پوچھا۔

''آپ کو کیسے پتا کہ میرا کوئی پروگرام ہے......!'' وہ حیرت سے بولی۔

''تو اور کسے پتا ہوگا......؟'' وہ اسے دیکھ کر مسکرایا۔

''جناب......! پھر تو آپ کو پروگرام کا بھی پتا ہونا چاہیے......!'' وہ یوں بولی جیسے اگر اسے پتا نہیں ہوگا تو مذاق اُڑائے گی۔

''اوکے......! میں شاور لے لوں پھر تمہیں تمہارے ڈیڈی کے گھر لے جاؤں گا۔'' وہ مسکرا کر بولا۔

''مائی گاڈ......! آپ تو......'' نوریہ نے اُچھل کر اس قدر کہا تھا کہ وہ اس کی ناک چھو کر بولا۔

''دل کی بات جان لیتا ہوں اور صرف تمہارے دل کی......!''

''اچھا......! زیادہ اترائیں نہیں......! جلدی شاور لے کر آئیں......!'' وہ اسے دھکیل کر کمرے سے نکل گئی۔ پھر چائے کے بعد امی سے اجازت لے کر دونوں گھر سے نکلے تو اس وقت ان دونوں کو ہی لگ رہا تھا کہ شادی کے بعد وہ پہلی بار میکے جا رہے ہیں۔ ہمایوں اسے چھیڑ رہا تھا اور اس کے ہونٹوں پر شرمیں مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ کوئی جواب بھی نہیں سوجھ رہا تھا جب ہی شیشے سے باہر دیکھنے لگی۔ اسلام آباد جتنا پُرسکون تھا یہاں اتنی ہی افراتفری۔ وہ غیر ارادی طور پر دونوں شہروں کا موازنہ کرنے لگی تھی کہ اپنے چہرے پر بے نام سی تپش محسوس کر کے اس نے چونک کر دیکھا۔ برابر والی گاڑی میں بیٹھا حاکم علی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظروں میں عجیب سی چمک تھی۔ وہ بری طرح سلگ گئی اور فوراً چہرہ موڑ کر کن انکھیوں سے ہمایوں کو دیکھنے لگی کہ کہیں اس نے تو حاکم علی کو نہیں دیکھا لیکن وہ ٹریفک جام پر جھنجلا رہا تھا، تب اس نے غیر محسوس طریقے سے اپنی طرف کا گلاس چڑھا دیا اور سامنے سے کیسٹ اُٹھا کر دیکھنے لگی۔ جبکہ دل ہی دل میں دُعا کر رہی تھی کہ یہاں سے خیریت سے نکل جائے کیونکہ اب وہ اپنی زندگی پر اس کی پرچھائیں بھی نہیں پڑنے دینا چاہتی تھی۔

○ ○ ○

چاندنی اس گھر میں پروان چڑھی تھی اور حقیقتاً اس نے اس گھر کو اپنا گھر سمجھا تھا۔ بے بے نے اسے ماں جیسی محبت دی تھی جب ہی تو وہ ان کے ساتھ لاڈ کرتی تھی، ان کی مانتی اور اپنی منواتی آئی تھی پھر جب حاکم علی کے ساتھ اس کی شادی کی بات ہوئی تب اس کی زندگی بڑی خوبصورت موڑ پر آ گئی تھی۔ اس کچی عمر کی لڑکی نے بڑے سہانے خواب سجا لیے تھے لیکن ان کی تعبیر اتنی بھیانک ہوگی، یہ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ وہ بس اتنا جانتی تھی کہ حاکم علی بہت غصے والا ہے اور کاش کہ اس میں ایک صرف یہی خامی ہوتی تو وہ صبر کر لیتی اور اس اُمید میں رہتی کہ کبھی تو اس کے مزاج میں نرمی آئے گی اور اب وہ اُمید باندھے بھی تو کس بات کی؟ حاکم علی کی شخصیت کا کوئی پہلو ایسا نہیں تھا جو اس کے دل میں آس جگاتا۔ وہ بے انتہا مایوس اور متنفر ہو چکی تھی۔ صرف حاکم علی سے ہی نہیں اس گھر سے بھی۔ جب ہی اُکھڑی اُکھڑی رہنے لگی تھی۔ مزاج میں چڑچڑا پن عود کر آیا تھا۔ بے بے بات کرتیں تو انہیں بھی کاٹ کھانے کو دوڑتی اور ملازموں کی تو ہر وقت شامت آئی رہتی۔ اس وقت وہ کسی بات پر بشیراں پر چلا رہی تھی کہ ظفر ایک دم اس کے سامنے آ گیا۔

''اوئے......! اتنا غصہ......! حاکم ماما کا اثر آ گیا ہے کیا......؟''

''تو بکواس بند کر......! اور ہٹ جا سامنے سے......!'' وہ مزید تیز ہو کر ظفر سے بولی۔

''کیوں......! مار ڈالے گی کیا اسے......!'' ظفر نے بشیراں کو جانے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''میں جو بھی کروں، میری مرضی......!'' غصے سے اس کا چہرہ لال بھبوکا ہو رہا تھا۔

''اوئے ہوئے......! بڑی مرضی چلانی آ گئی ہے......! اور کیا کیا سیکھ کے آئی ہے وہاں سے......؟ نہیں......! پہلے یہ بتا تو اتنی جلدی واپس کیسے آ گئی......؟'' ظفر کو اچانک اس کی جلد واپسی کھٹکی۔

''میں یہاں رہوں یا وہاں......! تجھے کیا......؟ اور تو ہوتا کون ہے پوچھنے والا......؟'' اس کے غصے کا ظفر پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

''میں بہت کچھ ہو سکتا ہوں اگر تو میرا ساتھ دے تو......!''

''دیکھ ظفرے......! میں نے تیرا بہت لحاظ کر لیا......! اب میں بابا سے کہتی ہوں جا کر......!'' وہ کہہ کر تیزی سے پلٹی تھی کہ ظفر نے اس کی کلائی پکڑ لی۔

''کیا کہے گی بابا سے......!''

''تیری ایک ایک بات بتاؤں گی اور پھر تیرا یہاں داخلہ بند کروا دوں گی۔'' وہ جھٹکے سے اپنی کلائی چھڑا کر بولی۔

''بابا سے کہلوانے کی کیا ضرورت ہے......؟ تو کہہ دے گی تو میں نہیں آؤں گا پر پہلے تجھے ماننا پڑے گا کہ حاکم ماما ہرجائی ہے، ہے ناں......!'' ظفر نے بڑے اصرار سے اس کی تائید چاہی لیکن اس نے سختی سے جھٹلایا۔

''نہیں......!''

''تو پھر تو آ کیوں گئی......؟ رہتی اس کے پاس......!'' ظفر کی اس بات کا اس سے کوئی جواب نہیں بن پڑا تو چیخ کر بولی۔

''بے بے......! ظفر آیا ہے......! بلا اسے اپنے پاس......!''

''جھوٹی ہے تو......! پکی جھوٹی......!'' ظفر اس سے کہتا ہوا اندر چلا گیا۔

''سارے جھوٹے ہیں یہاں......! کوئی سچا نہیں ہے......!'' وہ زہر خند سے بڑبڑاتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی۔

پھر کتنے بہت سارے دن گزر گئے۔ اب اسے حاکم علی کا انتظار نہیں تھا تو جیسے زندگی میں کچھ بھی نہیں تھا۔ سارا دن بولائی بولائی پھرتی اور بے بے کو بھی منہ نہ لگاتی۔ شاید حاکم علی کی بے وفائی کا بدلہ وہ بے بے سے لے رہی تھی۔ جس کام کو وہ کہتیں منع کر دیتی اور جس کام سے وہ منع کرتیں یہ کرنے کھڑی ہو جاتی۔ بے بے کو اس کی ان حرکتوں سے دُکھ ہوتا لیکن وہ اس کی کیفیت بھی سمجھ رہی تھیں جب ہی زیادہ روک ٹوک نہیں کر رہی تھیں بس اندر ہی اندر کڑھتی رہتیں۔ کسی وقت پیار سے سمجھانے کی کوشش کرتیں تو وہ ایک دم ہتھے سے اُکھڑ جاتی کیونکہ اب اسے بے بے کا پیار بھی دکھاوا لگتا تھا۔

''بس بے بے......! یہ لاڈ پیار اپنے حاکے کے ساتھ کیا کرو......! مجھے نہیں اچھا لگتا......!'' بدتمیزی سے کہتی۔

''تو تجھے کیا اچھا لگتا ہے......؟'' اس وقت بے بے نے عاجزی سے پوچھا۔

''کچھ نہیں......! بس میرا دل چاہتا ہے زہر کھا کر مر جاؤں......!'' اس نے تڑخ کر جواب دیا۔

''مریں تیرے دشمن......! پتر......! ایسے نہیں دل چھوٹا کرتے، ہمت پکڑ، چل تجھے مرشد سائیں کے پاس لے چلوں......!'' بے بے نے اسے پچکارتے ہوئے کہا۔

''میں نہیں جاتی......!'' وہ اُچھل کر بولی۔

''تیرے بھلے کو کہہ رہی ہوں۔''

بس......! اب آپ کو میرا برا بھلا سوچنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ چڑ کر بولی۔

''وے جیے......! کیا ہو گیا ہے تجھے......! کیوں مجھے تنگ کرتی ہے......؟ کیا بگاڑا ہے میں نے تیرا......!'' بے بے رونے لگیں تو وہ جوان کی آخری بات کا جواب دینے جا رہی تھی ہونٹ بھینچ کر چہرہ دوسری طرف موڑ لیا۔

''میں جانتی ہوں حاکم نے تیرا دل توڑا ہے۔ پر تو اس کا بدلہ مجھ سے کیوں لے رہی ہے......؟'' بے بے روتے ہوئے بولیں۔

''اگر مجھے پتا ہوتا کہ وہ اتنا بدذات ہے تو میں کبھی تیرا بیاہ اس کے ساتھ نہ کرتی۔ تیرے لیے کی

تھوڑا ہی تھی، پر ان باپ بیٹے کو تو جاگیر کی پڑی تھی کہ اگر تیری شادی کہیں اور ہو گئی تو تیری جاگیر بھی چلی جائے گی۔" بے بے سادگی اور اس کی محبت میں وہ راز فاش کر گئیں جو وہ خود سے شاید کبھی نہ جان پاتی۔

"تو اصل قصہ یہ ہے......! حاکم علی نے مجھ سے نہیں میری جاگیر سے شادی کی ہے......!" وہ سناٹے میں آ گئی۔

○○○

حاکم علی نوریہ کو بھولا تو نہیں تھا لیکن جب وہ کہیں نظر آ جاتی تو اور شدت سے یاد آنے لگتی تھی۔ اس کا جنون بڑھ جاتا اور پھر اسے حاصل کرنے کے نئے پلان سوچنے لگتا۔ ابھی کچھ دن پہلے وہ اسے ہمایوں کے ساتھ گاڑی میں نظر آئی تھی تو اس دن سے وہ بس اسے ہی سوچ رہا تھا۔ اس دوران کتنی بار اس کے موبائل پر فون کرنے کی کوشش کی لیکن ادھر سے ہر بار اس نے لائن کاٹ دی تھی جس کا مطلب تھا کہ اب وہ اس کے ڈر سے اپنا موبائل آف نہیں رکھتی اور لائن کاٹ کر گویا اس کے منہ پر طمانچہ مارتی ہے اور حقیقتاً اسے یہ طمانچہ نہ صرف محسوس ہوتا بلکہ بے حد مشتعل کرتا اور مزید ضد دلاتا تھا لیکن اس وقت وہ نشی کے سامنے اس کی تعریف کر رہا تھا۔

"وہ بہت خوبصورت ہو گئی ہے نشی......! اس کے چہرے پر بے انتہا نکھار تھا۔"

"جو لڑکیاں اپنی شادی سے خوش ہوتی ہیں وہ یونہی نکھر جاتی ہیں۔" نشی اسے احساس دلانے سے باز نہیں آتی تھی۔

"تمہارا مطلب ہے وہ خوش ہے......! اس دو ٹکے کے آدمی کے ساتھ......؟ نہیں......! نہیں نشی......! وہ اسے کچھ نہیں دے سکتا۔ اس کی خواہشات تو کیا ضروریات بھی پوری کرنے کے قابل بھی نہیں ہے وہ......!" حاکم علی کے اندر کی تپش اس کے لہجے سے واضح محسوس ہو رہی تھی۔

"یہ تم سے کس نے کہا......؟"

"کون کہے گا......؟ میں جانتا نہیں ہوں کیا......! اس کے پاس جاب بھی نہیں ہے اور اب اسے جاب ملے گی بھی نہیں۔ میری نوکری چھوڑ کر وہ کسی اور کا ملازم نہیں ہو سکتا۔ میں اسے کہیں ملازم نہیں ہونے دوں گا، نیور......!" وہ نفی میں سر ہلانے لگا۔

"بس کرو سردار......! ان باتوں سے تمہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔" نشی نے تاسف سے کہا۔

"مجھے صرف نوریہ کو حاصل کرنا ہے......!" وہ اڑ کر بولا۔

"اور یہی تم نہیں کر سکتے......!" نشی بے اختیار اس پر ہنسی پھر کہنے لگی۔

"دیکھو سردار......! اگر تم یہ سمجھ رہے ہو کہ ضروریات پوری نہ ہونے پر نوریہ اپنے شوہر کو چھوڑ کر چلی جائے گی تو یہ تمہاری بھول ہے کیونکہ نوریہ ان لڑکیوں میں سے نہیں ہے۔ وہ اگر مادہ پرست ہوتی تو تمہیں کیوں ٹھکراتی......؟ تم تو اسے دُنیا کی ہر آسائش دے سکتے تھے۔"

"تمہاری بات ٹھیک ہے......! لیکن جب اسے معمولی چیزوں کو ترسنا پڑے گا تب دیکھنا اسے میری قدر ہو گی اور وہ میرے پاس خود آئے گی......!" حاکم علی نے اس کی تائید کر کے بھی اپنی بات پر زور دیا۔

"پتا نہیں تم کون سی دُنیا میں رہتے ہو......؟ خیر......! اب اس موضوع کو ختم کرو......!" نشی ہمیشہ کی طرح اُکتا کر بولی۔

"میرے پاس اور کوئی موضوع نہیں ہے۔" حاکم علی نے چیئر کی بیک پر یوں سر رکھ دیا جیسے اب کوئی بات نہیں کرے گا۔

نشی کچھ دیر اِدھر اُدھر دیکھتی رہی پھر اسے مخاطب کر کے بولی۔

"سنو سردار......! مجھے بھی اپنے گاؤں لے چلو......!"

"کیوں......؟" وہ بیک سے سر اُونچا کر کے اسے دیکھنے لگا۔

"دیکھنا چاہتی ہوں کھیت، کھلیان، کچے پکے راستے اور تمہاری حویلی! میرے لکھنے کو کوئی تحریک ملے گی۔" نشی نے اشتیاق ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا......! لے چلوں گا کبھی، لیکن اپنی حویلی میں نہیں لے جا سکتا۔ شور مچ جائے گا۔ بے بے بابا کہیں گے یہ کسے اُٹھا لائے......!" وہ کہہ کر خود ہی ہنسا۔

"پھر کہاں لے جاؤ گے......؟" نشی جز بز ہو کر پوچھنے لگی۔

"رقبہ، فارم ہاؤس، گیسٹ ہاؤس اور بہت جگہیں ہیں۔"

"لیکن مجھے حویلی دیکھنے کا شوق ہے۔" وہ بے اختیار بولی اور اس کے نفی میں سر ہلانے پر کہنے لگی۔

"تم اپنے ساتھ مت لے جانا......! ڈرائیور سے کہنا پھر میں چاندنی کی دوست کی حیثیت سے حویلی چلی جاؤں گی۔"

"چاندنی......!" حاکم علی کی پیشانی پر لکیریں کھنچ گئی۔

"ہاں......! چاندنی مجھے پہچانتی تو ہے۔ اگر میں خود کو اس کی دوست کہوں گی تو وہ انکار نہیں کرے گی۔"

"وہ انکار نہیں کرے گی لیکن میں منع کر رہا ہوں، تمہیں وہاں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ یک دم روڈ ہو گیا۔ نشی اسے دیکھتی رہ گئی۔

○○○

جانے ان کے مقدر میں دُوریاں کیوں اور کب تک لکھی گئی تھیں۔ پہلے حاکم علی مسئلہ بنا رہا اور اب روزگار کی وجہ سے ہمایوں اسلام آباد چلا گیا تھا۔ گو کہ اس کا ارادہ جلدی رہائش کا انتظام کر کے نوریہ کو بلانے کا تھا اور پندرہ دن میں اس نے گھر کا انتظام کر بھی لیا تھا لیکن ادھر اس کی بہن سعدیہ کی نسبت طے ہو گئی تو پھر امی نے نوریہ کو روک لیا، کیونکہ ادھر سے جلدی شادی کا تقاضا تھا اور ظاہر ہے تیاری وغیرہ میں

نور یہ ہی کو امی اور سعدیہ کی مدد کرنا تھی اور نور یہ اس بات سے شاکی نہیں تھی بلکہ اسے خود بھی یہی مناسب لگ رہا تھا جبکہ ہمایوں سخت جھنجلایا ہوا تھا۔ اس وقت فون پر اس سے اُلجھ رہا تھا۔

''تمہیں بہت شوق ہے بازاروں کے چکر لگانے کا۔ سعدیہ خود بھی اپنی شاپنگ کر سکتی تھی۔ اس کام میں وہ ماسٹر ہے۔''

''ہاں......! لیکن وہ اکیلی کیسے جا سکتی ہے......؟ امی تو اس کے ساتھ بار بار جانے سے رہیں۔'' اس نے رسان سے کہا۔

''میں کچھ نہیں جانتا......! بس تم آ جاؤ......!'' اس کے روٹھے انداز پر وہ ہنس پڑی۔

''کم آن ہومی......! بس تھوڑے دنوں کی بات ہے۔''

''دو مہینوں میں پورے ساٹھ دن ہوتے ہیں اور ساٹھ دن تھوڑے نہیں ہوتے۔ یہاں ایک ایک پل کاٹنا عذاب لگ رہا ہے، تم نہیں آ و گی تو میں آ جاؤں گا۔'' ہمایوں نے کہا۔

''آ جائیں......!'' وہ بے اختیار بولی۔

''کیسے آ جاؤں......! نئی جاب ہے، تین مہینے پورے ہونے سے پہلے چھٹی بھی نہیں ملے گی۔ پتا نہیں سعدیہ کی شادی میں بھی آ سکوں گا کہ نہیں۔'' وہ اب خفگی سے بول رہا تھا۔

''کیا مطلب ہے آپ کا......! بہن کی شادی میں نہیں آئیں گے......؟''

''نہیں خیر......! ایک ہی تو بہن ہے میری اور میں اس کا صرف بھائی ہی نہیں باپ بھی ہوں۔'' وہ پل پل موڈ بدل رہا تھا۔

''مجھے اسے باپ بن کر رخصت کرنا ہے۔ ویسے نور......! سعدیہ خوش تو ہے ناں......!''

''ہاں......! اور امی بھی خوش ہیں۔'' اس نے اسے اطمینان دلایا۔

''اچھی بات ہے......! تم بھی امی کو میری کمی محسوس مت ہونے دینا......! میرا خیال ہے میں شادی تک ہی آ سکوں گا اور ہاں......! دیکھو یہاں سے جو چیزیں منگوانی ہوں ان کی لسٹ فیکس کر دینا، سمجھیں......!''

''سب سمجھ گئی......! اب اجازت دیجئے سعدیہ تیار کھڑی ہے۔ آئی مین......! ابھی ہمیں جیولر کے پاس جانا ہے۔'' اس نے سعدیہ کو ٹہلتے دیکھ کر کہا۔

''ایک آخری بات......! میں جب آ ؤں تو تم میرے لیے یوں تیار ہونا جیسے......''

''ہومی پلیز......! میں فون رکھ رہی ہوں۔'' اس نے کہہ کر فون رکھ دیا پھر بھاگ کر سعدیہ کے پاس آ کر بولی۔

''سوری......! وہ تمہارے بھائی......!''

''پتا ہے......! آپ کے بغیر اُداس ہوں گے۔'' سعدیہ نے ہنس کر چھیڑا۔

''اچھا چلو......!'' وہ سعدیہ کو دھکیل کر تیز قدموں سے باہر آ گئی۔

''بھابی......! ایک بات کہنی ہے......!'' وہ جیسے ہی گاڑی مین روڈ پر لائی سعدیہ اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''وہ سہیل ہیں ناں......! انہوں نے بھی آنے کو کہا ہے۔''

''کیا......!'' وہ اُچھل کر بولی۔

''تم نے منع نہیں کیا اسے......!''

''کیا تھا......! لیکن وہ بھابی......! پلیز......! آپ امی کو نہیں بتایئے گا۔'' سعدیہ کی لجاجت پر وہ بمشکل ہنسی روک کر بولی۔

''بہت بری بات ہے......! اب شادی میں دن ہی کتنے رہ گئے ہیں۔''

''پورے دو مہینے......! یعنی ساٹھ دن......!'' سعدیہ نے کہا تو وہ چکرا کر بولی۔

''یا اللہ......! یہ تم بہن بھائی دونوں کا حساب فوراً لگا لیتے ہو۔''

''اچھا......! آپ امی کو تو نہیں بتائیں گی ناں......!'' سعدیہ اس کا بازو دبانے لگی۔

''بتاؤں گی کہ تمہارے منگیتر صاحب سے صبر نہیں ہوا۔'' اس نے کہا لیکن اس کی مسکراہٹ سے سعدیہ کو اطمینان ہو گیا تھا۔ جب ہی بظاہر منہ پھلا کر بیٹھ گئی۔ وہ ویو مرر میں اسے دیکھتی رہی پھر جب مطلوبہ جگہ گاڑی روکی تو سامنے سہیل کو پہلے سے موجود پا کر کہنے لگی۔

''سنو......! مجھے کباب میں ہڈی بننا اچھا نہیں لگتا۔ تم جاؤ......! میں یہیں بیٹھوں گی لیکن دیکھو زیادہ دیر مجھے انتظار مت کروانا۔''

''لیکن آپ یہاں بیٹھ کر کیا کریں گی......! میرا خیال ہے آپ جیولری دیکھ لیں......!'' سعدیہ اپنی طرف کا دروازہ کھولتے کھولتے رہ گئی۔

''جیولری کیا دیکھنی ہے، بس سیٹ تیار ہو تو لیتی آنا، رسید لے جاؤ......!'' اس نے پرس سے نکال کر رسید سعدیہ کو تھما دی پھر خود ہی اس کی طرف کا دروازہ کھولا تو وہ اُتر کر اسی طرف چل پڑی جہاں سہیل کھڑا تھا۔

اسے یاد آیا شادی سے پہلے جب ہمایوں کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا تو وہ بھی اسے دیکھنے ہاسپٹل گئی تھی لیکن پھر اسے دیکھے بغیر ہی لوٹ آئی تھی۔ اس وقت کو یاد کرتے ہوئے وہ سعدیہ اور سہیل کو جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی کہ معاً یوں لگا جیسے کوئی جاتے جاتے پلٹا ہو۔ اس نے بے اختیار گردن موڑ کر دیکھا تو وہ حاکم علی تھا اپنی گاڑی کی طرف جاتے ہوئے، پھر پلٹ کر اس کی طرف آ رہا تھا۔ اس نے فوراً گلاس چڑھا دیا اور دروازے بھی لاک کر دیئے لیکن اگلے پل وہ اس کے شیشے پر اُنگلی مار کر کچھ کہہ رہا تھا۔ اس نے سننے کی کوشش نہیں کی اور رُخ موڑ کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

''نور......! نور......! میری بات سنو......!'' وہ اب اُونچی آواز میں بولا اور وہ اگر پریشان ہوئی بھی تو بالکل ظاہر نہیں کیا۔ یوں بنی رہی جیسے اس کی موجودگی سے یکسر لاعلم ہو۔ مزید ہاتھ بڑھا کر کیسٹ بھی آن کر دیا۔

حاکم علی کچھ دیر مسلسل شیشہ ناک کرتا رہا۔ جب وہ کسی طرح متوجہ نہیں ہوئی تب شاید مایوس ہو کر ہٹ گیا تھا۔

اور اسے جب یقین ہو گیا کہ وہ جا چکا ہے تب پہلے احتیاط سے اِدھر اُدھر دیکھا پھر سکون کا سانس لیتے ہوئے کیسٹ آف کیا تھا کہ اس کا موبائل بجنے لگا۔ ان دنوں کیونکہ ہمایوں بار بار اسے فون کر رہا تھا اس لیے اسے کوئی دوسرا خیال ہی نہیں آیا فوراً ریسیو کا بٹن دبا کر موبائل کان سے لگا لیا۔

''یہ تم اچھا نہیں کر رہیں نور......!'' حاکم علی کی آواز سن کر بلا ارادہ ہی اس کے سینے سے گہری سانس خارج ہو گئی جسے وہ اپنے معنی کر کہنے لگا۔

''میں جانتا ہوں تم خوش نہیں ہو لیکن خوشیاں تم سے دُور نہیں ہیں۔ تمہارے دروازے پر دستک دے رہی ہیں تم دروازہ کیوں نہیں کھولتیں......؟ ایک بار انہیں اندر تو آنے دو پھر دیکھو تمہاری زندگی میں کیسی بہار آتی ہے۔''

اس نے سختی سے ہونٹ بھینچ کر خود کو کچھ کہنے سے باز رکھا ورنہ جواب میں کہنے کو بہت کچھ تھا۔

''سن رہی ہو ناں نور......! دیکھو میں تمہیں حقیقت سمجھا رہا ہوں۔ وہ شخص ہمایوں تمہیں کچھ نہیں دے سکتا۔ اس کی محبت بھی فریب ہے، مت اس کے فریب میں آؤ ورنہ بہت پچھتاؤ گی۔'' وہ بولتا چلا جا رہا تھا جانے کیا کیا۔ بالآخر وہ ٹوک کر کہنے لگی۔

''بس......! خاموش ہو جاؤ......! اور میری ایک بات مانو......! کسی اچھے سائیکالوجسٹ سے اپنا علاج کراؤ ورنہ بہت جلد تم پاگل ہو جاؤ گے۔''

''میں پاگل ہو چکا ہوں، تمہاری محبت میں......!'' وہ فوراً بولا۔

''مر بھی جاؤ گے تب بھی مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔'' اس نے کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

○ ○ ○

چاندنی نے جس دن سے بے بے کے منہ سے یہ سنا تھا کہ حاکم علی نے جاگیر کی خاطر اس سے شادی کی ہے تب سے وہ بالکل خاموش ہو گئی تھی۔ البتہ اس کے انداز اور حرکتیں بدل گئی تھیں۔ اپنی من مانی کرنے لگی تھی۔ پہلے ہر کام بے بے سے پوچھ کے کرتی تھی۔ زینب کے گھر جانا ہوتا تب تو باقاعدہ خوشامد کر کے ان سے اجازت لیتی تھی لیکن اب صرف بتا کر گویا احسان کرتی۔

''میں زینب کے گھر جا رہی ہوں......!'' کہہ کر بے بے کے جواب کا انتظار کیے بغیر چل پڑتی، بے بے دیکھتی رہ جاتیں۔ ایک بار انہوں نے سمجھانے اور احساس دلانے کی کوشش کی کہ

''اگر حاکم کو پتا چل گیا تو......!''

''تو چل جائے......!'' اس نے بے بے کی بات پوری نہیں ہونے دی۔

''کوئی پرواہ نہیں ہوگی اسے......! میں کچھ بھی کرتی پھروں، وہ کبھی نہیں پوچھے گا اور اگر پوچھے تو مجھے بتانا میں جواب دوں گی اسے......!''

اس کے بعد بے بے کیا کہہ سکتی تھیں۔ اس کی دیدہ دلیری پر کڑھتی رہتیں اور بات صرف زینب کے گھر تک جانے کی نہیں تھی، وہ اس کے ساتھ اور بھی جہاں دل چاہتا نکل جاتی، کبھی نہر کنارے، کبھی کھیتوں میں اور لڑکیوں کے ساتھ مل کر آنکھ مچولی کھیلتی، کبھی کنویں کی منڈیر پر جا بیٹھتی، اس کی عمر بھی تو ایسی ہی تھی۔ بہرحال اس وقت بھری دوپہر میں وہ زینب کے ساتھ نہر کنارے جا نکلی تھی، گھنے پیڑوں کی چھاؤں میں بڑا سکون تھا۔

''ایک بات تو بتا چاندنی......!'' زینب نے ابھی اس قدر کہا تھا کہ اس نے ٹوک دیا۔

''حاکم کی کوئی بات نہ کرنا......!''

''تو اور کس کی بات کروں......؟ تو کیوں نہیں بتاتی اس کے بارے میں......؟ کیا کیا ہے اس نے تیرے ساتھ......؟ بتا ناں چاندنی......! تو اتنے شوق سے شہر گئی تھی پھر آ کیوں گئی......؟'' زینب اسے جھنجھوڑنے لگی۔

''مجھ سے کیوں چھپاتی ہے......؟ میرے ساتھ تو سارے راز و نیاز کرتی ہے پھر یہ کیوں چھپا رہی ہے......؟''

''میں کچھ نہیں چھپا رہی، بس شہر میں میرا دل نہیں لگا۔'' وہ جیسے عاجز ہو کر بولی۔

''یہ بات نہیں ہے چاندنی......! تو جھوٹ بول رہی ہے۔'' زینب نے کہا تو وہ ایک دم گھٹنوں پر سر رکھ کر رو پڑی۔

''ہائے ربا......!'' زینب نے گہری سانس کھینچی پھر اسے چپ کرانے لگی لیکن اس کے آنسو تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے پھر اسی طرح روتے ہوئے اس نے زینب کو سب بتا دیا۔ اسے زیادہ دُکھ اس بات کا تھا کہ حاکم علی کے دل میں اس کے لیے رتی برابر گنجائش نہیں تھی اور وہ اسے دیکھنا بھی نہیں چاہتا تھا۔

زینب کتنی دیر حیرتوں کے سمندر میں غوطے کھاتی رہی پھر اسی حیرت سے بولی۔

''پر چاندنی......! تو تو اتنی سوہنی ہے، کیا شہر کی لڑکیاں تجھ سے بھی زیادہ سوہنی ہوتی ہیں......؟''

''پتا نہیں......! حاکم کو لگتی ہوں گی سوہنیاں۔'' وہ جل کر بولی۔

''تو نے بے بے اور بابا کو نہیں بتائے اس کے کچھن......؟''

''سب پتا ہے انہیں......! پہلے سے پتا ہے اس لیے مجھے اس کے پلے باندھا کیونکہ میرا کوئی نہیں ہے جو ان سے پوچھ سکے، لاوارث ہوں میں......!'' وہ پھر رونے لگی۔

"ہائے......! اللہ نہ کرے جو تو لاوارث ہو......!" زینب نے اس کے گرد بازوؤں کا حلقہ بنا کر گویا اسے سہارا دینے کی کوشش کی۔

"اور کیسے ہوتے ہیں لاوارث......! نہ میرے ماں باپ ہیں نہ کوئی بہن بھائی...... کس کے پاس جاؤں......؟ اس گھر سے تو مجھے نفرت ہوگئی ہے، میرے ماں باپ ہوتے تو ان کے پاس چلی جاتی۔" اس کے رونے میں شدت آ گئی تھی۔

"نہ رو چاندنی......! میری بہن نہ رو......!" زینب کا اپنا دل بھر آرہا تھا۔

"تیرے ماں باپ نہیں ہیں ان کا گھر تو ہے...... تو کچھ دنوں کے لیے وہاں چلی جا بوا جنتے کے ساتھ......!"

"ہاں......! یہ تو ٹھیک کہہ رہی ہے، میں اپنے گھر چلی جاؤں گی......!" چاندنی رونا بھول کر سوچ میں پڑ گئی۔

⊖ ⊖ ⊖

نور یہ بھانجے کی خوشخبری سنتے ہی ساری مصروفیات چھوڑ کر بھاگی آئی تھی لیکن آگے سب اُس سے شاکی تھے کہ پورا مہینہ اُس نے شکل نہیں دکھائی تھی۔ دادی، امی پھر کزنز ایک ایک کے سامنے وہ صفائیاں پیش کر رہی تھی۔

"کیا کروں......! سعدیہ کی شادی ہے، اُسی کی تیاری میں لگی ہوئی ہوں۔"

"اور اس کے بعد اسلام آباد روانہ ہو جاؤ گی تو پھر سالوں میں شکل دکھاؤ گی......!" ردا خاصی نالاں تھی۔

"یا اللہ......! تم تو ایسے کہہ رہی ہو جیسے اسلام آباد سات سمندر پار ہو۔ ویسے اب تو سات سمندر پار سے بھی لوگ یوں آ جاتے ہیں۔" اُس نے چٹکی بجا کر کہا۔

"محبت میں بھاگے آتے ہیں......!" نعمان بے اختیار کہہ گیا۔

"میں بھی محبت میں بھاگی آؤں گی، بشرط محبت سے بلاؤ گے تو......!" وہ نعمان کی طرف گھوم کر بولی پھر ایک دم جھنجلا گئی۔

"بہت ہی فضول ہو تم لوگ......! پہلے مجھے اپنے بھانجے کو تو دیکھنے دو، کیسا ہے......؟"

"ماشاءاللہ......! بہت پیارا ہے......!"

"مجھ پر گیا ہوگا......!" وہ کہہ کر ہنسی۔

"ہاں...... اب بھی کہہ رہے ہیں۔" ردا نے کہا تو وہ چیخی۔

"واقعی......! چلو جلدی چلو......!" اُس نے ردا کا ہاتھ پکڑا پھر دونوں بھاگتی ہوئی بڑے پاپا کے بنگلے میں آئیں، انہیں سلام کر کے جویریہ کے کمرے میں آتے ہی وہ بے ساختہ بولی۔

"تھینک یو جوجی......! تم نے مجھے خالہ بنا دیا......!"

"اور تم کب مجھے یہ اعزاز بخش رہی ہو......؟" جویریہ نے مسکرا کر پوچھا تو وہ جھینپ کر بچے پر جھک گئی۔ پھر اُسے بازوؤں میں بھر کر پوچھنے لگی۔

"نام رکھ لیا اس کا......؟"

"ہاں......! بڑے پاپا نے عبدالرحمٰن رکھا ہے۔"

"ماشاءاللہ......! بہت پیارا نام ہے اور شکر ہے یہ بھی پیارا ہے ورنہ اسے اُٹھاتے ہوئے مجھے بہت کوفت ہوتی اور منافقت الگ کرنی پڑتی۔" وہ بچے کو دیکھتے ہوئے بول رہی تھی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا......!" جویریہ نے ٹوکا جبکہ ردا ہنس رہی تھی۔

"بھئی......! جھوٹی تعریف منافقت ہی تو ہوتی ہے اور شکر ہے اللہ نے منافقت سے بچا لیا، ہے ناں عبدالرحمٰن......!" وہ وضاحت کر کے بچے سے بولنے لگی۔ تب ہی مریم اندر آئی اور اسے دیکھتے ہی بولی۔

"خیر سے فرصت مل گئی تمہیں......!"

"کہاں......؟ اتنے کام چھوڑ کر آئی ہوں صرف اس کی خاطر......!" اُس نے بچے کے گال پر پیار کیا۔

"ہاں......! سنا ہے تمہاری نند کی شادی ہے......؟"

"اُسی کی تیاریوں میں مصروف ہوں اور میں یہ بھی نہیں کہہ سکتی کہ شادی کے بعد فرصت سے آؤں گی کیونکہ اس کے بعد تو ہمیں اسلام آباد چلے جانا ہے۔"

"چلو......! تمہاری دُور جانے کی آرزو پوری ہو گئی۔" مریم نے ہنس کر جتایا تو اُس نے مسکرانے پر اکتفا کیا پھر بچے کو اُس کی جگہ پر لٹا کر پرس میں سے پیسے نکالے اور بچے کے قریب رکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"جوجی......! میں جلدی میں اس کے لیے کچھ لا نہیں سکی۔"

"ارے تو اس کی بھی کیا ضرورت ہے......! تم آ گئیں یہی بہت ہے......!" جویریہ نے اُسے پیسے واپس کرنا چاہے لیکن وہ اُس کا ہاتھ دھکیل کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"اچھا......! میں چلتی ہوں......!"

"ارے واہ......! ایسے کیسے چلتی ہوں......؟ بیٹھو آرام سے، کھانا کھا کر جانا......!" مریم نے اُسے دوبارہ بٹھانا چاہا لیکن وہ اُس کے ہاتھ تھام کر فرط سے بولی۔

"نہیں مریم......! پلیز......! ابھی مجھے بہت کام ہیں اور گھر میں کوئی مہمان تھوڑا ہی ہوں، میرا اپنا گھر ہے پھر آ جاؤں گی......!"

"پھر تو تم اسلام آباد چلی جاؤ گی......!"

"تو کیا ہوا......! آتی جاتی رہوں گی اور تمہاری شادی پر تو اسپیشلی مہینہ بھر آ کر رہوں گی۔" اُس نے کہتے ہوئے شرارت سے مریم کے بازو میں چٹکی کاٹی۔

"بس رہنے دو......!" مریم نے منہ پھلا لیا۔

"دیکھنا تم......! کتنا ہلا گلا کریں گے ہم تمہاری شادی میں اور ہاں......! ابھی تو تم سب کو میری نند کی شادی میں آنا ہے، تم بھی سن لو جوجی......! چھوٹے بچے کا بہانا نہیں چلے گا، اسے بھی لے کر آنا......؟"

وہ مریم کو مناتے ہوئے جویریہ سے مخاطب ہوئی پھر بچے کو پیار کر کے ردا کے ساتھ واپس آئی تو کچھ دیر دادی کے پاس بیٹھی پھر اُوپر آ گئی۔ امی کے ساتھ نعمان بیٹھا جانے کیا حساب کتاب کر رہا تھا اُس نے وال کلاک پر نظر ڈالی، پھر امی کے پاس بیٹھ کر اُن کے گلے میں بازو ڈالتے ہوئے بولی۔

"اچھا امی......! اب میں چلوں گی......!"

"ہیں......! ابھی سے......!" امی نے حیرت سے اُسے دیکھا۔

"پھر آ جاؤں گی ناں......!" وہ لجاجت سے بولی۔

"پھر بھی ضرور آؤ......! لیکن ابھی جانے کی ضرورت نہیں ہے، میں نے تمہاری پسند کا کھانا بنایا ہے کھا کر جانا......!" امی نے اُس سے کہہ کر نعمان سے مخاطب ہو گئیں۔

"ٹھیک ہے بیٹا......! پھر تم یہ سب کر لو گے......!"

"جی چچی جان......! میں صبح آفس جاتے ہوئے یہ کام کرتا جاؤں گا۔" نعمان نے کہا تو وہ پوچھنے لگی۔

"کیا کام ہے......؟"

"تمہارے مطلب کا نہیں ہے......!" نعمان نے فوراً لفافہ اُٹھا کر جیب میں ڈال لیا تو وہ اس کی اس حرکت پر تپ کر بولی۔

"مت بتاؤ......! میں امی سے معلوم کر لوں گی۔"

"پراپرٹی ٹیکس جمع کرنا ہے......!" امی بتا کر اُٹھ گئیں۔

"اس میں چھپانے والی کیا بات تھی......؟" اس نے نعمان کو ٹوکا تو وہ مسکرا کر بولا۔

"تم بہت جلدی غصے میں آ جاتی ہو، اب تمہیں سدھر جانا چاہیے کیونکہ ماشاءاللہ......! "میاں" والی ہو گئی ہو۔"

"تو کیا ہوا......! عادتیں تھوڑا ہی بدلتی ہیں۔" اُس نے لاپرواہی سے کندھے اُچکائے۔

"بدلنا چاہو تو سب بدل جاتا ہے......! خیر......! یہ بتاؤ......! ہمایوں کیسے ہیں......؟" وہ خود ہی بات بدل گیا۔

"فرسٹ کلاس......!" ہمایوں کے نام سے ہی اُس کے چہرے پر رنگ اُتر آتے تھے۔

"کب آ رہے ہیں......؟"

"سعدیہ کی شادی پر شاید ایک دو روز پہلے آ جائیں یا پھر شادی والے روز ہی آئیں گے کیونکہ نئی جاب ہے۔"

''ہاں......! چھٹی ملنا مشکل ہوگئی۔ بہر حال یہ اچھا ہوا کہ وہ وہاں سیٹ ہو گئے۔ تمہارے حق میں بھی یہی بہتر ہے اور ہاں......! تمہاری نند کی شادی ہے، کوئی کام وغیرہ ہو تو بلا جھجک کہہ دینا۔'' نعمان نے بہت خلوص سے کہا۔

''کام تو بہت ہیں لیکن اللہ کا شکر ہے سب بخیر وخوبی ہو رہے ہیں پھر بھی میں کسی بھی وقت تمہیں کسی بھی کام سے بلا سکتی ہوں۔'' اُس نے دوسری بات ہنس کر کہی۔

''موسٹ ویلکم......!'' وہ اُس کے ہنسنے پر مسکرایا۔

''اچھا تو پھر......! تم نے روبی کے بارے میں سوچا......؟'' اُس نے اچانک یاد آنے پر پوچھا۔

''نہیں نور......!'' وہ ایک دم سنجیدہ ہو کر کہنے لگا۔

''اور دیکھو......! اس پر بحث مت کرنا، کیونکہ یہ میرا نہیں میرے والدین کا مسئلہ ہے۔ وہ جب جہاں چاہیں گے میری شادی کر دیں گے اور مجھے نہیں معلوم اُنہوں نے میرے بارے میں کیا سوچ رکھا ہے......؟ تم اس سلسلے میں چاہو تو میری امی سے بات کر سکتی ہو کیونکہ میں تمہاری خوشی بھی نہیں ٹال سکتا۔''

''تھینک یو......!'' میں چچی جان سے بات کروں گی۔'' اُس نے کہہ کر ٹائم دیکھا پھر اُٹھتے ہوئے بولی۔

''یا اللہ......! اتنی دیر ہوگئی، مجھے گھر بھی جانا ہے......!''

''کیسے جاؤ گی......؟'' نعمان نے اُٹھ کر پوچھا۔

''جیسے آئی تھی، آئی مین......! اپنی گاڑی سے اور اَب تو میں بہت اچھی ڈرائیونگ کرتی ہوں، کبھی اسلام آباد آنا پھر میں تمہیں سارا شہر گھماؤں گی۔''

''اچھی بات ہے......! ضرور آؤں گا......!'' وہ کہہ کر آگے بڑھ گیا اور اُس نے امی کو پکارتے ہوئے کچن کا رخ کیا۔

○○○

وہ کتنی دیر سے اپنے سامنے رکھی سیون اَپ کی بوتل پر نظریں جمائے بیٹھی تھی، جس پر پہلے ننھے ننھے قطرے نمودار ہوئے پھر چکنی سطح پر پھیلنے لگے۔ غالباً اُس کا ذہن کہیں اور بھٹک رہا تھا جب ہی اطراف کا ہوش نہیں تھا اور سماعتوں پر بھی جانے کس کے پہرے تھے کہ ملی جلی ہنسی اور قہقہوں کی آوازیں بھی اُسے سنائی نہیں دے رہی تھیں۔ وہ اپنی ہی کسی دُنیا میں مگن تھی کہ اچانک اُس کی ٹیبل پر زور سے ہاتھ مار کر کوئی بولا۔

''ہیلو مِس......! تمہارا سردار کہاں ہے......؟''

''میرا سردار......!'' وہ چونکی پھر افسردگی سے مسکرائی۔

''میں تمہارے سردار کے بارے میں پوچھ رہا ہوں یار......!'' اب نیازی نے زور دے کر کہا تو اُس نے پہلے گہری سانس کھینچ کر خود کو کسی انجانی بندش سے آزاد کیا پھر سکون سے گویا ہوئی۔

''اگر تم سردار حاکم علی کے بارے میں پوچھ رہے ہو تو آئی ایم سوری......! مجھے نہیں معلوم وہ کہاں ہے......؟ میں نے پچھلے ایک ہفتے سے اُسے نہیں دیکھا۔''

''کیوں......! کیا لڑائی ہوگئی ہے اُس سے......؟'' نیازی کے معنی خیز انداز پر وہ جز بز سی ہو کر بولی۔

''نہیں......! میں کیوں لڑوں گی اُس سے......؟ اور سنو......! میری اُس سے دوستی ضرور ہے لیکن میں اُس کے روز و شب سے آگاہ نہیں رہتی۔''

''ارے......! تم تو بُرا مان گئیں۔''

''نہیں......!'' اُس نے نفی میں سر ہلایا تب ہی سامنے سے حاکم علی آتا دکھائی دیا تو وہ اُس کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

''دیکھو......! وہ آ رہا ہے سردار......!''

''بڑی عمر ہے......!'' نیازی کہہ کر حاکم علی کے پاس چلا گیا اور وہ سیون اَپ اُٹھا کر خود کو انجان ظاہر کرنے لگی۔ چند لمحوں بعد حاکم علی اُس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

''ہائے......!''

''ہیلو......!'' وہ اُسے دیکھ کر قصداً مسکرائی۔

''یہاں کیوں بیٹھی ہو......؟ اندر چلو......!'' حاکم نے کہا تو وہ اُکتاہٹ سے بولی۔

''نہیں سردار......! اندر بہت گھٹن ہے، تم جانا چاہو تو بے شک جاؤ......! میں یہیں ٹھیک ہوں۔''

''میں بھی تمہارے ساتھ ٹھیک ہوں......!'' وہ ذومعنی انداز میں کہہ کر بیٹھ گیا پھر اُسے دیکھ کر ہنسا اور اُس کے ہنسنے سے ہی وہ سُلگ گئی لیکن بولی کچھ نہیں، گردن موڑ کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

''سنو......!'' قدرے توقف سے وہ اُسے متوجہ کر کے بولا۔

''میں کچھ دنوں کے لیے شہر سے باہر جا رہا ہوں۔''

''شہر سے باہر......! کہاں......؟ اپنے گاؤں......؟'' وہ بے اختیار پوچھ گئی۔

''نہیں......! ملک سے باہر......! جرمنی جا رہا ہوں، چلو گی......؟'' حاکم علی نے بتا کر پوچھا تو وہ حیران ہوئی۔

''میں......! میں تمہارے ساتھ کیسے جا سکتی ہوں......؟''

''جیسے یہاں آتی ہو، جیسے میرے ساتھ گاؤں جانے کی بات کر رہی تھیں، ویسے ہی میرے ساتھ جرمنی بھی چلی چلو......!'' حاکم علی جتا نہیں رہا تھا سیدھے سادے انداز میں بات کر رہا تھا جب ہی وہ بُرا مانے بغیر بولی۔

''سوری سردار......! میں نہیں جا سکتی۔ ویسے تم کس سلسلے میں جا رہے ہو......؟''

''بزنس ٹور ہے......! ایک ہفتے میں لوٹ آؤں گا۔'' حاکم علی نے بتایا تو وہ اُس کی دوسری بات پر ہنسنے لگی بالکل اُسی کے انداز میں جیسے وہ کسی بات پر محظوظ ہو کر ہنستا تھا وہ بھی ہنستی چلی گئی۔

''کیا ہوا......؟'' حاکم علی کو اُس کا ہنسنا سمجھ میں نہیں آیا۔

''کم آن یار......! مجھے بھی تو بتاؤ......!''

''مجھے تمہاری بات پر ہنسی آ گئی، ایک ہفتے میں لوٹ آؤں گا۔'' وہ آنکھوں کے کناروں سے پانی صاف کرتے ہوئے بتانے لگی۔

''تمہارا انداز ایسا تھا جیسے کسی بچے کو بہلا رہے ہو......! ویسے اس انداز سے تمہیں چاندنی سے بات کرنی چاہیے۔ اُس بیچاری کو تو ڈانٹ کر رکھ دیتے ہو۔''

''سنو......!'' وہ غالباً اُسے تنبیہ کرنے جا رہا تھا کہ نیازی کے آنے پر ہونٹ بھینچ گیا۔

''اوہ نشی......! تم یہاں کیا کر رہی ہو......؟ اندر چلو......! تمہاری بڑی واہ واہ ہو رہی ہے۔'' نیازی نے آتے ہی نشی کو مخاطب کر کے کہا۔

''ہیں......! میں نے ایسا کون سا کارنامہ سرانجام دے دیا جو میری واہ واہ ہو رہی ہے......؟'' نشی نے حیران ہو کر پوچھا۔

''بھئی......! کل جو تمہارا آرٹیکل چھپا تھا سب اُس پر تبصرہ کر رہے ہیں......! چلو......! تم بھی سنو......!'' نیازی نے بتا کر اُسے اُٹھنے کا اشارہ کیا اور اس سے پہلے کہ وہ اُٹھتی حاکم علی بول پڑا۔

''کل کی بات کل کے ساتھ گئی......! کیوں نشی......!''

''ہوں......!'' نشی نے محسوس کیا حاکم علی کو نیازی کا اُس کے ساتھ بے تکلفی سے بات کرنا اچھا نہیں لگ رہا اور اس بات سے وہ اندر سے مسرور ہوئی۔

''کیا مطلب......؟'' تمہیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ لوگ تمہارے بارے میں کیا باتیں کر رہے ہیں۔'' نیازی کا انداز اُکسانے والا تھا۔

''کیوں نہیں......! میں ابھی چل رہی ہوں۔'' نشی نے محض حاکم علی کے تاثرات دیکھنے کی خاطر کہا اور وہ نیازی کا خیال کیے بغیر بگڑ گیا۔

''کوئی ضرورت نہیں اندر جانے کی......! میرے ساتھ چلو......!'' وہ فوراً آ کھڑا ہوا اور نشی کا ہاتھ پکڑ کر اُسے کھینچتا ہوا گاڑی میں لا کر بٹھایا پھر اسپیڈ سے گاڑی آگے بڑھا دی تو وہ جو اس ساری کارروائی کے دوران اندر ہی اندر محظوظ ہو رہی تھی بظاہر خفگی سے بولی:

''یہ کیا حرکت ہے سردار......! نیازی کیا سوچے گا......؟''

''جو مرضی سوچے......! مجھے وہ بالکل پسند نہیں ہے......! تمہارے ساتھ کیوں خواہ مخواہ فری ہونے

کی کوشش کرتا ہے......؟ ایک دو بار منہ توڑ جواب دے دو ہوش ٹھکانے آ جائیں گے۔'' وہ غصے میں بےربط بول رہا تھا۔

''سوری......! میں یہ نہیں کر سکتی......؟'' وہ کن انکھیوں سے اُسے دیکھ کر بولی۔

''کیوں......! کیوں نہیں کر سکتیں......؟'' وہ مزید تیز ہو گیا۔

''بھئی......! ہم سب کلب کے ممبر ہیں۔ میں اگر اُس کے ساتھ بدتمیزی کروں گی تو سب کو برا لگے گا۔'' وہ رسان سے بولی۔

''لگنے دو......! جسے برا لگتا ہے لگنے دو......! تم آئندہ اس سے بات نہیں کرو گی۔''

''اچھی دھونس ہے......! میں نے تو کبھی تمہیں کسی سے بات کرنے کو منع نہیں کیا۔'' اُس کے ٹوکنے پر وہ ہر لفظ پر زور دے کر بولا۔

''لیکن میں منع کروں گا، ہر فضول اور فلرٹ شخص سے تمہیں بات کرنے سے روکوں گا، سمجھیں تم......!''

''سمجھ گئی......!'' اُس نے بظاہر خائف ہو کر کہا۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ ہواؤں میں اُڑنے لگی تھی کیونکہ سردار حاکم علی جانے انجانے میں کسی بھی طرح سہی اُسے اپنا مان دے رہا تھا۔



چاندنی نے بے بے اور بابا کی بھی نہیں مانی تھی اور بہت ضد کر کے بوا جنتے کے ساتھ اپنے ماں باپ کی حویلی آ گئی تھی۔ چاروں اطراف سے باغوں میں گھری یہ حویلی برسوں سے ویران پڑی تھی البتہ اس کی سجاوٹ میں کمی نہیں آئی تھی۔ ہر شے چمکتی اور قرینے سے رکھی ہوئی اس بات کا ثبوت تھی کہ سردار کے تمام ملازم حق نمک ادا کر رہے تھے اور آج بھی اپنے مالکوں کو یاد رکھے ہوئے تھے۔ چاندنی کی آمد پر سب نے بے پناہ خوشی کا اظہار کیا۔ گھنٹوں وہ مزارعوں کی عورتوں کے درمیان گھری اُن سے اپنے ماں باپ کی باتیں اور تعریفیں سنتی رہی۔ اُس کے بعد بوا جنتے کے ساتھ اُس نے حویلی کا ایک ایک کمرہ بلکہ ہر گوشہ دیکھ ڈالا۔ اُس کے احساسات بڑے عجیب سے ہو رہے تھے۔

''یہاں میری ماں بیٹھتی تھی......!''

''یہاں ماں سوتی تھی......!''

''یہاں میرا باپ بیٹھک لگاتا تھا......!''

اُسے کچھ یاد نہیں تھا لیکن اب وہ تصور کر سکتی تھی، جب ہی ہر بات دل پر محسوس کر رہی تھی۔ پھر اُس نے اپنے لیے وہی کمرہ منتخب کیا جسے اُس کی ماں نے اُس کے لیے سجایا تھا۔ الماری میں ابھی بھی اُس کے بچپن کی گڑیا اور دوسری چھوٹی موٹی چیزیں موجود تھیں۔ وہ کتنی دیر اُس وقت کو سوچنے کی کوشش کرتی رہی لیکن تب وہ بہت چھوٹی تھی جب ہی اُسے کچھ یاد نہیں آیا البتہ اُس کے دل سے ہوک اُٹھ رہی تھی۔

''کاش......! اُس کے ماں باپ زندہ ہوتے وہ اُن ہی کے سائے میں پروان چڑھی ہوتی، پھر اُن ہی کی دُعاؤں میں رُخصت ہوتی تو آج یوں نہ خود کو بے آسرا محسوس کرتی۔''

''میں شروع ہی سے بدنصیب ہوں اور منحوس بھی، نہ کسی کو خوشیاں دے سکی نہ میرے حصے میں کوئی خوشی آئی۔'' وہ دُکھ سے سوچتی ہوئی گلاس ونڈو کے قریب آکھڑی ہوئی۔ باہر وسیع لان سے آگے گھنے پیڑ تاریکی میں انتہائی خوف ناک لگ رہے تھے۔ اُس نے جھرجھری لے کر فوراً پردے برابر کردیئے۔ پھر بیڈ پر آلیٹی اور سائیڈ سے ریسٹ واچ اُٹھا کر ٹائم دیکھا۔ ابھی آٹھ ہی بجے تھے اور یوں لگ رہا تھا جیسے بہت رات بیت گئی ہو۔ آس پاس آبادی نہ ہونے کے باعث میلوں تک سناٹے کا راج تھا جب ہی وہ ڈرنے لگی۔ بوا جتنے نے جانے کس کونے میں ڈیرہ جمالیا تھا اور جانے جاگ رہی تھی یا سوگئی تھی، اُس کی ہمت ہی نہیں ہوئی جاکر اُسے دیکھنے کی، نہ لائٹ آف کرسکی بس تکیہ کھینچ کر منہ پر رکھ لیا پھر کروٹیں بدلتے بدلتے ابھی اُس پر غنودگی طاری ہوئی تھی کہ کہیں دُور سے ہوا کے دوش پر لہراتی ہوئی مدھری آواز اُس کی سماعتوں سے یوں ٹکرائی کہ اُس نے بے اختیار منہ پر سے تکیہ ہٹادیا اور سننے کی کوشش کرنے لگی۔

کوئی بہت سُر میں بانسری بجارہا تھا۔

''کون ہے......؟'' اُس کا دل سُروں کی لے پر دھڑ کنے لگا۔ ساکت لیٹی چاروں طرف دیکھتے ہوئے اُس کی نظریں گلاس ونڈو پر جاٹھہریں۔ آواز اسی طرف سے آرہی تھی، کبھی تیز، کبھی مدھم ہوجاتی، وہ ساری ہمتیں یکجا کرکے بیڈ سے اُتر آئی اور ذرا سا پردہ ہٹا کر دیکھنے لگی لیکن اندھیرے میں کچھ نظر نہیں آیا البتہ بانسری کی آواز ہنوز دھڑکنوں میں ہلچل مچارہی تھی۔ کوئی بہت پرانا گیت تھا۔

''آواز میں نہ دوں گا......!''

''جانے کون روگی ہے......!'' اُس نے آزردگی سے سوچا پھر لائٹ آف کرکے لیٹ گئی۔

گوکہ رات وہ بہت دیر سے سوئی تھی پھر بھی صبح جلدی اُس کی آنکھ کھل گئی۔ پہلے تو اُس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کہاں ہے، کچھ حیران ہوکر اِدھر اُدھر دیکھا پھر ایک دم اُٹھ کر پردے کھینچ دیئے۔ ہلکے ہلکے اُجالے میں باہر کا منظر خواب ناک لگ رہا تھا۔ گوکہ سردار ہاشم علی کی حویلی اس سے کہیں زیادہ وسیع رقبے پر پھیلی ہوئی تھی اور وہاں بھی ایسی ہی صبحیں اُترتی تھیں پھر بھی اُسے یہ سب کچھ نیا اور اچھا لگ رہا تھا۔ شاید اس لیے کہ یہاں کے ماحول میں اُس کے ماں باپ کی خوشبو رچی بسی تھی اور شاید اندر کہیں ملکیت کا احساس بھی جاگا تھا۔ وہ دوپٹہ اوڑھ کر باہر نکل آئی اور شبنمی گھاس پر ننگے پاؤں چلتی ہوئی لان کے آخری سرے تک آگئی۔ آگے باؤنڈری وال نہیں تھی بس ہلکی سی باڑھ اور اس سے آگے کھیتوں کا سلسلہ تھا جہاں اِکاّ دُکاّ کسان نظر آرہے تھے۔ وہ باڑھ کے ساتھ ساتھ چلتی ہوئی واپسی کے لیے پلٹی تو ایک لڑکی بھاگتی ہوئی اُس کی طرف آرہی تھی۔ وہ کچھ بے دھیانی میں رُک کر اُسے دیکھنے لگی۔

''بی بی صیب......! مجھے آپ کو دیکھنے کا بہت شوق تھا۔ روز ماں سے پوچھتی تھی کہ حویلی کی مالکن کب آئے گی......؟ اچھا ہوا بی بی صیب......! آپ آگئیں......! میں آپ کی بہت خدمت کروں گی۔''

''اچھا......! کیا خدمت کروگی میری......!'' اُس نے بے ساختہ ہنس کر پوچھا۔

''آپ کے سارے کام کروں گی......! سر میں تیل لگاؤں گی......! ٹانگیں دباؤں گی......!'' لڑکی شوق سے بولے جارہی تھی۔

''ناں ناں......! مجھے ایسی خدمتیں نہیں کروانیں۔ میں کوئی بوڑھی تھوڑا ہی ہوگئی ہوں جو ٹانگیں دباؤں گی......!'' وہ کہتی ہوئی چل پڑی۔

''تو بی بی صیب......! جو آپ کہو گی وہی کروں گی......!'' کندن اُس کے ساتھ چلنے لگی تو وہ ناگواری سے بولی۔

''بہت گندی ہو تم......! پہلے جا کر اپنا حلیہ ٹھیک کرو......! نہا دھو کر صاف کپڑے پہنو......! پھر میرے پاس آنا......! صاف کپڑے ہیں کہ نہیں......؟''

''ہیں جی......! پرانے اچھے نہیں ہیں۔'' کندن کچھ خائف ہوگئی۔

''چلو......! میں تمہیں اپنے کپڑے دیتی ہوں۔''

''ہائے بی بی صیب......! میں آپ کے کپڑے پہنوں گی پھر تو میں آپ جیسی......'' کندن نے ایک دم زبان دانتوں تلے دبالی پھر کانوں کو ہاتھ لگا کر کہنے لگی۔

''توبہ توبہ......! میں بھلا آپ جیسی کیسے ہوسکتی ہوں......؟ آپ مالکن ہو میں نوکر......!''

''تم بہت بولتی ہو......!'' اُس نے سر جھٹک کر قدموں کی رفتار تیز کردی پھر کندن کو اپنے دو تین سوٹ دے کر اُسے صاف ستھرا رہنے کی تاکید کرکے لابی میں آگئی اور بے بے کو فون کیا تو وہ اُس کی آواز سنتے ہی کہنے لگیں۔

''گھبرا گئی ہے ناں چاندنی......! مجھے پتا تھا تو اُدھر نہیں رہ سکتی، بس واپس آجا......!''

''میں گھبرائی نہیں ہوں بے بے......! میں نے آپ کو یہ بتانے کے لیے فون کیا ہے کہ مجھے یہاں بہت اچھا لگ رہا ہے۔ آپ میری بالکل فکر نہ کرو......!''

''فکر کیسے نہ کروں......! ہر وقت دھیان تیری طرف رہتا ہے۔'' بے بے کی آواز بھرا گئی۔

''بس بے بے......! اب رونا نہ شروع کردینا......! نہیں......! میں فون بند کردوں گی۔'' اُس نے فوراً ٹوک دیا۔

''تو مجھے بہت تنگ کرنے لگی ہے چاندنی......!'' بے بے جیسے بے بس ہوگئیں پھر کہنے لگیں۔

''اچھا سن......! کل حاکے کا فون آیا تھا، بتا رہا تھا کہیں باہر جارہا ہے، دفتر کے کام سے۔ اب تو چلا بھی گیا ہوگا۔''

''پھر میں کیا کروں......؟'' وہ بیزاری سے بولی۔

''اور ہاں...... ! کہہ رہا تھا وہاں سے آ کر پھر کچھ دنوں کے لیے یہاں آئے گا۔'' بے بے اُس کی بات نظر انداز کر گئیں جس پر اب وہ چڑ کر بولی۔

''تو میں کیا کروں بے بے......!''

''پتر...... ! ایسے نہیں کہتے...... ! میں تمہیں اس لیے بتا رہی ہوں کہ جاگے کے آنے سے پہلے تو اِدھر آ جانا......!'' بے بے نے دھیرج سے ٹوک کر کہا۔

''کیوں...... ! میں کیوں آ جاؤں......؟'' وہ چیخ کر بولی۔

''لے...... ! وہ تیرا پوچھے گا تو......؟'' بے بے نے ابھی اسی قدر کہا تھا کہ وہ بول پڑی۔

''پہلے کبھی پوچھا ہے اُس نے میرا جواب پوچھے گا......؟ اور اگر پوچھے بھی تو بتا دینا کہ میں یہاں ہوں اپنے ماں باپ کے گھر اور اب یہیں رہوں گی۔''

''اچھا...... ! جب تک تیرا دل چاہے رہ لے وہاں...... ! پر غصہ نہ کیا کر اور دیکھ...... ! اپنا خیال رکھنا......!'' بے بے اب دُلار سے بول رہی تھیں۔ وہ چپ چاپ سنتی رہی پھر فون بند کر دیا۔

○○○

گہری نیند سے اچانک اُس کی آنکھ کھلی۔ شاید کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ رہی تھی جب ہی زبان خشک اور حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے۔ زیرو پاور کی مدھم روشنی میں پہلے اُس نے اطراف کا جائزہ لیا پھر دل پر ہاتھ رکھ کر گویا خود کو تسلی دی کہ خواب ہی تو تھا۔ پھر اُٹھ کر لائٹ جلانے کی غرض سے سوئچ بورڈ کی طرف بڑھ رہی تھی کہ بانسری کی مدھر آواز پر چونک کر رُک گئی۔ روزانہ رات کے اس پہر جانے کون سر چھیڑتا تھا۔ کل تو اُس کی بانسری کی آواز پر ہی آنکھ کھلی تھی اور اُس نے سوچا تھا کہ وہ صبح کندن سے پوچھے گی لیکن صبح اُسے یاد ہی نہیں رہا اور اب اُس کا دل چاہا اسی وقت کندن یا کسی کو بھی بلا کر پوچھے کہ یہ بانسری کون بجاتا ہے اور اسی وقت ہی کیوں۔

''آواز میں نہ دوں گا۔'' آج بھی وہی پہلے روز والا گیت تھا۔ وہ کچھ دیر سنتی رہی پھر تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر کمرے سے نکلی اور ساری لائٹس آن کرتی ہوئی کوریڈور میں آ کھڑی ہوئی۔ اب اُس کے اندر کوئی ڈر خوف نہیں تھا کیونکہ ان چار دنوں میں اُس نے جان لیا تھا کہ یہاں سب اُس کے غلام ہیں اُس کے سامنے سر جھکا کر کھڑے ہونے والے۔ ابھی بھی چوکیدار دُور سے اُسے دیکھ کر بھاگا آیا تھا۔

''بی بی صیب...... ! کیا چاہیے......؟''

''کچھ نہیں...... !'' اُس نے پہلے بے دھیانی میں جواب دیا پھر ایک دم احساس ہونے پر پوچھنے لگی۔

''ہاں...... ! وہ کندن کہاں ہے......؟''

''سو رہی ہے جی...... ! اُٹھا دوں......؟'' چوکیدار یوں الرٹ ہو گیا تھا جیسے اگر وہ ہاں کہے گی تو فوراً

جا کر کندن کو نیند سے اُٹھا کر لے آئے گا۔

''نہیں...... ! رہنے دو...... ! البتہ کل سے اُسے ادھر بھیج دینا۔ وہ میرے ساتھ سوئے گی۔''

''بہت اچھا بی بی صیب...... ! آپ کہو تو ابھی بھیج دوں......!'' چوکیدار یہی سمجھا کہ وہ ڈر رہی ہے۔

''نہیں...... ! سوتے سے مت اُٹھاؤ......!'' وہ کہہ کر اندر چلی آئی۔

پھر اگلی رات کندن بڑے شوق سے اپنا بستر لیے اُس کے پاس آئی اور نیچے کارپیٹ پر بستر بچھا دیا تو وہ جھنجھلا گئی۔

''یہ کیا ہے...... ! اُٹھاؤ اسے......!''

''تو بی بی صیب...... ! میں سوؤں گی کہاں......؟'' کندن حیران ہو کر پوچھنے لگی۔

''کہیں بھی سو جانا...... ! ادھر بیڈ پر یا صوفے پر، نیچے گند پھیلا ہوا مجھے اچھا نہیں لگتا۔ جاؤ اُسے واپس رکھ آؤ......!'' اُس نے کہا تو کندن چپ چاپ بستر لپیٹ کر چلی گئی پھر واپس آ کر پوچھنے لگی۔

''بی بی صیب...... ! آپ کو اکیلے میں ڈر لگتا ہے......؟''

''نہیں...... ! اپنے گھر میں کیوں ڈر لگے گا......؟ بس جب نیند نہیں آتی تو کسی سے باتیں کرنے کو دل چاہتا ہے اس لیے میں نے تجھے یہاں بلایا ہے۔''

''پر بی بی صیب...... ! مجھے تو بہت نیند آتی ہے۔'' کندن اُس کی بات سن کر پریشان ہو گئی۔

''تو سو جا...... ! میں تجھے سونے سے منع تو نہیں کر رہی۔'' اُس نے بمشکل اپنی جھنجلاہٹ چھپائی۔

''پھر آپ باتیں کس سے کرو گی......؟''

''کسی سے نہیں...... ! تو سو آرام سے......!'' وہ چڑ گئی ساتھ ہی صوفے کی طرف اشارہ کیا تو کندن اُس کے غصے سے ڈر کر فوراً صوفے پر لیٹ گئی لیکن اُسے چین نہیں آ رہا تھا۔ کبھی ادھر کروٹ بدلتی، کبھی اُدھر، کبھی سیدھی لیٹ جاتی۔ چاندنی نہ چاہتے ہوئے بھی بار بار اُسے دیکھ رہی تھی۔ اُس کے بار بار کروٹ بدلنے سے اُسے کوفت ہو رہی تھی۔ آخر ٹوک دیا۔

''کیا تکلیف ہے تمہیں......؟''

''بی بی صیب......!'' کندن فوراً اُٹھ بیٹھی۔

''میں جی ادھر نہیں سو سکتی، نیچے سو جاؤں گی......!''

''اچھا...... ! ابھی ادھر میرے پاس آ کر بیٹھ......!'' وہ اُس کی مجبوری سمجھ کر نرم پڑ گئی۔

''ٹانگیں دبا دوں آپ کی......؟'' کندن اُٹھ کر اُس کے پیروں کے پاس آ بیٹھی۔

''نہیں......!'' وہ فوراً ٹانگیں سمیٹ کر بولی۔

''کچھ باتیں کر...... ! مجھے یہاں کے بارے میں بتا...... ! ادھر آس پاس کون کون رہتا ہے......؟''

''ادھر تو سارے مزارعے ہیں جی...... ! آپ کی جاگیر سے آگے دوسری آبادی ہے۔'' کندن نے

بتایا تو وہ چند لمحے سوچنے کے بعد پوچھنے لگی۔

''اور وہ کون ہے جو رات میں بانسری بجاتا ہے......؟''

''ہائے بی بی صیب......! آپ نے سنی ہے بانسری کی آواز......! کتنی سُریلی ہے میرا تو ناچنے کا دل کرتا ہے۔'' کندن یک دم مشتاق ہوگئی۔

''میں یہ نہیں پوچھ رہی کہ تیرا کیا دل کرتا ہے......؟ میں بانسری بجانے والے کا پوچھ رہی ہوں، کہاں رہتا ہے اور رات میں ہی کیوں بانسری بجاتا ہے دن میں کیوں نہیں......؟'' بہت ضبط کے باوجود اُس کا انداز جھنجوڑنے والا تھا۔

''پتا نہیں بی بی صیب......! میں یہ سب تو نہیں جانتی پر میں نے سُنا ہے کہ دن میں وہ اِدھر مزار پہ بیٹھتا ہے۔'' کندن بڑی جلدی خائف ہوجاتی تھی۔

''مزار......! کس کا مزار ہے......؟'' اُس کا انداز سوچتا ہوا تھا۔

''سائیں شاہ کا......! بڑے پہنچے ہوئے سائیں ہیں بی بی......! ہر مراد پوری ہوتی ہے۔''

''اچھا......! تو کبھی گئی ہے وہاں......؟'' وہ پوری توجہ سے کندن کو دیکھنے لگی۔

''ہاں جی......! بہت بار......!''

''کیا مرادیں لے کر گئی تھی......؟'' وہ بلاارادہ پوچھ گئی اور کندن سمجھ نہ سکی۔

''کیا جی......!''

''میرا مطلب ہے تمہاری کوئی مراد پوری ہوئی......؟''

''ہاں جی......! میرا ابا بہت بیمار ہوگیا تھا، سب کہتے تھے بس اب تھوڑے دنوں کا مہمان ہے۔ میں نے سائیں شاہ کے مزار پر جا کے دُعا کی، منت مانی تو میرا ابا تھوڑے دنوں میں بھلا چنگا ہوگیا، تب سے میں ہر جمعرات کو جاتی ہوں۔ آپ کی بھی کوئی مراد ہو بی بی صیب......! تو سائیں شاہ کے مزار پر دھاگا باندھ دو......!'' کندن نے بتاتے ہوئے اُسے بھی مشورہ دے ڈالا۔

''میری مراد......!'' اُس کی ذہنی رو بہک گئی۔

''اب تو کوئی مراد نہیں ہے......!''

''ہاں بی بی صیب......! آپ کے پاس تو سب کچھ ہے۔'' کندن نے اپنی سمجھ کے مطابق کہا۔

''سب کچھ......؟'' اُس کے دل سے ہوک اُٹھی۔

○ ○ ○

حاکم علی جرمنی گیا ہوا تھا تو ہمیشہ کی طرح نشی کو اُس کے بغیر سارا شہر ویران لگ رہا تھا۔ وہ انتہائی بیزار اور اُکتائی ہوئی سی پھر رہی تھی۔ کسی کام میں دل بھی نہیں لگ رہا تھا۔ کتنی بار لکھنے بیٹھی لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ پھر بچے کے ساتھ خود کو بہلانے کی کوشش کرنے لگی۔

''تمہارا باپ بڑا ساحر ہے ولی......! پتا نہیں تمہاری ماں کیسے اُس کے سحر سے نکل بھاگی۔ میں نے تو لاکھ کوشش کرلی۔'' وہ بچے کو اپنے پیٹ پر بٹھائے اُس کے دونوں ہاتھ مٹھیوں میں دبائے بول رہی تھی۔

''عجیب شخص ہے، نہ اُس کا ساتھ خوشی دیتا ہے اور نہ اُس کے بنا کہیں دل لگتا ہے۔ کبھی کبھی میرا دل چاہتا ہے میں اُسے شوٹ کردوں۔ کیا خیال ہے......! کردوں شوٹ......؟'' اُس نے بچے کے ہاتھ ہلائے وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگا۔

''ارے......!'' وہ بھی ہنس پڑی، پھر بچے کو سینے پر لٹا کر اُس کے گرد بازوؤں کا حلقہ بنا کر کہنے لگی۔

''تم اپنے باپ کی طرح مت ہونا......! وہ بے ایمان اور ہرجائی ہے۔ تمہیں اچھا انسان بننا ہے، میں بناؤں گی تمہیں اچھا انسان۔ ہر وہ خوبی جو میں سردار میں دیکھنا چاہتی ہوں وہ تمہاری ذات کا حصہ ہوگی۔'' وہ بولتے ہوئے اپنے ہی خیالوں میں کھو گئی تھی۔ کتنی دیر بعد احساس ہوا کہ بچہ اُس کے سینے پر سو گیا تب بہت احتیاط سے اُسے بستر پر لٹا کر اُٹھ کھڑی ہوئی اور پہلے موبائل اُٹھا کر حاکم علی سے رابطہ کرنے کی کوشش کی، پھر گاڑی کی چابی لے کر باہر نکل آئی۔

سڑکوں پر ٹریفک رواں دواں تھا۔ شام کے وقت یوں بھی لگتا ہے جیسے سارا شہر سفر میں ہو، کوئی گھر کی طرف بھاگ رہا ہوتا ہے اور کوئی گھر سے۔ وہ بنا سوچے سمجھے گھر سے نکل تو آئی تھی لیکن اب سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہاں جائے۔ بغیر کسی پلاننگ اور وقت کا خیال کیے تو وہ صرف حاکم علی کے گھر ہی جاتی تھی اور وہ تھا نہیں جب ہی اپنے آپ پر جھنجلاتے ہوئے اُس نے گاڑی راؤنڈ اباؤٹ سے واپسی کے راستے پر ڈالی تھی کہ اچانک اُس کی گاڑی بند ہوگئی۔

''شٹ......!'' وہ مزید جھنجلا گئی پھر بار بار اسٹارٹ کرنے کی کوشش میں ناکام ہو کر گاڑی سے اُتر آئی اور بونٹ اُٹھانے لگی تھی کہ ایک گاڑی اُس کے قریب آن رُکی۔

''اینی پرابلم......!'' وہ اُس کی طرف کے شیشے پر جھک کر پوچھ رہا تھا۔

''یس......!'' اُس کے اعتراف پر وہ فوراً اُتر کر آگیا اور اُس کی گاڑی چیک کرنے کے بعد مایوسی سے بولا۔

''سوری......! اسے کسی مکینک کی ضرورت ہے۔''

''اوہ......!'' وہ اِدھر اُدھر نظریں دوڑانے لگی۔

''میں آپ کو ڈراپ کرسکتا ہوں......! کہاں جانا ہے آپ کو......؟'' اُس نے پوچھا تو اُس کی بھٹکتی ہوئی نظریں اُس پر آن ٹھہریں پھر غالباً اُس کا اعتبار کرکے وہ اپنی گاڑی لاک کرکے اُس کے ساتھ بیٹھ گئی۔

''کہاں جائیں گی......؟'' اُس نے پھر پوچھا۔

’’کلفٹن روڈ......! آپ کیا اسی طرف جا رہے تھے......؟‘‘ اُس نے بتا کر پوچھا۔

’’جی نہیں......! اور اب پلیز......! آپ یہ مت کہہ دیجئے گا کہ میری وجہ سے آپ کو زحمت اُٹھانا پڑ رہی ہے۔‘‘ اُس نے کہا تو وہ بے ساختہ مسکرائی پھر قدرے توقف سے پوچھنے لگی۔

’’کیا کرتے ہیں آپ......!‘‘

’’دن میں جاب، رات میں پڑھائی، پھر بھی نکما سمجھا جاتا ہوں۔‘‘ وہ ڈرائیونگ پر توجہ مرکوز رکھ کر بول رہا تھا۔

’’ارے......! یہ تو بڑی دلچسپ بات ہے۔‘‘ وہ واقعی محظوظ ہوئی۔

’’دلچسپ......! میرے لیے تکلیف دہ......!‘‘ اُس نے کہا تو وہ ایک دم اُسے دیکھنے لگی۔

’’سوری......! میں نے شاید......‘‘

’’نہیں نہیں......! وہ فوراً بول پڑا۔

’’مجھے آپ کی بات سے ٹھیس نہیں پہنچی۔ خیر......! آپ بتائیں......! آپ کیا کرتی ہیں......؟‘‘

’’کبھی کچھ نہیں......! کبھی بہت کچھ......!‘‘ اُس نے کہا تو وہ ویو مرر میں اُسے دیکھ کر بولا۔

’’وضاحت کریں گی......؟‘‘

’’میں لکھاری ہوں اور موڈی بھی۔‘‘ اُس نے بتایا تو اب ویو مرر میں اُس نے پورے دھیان سے اُسے دیکھا پھر کہنے لگا۔

’’میرا خیال ہے سارے لکھاری موڈی ہوتے ہیں۔ کبھی مہینوں نہیں لکھتے اور کبھی مہینوں لکھنے سے فرصت نہیں ملتی۔‘‘

’’یہی بات ہے......!‘‘ اُس نے تائید کی پھر سامنے اشارہ کر کے بولی۔

’’وہاں سے رائٹ ہینڈ......!‘‘

’’کہیں جاب بھی کرتی ہیں......؟‘‘ اُس نے گاڑی موڑتے ہوئے پوچھا۔

’’نہیں......! مجھے پابندیاں پسند نہیں ہیں۔‘‘ اُس کے جواب پر وہ خاموش ہو رہا پھر اُس کے اشاروں پر چلتے ہوئے گاڑی اُس کے گیٹ پر روک دی۔

’’تھینک یو......!‘‘ وہ اُترنے لگی پھر ایک دم اُس کی طرف پلٹ کر بولی۔

’’میں زشی ہوں اور آپ......!‘‘

’’نعمان حسن......!‘‘

’’تھینک یو ویری مچ نعمان حسن......! آپ کو واقعی زحمت ہوئی۔‘‘ وہ کہہ کر اُتر گئی اور جب تک اُس کی گاڑی نظروں سے اوجھل نہیں ہو گئی، وہ وہیں کھڑی رہی۔

○ ○ ○

ہمایوں کو سعدیہ کی مہندی والے روز پہنچنا تھا لیکن اسلام آباد میں طوفانی بارش کے باعث فلائٹس کے شیڈول چینج ہو گئے تھے جب ہی وہ نہیں آ سکا جس پر نور یہ خاصی جھنجلائی ہوئی تھی لیکن اپنی ساس کو تسلی دینے کے ساتھ یہ بھی کہہ رہی تھی کہ

’’اس میں ہمایوں کا تو کوئی قصور نہیں ہے۔ وہ بیچارے تو خود وہاں پریشان رہے ہیں۔‘‘

’’آج بھی آ رہا ہے کہ نہیں......! اللہ کرے آج تو خیریت سے پہنچ جائے۔ مجھے پتا نہیں کیوں ہول اُٹھ رہے ہیں......؟‘‘ امی بہت فکرمند لگ رہی تھیں۔

’’پہنچ جائیں گے انشاءاللہ......! بارات کے آنے سے پہلے پہنچ جائیں گے......! آپ پریشان نہ ہوں......!‘‘ اُس نے انہیں تسلی دی۔

’’فون بھی آیا اُس کا کہ نہیں......؟‘‘

’’جی......! ائیرپورٹ جاتے ہوئے فون کیا تھا انہوں نے، آپ ایسا کریں اب تیاری شروع کر دیں، میرا مطلب ہے مہمانوں کے آنے سے پہلے آپ تیار ہو جائیں پھر آپ کو میرج ہال بھی جلدی پہنچنا ہے۔‘‘ اُس نے کہا تو وہ پوچھنے لگیں۔

’’سعدیہ پارلر چلی گئی......؟‘‘

’’جی......! ممانی جان اُس کے ساتھ گئی ہیں۔‘‘ اُس نے بتاتے ہوئے وارڈ روب سے اُن کی ساڑھی نکال کر اُن کے سامنے رکھی پھر انہیں جلدی تیار ہونے کا کہہ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

اُسے اپنی تیاری کے لیے بھی خاصا وقت چاہیے تھا کیونکہ اُس کی اکلوتی نند کی شادی تھی۔ پھر ہمایوں کا بھی اصرار تھا کہ اُس کی تیاری میں کوئی کمی نہیں ہونی چاہیے۔ کل کتنی دیر تک وہ فون پر اس قسم کی باتیں کرتا رہا جن پر سوچ سوچ کر اُسے ہنسی آ رہی تھی۔ ساتھ ساتھ اُس کی خواہش کے مطابق خود کو سنوار رہی تھی۔ سیاہ شرارے پر بہت نفیس سلور کا کام تھا۔ اسی حساب سے اُس نے میک اَپ کیا پھر جیولری کا انتخاب کر رہی تھیں کہ اُس کی ساس آ کر بولیں۔

’’تم ابھی تیار نہیں ہوئیں......؟‘‘

’’میں تیار ہوں امی......! لیکن میں ہمایوں کے ساتھ آؤں گی......! آپ ماموں جی کے ساتھ چلی جائیں......!‘‘ وہ سہولت سے بولی پھر انہیں سوچتے دیکھ کر کہنے لگی۔

’’ہمایوں کراچی پہنچ چکے ہیں امی......! اور یہاں کی ٹریفک کا تو آپ کو پتا ہی ہے، گھر پہنچنے میں انہیں آدھا پونا گھنٹہ لگ جائے گا پھر کچھ وقت تیاری میں...... اور اُدھر مہمان آنا شروع ہو گئے ہیں اسی لیے میں کہہ رہی ہوں آپ ماموں جی کے ساتھ چلی جائیں......!‘‘ وہ اُن کے قریب آ کر بولی۔

’’میں تو جا رہی ہوں پھر تم لوگ کیسے آؤ گے......؟ گاڑی تو میں لے جا رہی ہوں۔‘‘ امی خاصی جھنجلا رہی تھیں۔

''آپ ہماری فکر نہ کریں......! میں نے ڈیڈی کو فون کر دیا ہے وہ گاڑی بھیج رہے ہیں۔''

''یہ سب ہمایوں کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ چار دن پہلے آ جاتا تو......!'' امی بڑبڑاتی ہوئی چلی گئیں تو وہ سر جھٹک کر پھر ڈریسنگ ٹیبل کے پاس آ گئی اور کانچ کی سیاہ چوڑیوں کے ساتھ سلور کڑے سیٹ کرنے لگی تھی کہ اُس کا موبائل بجنے لگا۔ اسکرین پر ہمایوں کا نام دیکھتے ہی اُس نے فوراً موبائل اٹھا لیا۔

''کہاں ہیں آپ......!''

''راستے میں......! بس پندرہ منٹ میں پہنچنے والا ہوں، میرا سوٹ نکال دیا......؟''

''سب کچھ نکال دیا ہے، سوٹ، ٹائی، رومال، جوتے موزے بس آپ جلدی آ ئیں......!'' اُس نے روانی سے بتا کر کہا۔

''آ تو رہا ہوں......! یہ بتاؤ......! تم تیار ہو گئیں کیا پہنا ہے......؟ آئی مین......! کون سا کلر......؟''

''چہ چہ......! ٹیکسی میں بیٹھ کر ایسی باتیں نہیں کرتے۔'' وہ ذرا سا ہنسی کے ساتھ ٹوک کر بولی۔

''آ کر دیکھ لیجئے گا......!''

''اچھا سنو......! چوڑیاں مت پہننا......!'' ہمایوں نے کہا تو وہ حیران ہو کر پوچھنے لگی۔

''کیوں......! آپ کو چوڑیاں پسند نہیں ہیں......!''

''بہت پسند ہیں، کانچ کی رنگ برنگی چوڑیاں اور وہ میں خود تمہاری کلائیوں میں سجاؤں گا......!''

ہمایوں کا لہجہ کسی خوبصورت تصور سے بھاری لگ رہا تھا۔

''دیر ہو جائے گی ہمایوں......!'' اُس نے کہا تب ہی زوردار دھماکے کی آواز اُس کی سماعت سے یوں ٹکرائی کہ اُس کا پورا وجود ہل گیا۔

''ہمایوں......!'' وہ پوری قوت سے چیخی۔

''ہمایوں آپ ٹھیک تو ہیں ناں......! ہمایوں......! کہاں ہیں آپ......!''

جواب میں صرف گاڑی کا ہارن سنائی دے رہا تھا۔

''ہمایوں......!'' اُس نے بار بار پکارا پھر موبائل پھینک کر چلاتی ہوئی کمرے سے نکلی۔

''کوئی ہے......! کوئی ہے......! امی......! ڈیڈی......! ہمایوں......!'' وہ حواس کھو رہی تھی بمشکل ساری توانائیاں صرف کر کے گیٹ کی طرف بھاگی لیکن برآمدے کا اسٹیپ اُترتے ہوئے اُس کا پاؤں شرارے میں اُلجھ گیا اور اگلے پل وہ اوندھے منہ فرش پر پڑی تھی۔

⊖ ⊖ ⊖

جب اُسے ہوش آیا تو وہ ہاسپٹل کے بیڈ پر تھی لیکن سمجھنے سے قاصر، کتنی دیر نظریں گھما گھما کر چاروں طرف دیکھتی رہی، کمرے میں کوئی نہیں تھا نہ کوئی اپنا نہ پرایا۔ وہ کس سے پوچھتی کہ وہ کہاں ہے۔ خود ہی سوچنے لگی تھی کہ دروازہ کھلنے کی آواز پر پھر اُدھر دیکھنے لگی۔

''السلام علیکم......!'' نعمان اندر آیا تھا۔

''کیسی طبیعت ہے......؟''

''نومی......!'' اُس کا ذہن یکلخت بیدار ہو گیا اور آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

''نومی......! ہمایوں کہاں ہیں......؟''

''یہیں...... یہیں ہیں......!'' نعمان نے بہت نارمل انداز میں بتایا جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔

''یہاں......!'' اب اطراف میں دیکھتے ہوئے اُس نے جانا کہ وہ ہاسپٹل میں ہے پھر بے قراری سے پوچھا۔

''ہمایوں ٹھیک تو ہیں ناں......!''

''ہاں بابا......! ٹھیک ہیں......! تم ٹھیک نہیں ہو......! آرام کرو......!'' نعمان نے قریب آ کر اُسے تسلی دی۔

''میں ٹھیک ہوں......! تم ہمایوں کو بلاؤ......! یا مجھے اُن کے پاس لے چلو......!'' وہ اُٹھ بیٹھی لیکن جب بیڈ سے اُترنا چاہا تو پیر میں ٹیسیں اُٹھنے لگیں۔

''کیا کر رہی ہو......! تمہارا پاؤں فریکچر ہوا ہے اور......'' وہ خاموش ہو گیا۔

اور اُس نے سہمی ہوئی نظروں سے نعمان کو دیکھا پھر اُس کا ہاتھ پکڑ کر جھنجوڑنے لگی۔

''نومی......! مجھے بتاؤ......! کیا ہوا ہے......؟ ہمایوں کے ساتھ کیا ہوا......؟ کیا اُن کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے......؟ دیکھو......! مجھ سے کچھ مت چھپاؤ......! میں نے خود آواز سنی تھی۔ اُس وقت میں سیل پر اُن سے بات کر رہی تھی جب دھماکا ہوا تھا۔'' نعمان نے اُس کے دونوں ہاتھ تھام لئے لیکن کچھ بول نہیں سکا۔

''نومی......!'' وہ ٹوٹ گئی۔

''خدا کے لیے......! کہہ دو کوئی سانحہ نہیں ہوا......!''

''نہیں ہوا......!'' اُس کے ہاتھوں پر گرفت مضبوط کر کے وہ بہت ضبط سے کہنے لگا۔

''معمولی ایکسیڈنٹ تھا......! ہمایوں ٹھیک ہو جائیں گے......! تم اپنے آپ کو سنبھالو......! تمہیں اُن کی تیمارداری کرنی ہے۔ اگر تم اس طرح ہلکان ہو گئی تو......''

''نہیں......! میں...... میں کہاں ہلکان ہو رہی ہوں......؟'' اُس نے فوراً ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑ ڈالیں پھر منت سے بولی۔

''مجھے اُن کے پاس لے چلو نومی......! میں جب تک انہیں اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ لوں گی......''

''بے وقوفی کی باتیں مت کرو......!'' وہ ٹوک کر کہنے لگا۔

''ابھی تم چل نہیں سکتیں...... اور پتہ ہے ہمایوں سے ہم نے یہی کہا ہے کہ تم سعدیہ کی شادی......''

''ہاں......! سعدیہ کی شادی......!'' اُسے یک دم جھٹکا لگا تھا۔

''نومی......! کل سعدیہ کی شادی تھی...... کیا ہوا......؟''

''ہو گئی......! سعدیہ کل رُخصت ہو گئی......! تم آرام سے بیٹھو......! ریلیکس ہو جاؤ......! پھر میں تمہیں تفصیل سے بتاؤں گا۔'' نعمان نے آہستہ سے اُس کا کندھا دبا کر کہا۔

''پانی......!'' اُس نے جگ کی طرف اشارہ کیا پھر تکیے کے ساتھ کمر ٹکا کر آرام سے بیٹھ گئی۔ نعمان نے گلاس میں پانی ڈال کر اُسے تھمایا تو وہ ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر گئی۔ پھر بے صبری سے اُسے دیکھتے ہوئے بولی۔

''سعدیہ رُخصت ہو گئی......؟''

''ہوں......!'' نعمان چیئر بیڈ کے قریب رکھ کر بیٹھ گیا پھر بتانے لگا۔

''میں کل جب تمہارے گھر آیا تو تم لیچ میں بے ہوش پڑی تھیں۔ گھر میں اور کوئی نہیں تھا اور موقع ایسا تھا کہ میں کسی کو اطلاع بھی نہیں دے سکتا تھا۔ البتہ میں نے ہمایوں کے موبائل پر انہیں فون کیا تھا لیکن جواب موصول نہیں ہوا تب میں تمہیں گاڑی میں ڈال کر یہاں لے آیا تو......'' وہ خاموش ہو گیا۔

''تو......؟'' اُس نے فوراً ٹوکا۔

''تو یہاں میں نے ہمایوں کو دیکھا۔ اسٹریچر پر انہیں ایمرجنسی میں لے جایا جا رہا تھا۔ میری سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ یہ سب کیا ہوا ہے اور مجھے کیا کرنا چاہیے......؟ اُدھر سعدیہ کی شادی تھی، مہمان آ رہے تھے، اِدھر تم دونوں اس حال میں۔ تب میں نے چچا جان کو فون کر کے بلا لیا۔ چچا جان پہلے ڈاکٹروں سے ملے پھر مجھے یہاں چھوڑ کر سعدیہ کی شادی میں چلے گئے اور مجھے نہیں معلوم اُنہوں نے وہاں تم دونوں کی غیر موجودگی کا کیا جواز پیش کیا اور تمہاری ساس کو کیسے مطمئن کیا۔ بہر حال سعدیہ رُخصت ہو گئی، اب تم بھی

جلدی ٹھیک ہو جاؤ......!''

''یہ...... یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے نومی......!'' وہ پھر رو پڑی۔

''مجھے خوشیاں راس کیوں نہیں آتیں......؟ جب مطمئن ہونے لگتی ہوں کوئی نہ کوئی حادثہ ہو جاتا ہے، کیوں......؟ کیا میرے نصیب میں مطمئن ہونا، خوش ہونا لکھا ہی نہیں گیا......؟''

''ایسا مت کہو نور......! زندگی میں امتحان اور آزمائشیں آتی ہی ہیں، ان پر شاکی نہیں ہونا چاہیے۔'' نعمان نے دھیرج سے سمجھایا۔

''امتحان اور آزمائشیں اچھے، نیک لوگوں پر آتی ہیں، مجھے تو لگتا ہے کسی گناہ کی سزا......'' اُس کی آواز ساتھ چھوڑ گئی۔

''پاگل مت بنو......! کوئی گناہ نہیں ہوا تم سے......! ایسا سوچنا بھی مت......! اور خبردار......! جو مایوسی کی باتیں کیں تو......!''

''اچھا......! تم مجھے ہمایوں کے پاس لے چلو......! کسی بھی طرح......! وہیل چیئر ہی لے آؤ......! پلیز نومی......!'' اُس نے اتنی عاجزی سے ہاتھ جوڑے کہ نعمان پریشان ہو گیا۔

''تم بہت مجبور کر دیتی ہو نور......! لیکن یہ ممکن نہیں ہے کیونکہ ہمایوں آئی سی یو میں ہیں اور ڈاکٹرز وہاں چیئر نہیں لے جانے دیں گے۔''

''آئی سی یو......!'' اُس کا دل بند ہونے لگا۔

''کیا سیریس کنڈیشن ہے اُن کی......؟''

''وہ ٹھیک ہو جائیں گے......!'' نعمان نے جواب کی بجائے تسلی دی۔

''ہاں......! ٹھیک ہونا ہے اُنہیں......! یہ...... یہ میری کلائیاں دیکھ رہے ہو، میں نے چوڑیاں نہیں پہنیں کیونکہ ہمایوں کہہ رہے تھے وہ خود آ کر مجھے چوڑیاں پہنائیں گے۔ انہیں رنگ برنگی کانچ کی چوڑیاں بہت پسند ہیں۔'' اپنی کلائیاں دیکھتے ہوئے اُس کی آنکھیں پھر دھندلا گئیں۔ نعمان کو اُس پر بے پناہ ترس آ رہا تھا۔



سعدیہ ایک دن کی دلہن، اپنی امی کو سنبھالنے میں لگی ہوئی تھیں جنہیں حادثے کی خبر نے بالکل توڑ کر رکھ دیا تھا۔ کبھی زار و قطار رونے لگتیں کبھی جائے نماز پر بیٹھتیں تو گھنٹوں وہاں سے اُٹھنے کا نام نہیں لیتی تھیں۔ اس وقت سعدیہ نے اُنہیں زبردستی نیند کی ٹیبلٹ دے کر سلا دیا، پھر سہیل کے پاس آ کر بیٹھی تو رو پڑی۔

''مجھ سے یہ سب برداشت نہیں ہو رہا سہیل......! پتا نہیں اس گھر کو کس کی نظر لگی ہے......؟ ہر خوشی کے موقعے پر کچھ نہ کچھ ہو جاتا ہے۔''

''رو مت......! سب ٹھیک ہو جائے گا......! تمہیں ہمت سے کام لینا ہے۔'' سہیل نے اُس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

''مجھ میں نہیں ہے ہمت......! اور نہ مجھ سے امی کا رونا دیکھا جاتا ہے، میں کیا کروں......؟ اُدھر بھائی کے پاس بھی کوئی نہیں ہے۔'' اُس کے آنسو تواتر سے بہتے ہوئے سہیل کے سینے میں جذب ہو رہے تھے۔

''ہیں......! ہمایوں بھائی کے پاس نوریہ بھابی کے گھر والے ہیں۔''

''بھائی ٹھیک ہو جائیں گے ناں......! ڈاکٹر کیا کہتے ہیں......؟ مجھے بھی تو کچھ بتائیں......!'' وہ سہیل سے الگ ہو کر اُس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''بتائیں سہیل......! ڈاکٹر نے کیا کہا ہے......؟''

''ڈاکٹر پُرامید ہیں لیکن کچھ وقت لگے گا اور دیکھو......! تم اپنے آپ کو سنبھالو......! کیونکہ امی کو تم نے حوصلہ دینا ہے۔'' سہیل نے پھر اُسے نرمی سے سمجھایا۔

''ہاں......! بھابھی بھی تو ہیں، وہ کب ٹھیک ہوں گی......؟'' اس نے نوریہ کے بارے میں پوچھا۔

''اُن کے پیر میں معمولی فریکچر ہے وہ انشاء اللہ......! جلدی ٹھیک ہو جائیں گی، چلو......! تم منہ ہاتھ دھو کر کچھ کھانے کا انتظام کرو، میں جب تک شاور لے لوں......!'' سہیل اُس کا ہاتھ ہٹا کر اُٹھ کھڑا ہوا تو وہ بھی اُس کے ساتھ اُٹھ گئی اور پہلے امی کے کمرے میں جھانک کر انہیں دیکھا پھر کچن کا رُخ کیا۔

○○○

سردار حاکم علی جرمنی سے لوٹا تو چند گھنٹے کراچی میں رُکا پھر گاؤں آ گیا اور بے بے جو ہمیشہ اُس کی آمد پر بہت خوش ہو جاتی تھیں: اب اُسے دیکھ کر کچھ خائف سی ہو گئی تھیں کہ کہیں وہ چاندنی کے یہاں سے جانے پر ناراض نہ ہو۔ حالانکہ وہ کبھی خاص طور سے چاندنی کے بارے میں پوچھتا بھی نہیں تھا۔ ابھی بھی اس کی طرف اس کا دھیان ہی نہیں گیا۔ بس بے بے کا حال احوال پوچھا پھر اُن سے چائے کا کہہ کر اُوپر آ گیا۔ جرمنی میں وہ بے انتہا مصروف رہا تھا اور اب کچھ دن آرام کرنا چاہتا تھا جب ہی اُس نے کراچی میں کسی کو اپنی آمد کا نہیں بتایا تھا اور سیدھا یہاں آ گیا تھا لیکن اب اُسے احساس ہو رہا تھا کہ اُسے کم از کم نشی کو ضرور اپنی آمد کی اطلاع دینی چاہیے تھی جسے وہ ایک ہفتے کا کہہ کر گیا تھا۔

''وہ انتظار کر رہی ہوگی......!'' اُس نے سوچا پھر جیب سے موبائل نکال کر نشی کا نمبر پش کر کے کان سے لگا لیا تو اُدھر سے نشی نے ریسیو کرتے ہی پوچھا تھا۔

''ہائے سردار......! کب آئے......؟''

''آج ہی......! لیکن تمہارے شہر میں نہیں ہوں، اپنے گاؤں میں ہوں۔'' اُس نے بتایا۔

''چاندنی کے پاس......!'' نشی بے ساختہ بولی۔

''چاندنی......!'' وہ ہنسا۔

''تمہیں وہ اسٹوپڈ لڑکی بہت یاد رہ گئی......!''

''وہ ہے ہی یاد رہ جانے والی......! تم پتا نہیں کیسے اُسے بھول جاتے ہو......؟''

''خیر......! یہ بتاؤ......! کیسی ہے وہ......؟'' نشی نے ہمیشہ کی طرح اُسے احساس دلانے کی سعی کر کے پوچھا۔

''ٹھیک ہے......!'' اُس نے کسی تکرار سے بچنے کی خاطر کہہ دیا پھر فوراً بات بدل گیا۔

''تم سناؤ......! کیا کر رہی ہو آج کل......! کوئی نئی کہانی شروع کی......؟''

''ہاں......! اور میری کہانی کا ہیرو پتا ہے کون ہے......؟ تم......!'' نشی بتا کر ہنس رہی تھی، اُسے کچھ عجیب سا محسوس ہوا لیکن ٹوکنے کی بجائے بے اختیار پوچھ گیا۔

''اور ہیروئن کون ہے......؟''

''تم بتاؤ......! کسے ہونا چاہیے......؟'' نشی نے اُلٹا اس سے پوچھا۔

''نوریہ......! صرف نوریہ......!'' وہ زور دے کر بولا۔

''صرف نوریہ کیوں سردار......!'' نشی ٹوک کر غالباً کتنی لڑکیوں کے نام لینا چاہتی تھی لیکن وہ فوراً بول پڑا۔

''جسے میں نے دل سے مانا ہے وہ صرف نوریہ ہے......! باقی آنے جانے والی لڑکیوں کو ہیروئن تو نہیں کہا جا سکتا ناں......!''

''یہ تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو......! لیکن چاندنی کا شمار تو آنے جانے والی لڑکیوں میں نہیں ہوتا۔''

''اوفوہ......! یہ تم کیا فضول باتیں کرنے لگتی ہو......؟'' وہ جھنجلا گیا۔

''چلو چھوڑو......! نہیں کرتی فضول باتیں......!'' نشی نے کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا تو وہ مزید جھنجلا گیا۔

''عجیب پاگل لڑکی ہے......! پتا نہیں اُسے چاندنی سے کیا دلچسپی ہے......؟ ہر بات میں چاندنی......! چاندنی......! نان سنس......! ہونہہ......!'' اُس کا موڈ آف ہو گیا۔

○○○

درمیانی تاریخوں کے چاند نے ماحول کو خواب ناک بنا دیا تھا۔ مزید درد میں ڈوبی بانسری کی لے لگتا تھا سارے میں آگ لگا دے گی۔ وہ گلاس وال کے قریب کھڑی کبھی چاند کو دیکھتی، کبھی پیڑوں کے جھنڈ سے اُس پار دیکھنے کی کوشش کرتی کہ شاید وہ روگی نظر آ جائے جس نے اُس کی نیندیں اُڑا دی تھیں اور عجیب بات تھی کہ اُسے اُس پر غصہ نہیں آتا تھا بلکہ اُس کا دل اُس کے درد پر تڑپتا تھا شاید اس لیے کہ وہ خود چوٹ کھائے ہوئے تھی۔ جب ہی اُس کے درد کو اپنے دل پر محسوس کرتی تھی۔ اب بھی وہ بہت بے چین ہو

رہی تھی کہ کندن کی آواز پر اُچھل پڑی۔

”بی بی صیب......! آپ کو نیند نہیں آ رہی......؟“ کندن کی اچانک آنکھ کھلی تھی اور اُسے کھڑے دیکھ کر تعجب سے پوچھ رہی تھی۔

”نہیں......! تو کیوں اُٹھ گئی......؟“ اُس نے جواب کے ساتھ ٹوکا۔

”بس......! آپ ہی آنکھ کھل گئی۔ آپ کے سر میں تیل لگا دوں بی بی صیب......! پھر بڑی اچھی نیند آئے گی۔ میں تیل لے کر آتی ہوں۔“ کندن خود ہی بولتی ہوئی اُٹھ کر چلی گئی اور کچھ ہی دیر میں تیل کی شیشی لئے واپس آئی تو وہ ٹیبل کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

”اسے وہاں رکھ دے......!“

”بی بی صیب......! خالص سرسوں کا تیل ہے، آپ ایک بار......“

”کندن......!“ اُس نے دانت پیسے تو کندن نے فوراً تیل کی شیشی ٹیبل پر رکھ دی۔ پھر خائف نظروں سے اُسے دیکھنے لگی وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی کندن کے قریب آ کر آہستہ آواز میں پوچھنے لگی۔

”میری ایک بات مانے گی کندن......!“

”ہر بات مانوں گی بی بی صیب......! میں تو آپ کی نوکر ہوں، آپ جو کہو میری مجال ہے جو منع کروں......!“ کندن عادت کے مطابق شروع ہو گئی۔

”بس......! زیادہ نہ بولا کر......!“ اُس نے کندن کے ہونٹوں پر اُنگلی رکھ دی، پھر کہنے لگی۔

”میں جو کہوں گی کسی کو بتانا مت......! ابھی......!“

”سمجھ گئی بی بی صیب......! راز کی بات ہے، میں کبھی راز کی بات کسی کو نہیں بتاتی......!“ کندن نے جوش سے کہا تو اُس نے چند لمحے رُک کر خود پر قابو پایا پھر اُس کا ہاتھ پکڑ کر رازداری سے بولی۔

”مجھے اُس بانسری والے کے پاس لے چل......! ابھی......!“

”ابھی......؟“ کندن ڈر گئی۔

”نہ بی بی صیب......! اتی رات باہر اتنا اندھیرا......!“

”کوئی اندھیرا نہیں ہے اور اگر ہو تب بھی مجھے ابھی جانا ہے۔“ وہ قطعیت سے بولی۔

”پر بی بی صیب......! مجھے تو پتا بھی نہیں ہے وہ کدھر رہتا ہے......؟“ کندن کی اس وقت باہر جانے کے خیال سے ہی جان نکلی جا رہی تھی۔

”ڈھونڈ لیں گے......! جدھر سے بانسری کی آواز آ رہی ہے اُس طرف چلتے ہیں......!“ اُس نے جیسے تہیہ کر لیا تھا۔

”کیسے جائیں گے بی بی صیب......! گیٹ پر ابا چوکیداری پر بیٹھا ہے۔“ کندن نے اُسے باز

رکھنے کی مزید سعی کی۔

”ہم گیٹ سے نہیں پچھلی طرف سے جائیں گے، چل......! نہیں تو میں اکیلی ہی چلی جاؤں گی۔“ اُس نے کہا تو کندن نے اُس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔

”بی بی صیب......! اس وقت نہ جاؤ......! کل دن میں پہلے میں اُس کا پتا کر آؤں پھر آپ کو لے چلوں گی......!“

”تو تو نہیں جائے گی......؟ ٹھیک ہے......! میں جا رہی ہوں......!“ اُس نے دروازے کی طرف قدم بڑھا دیئے۔

”بی بی صیب......! اگر کسی نے دیکھ لیا تو......“ کندن فوراً اُس کے ساتھ ہو کر بولی۔

”دیکھ لے......! مجھے کسی کی پرواہ نہیں ہے۔“ اُس نے ہٹ دھرمی سے کہہ کر کندن کا ہاتھ پکڑا اور لائٹ آف کر کے کمرے سے نکل آئی۔ پچھلی طرف کا لان عبور کر کے پگڈنڈی کی طرف جاتے ہوئے اُس کے اپنے قدم ڈگمگانے لگے، دل بھی سہما جا رہا تھا اور کندن کے منہ سے تو مارے خوف کے عجیب و غریب آوازیں بھی نکل رہی تھیں، پھر بھی اُس نے واپسی کا نہیں سوچا اور آگے بڑھتی چلی گئی۔

”بی بی صیب......! وہ دیکھو......!“ کندن نے کپکپاتی آواز میں نہر کے کنارے بنی جھونپڑی کی طرف اشارہ کیا۔

”ہاں......! وہیں......! وہیں سے آواز آ رہی ہے، وہ اسی جھونپڑی میں ہے، چلو......!“ وہ یکدم پُرجوش ہو گئی اور کندن کو کھینچتی ہوئی تیز قدموں سے چلتی جھونپڑی کے قریب آ کر رُک گئی۔ اُس کی سانس پھول گئی تھی، یہی حال کندن کا تھا۔

”تو یہاں رُک......! میں اندر جاتی ہوں......!“ اُس نے آواز دبا کر کہا۔ کندن نے اثبات میں سر ہلا دیا تو وہ اس کا کندھا تھپک کے دروازے کی طرف آ گئی اور جھانک کر اندر دیکھتے ہی اُسے جھرجھری آ گئی۔

اتنے خوبصورت اور دردناک سر چھیڑنے والا اپنے حلیے سے انتہائی بدصورت لگ رہا تھا۔ پیوند لگا بدرنگ کرتا غالباً جب سے اُس نے پہنا تھا تو پھر اُتارنے کی نوبت ہی نہیں آئی تھی۔

”اُف......! کتنا گندا ہے اور بانسری کتنی اچھی بجا رہا ہے......!“ اُس نے سوچا پھر ایک دم اُسے پکار گئی۔

”اے......!“ اُس کے ہونٹوں سے لگی بانسری یکلخت خاموش ہو گئی اور آنکھیں کھولتے ہی وہ تحیر زدہ ہو گیا۔

”کون ہو تم......؟“ وہ اب سیدھی ہو کر دروازے کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

”ت......تم کون ہو......؟“ چاندنی کو مات دیتا اُس کا حُسن اُسے مزید حیران کر گیا تھا۔

''میں چاندنی ہوں......! اس ساری جاگیر کی مالک......! بلکہ مالکن......!'' مالکانہ احساس سے اُس کی گردن اکڑ گئی تھی۔

''مالکن......!'' وہ لڑکھڑاتا ہوا اُٹھا۔

''آپ......! اس وقت یہاں......؟''

''تمہاری بانسری نے میری نیندیں حرام کردی ہیں۔'' اُس نے ابھی اسی قدر کہا تھا کہ وہ بول پڑا۔

''معاف کردیں بی بی......! آئندہ نہیں بجاؤں گا......!''

''کیوں......! کیوں نہیں بجاؤ گے......؟'' مدھم روشنی میں وہ اُس کی آنکھوں میں بس ایک پل کو دیکھ سکی، فوراً نظریں چرا کر پھر اُس کی طرف سے رُخ بھی موڑ گئی۔

''آپ کی نیند جو خراب ہوتی ہے......!''

''ہاں......! نیند تو خراب ہوتی ہے پر دل کو بھاتی بھی بہت ہے......!'' وہ کچھ بے دھیانی میں کہہ گئی پھر اُس کی طرف پلٹ کر پوچھنے لگی۔

''تمہارا نام کیا ہے......؟''

''مسافر......!'' اُس نے بتایا تو وہ حیران ہوئی۔

''مسافر......! یہ تمہارا نام ہے......؟''

''جی......!''

''عجیب نام ہے......! خیر......! تم صبح میری حویلی آنا......! لیکن اس طرح گندے مندے مت چلے آنا......!'' اُس نے کہا تو وہ پوچھنے لگا۔

''کوئی کام ہے بی بی......!''

''ہاں......!'' وہ مختصر جواب دے کر پلٹ آئی۔

○○○

کافی دن چڑھ آیا تھا جب اُس کی آنکھ کھلی۔ اُس نے دیکھا کندن موجود نہیں تھی تب وہ منہ ہاتھ دھو کر کمرے سے نکلی تو بوا جنتے اُسے دیکھتے ہی کہنے لگیں۔

''چاندنی......! تیری بے بے بار بار فون کر رہی ہے...... تیرا پوچھتی ہے...... پہلے پتا کر کیا بات ہے......؟''

اچھا......! آپ ناشتہ بناؤ......! میں بے بے سے بات کرتی ہوں۔'' وہ کہتی ہوئی لابی میں آ گئی اور فون اُٹھا کر بے بے کے نمبر ملائے تو اُدھر وہ انتظار میں بیٹھی تھیں، فوراً ریسیور اُٹھنے کے ساتھ اُن کی آواز آئی تھی۔

''ہیلو......!''

''ہاں بے بے......! کیا بات ہے......؟'' اُس نے خاصی بیزاری سے پوچھا تھا۔

''چاندنی......! حاکم آیا ہے۔'' بے بے نے فوراً بتایا تو وہ چڑ گئی۔

''پھر کیا کروں......؟''

''پتر......! میں نے تجھے پہلے ہی کہا تھا کہ حاکے کے آنے سے پہلے تو اِدھر آ جانا۔ اب بتا......! میں اُس سے کیا کہوں......؟'' بے بے کی عاجزی پر وہ مزید سلگ گئی۔

''کہہ دینا چاندنی مر گئی......!''

''ہائے......! اللہ کرے......!''

''اللہ کرے میں مر جاؤں......!'' اُس نے کہہ کر ریسیور پٹخ دیا، پھر بڑبڑاتی ہوئی ڈائننگ ٹیبل پر آ بیٹھی تو فوراً ہی بوا جنتے نے ناشتے کی ٹرے اُس کے سامنے لا رکھی اور بے صبری سے پوچھنے لگی۔

''کیا کہہ رہی تھی بے بے......؟''

''کچھ نہیں......! آپ جاؤ......! اپنا کام کرو......!'' وہ رکھائی سے کہہ کر ناشتہ کرنے لگی پھر یہاں سے فارغ ہو کر دوبارہ کمرے میں جا رہی تھی کہ کندن بھاگی ہوئی اُس کے قریب آ کر بولی۔

''بی بی صیب......! وہ......وہ آیا ہے......!''

''کون......؟ حاکم......!'' بے بے کے فون کے باعث اُسے حاکم ہی کا خیال آیا تھا۔

''نہیں جی......! وہ......وہ بانسری والا......!'' کندن نے بتایا تو اُس کا دل یکبارگی زور سے دھڑکا اور فوری طور پر کچھ سمجھ میں بھی نہیں آیا۔

کیا کہوں بی بی صیب......! اُس سے......؟'' کندن نے پوچھا تب وہ سنبھل کر بولی۔

''اُسے بیٹھک میں بٹھاؤ......! میں آ رہی ہوں......!''

''اچھا جی......!'' کندن چلی گئی اور وہ کمرے میں آ کر ٹہلنے لگی۔ مقصد محض اُسے انتظار کروانا تھا اور کافی انتظار کروانے کے بعد جب وہ بیٹھک میں داخل ہوئی تو وہ اُس کی آہٹ سن کر ہی اُٹھ کھڑا ہوا۔

''السلام علیکم......!''

''وعلیکم السلام......!'' اُس نے سرتاپا اُسے دیکھا، قدرے بہتر حلیے میں تھا۔

''آپ نے بلایا تھا بی بی......!'' وہ نظریں نہیں اُٹھا رہا تھا۔

''ہاں......! بیٹھو......!'' اُس نے کہا تو وہ شکریہ کہہ کر بیٹھ گیا۔

''پڑھے لکھے ہو......؟'' وہ اُس کے شکریہ کہنے سے چونکی تھی۔

''جی......! تھوڑا بہت پڑھا ہے۔'' وہ سر جھکائے بول رہا تھا۔

''پھر......! میرا مطلب ہے کوئی کام دھندا بھی کرتے ہو......؟'' وہ خود کو اس وقت بہت اونچے منصب پر محسوس کر رہی تھی۔

”مزدوری کرتا ہوں......!“ وہ سیدھے سیدھے جواب دے رہا تھا۔

”اچھی بات ہے......!اور یہ بانسری کہاں سے سیکھی......؟“ اُس نے اب اصل بات پوچھی۔

”کہیں سے نہیں......!بس بجاتے بجاتے آ گئی۔“

”بجاتے بجاتے آ گئی......؟“ وہ خود سے گویا ہوئی پھر اُس سے کہنے لگی۔

”خیر......!جیسے بھی آئی ہو، مجھے بھی سکھا دو......!“

”جی......!“ اُس نے حیران ہو کر نظریں اُٹھائیں پھر نظریں جھکانا بھول گیا کیونکہ سامنے بیٹھی ہوئی وہ کوئی عام سی لڑکی نہیں تھی، اُس کا ملکوتی حُسن صرف ایک حاکم علی کو اٹریکٹ نہیں کرتا تھا، باقی سب تو ہوش کھو بیٹھتے تھے۔

”میں تمہیں پیسے دوں گی، مفت میں نہیں سیکھوں گی۔“ وہ اُس کے دیکھنے سے غالباً یہی سمجھی تھی۔

”جی......!لیکن یہ بہت مشکل ہے......!“ وہ بمشکل اُس پر سے نظریں ہٹا کر بولا۔

”کیا مشکل ہے......!بانسری بجانا یا مجھے سکھانا......؟“ اُس نے یک دم تیز ہو کر پوچھا تو وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

”مجھے معاف کر دیں بی بی......!میں آپ کو نہیں سکھا سکوں گا......آپ کسی اور سے......“

”نہیں......!میں تم سے سیکھوں گی......!کل سے کسی بھی وقت آ جانا......!سمجھ رہے ہو ناں......!“ اُس نے ضد سے حکم صادر کیا۔

”جی......!“ وہ اپنی بے بسی پر جز بز ہو رہا تھا۔

○ ○ ○

نور یہ دل تھامے ہوئے آئی سی یو میں داخل ہوئی تھی۔ پھر ہمایوں کے بیڈ کے قریب آ کر تو اُس کی سانسیں بھی رُک گئی تھیں۔ کتنی دیر اُس کے چہرے پر نظریں جمائے ساکت کھڑی رہی پھر آہستہ سے اُس کے ہاتھ تھام کر پکارنے لگی۔

”ہمایوں......! ہومی......! ہومی......! آپ سن رہے ہیں ناں......! ہومی......! آنکھیں کھولیں......!ہومی......!پلیز......!“ اُس کی آواز بھرا گئی ساتھ ہی آنکھیں بھی چھلک گئی تھیں۔

”بی بی......!“ قریب کھڑی نرس اُس کا بازو تھام کر بولی۔

”آپ باہر چلیں......!“

”نہیں......!مجھے ہمایوں سے بات کرنے دو......!“ اُس نے اپنا بازو چھڑانے کی سعی کی۔

”یہ بات نہیں کر سکتے بی بی......!آپ باہر چلیں......!دوسرے پیشنٹ ڈسٹرب ہو رہے ہیں۔“ نرس اُسے تقریباً کھینچتی ہوئی باہر لے آئی تب وہ اُس کے کندھے جھنجھوڑ کر پوچھنے لگی۔

”کیوں بات نہیں کر سکتے وہ......!کیا ہوا انہیں......!مجھے صاف صاف بتاؤ......!“

”آپ ڈاکٹر سے پوچھیں......!“ نرس نے ڈاکٹر کے کمرے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”ڈاکٹر......!“ وہ جھٹکے سے نرس کو چھوڑ کر تیزی سے ڈاکٹر کے کمرے میں آئی۔

”ڈاکٹر صاحب......!میں مسز ہمایوں......!“

”بیٹھ جائیں پلیز......!“ ڈاکٹر نے نرمی سے اُسے بیٹھنے کو کہا تو وہ بیٹھ تو گئی لیکن اُس کے انگ انگ سے بے صبری چھلک رہی تھی۔

”ریلیکس بی بی......!آپ کو بہت ہمت اور حوصلے کی ضرورت ہے۔“

”ڈاکٹر صاحب......!مجھے بتائیں......!ہمایوں ٹھیک ہو جائیں گے ناں......!“ وہ پھر رو دینے کو ہو گئی تھی۔

”انشاءاللہ......!ہم پوری کوشش کر رہے ہیں، باقی آپ دُعا کریں۔ اس وقت انہیں دُعاؤں کی ہی ضرورت ہے۔“ ڈاکٹر نے دھیرج سے کہا۔ اُس کا دل دُکھنے لگا۔

”ڈاکٹر صاحب......!انہیں ہوا کیا ہے......؟ آئی مین......!بظاہر تو کہیں چوٹ نہیں ہے۔“

”اندرونی چوٹیں ہیں، وہ بھی ٹھیک ہو جائیں گی لیکن انہیں ہوش میں آنے کی ابھی کوئی گارنٹی نہیں دے سکتا، کیونکہ وہ کومے میں ہیں۔ زندگی سے اُن کا ناطہ صرف سانسوں کا ہے، باقی سارے احساسات منجمد ہو چکے ہیں۔“ ڈاکٹر دھیرے دھیرے بتا رہا تھا اور وہ شاکڈ بیٹھی تھی۔

”کوئی معجزہ ہی ہو سکتا ہے اور اکثر معجزے ہو جاتے ہیں کہ مریض اچانک ہوش میں آ جاتا ہے۔ کبھی چند دنوں میں، کبھی چند مہینے اور کبھی طویل عرصے بعد! اگر زندگی ہو تو پھر سب کچھ ٹھیک ہو جاتا ہے، بس زندگی شرط ہے آپ دُعا کریں۔“

”یا اللہ......!“ اُس کے دل سے صدا اُبھری جبکہ پورا وجود سُن ہو چکا تھا۔

”دُعاؤں میں بڑی طاقت ہے، تقدیریں بدل دیتی ہے۔ آپ مایوس نہ ہوں۔ اللہ پر بھروسہ رکھیں۔“ ڈاکٹر اُسے انتہائی خوفناک حقیقت سے آگاہ کر کے اب تسلی دے رہا تھا اور وہ کہاں کچھ سن رہی تھی اُسے تو اپنے وجود کا احساس بھی نہیں تھا۔ کتنی دیر بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔ پھر نرس کی آواز پر ذرا سا چونکی تھی۔ نرس کسی مریض کے بارے میں ڈاکٹر کو بتا رہی تھی، وہ ٹیبل کا سہارا لے کر اُٹھی اور بمشکل خود کو گھسیٹتی ہوئی کمرے سے نکل آئی۔ راہداری میں ڈیڈی اُسے ہی تلاش کر رہے تھے دیکھتے ہی بھاگے آئے۔

”نور......!بیٹا......!کہاں چلی گئی تھیں آپ......!“

”ڈیڈی......!“ وہ اُن کے سینے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونا چاہتی تھی لیکن بہت ضبط سے بولی۔

”میں ڈاکٹر سے ہمایوں کے بارے میں معلوم کر رہی تھی۔“

”اللہ بہتر کرنے والا ہے......!آپ گھر چلو......!“ ڈیڈی نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اپنے

ساتھ لگا لیا۔

"لیکن ڈیڈی......! یہاں ہمایوں کے پاس......!"

"ہمایوں کے پاس ہم سب آتے جاتے رہیں گے، آپ تھک گئی ہو بیٹا......! کچھ وقت آرام کرو پھر آ جانا......!" ڈیڈی نے نرمی سے سمجھاتے ہوئے کہا پھر اُسے لئے ہوئے باہر آ گئے۔ وہ اُسے اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے لیکن اُس نے اپنے گھر جانے پر اصرار کیا تو ڈیڈی مجبور ہو گئے۔ تقریباً بیس منٹ بعد جب وہ ڈیڈی کے ساتھ اپنے گھر آئی تو اُسے دیکھتے ہی ہمایوں کی امی انتہائی غضب ناک ہو کر اُس پر برسنے لگیں۔

"آ گئی منحوس......! ڈائن......! میرے بیٹے کو اس حال میں پہنچا کر بھی تجھے چین نہیں آ رہا......؟ اب کیا لینے آئی ہے یہاں......! دفع ہو جا......! اور خبردار......! جو آئندہ اپنی منحوس شکل لے کر یہاں آئی تو......" اُس نے پریشان ہو کر ڈیڈی کو دیکھا اُن کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ بمشکل ضبط سے بولے۔

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں......؟"

"غلط نہیں کہہ رہی، جس دن سے یہ لڑکی میرے بیٹے کی زندگی میں آئی ہے اُس پر آفتیں ٹوٹ رہی ہیں۔ واپس لے جائیں اسے......! اس گھر میں اس کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ میرا بیٹا ٹھیک ہو جائے میں پہلے اسے طلاق دلواؤں گی۔" اُس کی ساس صدمے اور غصے سے حواسوں میں نہیں رہی تھیں۔

"چلو بیٹا......!" ڈیڈی مزید برداشت نہیں کر سکتے تھے، اس سے چلنے کو کہا تو وہ فوراً اُن سے الگ ہو گئی۔

"نہیں ڈیڈی......! میں آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گی......!"

"کیسے نہیں جائے گی......! میں دھکے دے کر......" اُس کی ساس اُس کی طرف بڑھی تھی کہ سعدیہ بھاگتی ہوئی آ گئی۔

"امی......! یہ کیا کر رہی ہیں آپ......!"

"پہلے اس منحوس کو نکالو......! نہیں تو یہ تمہارے بھائی کی جان لے کر چھوڑے گی۔ دیکھا نہیں کس حال کو پہنچ گیا وہ......! سب اس کی وجہ سے......" اُس کی ساس کہہ کر پھر خود ہی رونے لگیں۔ سعدیہ انہیں چپ کرانے میں لگ گئی۔

"ڈیڈی......! آپ میری فکر نہیں کیجیے گا......!" اُس نے ڈیڈی کا بازو تھام کر دھیرے سے کہا، پھر بھاگ کر اپنے کمرے میں بند ہو گئی کیونکہ وہ ڈیڈی کو بوجھل دل اور شکستہ قدموں سے جاتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی تھی۔

○ ○ ○

چاندنی نے مسافر کو اگلے دن آنے کو کہا تھا لیکن وہ نہیں آیا تھا۔ آج تیسرے دن بھی وہ اُس کی راہ

دیکھ رہی تھی۔ کتنی بار کندن سے پوچھا کہ وہ بانسری والا آیا کہ نہیں اور ہر بار کندن نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"اگر آج وہ نہیں آیا تو پھر میں خود جاؤں گی۔" اُس نے کہا تو کندن ہاتھ جوڑ کر منت سے بولی۔

"نہ بی بی صیب......! آپ نہ جانا......!"

"کیوں......! کیوں نہ جاؤں......! ضرور جاؤں گی اور تیری جان نکلتی ہے تو تُو بیٹھی رہنا یہیں...... میں اکیلی جا سکتی ہوں۔" وہ تنک کر بولی۔

"آپ ناراض نہ ہو بی بی صیب......! میں تو آپ کو......" کندن نے خائف ہو کر اسی قدر کہا تھا کہ وہ اور تیز ہو کر بولی۔

"سمجھانا چاہتی ہے مجھے......! تو مجھے سمجھائے گی......؟"

"نہ بی بی......! میری کیا مجال ہے......؟ میں تو نوکر ہوں آپ کی......! آپ جو کہو گی......"

"اچھا جا......! اپنا کام کر......!" وہ کندن کو جھڑک کر لان میں اتر آئی اور ٹہلتے ہوئے بار بار گیٹ کی طرف دیکھنے لگی۔ گیٹ سے آگے گھنے پیڑوں میں چھپی روش دُور تک سنسان پڑی تھی۔ اُس نے کتنی بار رُک کر دیکھا پھر گیٹ کے قریب آ گئی تو اُسے دیکھ کر چوکیدار کھڑا ہو گیا۔

"حکم بی بی صیب......!" وہ اُن سنی کر کے واپس پلٹ آئی اور کیاری کے پاس کھڑے ملازم کو چائے کا کہہ کر لان چیئر پر آ بیٹھی۔ اب وہ خاصی جھنجلا رہی تھی اور اُسے مسافر پر غصہ بھی آ رہا تھا۔

"دو ٹکے کا آدمی......! میری بات ٹال گیا، چھوڑوں گی نہیں اُسے لیکن پہلے میں اس سے بانسری بجانی سیکھوں گی۔" اُسے ضد ہو گئی تھی اور یہ بات بات پر ضد اُسے حاکم علی کے ہرجائی پن نے عطا کی تھی۔

"بی بی......! چاہ......!" ملازم کپ ٹیبل پر رکھتے ہوئے اُسے چائے کی طرف متوجہ کر کے چلا گیا۔

"چاہ......!" اُسے بے بے کا "چاہ" کہنا یاد آیا تو بے ساختہ مسکراہٹ اُس کے ہونٹوں پر پھیل گئی۔ پھر کپ اُٹھانے لگی تھی کہ گاڑی کے ہارن سے چونک کر اِدھر دیکھنے لگی۔ حاکم علی کی پجیرو گیٹ سے اندر آ رہی تھی۔ وہ یہی سمجھی کہ سردار ہاشم علی ہوں گے لیکن جب حاکم علی کو اُترتے دیکھا تو اُس کا دل سہم گیا۔ چاہا کہ اُٹھ کر اندر چلی جائے لیکن ہمت ہی نہیں ہوئی نہ ہی اُس پر سے نظریں ہٹا سکی جو اس طرف آ رہا تھا اور چند لمحوں بعد ہی اُس کے سر پر کھڑا تھا۔

"مجھے آج بے بے نے بتایا کہ تم یہاں آ گئی ہو، کیوں......؟" حاکم علی نے آخر میں کیوں پر زور دیا تھا۔

"میری مرضی......!" جانے کیسے اُس کے ہونٹوں سے پھسل گیا، وہ خائف ہو گئی تھی۔

"مرضی......! تمہاری بھی کوئی مرضی ہے......؟" حاکم علی حیران ہو کر ہنسا تھا پھر اُس کے سامنے بیٹھ کر کہنے لگا۔

"چلو......! اچھا ہے......! تمہیں اپنی مرضی چلانی آ گئی لیکن ایک بات یاد رکھنا......! مجھ سے بھی اپنے حق کا مطالبہ مت کرنا، سمجھیں......!" وہ سر جھکا کر اپنے ناخن دیکھنے لگی۔

"یہاں تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں ہے......؟" حاکم علی نے قدرے رُک کر پوچھا۔

"نہیں......!"

"بے بے کے پاس کیا تکلیف تھی......؟" وہ خلافِ عادت، بہت آرام سے بات کر رہا تھا۔

"کوئی نہیں......! بس......! میرا دل چاہ رہا تھا یہاں اپنے ماں باپ کے گھر آنے کو، اس لئے آ گئی......!" وہ سر جھکائے رُک رُک کر بولی تھی۔

"ہوں......!" اُس نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ پھر اِدھر اُدھر تک دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"یہاں ڈر تو نہیں لگتا تمہیں......!"

"نہیں......! اپنے گھر میں ڈر کیسا......؟" اُس نے کہا تو حاکم علی چونک کر اُسے دیکھنے لگا۔ پہلے سے کافی مختلف لگ رہی تھی۔ سہمی ہوئی تو تھی لیکن بولنے کا انداز بدل گیا تھا۔

"آپ کے لیے چائے لاؤں......!" وہ اُسے اپنی طرف دیکھتے پا کر وہاں سے اُٹھنے کا بہانا ڈھونڈنے لگی۔

"نہیں......! میں بس تمہیں دیکھنے آیا تھا کیونکہ بے بے تمہارے لیے بہت پریشان ہو رہی ہیں۔"

وہ کہہ کر اُٹھ کھڑا ہوا، پھر جاتے جاتے رُک کر پوچھنے لگا۔

"ویسے تم کتنے دن یہاں رہوگی......؟"

"پتا نہیں......!" وہ جزبز ہوئی۔

"خیر......! جتنے دن بھی رہو لیکن کوئی ایسی بات نہیں ہونی چاہیے جس میں رُسوائی کا اندیشہ ہو، انڈر اسٹینڈ......!" وہ کہہ کر بلکہ اُسے تنبیہ کر کے چلا گیا۔

"رُسوائی سے ڈرتے ہو حاکم علی......! اور جو تم نے اتنی رُسوائیاں پال رکھی ہیں......!" اُس کے اندر تنفر بھر گیا تھا۔

اور پھر اُس رات وہ پھر کندن کا ہاتھ پکڑے نہر کنارے چلی آئی جہاں جھونپڑی کے اندر گہرا سکوت تھا۔ جانے وہ کیا کر رہا تھا یا سو گیا تھا۔ اُس نے کندن کو وہیں رُکنے کا اشارہ کیا پھر دروازے کی طرف آ کر باہر ہی سے پکارا۔

"مسافر......!"

"کون......؟" پہلے اُس کی آواز آئی پھر جیسے وہ پہچان کر بہت عجلت میں اُٹھ کر باہر آیا اور تعجب سے زیادہ گھبرا کر بولا۔

"آپ......! آپ کیوں آ گئیں......؟"

"تم جو نہیں آئے......!" اُس نے کہا، پھر پوچھنے لگی۔

"کیوں نہیں آئے......؟"

"بیمار ہو گیا تھا، پھر بھی شام میں گیا تھا آپ کی طرف لیکن وہاں سردار صیب کو دیکھ کر باہر ہی سے لوٹ آیا......!" اُس نے بتایا تو چاندنی کا دل اس خوف سے لرز اُٹھا کہ کہیں حاکم علی نے تو اُسے نہیں دیکھا۔ بمشکل سنبھل کر کہنا کچھ اور چاہتی تھی لیکن جس بات سے خائف ہوئی تھی وہی پوچھ گئی۔

"سردار صاحب نے بھی تمہیں دیکھا تھا......؟"

"نہیں جی......! میں دُور ہی سے انہیں دیکھ کر واپس آ گیا تھا۔" اُس نے بتایا تو اب وہ سر جھٹک کر بولی۔

"اچھا خیر......! یہ بتاؤ......! پھر کب آ رہے ہو مجھے بانسری سکھانے......؟"

"کل آ جاؤں گا جی......!"

"کل......! ٹھیک ہے......! کل آ جانا......! لیکن ابھی میں یہیں بیٹھ کر سنوں گی۔" وہ کہہ کر وہیں ایک پتھر پر بیٹھ بھی گئی۔

"بی بی......!" وہ پریشان ہو گیا۔

"آپ خدا کے لیے اس وقت چلی جائیں......! اگر کوئی اس وقت آ گیا تو......"

"تو آ جائے......! یہ میری جاگیر ہے اور یہاں کوئی مجھ پر اُنگلی نہیں اُٹھا سکتا......! چلو......! تم بانسری لاؤ......!" اُس نے غرور سے جتا کر حکم صادر کیا۔ وہ بے بس سا ہو کر بانسری لے کر بیٹھ گیا اور پھر وہی دُھن چھیڑ دی۔

"آواز میں نہ دوں گا......!" وہ مکمل طور پر خود کو بھلا کر اُس کے درد میں ڈوب گئی تھی۔



"نوریہ کے لیے کڑی آزمائش کے دن تھے، اُدھر ہمایوں زندگی اور موت کے درمیان بالکل بے خبر تھا اور اِدھر گھر میں اُس کی امی نوریہ کی شکل دیکھنے کی روادار نہیں تھیں۔ پھر بھی وہ اُن کی سیوا میں لگی رہتی کیونکہ وہ اُن کے احساسات سمجھتی تھی اور سوچتی کہ اگر اُن کی جگہ وہ ہوتی تو اُس کا ردِعمل بھی ایسا ہی ہوتا۔ اس لیے اُن کی کڑوی کسیلی باتیں خاموشی سے سن لیتی پھر انہیں تسلی دینے بیٹھ جاتی۔ شام میں سعدیہ اور سہیل آ جاتے تو وہ بھی امی کو سمجھاتے تھے لیکن اُن پر کسی بات کا اثر نہیں ہوتا تھا، بس یہی کہتی جاتیں۔

"یہ منحوس ہے......! ڈائن ہے......! اسے نکالو یہاں سے......!"

"ٹھیک تو کہتی ہیں امی......!" اُس وقت وہ بے پناہ آزردگی میں گھری سوچ رہی تھی۔

"جب سے میں اس گھر میں آئی ہوں یہی کچھ ہو رہا ہے۔ اگر میں یہاں سے چلی جاؤں تو شاید اس گھر کی خوشیاں لوٹ آئیں۔ ہمایوں ٹھیک ہو جائیں......! لیکن میں ہمایوں کو اس حال میں چھوڑ کر کیسے

جاؤں......؟''

''نہیں......! جب تک ہمایوں ٹھیک نہیں ہو جاتے میں کہیں نہیں جاؤں گی......!''

معاذ ور بیل کی آواز سے وہ چونک کر اٹھی اور جا کر گیٹ کھولا تو سامنے نعمان کھڑا تھا۔ اُس کے ستے ہوئے چہرے کو دیکھ کر مسکرا بھی نہیں سکا۔

''کیسی ہو......؟''

''اندر آؤ......!'' وہ کہہ کر پلٹ آئی تو نعمان نے گیٹ بند کیا پھر اُس کے پیچھے ڈرائنگ روم میں آ گیا۔

''کیسے آئے......؟'' وہ اُسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بلا ارادہ پوچھ گئی۔

''تمہاری خیریت معلوم کرنے......!'' نعمان نے کہا تو وہ افسردگی سے مسکرائی۔

''ٹھیک ہی ہوں......! تم بتاؤ......! گھر میں سب کیسے ہیں......؟''

''تمہارے لیے سب پریشان ہیں، خصوصاً چچا جان...... ! شاید تمہاری ساس کے رویے سے۔''

''حالانکہ میں نے ڈیڈی سے کہا بھی تھا کہ میری فکر نہ کریں......!'' وہ نظریں چرا کر بولی تھی۔

''کیسے فکر نہ کریں......! تمہاری ساس کو یہ تو سوچنا چاہیے کہ ہمایوں صرف اُن کا بیٹا ہی نہیں تمہارا شوہر بھی ہے، جتنا درد انہیں ہے اتنا ہی تمہیں بھی، پھر وہ تمہیں کیوں الزام دے رہی ہیں......؟''

''غلط تو نہیں دے رہیں، میں ہوں ہی منحوس......!'' اچانک ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے تھے اور وہ رو پڑی۔

''ارے......!'' نعمان اپنی جگہ سے اُٹھ کر اس کے پاس آ بیٹھا۔

''روتی کیوں ہو......؟ جب اپنی مرضی سے یہاں رُکی ہو تو پھر الزام سہنے کا حوصلہ بھی رکھو......! نہیں تو پھر میرے ساتھ چلو......!''

''نہیں......! میں کہیں نہیں جاؤں گی......!'' وہ ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑنے لگی۔

''یہاں تمہارا کوئی پُرسان حال نہیں ہے نور......! وہاں سب کے ساتھ رہو گی تو......''

''بس نومی......! ایسی بات مت کرو......! میں امی کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتی، وہ خواہ مجھے کتنا ہی برا بھلا کہیں، پھر دو چار دن کی بات ہے ہمایوں کو ہم گھر لے آئیں گے۔''

''یہ ڈاکٹر نے کہا ہے......؟'' وہ اُس کی آخری بات پر پوچھنے لگا۔

''ہاں......! کیونکہ اب اُن کی زندگی کسی معجزے کی مرہونِ منت ہے اور معجزہ ضرور ہو گا نومی......! میرا دل کہتا ہے ہمایوں ٹھیک ہو جائیں گے۔'' اُس کی آنکھوں میں اُمید کی کرن لہرائی تھی۔

''انشاء اللہ......!'' نعمان نے آہستہ سے اُس کا ہاتھ تھپکا۔

''تم ڈیڈی سے کہنا میری فکر نہ کریں......! خود انہوں نے مجھے رُخصت کرتے ہوئے شوہر سے

وفاداری کی نصیحت کی تھی اور میں محبت اور وفاداری اپنی آخری سانسوں تک نبھاؤں گی۔'' وہ عزم سے بول رہی تھی۔ نعمان اُسے دیکھتا رہ گیا۔

''اور میری ساس کا رویہ غیر فطری تو نہیں ہے نومی......! ان کی جگہ اگر ہم خود کو رکھ کر سوچیں تو ہم بھی یہی کچھ کرتے۔ تم خود دیکھو......! جب میری شادی طے ہوئی تھی تب بھی ہمایوں کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ پھر شادی کے بعد اُس حاکم علی کی وجہ سے ہم کتنے ٹینشن میں رہے۔ گو کہ ہمایوں نے کسی کو بتایا نہیں تھا پھر بھی اُن کی امی نے ضرور محسوس کیا ہو گا کہ وہ خوش نہیں ہیں اور ابھی بس چند دن خوشی کے آئے تھے اس کے بعد یہ نئی آفت......! یہ سب کیا ہے......؟ اسے میری نحوست ہی کہا جائے گا ناں......! کہ میں اس شخص کی زندگی میں صرف مصیبتیں لے کر آئی۔'' وہ کھوئے ہوئے انداز میں بولے جا رہی تھی۔

''بس کرو نور......!'' نعمان نے آخر ٹوک دیا۔

''تم اصل میں تنہائی کا شکار ہو......!''

''ہاں......! تنہائی تو ہے......!'' وہ دھیرے سے بولی۔

''اسی لیے میں کہہ رہا ہوں میرے ساتھ چلو......! مجھے چچا جان نے بھی یہی کہا تھا۔''

''نہیں نومی......! ابھی نہیں......!'' وہ کہہ کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں تمہارے لیے چائے لاتی ہوں......!''

''نہیں......! بس اب میں چلوں گا......!'' وہ بھی اُٹھ گیا۔

''اپنا خیال رکھنا......!''

''تم ڈیڈی اور امی کو میری طرف سے اطمینان دلا دینا......! اور ہاں......! جب ہمایوں کو گھر لانا ہو گا تو میں تمہیں فون کر دوں گی، تم آ جانا......!''

''اچھی بات ہے......! خدا حافظ......!'' وہ چلا گیا۔

شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔ اُس نے باہر کی لائٹ جلائی پھر اپنے کمرے میں آ کر کھڑکیوں سے پردے سمیٹ رہی تھی کہ اُس کا موبائل بجنے لگا۔ وہ بہت مضمحل ہو رہی تھی۔ موبائل اُٹھانے میں دیر لگی۔

''ہیلو......؟''

''کیسی ہو نور......!'' بوجھل آواز پر اُسے ہمایوں کا گمان ہوا تھا، وہ ایک دم بے قرار ہو گئی۔

''ہمایوں......! ہمایوں......! آپ......!''

''میں ہمایوں نہیں ہوں......!'' اُدھر سے کہا گیا تو اب وہ ٹھٹکی۔

''کون......؟''

''سردار حاکم علی......! کہاں گیا ہے تمہارا شوہر......؟'' حاکم علی نے نام بتانے کے ساتھ ہی پوچھا۔

''تم......تمہیں کیسے پتا کہ وہ کہیں گیا ہے......؟'' اُس نے اپنے اندر اُٹھتے جوار بھاٹے پر بمشکل قابو پا کر پوچھا۔

''کیسے پتا......!'' وہ ہنسا۔

''بھئی......! ابھی تم نے سیل پر جس بے قراری سے ہمایوں، ہمایوں پکارا اُس سے ہی پتا چلتا ہے کہ وہ کہیں گیا ہوا ہے۔'' اُس نے سختی سے ہونٹ بھینچ لئے۔

''سنو نور......! اگر وہ کہیں چلا گیا ہے تو جانے دو......! اچھا ہے ناں......! ہمارا راستہ صاف ہو گیا۔'' حاکم علی نے اُسے پکار کر کہا۔

''تو حاکم علی......! تم......تم نے......!'' وہ شاکڈ ہو کر اسی قدر کہہ سکی۔

''ہاں......! کہو......! میں سن رہا ہوں......!'' حاکم علی نے ٹوکا۔

''میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔'' اُس نے دانت پیس کر کہنے کے ساتھ ہی سیل آف کر دیا۔

○ ○ ○

حاکم علی فریش ہو کر لاؤنج میں آیا تو آگے نشی موجود تھی۔ اُسے دیکھ کر معنی خیز انداز میں بولی۔

''بڑے نکھرے نکھرے لگ رہے ہو......! گاؤں کی آب و ہوا کا اثر ہے یا......''

''تمہارا حسنِ نظر......!'' وہ مسکرا کر بولا۔

''اچھا......!'' وہ ہنسی پھر آہ بھر کر کہنے لگی۔

''کاش سردار......! تم ایسے نہ ہوتے یا پھر میں نے تم سے دوستی نہ کی ہوتی۔''

''کیا مطلب......؟'' وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

''چھوڑو مطلب کو......! یہ بتاؤ......! تمہارے گاؤں میں سب ٹھیک ہیں......؟'' نشی نے بات بدل دی۔

''سب ٹھیک ہیں......! سوائے چاندنی کے......!'' حاکم علی نے اُسے چھیڑنے کی غرض سے کہا کیونکہ جانتا تھا کہ وہ چاندنی ہی کے بارے میں پوچھنا چاہتی ہے۔

''ارے......! اُسے کیا ہوا......؟'' وہ فوراً متوجہ ہوئی تھی۔

''پاگل ہو گئی ہے......!'' حاکم علی اندر ہی اندر محظوظ ہو کر بولا جبکہ نشی بے طرح پریشان ہو گئی تھی۔

''کیسے......! کیسے سردار......! کیا تمہاری وجہ سے......؟''

''میری وجہ سے کیوں......؟''

''تم نے اس پر بڑا ظلم کیا ہے......! وہ اتنی نازک لڑکی ضرور تمہارے ہرجائی پن سے دلبرداشتہ ہو کر ذہنی توازن کھو بیٹھی ہوگی۔'' نشی افسوس سے بول رہی تھی۔

''او شٹ یار......! میں مذاق کر رہا تھا۔'' وہ جھنجلا کر بولا۔

''مائی گاڈ......! اتنا بھیانک مذاق، شرم کرو......! تمہاری بیوی ہے وہ۔'' نشی نے خفگی سے ٹوکا۔

''ہاہاہا......! بیوی......!'' اُس نے حسبِ عادت قہقہہ لگایا پھر اُسے دیکھ کر رُک کر بولا۔

''تم لڑکیاں بہت جذباتی ہوتی ہو......!''

''میں اس پر بحث نہیں کروں گی۔'' وہ روٹھے انداز میں بولی۔

''اس وقت تو میں بھی کسی بحث کے موڈ میں نہیں ہوں۔'' وہ کہہ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

''چلو......! کہیں باہر چلتے ہیں......! لیکن پہلے اپنا موڈ ٹھیک کرو......!''

''تمہاری فضول باتوں سے ہی موڈ خراب ہوتا ہے۔'' نشی نے سر جھٹکا پھر پوچھنے لگی۔

''کہاں چلو گے......؟''

''تم بتاؤ......!''

''کسی مخصوص جگہ نہیں، لانگ ڈرائیو......!'' وہ کہہ کر اُس کے ساتھ چل پڑی اور دونوں ابھی گاڑی تک آئے تھے کہ گیٹ سے نوریہ کو داخل ہوتے دیکھ کر نشی چونک کر بولی۔

''سردار......! نوریہ......!''

''نوریہ......!'' وہ سمجھا نہیں۔

''نوریہ آ رہی ہے......!'' نشی نے بتاتے ہوئے نظروں سے اشارہ کیا تو اُس نے فوراً اُدھر دیکھا۔ نوریہ خاصی وحشت زدہ سی چلی آ رہی تھی پھر قریب آ کر حاکم علی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر خونخوار انداز میں پوچھنے لگی۔

''تم نے ہمایوں کے ساتھ کیا کیا......؟''

''میں نے......!'' حاکم علی نے اپنی طرف اشارہ کیا پھر نشی کو یوں دیکھنے لگا جیسے پوچھ رہا ہو، یہ کیا کہہ رہی ہے۔

''اِدھر میری طرف دیکھ کر بات کرو حاکم علی......! اور اگر اپنے باپ کی اولاد ہو تو اپنے جرم کا اعتراف کرو......!'' نوریہ نے پوری قوت سے اس کا بازو کھینچ کر اُسے اپنی طرف موڑا۔

''میں بالکل نہیں سمجھ رہا تم کیا کہہ رہی ہو......؟'' حاکم علی نے اُلجھ کر کہا۔

''جھوٹ مت بولو......! تم سب سمجھ رہے ہو......! تم نے ہمایوں کو مارنے کی کوشش کی ہے لیکن تم یہ نہیں جانتے کہ مارنے والے سے بچانے والا بڑا ہے......! تم کبھی اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہو گے......! سنا تم نے......! تم کبھی اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔'' وہ چیخ چیخ کر بولتی ہوئی غش کھا کر گر گئی تھی۔

''نور......!'' حاکم علی نے فوراً بڑھ کر اُسے اپنے بازوؤں پر اُٹھا لیا۔

⊖ ⊖ ⊖

نوریہ صوفے پر بے ہوش پڑی تھی اور قریب کھڑا حاکم علی ایک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا جبکہ نشی فاصلے پر بیٹھی اپنے طور پر سارا معاملہ سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ جب کچھ سمجھ نہ پائی تو اُٹھ کر نوریہ کے قریب چلی آئی اور اس کا چہرہ تھپک کر کے پکارنے لگی۔

''نوریہ......! نور......! آنکھیں کھولو......!'' پھر حاکم علی کو دیکھ کر بولی۔

''سردار......! کسی ڈاکٹر کو بلاؤ......!''

''نہیں......! میرا خیال ہے اسے ہوش آ رہا ہے۔'' حاکم علی کی نظریں نوریہ پر سے ہٹ ہی نہیں رہی تھیں۔

''میں پانی لاتی ہوں......!'' نشی بھاگ کر پانی لے آئی پھر ہاتھ میں لے کر نوریہ کے منہ پر چھینٹے مارے تو اس نے ہڑبڑا کر پہلے آنکھیں کھولیں پھر جھٹکے سے اُٹھ بیٹھی اور نا سمجھنے والے انداز میں نشی کو دیکھنے لگی۔

''تم...... تم بے ہوش ہو گئی تھیں......!'' نشی ٹپٹا کر یہی کہہ سکی۔

''مجھے یہاں کون لایا ہے......؟'' نوریہ نے سپاٹ لہجے میں پوچھا تو نشی کی نظریں بے اختیار حاکم علی کی طرف اُٹھ گئیں۔

''تم......؟'' وہ حاکم علی کو دیکھ کر زخمی ناگن کی طرح پھنکاری۔

''تمہاری جرأت کیسے ہوئی اپنے گندے ہاتھوں سے مجھے چھونے کی......؟''

''مجبوری تھی......!'' وہ کہہ کر اس کے پاس سے ہٹ گیا مبادا وہ پہلے کی طرح پھر اس کے گریبان میں ہاتھ ڈال دے۔

''مجبوری......! ہونہہ......!'' وہ اپنا دوپٹہ سنبھالتی اُٹھ کر دروازے کی طرف چل پڑی تو نشی بھاگ کر اس کے سامنے آ گئی۔

''سنو......! تم کیسے جاؤ گی......؟ آئی مین......! تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے......!''

''تو کیا ہوگا......؟ زیادہ سے زیادہ میری گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہو جائے گا اور میں بھی وہیں پہنچ جاؤں گی جہاں اس نے میرے شوہر کو پہنچایا ہے۔'' اس نے سلگ کر حاکم علی کی طرف اشارہ کیا۔

''کہاں پہنچایا ہے اس نے تمہارے شوہر کو......؟'' نشی نے فوراً پوچھا۔

''موت کے دہانے پر......!'' اس کی آواز بھرا گئی۔

''دیکھو......! تم ناحق مجھ سے بدگمان ہو رہی ہو......! مجھے کچھ نہیں پتا ہمایوں کے ساتھ کیا ہوا ہے۔ جب سے اس نے میری فرم چھوڑی ہے میں نے اسے دیکھا بھی نہیں، تم خوامخواہ مجھے الزام دے رہی ہو۔'' حاکم علی بے چین ہو کر کہنے لگا۔

''اچھا......! تم مجھے بتاؤ......! ہمایوں کہاں ہے......؟ میں اس کے لیے جو ہو سکے گا کروں گا۔'' حاکم علی نے کہا تو وہ چیخ پڑی۔

''شٹ اپ......! میں تم سے بھیک مانگنے نہیں آئی حاکم علی......! میں تمہیں یہ بتانے آئی ہوں کہ جو کچھ تم نے کیا اس کے لیے خدا تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گا......! وہ تمہیں ایسی سزا دے گا جو کبھی ختم نہیں ہوگی۔'' وہ اپنی بات ختم کرتے ہی بھاگتی ہوئی وہاں سے نکل گئی۔

''اوہ گاڈ......!'' حاکم علی طویل سانس لے کر کہنے لگا۔

''یہ لڑکی اپنا ہر المیہ مجھ سے منسوب کرتی ہے اور میرا المیہ یہ ہے کہ میں اس کے سامنے بے بس ہو جاتا ہوں کیونکہ دل سے چاہتا ہوں اسے......!''

''ہمیشہ چاہنے والے ہی خسارے میں رہتے ہیں۔'' نشی کہتے ہوئے صوفے پر ڈھے گئی۔

''واقعی......؟''

''ہاں سردار......! لیکن میں یہ نہیں سمجھ پا رہی کہ وہ جسے چاہا جا رہا ہے، وہ کیوں......؟'' نشی بولتے ہوئے ایک دم خاموش ہو کر سوچ میں پڑ گئی جبکہ اس کی نظریں حاکم علی پر جمی تھیں۔

''تم کچھ کہہ رہی تھیں......!'' حاکم علی نے اپنی جگہ پہلو بدلا۔

''ایک بات بتاؤ سردار......! کیا سچ مچ اس اس حادثے سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے......؟'' نشی نے انتہائی سنجیدگی سے پوچھا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا......! کیا تم بھی مجھ پر شک کر رہی ہو......؟'' وہ اُچھل کر بولا پھر فوراً اپنی صفائی پیش کرنے لگا۔

''میں پچھلے پندرہ دنوں سے یہاں تھا کب......؟ پہلے جرمنی پھر گاؤں اور ابھی کل شام میں ہی تو آیا ہوں۔ البتہ آتے ہی میں نے نوریہ کو فون کیا تھا۔ اس وقت تو اس نے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی۔''

''تم سچ کہہ رہے ہو......؟'' نشی مشکوک تھی۔

''مجھے تم سے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے......؟'' وہ کہہ کر سگریٹ سلگانے لگا۔

"بہر حال......! اس لڑکی کے ساتھ اچھا نہیں ہو رہا۔ اللہ رحم کرے اس پر......!" نشی کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اچھا......! میں چلتی ہوں......!"

"کیوں......؟ لانگ ڈرائیو پر نہیں چلو گی......!" حاکم علی نے یاد دلایا۔

"نہیں سردار......! دیر ہو گئی، بس اب گھر جاؤں گی کیونکہ ولی اب میرا انتظار کرتا ہے۔" نوریہ کی باتوں سے اس کا دل بوجھل اور اُچاٹ ہو گیا تھا۔

"کون ولی......! اچھا......! وہ تمہارا بچہ......!" حاکم علی ہنسا۔

"ہاں......! میرا بچہ......! ماشاء اللہ......! بہت پیارا ہو گیا ہے۔ اب تو چلنے بھی لگا ہے اور چھوٹی چھوٹی باتیں بھی کرتا ہے۔" وہ بہت محبت سے بچے کے بارے میں بتانے لگی کہ حاکم علی نے ٹوک دیا۔

"کم آن یار......! کیا درد سری پال لی ہے تم نے......؟"

"درد سری......! ہائے......! نہیں سردار......! وہ تو میری جان ہے۔"

"یہ جان تمہاری جان کو آ جائے گی......! بے وقوف لڑکی......! جب شادی کرو گی تو اس کے بارے میں کیا کہو گی کہ کس کا ہے......؟ اور کیا لوگ تمہارا یقین کر لیں گے......؟" حاکم علی نے اسے انتہائی گھمبیر صورت حال کا احساس دلانا چاہا لیکن وہ لاپرواہی سے بولی۔

"نہ کرے کوئی یقین......! مجھے کون سا شادی کرنی ہے......؟"

"تو کیا ساری زندگی ایسے ہی......!"

ہاں......! ایسے ہی......! یہ فیصلہ میں نے بہت پہلے کر لیا تھا اور اسی لیے میں نے ولی کو گود لیا کہ اس کی پرورش میں وقت آسانی سے کٹ جائے گا۔ میں اسے پڑھاؤں گی، لکھاؤں گی، اچھا انسان بناؤں گی۔" وہ آخر میں پُرجوش ہو گئی۔

"پھر بھی وہ تمہارا نہیں ہو گا......!" حاکم علی نے تمسخر اُڑایا۔

"وہ میرا ہو گا یا نہیں، مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔ میرے اطمینان کے لیے یہی کافی ہے کہ میں اس کی ہوں۔" وہ جانے کس خیال میں کھو کر بولی۔ حاکم علی نے چونک کر اسے دیکھا پھر اٹھ کر اس کے قریب چلا آیا۔

"نشی......! کبھی کبھی تم دل کو چھو لیتی ہو......!" نشی نے سوچا پھر فوراً اسے خدا حافظ کہہ کر تیز قدموں سے باہر نکل گئی۔

○ ○ ○

رات نصف سے زیادہ بیت چکی تھی اور حاکم علی کو احساس تک نہیں تھا۔ پچھلے دو گھنٹوں سے وہ ایک ہی جگہ بیٹھا ایک ہی بات سوچ رہا تھا کہ وہ نوریہ کو اپنے بازوؤں پر اٹھا کر پیچ سے لاؤنج تک لایا تھا پھر

صوفے پر لٹانے کے لیے جھکا تو وہ اتنی قریب تھی کہ اس کی سانسیں اسے اپنے چہرے پر محسوس ہوئی تھیں اور اس ایک پل میں اس پر قیامت بیت گئی تھی گو کہ اس کے بعد وہ ہمیشہ کی طرح اسے برا بھلا کہہ کر چلی گئی تھی۔ پھر نشی سے کتنی دیر وہ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا تھا لیکن جب سونے کے لیے اپنے کمرے میں داخل ہوا تو یکلخت اس ایک پل کی گرفت میں آ گیا اور تب سے اب تک وہ اس پل کی گرفت سے نہیں نکل پایا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا وہ ان کیف آگیں لمحات کو کسی کے ساتھ شیئر کرے۔

"کسی کے ساتھ کیوں......؟ اسی کے ساتھ کیوں نہیں......!" اس نے سوچا پھر یہ خیال بھی نہیں کیا کہ اس وقت وہ کن اذیتوں سے گزر رہی ہے اور اسے فون کر ڈالا۔ دوسری طرف مسلسل بیل جا رہی تھی۔ پھر کتنی دیر بعد نوریہ کی مردہ سی آواز آئی۔

"ہیلو......!"

"سوری نور......! میں نے اس وقت تمہیں ڈسٹرب کیا......! تم سو تو نہیں رہی تھیں......؟" وہ یوں بول رہا تھا جیسے ہمیشہ سے اس سے بڑے اچھے دوستانہ مراسم رہے ہوں۔

"اب کیا کہنا ہے تمہیں......!" وہ جیسے تھک سی گئی۔

"تم سنو گی ناں......! اور صرف سننا ہی نہیں یقین بھی کرنا......!" اس نے بے صبری سے کہا۔

"میں یقین کروں یا نہ کروں......! تم کہہ دو جو کہنا ہے......! میں سن رہی ہوں......!" نوریہ کے لہجے میں حد درجہ ٹھہراؤ تھا۔

"شیور......!"

"شیور......!"

"میں......! ہاں......! مجھے یہ کہنا ہے کہ مجھے اپنی سانسوں میں تمہاری خوشبو محسوس ہو رہی ہے......! تم یہیں میرے آس پاس ہو......! میں تمہیں چھو سکتا ہوں......! میں نے تمہیں چھو لیا ہے نور......!" وہ بے حد جذباتی ہو رہا تھا۔ اِدھر نوریہ نے ہونٹ بھینچ لیے۔

"ہیلو نور......! تم سن رہی ہو ناں......!" اس نے پکار کر پوچھا۔

"ہاں......!" نوریہ کے حلق سے بمشکل آواز نکلی۔

"کچھ کہو گی نہیں......! آئی مین......! تم بھی اس وقت ایسی ہی کیفیت سے دوچار ہو ناں......! وہی محسوس کر رہی ہو جو میں......! انجانے میں ہم کتنے قریب ہو گئے تھے......! تم تو ہوش میں نہیں تھیں اور میں......! میں اب ہوش کھو رہا ہوں۔"

"کیا سچ مچ اتنی محبت کرتے ہو مجھ سے......؟" نوریہ نے پوچھا تو وہ فوراً کہنے لگا۔

"اس سے بھی زیادہ......! تمہاری سوچ سے بہت زیادہ......!"

"پھر میرا دکھ کیوں نہیں سمجھتے......؟" نوریہ کے لہجے میں آپ ہی آپ عاجزی سمٹ آئی۔

"تمہارا دُکھ......!نہیں......!میرے ہوتے ہوئے تمہیں کوئی دُکھ نہیں ہو سکتا۔" وہ کچھ اور ماننے کو تیار نہیں تھا۔

"سارے دُکھ ہی تمہارے دیئے ہوئے ہیں حاکم علی......!تم مر کیوں نہیں جاتے......؟" وہ ہنوز عاجز تھی۔

"میں مر جاؤں......؟" وہ حیران ہوا۔

"ہاں......!تم......تم مر جاؤ......!مجھ پر یہ احسان کر دو حاکم علی......!اگر نہیں کر سکتے تو پھر محبت کا دعویٰ بھی مت کرو......!"

"سنو......!تمہیں اگر میری آزمائش مطلوب ہے تو میں تم پر یہ احسان ضرور کروں گا لیکن تمہیں اپنانے کے بعد۔ یہ میرا وعدہ ہے......!" وہ کوئی کچا کھلاڑی نہیں تھا۔

"اور تمہارا یہ خواب بھی پورا نہیں ہوگا، یہ میرا وعدہ ہے......!" نوریہ نے کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

اور حاکم علی کے سارے جذبات یکلخت رنگ بدل گئے۔ وہ دوبارہ اسے فون کرنے کی بجائے اس کے نام میسج لکھنے لگا۔

"میں نے تمہیں چاہا یہ میرا تم پر احسان ہے۔

تمہیں اپنی نظروں میں بسا کر پھر میں نے کسی کو نظر بھر کر نہیں دیکھا، ایک اور احسان۔

صرف تمہارا حق جان کر میں نے چاندنی کو اس حق سے محروم رکھا یہ بھی میرا احسان ہے اور کس کس احسان کا ذکر کروں پہلے ان احسانوں کا بدلہ تو چکاؤ۔ پھر مزید کسی احسان کی بات کرنا۔"

اس نے میسج نوریہ کو Send کر دیا۔

○○○

وہ بانسری ہونٹوں سے لگا کر پھونک مارتی تو خاصی بے سری آواز نکلتی۔ آج چوتھے دن بھی یہی حال تھا جس سے مسافر جھنجلا گیا اور ایک دم اپنی جگہ سے اُٹھ کر اس کے پاس آ بیٹھا اور اس کے ہاتھ سے بانسری لے کر اسے سمجھانے لگا کہ کس طرح بانسری پکڑتی ہے، کیسے سوراخوں پر اُنگلیاں جمانی ہیں، پھر پھونک مارتے ہوئے اُنگلیوں کو کیسے حرکت دینی ہے۔ ساری اُنگلیاں ایک ساتھ نہیں اُٹھانیں۔

"میں کیا کروں......؟ مجھ سے ساری اُنگلیاں ایک ساتھ اُٹھ جاتی ہیں۔" چاندنی نے بے بسی سے کہا۔

"اچھا چلیں......! آپ ابھی اسے بجانے کی کوشش نہ کریں۔ پہلے صرف اُنگلیوں کی پریکٹس کریں، اس طرح......!" وہ بانسری اس کے سامنے کر کے اُنگلیوں کی پریکٹس سمجھانے لگا۔ چاندنی کچھ دیر دیکھتی رہی پھر اس کے ہاتھ سے بانسری لے کر اسی طرح کرنے لگی۔

"ہاں......!ابھی تین چار دن آپ یہی پریکٹس کریں......!" وہ اسے کام سے لگا کر اُٹھ کھڑا ہوا تو

وہ چونک کر پوچھنے لگی۔

"تم جا رہے ہو......؟"

"جی......!آج مجھے مزدوری پر جانا ہے......!"

"کیا مزدوری کرتے ہو اور کہاں جاتے ہو......؟" وہ کیونکہ بیٹھی ہوئی تھی اس لیے پوری گردن اُٹھا کر اسے دیکھنا پڑ رہا تھا۔

"گودام جاتا ہوں بی بی......!اور وہاں ٹرک پر بوریاں لادنے کا کام کرتا ہوں۔"

"پھر......!کتنے پیسے ملتے ہیں......؟" وہ باقاعدہ اس کا انٹرویو کرنے لگی۔

"گزارا ہو جاتا ہے بی بی......!"

"کیا گزارا ہو جاتا ہے......؟ نہ تمہارے پاس رہنے کو گھر نہ ڈھنگ کے کپڑے ہیں، بس دو وقت دال روٹی ہی کھاتے ہو گے......!"

"جی......!" وہ خاصا مطمئن تھا۔

"چہ......!یہ بھی کوئی زندگی ہے......!دو وقت کی دال روٹی جتنا کما کر آرام سے ہو جاتے ہو، کچھ زیادہ کماؤ تاکہ اچھے اچھے کپڑے بنا سکو......!" چاندنی نے اپنی عمر سے بڑا بننے کی کوشش کی۔

"اچھے کپڑے پہنوں گا بی بی......!تو پھر جھونپڑی میں رہنے کو دل نہیں چاہے گا، پھر میں اچھا گھر کہاں سے لاؤں گا......؟" وہ بظاہر سیدھے سادے انداز میں بول رہا تھا۔

چاندنی لاجواب سی ہو کر بانسری کو اُلٹ پلٹ کر دیکھنے لگی۔

"ایک بات پوچھوں بی بی......!" قدرے رُک کر مسافر نے کہا تو وہ پھر اسے دیکھنے لگی۔

"پوچھو......!"

"وہ......سردار صاحب آپ کے کون ہیں......؟"

"اگر سردار حاکم علی کے بارے میں پوچھ رہے ہو تو وہ میرا شوہر ہے۔" چاندنی نے بڑے سرسری انداز میں بتایا۔

"شوہر......!" وہ جانے کیوں بے تاب ہوا۔

"ہاں......!صرف نام کا......!" وہ بے اختیار کہہ گئی۔

"کیا مطلب......؟" وہ وضاحت چاہتا تھا لیکن چاندنی اَن سنی کر کے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"ٹھیک ہے......!تم جاؤ......!آج تمہیں بوریاں اُٹھانی ہیں۔"

"جی شکریہ......!" وہ یکدم مدھم پڑ گیا۔

"کس بات کا......؟" چاندنی نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"مجھے میری اوقات یاد دلانے کا......!ویسے میں بھولا نہیں تھا، نہ کبھی بھولتا ہوں پھر بھی آپ نے

اچھا کیا جو......"

"بس......!" وہ اسے روک کر کہنے لگی۔

"میں نے تمہیں تمہارا کام یاد دلایا ہے، اوقات نہیں......! مجھے تو خود اپنی اوقات معلوم نہیں ہے، تمہیں کیا یاد دلاؤں گی......؟"

"بی بی......! آپ تو اس پوری جاگیر کی مالکن ہیں اور سردار حاکم علی کی بیوی......!" مسافر کا انداز ایسا تھا جیسے اس سے بڑھ کر اوقات کیا ہوگی۔

"تو کیا ہوا......؟ اس میں کوئی فخر کی بات تو نہیں ہے۔" اس نے کہہ کر بانسری ہونٹوں سے لگائی تو اندر کی آہ بانسری کے راستے یوں خارج ہوئی کہ مسافر پکار اٹھا۔

"ہاں بی بی......! ایسے......ایسے ہی دل سے آواز نکالیں۔"

"دل سے......!" وہ حیران ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

"وہ آپ نے سنا نہیں......! دل سے جو آہ نکلتی ہے اثر رکھتی ہے، دل میں درد ہو تو سچے سر نکلتے ہیں، پر آپ کا دل کیا جانے درد کیا ہوتا ہے......؟" وہ جانے کہاں کھو گیا۔

"تمہیں کیا پتا......! تم تو ظاہر دیکھ رہے ہو......! میں اس پوری جاگیر کی مالکن اور سردار حاکم علی کی بیوی، اس لحاظ سے شاید تم مجھے دُنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی سمجھ رہے ہو اور تم کیا سب یہی سمجھتے ہیں۔" چاندنی کے لہجے میں تلخی سمٹ آئی۔

"آپ نہیں سمجھتیں......؟" وہ بغور اسے دیکھنے لگا۔

"نہیں......!" اس نے مختصر جواب پر اکتفا کیا۔

"کیوں بی بی......! یہ تو ناشکری ہوئی......!" اس نے کہا تو وہ اُکتا کر بولی۔

"اچھا......! تم جاؤ......! تمہارے کام کا حرج ہو رہا ہے۔"

"جی بی بی......! پھر میں تین چار دن بعد آؤں گا......!" وہ کہتا ہوا چلا گیا۔

"میں خوش قسمت ہوں......! ہونہہ......!" اس نے تلخی سے سر جھٹکا پھر بانسری ہونٹوں سے لگائی اور بے سری آواز نکالتی ہوئی لاؤنج میں آئی تو جہاں بوا جنتے نے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں وہیں کندن ہنسنے لگی۔

"تو کیوں ہنس رہی ہے......؟" اس نے کچھ غصے سے کندن کو ڈانٹا۔

"وہ بی بی صیب......! میں...... مجھے بوا جنتے کو دیکھ کر ہنسی آ رہی ہے۔" کندن کے اشارے پر اس نے بوا جنتے کو دیکھا تو اسے بھی ہنسی آ گئی۔ وہ کانوں میں انگلیاں ٹھونسے آنکھیں بند کیے بیٹھی تھیں۔

"بوا......!" وہ ان کے سر پر پہنچ کر زور سے چیخی۔

"ک......کیا ہوا......؟" بوا جنتے مزید پریشان ہو گئیں۔

"آپ کو کیا ہوا ہے......؟ کان کیوں بند کیے بیٹھی ہیں......؟" اس نے قصداً انجان بن کر پوچھا۔

"پتا نہیں کون بھیڑی آواز (بری آواز) میں چیخ رہا تھا۔" بوا جنتے کہہ کر ادھر اُدھر دیکھنے لگیں تو اس نے بانسری ان کے کان کے قریب لے جا کر زور سے بجائی اور ان کی چیخ مارنے پر ہنستی چلی گئی۔

○○○

نشی نے رات ہی ایک کالم لکھا تھا اور اس وقت وہی دینے ایک اخبار کے دفتر جا رہی تھی کہ اس کی نظر نوریہ پر پڑی۔ وہ وائٹ کرولا خود ہی ڈرائیو کر رہی تھی اور اس کے ساتھ کوئی نہیں تھا۔ نشی ایک پل میں کچھ سوچ کر اس کا تعاقب کرنے لگی۔ پھر ہاسپٹل کے پارکنگ ایریا میں گاڑی پارک کی اور اس کے پیچھے پیچھے اندر چلی آئی۔ نوریہ سیدھی ڈاکٹر کے روم میں داخل ہو گئی تھی۔ نشی لابی میں رُک کر اس کا انتظار کرنے لگی اور تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ کمرے سے نکلی تو بے حد آزردہ تھی۔ وہ بہت تھکے تھکے انداز میں بینچ پر بیٹھ گئی تب نشی دھیرے دھیرے چلتی ہوئی اس کے پاس آ بیٹھی اور دھیمی آواز میں اسے متوجہ کیا۔

"ہیلو......!" نوریہ نے چونک کر اسے دیکھا اور پل میں پہچانتے ہی اس کی پیشانی پر ناگواری کی لکیریں نمودار ہو گئی تھیں۔

"آئی ایم سوری......! مجھے دیکھ کر تمہیں تکلیف ہوئی لیکن تمہیں دیکھ کر میں رہ نہیں سکی، تمہارے پیچھے چلی آئی......!" نشی بہت ڈرتے ڈرتے بول رہی تھی کہ کہیں وہ پھٹ نہ پڑے جیسے حاکم علی کو دیکھتے ہی آپے سے باہر ہو جاتی تھی۔

"کیوں......! میرے پیچھے کیوں آئیں......؟" نوریہ نے تنک کر پوچھا۔

"یہ جاننے کہ تمہارے ساتھ کیا ہوا ہے......؟ اور تمہارے شوہر کے ساتھ سردار نے کیا کیا ہے......؟" اس نے کہا تو نوریہ چیخ کر بولی۔

"یہ تم اپنے سردار سے پوچھو......! اور تم اسے روکتی کیوں نہیں ہو ایسی گھناؤنی حرکتیں کرنے سے......؟ یاد رکھو......! اگر میرے ہمایوں کو کچھ ہوا تو میں اس کا جینا حرام کر دوں گی۔"

"تمہارے ہمایوں کو انشاءاللہ......! کچھ نہیں ہوگا لیکن تم سردار پر غلط شبہ کر رہی ہو۔" نشی نے اسے تسلی دے کر کہا۔

"تم اس کی صفائی دینے آئی ہو......!" نوریہ مزید سلگ گئی۔

"نہیں......! میں سچ کہہ رہی ہوں کیونکہ میں جانتی ہوں کہ سردار پچھلے پندرہ دنوں سے اس شہر میں نہیں تھا، وہ ملک سے باہر گیا ہوا تھا پھر وہ کیسے اس عرصے میں تمہیں یا تمہارے شوہر کو نقصان پہنچا سکتا تھا......؟" نشی نے دھیرج سے اسے بتانے کی کوشش کی۔

"تم کچھ بھی کہو......! میں تمہارا یقین نہیں کروں گی۔" وہ ہٹ دھرمی سے بولی۔

"تو کسی اور سے پوچھ لو......!"

"مجھے کیا ضرورت ہے کسی سے پوچھنے کی......؟ میں خود جانتی ہوں کہ اس سارے شہر بلکہ ساری دُنیا میں ایک وہی میرا دُشمن ہے اور ایسا دُشمن جسے میں جانتی تک نہیں اور وہ ہے کہ مجھے اپنا بنانے کے خواب دیکھتا ہے۔ یہ خواب تو اس کا کبھی خواب میں بھی پورا نہیں ہوسکتا۔" آخر میں اس نے انتہائی نفرت سے سر جھٹکا۔

"تمہارے شوہر اب کیسے ہیں......؟" نشی نے قدرے رُک کر پوچھا۔

"خود ہی جا کر دیکھ لو......! آئی سی یو میں ہیں۔" اس کا جان چھڑانے والا انداز تھا۔ نشی کی ہمت ہی نہیں ہوئی مزید کچھ کہنے کی، چپ چاپ اُٹھ کر چلی گئی، پھر کچھ ہی دیر میں واپس آ کر اسی خاموشی سے اس کے پاس بیٹھ گئی۔

"دیکھ آئیں......!" نوریہ کا چبھتا ہوا لہجہ اس کے دل میں ترازو ہو گیا۔ آہستہ سے اثبات میں سر ہلایا پھر کہنے لگی۔

"میں سردار کی دوست ہوں، پھر بھی دل سے کہہ رہی ہوں کہ اگر یہ حرکت سردار کی ہے تو خدا اسے کبھی معاف نہ کرے......!"

اسی نے......اسی نے کیا ہے یہ سب......!" نوریہ تنفر کے ساتھ یقین سے بولی۔

نشی اب مزید کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔ اسے اپنی پوزیشن بھی عجیب سی لگ رہی تھی۔ اس نے چند لمحے یہ سوچنے میں گزارے کہ آیا اسے جانے کی اجازت لینی چاہیے یا یونہی اُٹھ کر چلی جائے۔ دونوں باتیں ہی مشکل لگ رہی تھیں۔ بار بار کن انکھیوں سے اسے دیکھتی پھر جیسے اپنے آپ سے "میں چلتی ہوں" کہتے ہوئی اُٹھ کر چل پڑی۔ اسے یقین تھا پیچھے نوریا سے جاتے ہوئے نہیں دیکھ رہی ہوگی پھر بھی اس کے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔ پھر باہر آتے ہی اس نے طویل سانس لی اور اپنی گاڑی کی طرف بڑھنے لگی تھی کہ نعمان سامنے آ گیا۔

"ہیلو......!" ایک پل میں پہچان کر اس نے نعمان کو متوجہ کیا۔

"ہیلو......!" نعمان رُک کر پہچاننے کی کوشش کرنے لگا۔

"میں نشی ہوں......! آپ نے مجھے اپنی گاڑی میں گھر تک چھوڑا تھا۔" نشی نے یاد دلایا تب وہ فوراً بولا۔

"اوہ یس......! سوری......! میں فوراً پہچان نہیں سکا۔"

"آپ یہاں......! خیریت......؟" وہ اس کی بات اَن سنی کر گئی۔

"ہاں......! میری کزن ہے یہاں، اس کے پاس آیا ہوں۔" نعمان نے بتایا تو وہ پوچھنے لگی۔

"کیا ہوا آپ کی کزن کو......؟"

"اس کا شوہر ایڈمٹ ہے، اور آپ......؟" نعمان نے بتا کر اس کی یہاں آمد کا مقصد پوچھا۔

"اتفاق سے میں بھی ایک لڑکی سے ملنے آئی تھی جس کا شوہر ایڈمٹ ہے۔"

"کون ہے آپ کی کزن یا دوست......؟" نعمان نے غالباً یونہی پوچھ لیا تھا، جواب میں اس کے سینے سے گہری سانس خارج ہوئی پھر آہستہ آہستہ نفی میں سر ہلانے لگی۔

"پھر یقیناً آپ کو اپنی کہانی کے لیے کوئی کردار ملا ہوگا۔ بہت ظالم ہوتے ہیں آپ رائٹر لوگ......! کسی کی جان پر بنی ہوتی ہے اور آپ اپنی کہانی سوچ رہے ہوتے ہیں۔" پھر کہنے لگا۔

"سوری......! میری کزن انتظار کر رہی ہوگی، بائے......!"

"بائے......!" وہ اس کے پیچھے دیکھتے ہوئے دھیرے سے بولی۔ پھر اپنی گاڑی میں بیٹھتے ہی موبائل نکال کر حاکم علی کے نمبر پش کر دیئے۔

"ہاں نشی......! کہاں ہو......؟" اُدھر سے حاکم علی نے ریسیو کرتے ہی پوچھا۔

"تپتی دھوپ میں اور اس کے پاس کوئی سائبان بھی نہیں ہے۔" اس نے آزردگی سے بتایا۔

"کم آن یار......! چھوڑو یہ افسانوی باتیں......! سیدھے سیدھے بتاؤ......! کہاں ہو......؟" حاکم علی نے اس کی آزردگی محسوس ہی نہیں کی۔

"تم کہاں ہو......؟" اس نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

"ظاہر ہے......! اس وقت آفس ہی میں ہوں گا اور تم کہاں گھومتی پھر رہی ہو......؟" وہ گاڑی کی آواز سن کر بولا۔

"میں نوریہ کے پاس آئی تھی......!" اس نے ایک دم کہہ کر حاکم علی کا اطمینان چھین لیا۔

"نوریہ......! کیا مطلب......! کہاں ہے نوریہ......!" حاکم علی کا بس نہیں چل رہا تھا فوراً اس کے پاس پہنچ جائے۔

"ہاسپٹل......! اپنے شوہر کے پاس......! یار......! اس کے ساتھ اچھا نہیں ہوا۔ بیچاری لڑکی کتنی پریشان ہے، مجھے اس پر بہت ترس آ رہا ہے۔" وہ دُکھ سے بول رہی تھی۔

"ترس بعد میں کھانا پہلے یہ بتاؤ......! وہ کون سے ہاسپٹل میں ہے......؟" حاکم علی نے ٹوک کر پوچھا تو وہ بتاتے بتاتے رُک گئی اور اُلٹا اس پر حیرت کرنے لگی۔

"تمہیں نہیں پتا......! حیرت ہے......!"

"حیرت کیوں......؟" حاکم علی کو اس وقت خود پر ضبط کرنے میں خاصی دقتوں کا سامنا تھا۔

"بھئی......! تم جو اس سے بہت زیادہ آگاہ رہتے ہو تو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کون سے ہاسپٹل میں ہے......؟" نشی نے دھیرج سے جتایا۔

"فار گاڈ سیک نشی......! میرے ضبط کا امتحان مت لو......! مجھے بتاؤ......! وہ کہاں ہے......؟" آخر وہ جھنجلا گیا۔

"سوری سردار......! میں نہیں بتا سکتی......!" وہ اب اس کی حالت سے محظوظ ہوئی۔

"کیوں......! کیوں نہیں بتا سکتیں......؟"

"مجھے نوریہ نے منع کیا ہے......!" نشی نے مصلحتاً جھوٹ بولا۔

"اور تم نے اس کی بات مان لی......! بہت خوب......! اتنی سی دیر میں تمہاری وفاداریاں اس کے ساتھ ہو گئیں۔ خیر......! مجھے برا نہیں لگا کیونکہ وہ بھی تو میری ہی ہے ناں......!" حاکم علی کی ہٹ دھرمی پر وہ بری طرح سلگ گئی۔

"اچھا......! ٹھیک ہے سردار......! پھر بات کریں گے......!"

"شام میں گھر آؤ گی ناں......!"

"دیکھو......!" اس نے سیل آف کر دیا۔

○ ○ ○

نوریہ نے اپنے کمرے میں ہی سیٹنگ کر لی اور نعمان کے ساتھ ہمایوں کو گھر لے آئی کیونکہ ہاسپٹل اور گھر کے درمیان وہ خود گھن چکر بن گئی تھی۔ ہاسپٹل میں ہوتی تو امی کی فکر اور گھر میں ہوتی تو ہمایوں کی طرف دھیان رہتا۔ اس لیے اب یہ اطمینان ہو گیا تھا کہ وہ ایک ساتھ دونوں کی دیکھ بھال کر سکے گی۔

گو کہ امی کا رویہ ابھی بھی اس کے ساتھ ٹھیک نہیں تھا۔ اسے دیکھتے ہی منہ موڑ لیتیں اور وہ دلبرداشتہ ہونے کے باوجود ان کی ہر ضرورت کا خیال رکھتی۔ وقت پر کھانا، چائے اور پہلے کی طرح ان کے کپڑے پریس کر کے الماری میں رکھتی۔ باقی اوپر کے کام، جھاڑ پونچھ کے لیے ماسی تھی جبکہ کچن اسے ہی دیکھنا ہوتا تھا۔ بہر حال اس وقت وہ نعمان کو رخصت کر کے امی کے کمرے میں آئی تو وہ اسے دیکھتے ہی کہنے لگیں۔

"لے آئیں زندہ لاش کو......! صرف اس لیے لائی ہو ناں کہ میں اسے دیکھ کر کڑھتی رہوں......! کیوں مجھے اتنی بڑی آزمائش میں ڈال رہی ہو تم......! میں نہیں دیکھ سکتی اسے......! لے جاؤ......! اسے جہاں سے لائی ہو......! اور مجھے میرا ہنستا کھیلتا ہمایوں لا دو......!"

"آپ دُعا کریں......!" آنسو روکنے کی کوشش میں اس کی آواز مشکل سے نکلی تھی۔

"تمہیں یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے......! اور ہاں......! میں تم سے پوچھ کر دُعا کروں گی......؟" امی کے لہجے میں اس کے لیے حقارت تھی۔

"پھر آپ مایوس کیوں ہوتی ہیں......؟ اللہ کی رحمت پر بھروسہ رکھیں......!"

"بھروسہ ہے مجھے......! اس کی رحمت پر پورا بھروسہ ہے لیکن تمہاری نحوست سے ڈرتی ہوں۔"

"میں چلی جاؤں گی......! ہمایوں ٹھیک ہو جائیں پھر میں چلی جاؤں گی......!" سارے آنسو روانی سے چھلک گئے۔ وہ بھاگ کر اپنے کمرے میں آ گئی اور آنکھیں رگڑ رگڑ کر ہمایوں کو دیکھتے ہوئے اس کا دل چاہا اسے پوری قوت سے جھنجوڑ ڈالے اور اس ارادے سے بیڈ کے قریب آئی بھی پھر ایک دم

ڈھے گئی۔

"ہومی......! میں تھک رہی ہوں......! اگر تم نے مجھے سہارا نہ دیا تو میں مر جاؤں گی......!"

"سنو ہومی......!" اس نے دونوں ہاتھوں میں ہمایوں کا چہرہ تھام لیا۔

"تم میری اوّلین محبت ہو......! خدا گواہ ہے اس دل میں تم سے پہلے کوئی تھا نہ تمہارے بعد کوئی ہوگا......! میں اپنی ہر دھڑکن، اپنی ہر سانس تمہیں سونپتی ہوں......! ایک بار......! ایک بار آنکھیں کھول دو......!"

"اے اللہ......! تو ہی سن لے......!" وہ گڑگڑانے لگی تھی کہ دروازے پر دستک ہونے لگی۔ وہ یہی سمجھی امی ہوں گی جبھی فوراً اُٹھ کر دروازہ کھولا لیکن آگے سعدیہ اور سہیل کھڑے تھے۔

"اے بھابی......!" سعدیہ نے اس کا آنسوؤں سے بھیگا چہرہ دیکھ کر اسے گلے لگا لیا۔

"رو کیوں رہی ہیں......؟ امی نے کچھ کہا ہے......!"

"میں امی کی باتوں کا برا نہیں مانتی......!" وہ کہہ کر سعدیہ سے الگ ہوئی اور سہیل کو اندر آنے کا اشارہ کیا۔

"السلام علیکم......!" سہیل نے اندر آ کر سلام کیا پھر ہمایوں کو دیکھنے لگا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ بے خبری کی نیند سو رہا ہو۔

"مجھے لگتا ہے کسی دن بھائی اچانک آنکھیں کھول کر کہیں گے، دیکھو......! میں نے تم سب کو کتنا تنگ کیا پھر خوب مذاق اُڑائیں گے ہمارا......!" سعدیہ ہمایوں کو دیکھتے ہوئے بول رہی تھی۔

"انشاء اللہ......! تم لوگ بیٹھو......! میں چائے لاتی ہوں۔" اس نے کہا تو سہیل نے روک دیا۔

"نہیں بھابی......! ہم ابھی چائے پی کر آ رہے ہیں، آپ تکلف نہ کریں اور یہ آپ رو کیوں رہی ہیں......؟ رونے سے مسئلے اور مشکلیں حل نہیں ہوتیں، ہمت سے کام لیں......! آپ تو ماشاء اللہ......! بہت بہادر ہیں۔ پتا ہے میں سعدیہ کو آپ کی مثالیں دیتا ہوں۔ آپ کی جگہ اگر یہ ہوتی تو......"

"اللہ نہ کرے......!" وہ فوراً بول پڑی۔

"اللہ اسے ہر آزمائش سے محفوظ رکھے......!"

"آپ کی آزمائش بھی بس تھوڑے دنوں کی ہے۔ انشاء اللہ......! بھائی جلدی ٹھیک ہو جائیں گے، پتا ہے میں نے بہت منتیں مان رکھی ہیں۔" سعدیہ نے اس کے ہاتھ تھام کر کہا پھر کافی دیر وہ اور سہیل اس کی ہمت بندھاتے رہے جس سے وہ کافی حد تک بہل گئی تھی۔ پھر شام میں امی اور ڈیڈی آ گئے۔ غالباً نعمان نے انہیں ہمایوں کے گھر آنے کا بتایا تھا۔ بہر حال اس وقت وہ بہت حوصلے سے کھڑی تھی جس سے امی کو کچھ اطمینان ہوا لیکن ڈیڈی مطمئن نہیں تھے۔ کتنی دیر ہمایوں کو دیکھتے رہے پھر اسے پاس بٹھا کر کہنے لگے۔

”بیٹا......! ابھی آپ اتنی بڑی نہیں ہوئیں کہ ایک پورے گھر کی ذمہ داری تنہا اپنے کاندھوں پر اٹھا سکو۔ گو کہ افراد زیادہ نہیں ہیں پھر بھی یہ آپ کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ آپ ہمارے ساتھ چلو......!“

”ہوں......! ہمایوں کو اس حال میں چھوڑ کر......؟“ اس کا دل دُکھ سے بھر گیا۔

”تو کیا ساری زندگی آپ اس شخص کے ساتھ رہ سکتی ہو جو نہ دیکھ سکتا ہے نہ بول سکتا ہے......!“ ڈیڈی جانے کیسے اتنی بے رحمی کا مظاہرہ کر گئے تھے۔ اس کا دل پھوٹ پھوٹ کر رونے کو چاہا لیکن وہ بہت ضبط سے بولی۔

”ساری زندگی کیوں......؟ میرا دل کہتا ہے ہمایوں بہت جلدی ٹھیک ہو جائیں گے......!“

”اور میرا دل کہتا ہے......“ ڈیڈی اس کے برعکس کہنے جا رہے تھے کہ ایک دم ہونٹ بھینچ گئے۔ پھر اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگے۔

”بیٹا......! میں بھی اپنے دل سے مجبور ہوں......! آپ میری بیٹی ہو......! میں آپ کو حالات کے رحم و کرم پر تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔“

”بس......! آپ کی دُعائیں میرے ساتھ ہونی چاہئیں مجھے اور کچھ نہیں چاہیے......!“ وہ سر جھکائے ہوئے بولی۔

”صرف دُعائیں کام نہیں آتیں، انسان کو عملی طور پر بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔“ ڈیڈی غالباً ہمایوں کی طرف سے بالکل ہی مایوس ہو چکے تھے۔

”تو ڈیڈی......! میں نے ابھی کیا ہی کیا ہے......؟ آج ہی تو ہمایوں گھر آئے ہیں، اب میں ان کے پاس رہوں گی تو اپنے طور پر انہیں بیدار کرنے کی کوشش کروں گی۔ ہو سکتا ہے میری کسی بات سے ان کی کوئی حس جاگ اُٹھے......!“

”پتا نہیں......!“ ڈیڈی نے یوں سر ہلایا جیسے انہیں اس کی بات سے اتفاق نہ ہو۔

ڈیڈی......! پلیز......! میری ہمت نہ توڑیں، میں اتنی کمزور نہیں ہوں کہ پہلے مرحلے پر ہی ہار مان کر راہِ فرار اختیار کر لوں......! میرے اندر اُمید زندہ ہے اور میں اپنی آخری سانسوں تک اس اُمید کا دامن تھامے رکھوں گی۔ آپ مجھے مجبور نہ کریں......!“ آخر میں وہ رو پڑی۔

”بیٹا......! میں آپ کو مجبور نہیں کر رہا حقیقت سمجھا رہا ہوں......!“ ڈیڈی اس کے رونے سے نرم پڑ گئے تھے۔

”اور حقیقت یہ ہے کہ ہمایوں زندہ ہیں۔“ اس نے اب اپنے آنسو نہیں پونچھے، وہ روتی چلی گئی تھی۔ امی نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا پھر ڈیڈی سے کہنے لگیں۔

”آپ کو ایسی باتیں نہیں کرنی چاہیے تھیں۔ ایک تو پہلے ہی پریشان ہے مزید آپ......“ ڈیڈی

گہری سانس کھینچ کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔

”چلو......! اب ہم اس کے لیے دُعا ہی کر سکتے ہیں۔“

”بیٹا......! رومت......! اللہ بہتر کرنے والا ہے......! اور دیکھو......! کوئی ضرورت ہو تو بلا جھجک کہہ دینا اور خود کو اکیلا مت سمجھنا، ہم آتے رہیں گے۔“ امی نے اسے ڈھیروں تسلیاں دیں پھر اس کی پیشانی چوم کر اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

”آئی ایم سوری ڈیڈی......! میں آپ کی بات نہیں مان رہی۔“ اس نے کہا تو ڈیڈی نے اسے سینے سے لگا لیا۔

”خوش رہو بیٹا......! خدا تمہاری مدد کرے......!“

○ ○ ○

چاندنی پر بانسری سیکھنے کی دُھن سوار ہو گئی تھی۔ یوں بھی اسے اور تو کوئی کام ہوتا نہیں تھا بس سارا دن بیٹھی بانسری بجانے کی کوشش کرتی۔ کسی کسی وقت آواز ”نے“ سے نکل جاتی تو وہ بہت خوش ہوتی اور پھر اسی طرح ”نے“ نکالنے میں سارا دن لگی رہتی۔ اس وقت وہ آم کے گھنے پیڑ تلے اس کے تنے کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ دوپہر ابھی ڈھلی نہیں تھی اور کھلی جگہ ہونے کے باعث دُھوپ زیادہ تھی یعنی جہاں جہاں پیڑ تھے وہاں کچھ سایہ تھا، باقی دُھوپ ہی دُھوپ، اور وہ تو شروع سے ایسی ہی تھی۔ تپتی دوپہر میں جہاں بے بے کی آنکھ لگتی وہ کمرے کے ٹھنڈے ماحول سے نکل کر بارہ دری میں جا بیٹھتی۔ پتا نہیں تنہائی اور ہو کے عالم میں اسے کیا کشش نظر آتی تھی، وہ بہرحال اس کی عادی تھی۔ جب ہی بہت آرام سے بیٹھی بانسری کے سوراخوں پر انگلیوں کی پریکٹس کر رہی تھی کہ گاڑی کے ہارن پر چونک کر اِدھر دیکھنے لگی۔ چوکیدار گیٹ کھول رہا تھا پھر گاڑی اندر آ گئی اور اس میں سے ظفر کو اُترتے دیکھ کر ایک پل کو اس کا دل خوفزدہ انداز میں لرزا تھا لیکن فوراً ہی وہ خود پر قابو پا کر انجان بن گئی۔

”اے چاندنی......!“ ظفر نے اس کی طرف آتے ہوئے اسے پکارا تو وہ ناگواری سے اسے دیکھنے لگی۔

”اتنی دُھوپ میں کیوں بیٹھی ہے......؟“ ظفر نے قریب آ کر کہا۔

”میں تجھے دُھوپ میں بیٹھی نظر آ رہی ہوں......؟“ اس نے پیڑ کی چھاؤں کی طرف اشارہ کیا۔

”آس پاس تو دُھوپ ہے، چل اندر چل......!“ ظفر نے کہا تو وہ یکسر اَن سنی کر کے پوچھنے لگی۔

”تو یہاں کیوں آیا ہے......؟“

”تجھے دیکھنے......!“ وہ اس پر نظریں جما کر بولا۔

”دیکھ لیا......! اب جا......!“ اس نے حد درجہ بے مروّتی کا مظاہرہ کیا۔

”ہیں......! ایسے کیسے چلا جاؤں......؟ اتنی دُور سے آیا ہوں......! کوئی خاطر مدارت کر......!

ایسے میں ٹلنے والا نہیں ہوں......! ابھی دو چار دن ادھر ہی رہوں گا۔"

"کیا......!" وہ اُچھل کر کھڑی ہو گئی۔

"خبردار......! جو ادھر رہنے کی بات کی......!"

"کیوں......! ڈرتی ہے......!" وہ مکروہ ہنسی ہنسا۔

"میں نہیں ڈرتی کسی سے......! ایک آواز دوں گی سارے نوکر بھاگے آئیں گے اور میرے ایک اشارے پر تجھے اُٹھا کر باہر پھینک دیں گے۔" اس نے اکڑ کر کہا۔

"ارے......! تو تو پکی جاگیردارنی ہو گئی ہے۔ زبردست......! بھئی زبردست......!" وہ خاصے عامیانہ انداز میں سراہنے لگا۔

"بس......! زیادہ باتیں بنانے کی ضرورت نہیں ہے، کام بتا......! کس کام سے آیا ہے......؟" اس نے تیکھے انداز میں ٹوک کر کہا۔

"بتایا تو ہے تجھے دیکھنے......!" وہ اب بھی باز نہیں آیا۔

"پر میں تجھے نہیں دیکھنا چاہتی۔ اپنی بھیڑیں شکل لے کے دفع ہو جا یہاں سے......! نہیں تو بلاتی ہوں چوکیدار کو......!" وہ ذرا لحاظ کرنے کے موڈ میں نہیں تھی۔

"اے اے......! تمیز سے......! ایک تو میں بے بے کے کہنے پر تیری خیر خیریت لینے آیا اور تو ہے کہ مزاج ہی نہیں ملتے......! ناں......! آخر تو اتنا اکڑتی کس بات پر ہے......؟ کوئی پوچھتا تو ہے نہیں تجھے......!" ظفر کا اشارہ حاکم علی کی طرف تھا، وہ سمجھ کر بری طرح سلگ گئی۔

"مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے......! کوئی پوچھے نہ پوچھے، سمجھا......! اور میں کون سا کسی کے لیے مری جا رہی ہوں......؟ بڑے آرام سے ہوں میں، جا کر بتا دینا بے بے کو......!" وہ اپنی بات ختم کر کے بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی اور دروازہ لاک کر کے بیڈ پر ڈھے گئی۔

"کوئی پوچھتا تو ہے نہیں تجھے......!" ظفر نے اس کے اندر آگ لگا دی تھی جس کی تپش اسے چین نہیں لینے دے رہی تھی۔ کبھی کروٹیں بدلتی، کبھی اُٹھ کر بیٹھ جاتی۔ دل چاہ رہا تھا جا کر ظفر کا سر توڑ دے، لیکن اس کا کیا قصور تھا، قصوروار تو وہ تھا جس کی وجہ سے اسے یہ سننے کو ملا تھا۔

"حاکم علی......!" وہ زہرخند سے بڑبڑانے لگی۔

"میں نفرت کرتی ہوں تجھ سے......! مجھے تیری کوئی پرواہ نہیں، پھر بھی میں تجھ سے اپنی بے عزتی کا بدلہ ضرور لوں گی۔"

"بی بی صیب......!" دروازے پر دستک کے ساتھ کندن نے پکارا تو وہ جو غصے سے کھول رہی تھی چیخ پڑی۔

"کیا ہے......؟"

"وہ بی بی صیب......! بانسری والا آیا ہے......!" کندن نے بتایا تو وہ میں کیا کروں، کہتے کہتے رہ گئی اور دروازہ کھول کر پوچھنے لگی۔

"ظفر چلا گیا......؟ وہ جو گاڑی پر آیا تھا......؟"

"ہاں جی......! چلا گیا......! کون تھا بی بی......!"

"وہ بے بے کی طرف سے آیا تھا۔ چل تو مسافر کو بیٹھک میں بٹھا......! میں آتی ہوں......!" وہ کہہ کر واش روم میں چلی گئی۔ منہ پر ٹھنڈے پانی کی چھینٹے مارے پھر بانسری اُٹھا کر کمرے سے نکل آئی اور پہلے لابی میں رُک کر بے بے کو فون ملایا۔ ادھر سے ان کی آواز سنتے ہی پوچھنے لگی۔

"بے بے......! ظفر کو آپ نے ادھر بھیجا تھا......؟"

"نہیں......!" بے بے نے ابھی اس قدر کہا تھا کہ وہ شروع ہو گئی۔

"اس کو سمجھا کے رکھ بے بے......! اگر آئندہ ادھر آیا تو میں اس کی ٹانگیں تڑوا دوں گی......! بدذات کہیں کا......!"

"چاندنی پتر......! میری بات سن......! دھیے......! تیرا وہاں اکیلے رہنا ٹھیک نہیں ہے، تو ادھر میرے پاس آ جا......!" بے بے نے پکار کر کہا۔

"نہیں آنا مجھے......! آپ ایسے نہ خواہ مخواہ میری منتیں کیا کرو......! مجھے اچھا نہیں لگتا......! منتیں کرنی ہیں تو اپنے حاکم کی کرو......!" اس کا انداز ضدی اور روٹھا ہوا تھا۔

"میں تو دونوں کی کرتی ہوں اور تم دونوں کو ہی مجھ پر رحم نہیں آتا......!" بے بے کی آواز بھرا گئی۔

"اچھا بس......! اب رونا شروع کر دو......! اللہ حافظ......!" اس نے فون رکھ دیا پھر بیٹھک میں داخل ہوتے ہی ٹھٹک کر رک گئی۔ اگر کندن یہ نہ بتاتی کہ بانسری والا آیا ہے تو وہ ہرگز نہیں پہچان سکتی تھی کیونکہ اس کا حلیہ ہی بدل گیا تھا۔ کندھوں تک جھولتے بال ترشوا کر سلیقے سے جمائے گئے تھے۔ داڑھی مونچھ صاف ہو جانے سے چہرے کے نقوش بھی واضح ہو گئے تھے اور بدن پر وہ پھیلا بدرنگ لباس بھی نہیں تھا، اس کی جگہ صاف ستھری شلوار قمیص میں وہ خاصا مہذب لگ رہا تھا۔

"سلام بی بی......!" اس نے سلام کیا تب وہ چونک کر بولی۔

"تم......! مسافر......! تم تو پہچانے ہی نہیں جا رہے......!"

"میں نے آپ کی بات مان لی بی بی......! تھوڑے زیادہ پیسے کما کر یہ کپڑے بنوا لیے اور......" اس نے بات اُدھوری چھوڑ کر اپنے بالوں پر ہاتھ پھیرا۔

"اچھا کیا......!" اس نے کہہ کر بانسری اس کی طرف بڑھا دی۔

"آپ نے پریکٹس کی تھی......؟" وہ پوچھنے لگا۔

"ہاں......! سارا دن یہی تو کرتی ہوں، لیکن میری آواز میں درد نہیں آتا، کیسے آئے گا......؟" وہ

کہہ کر سادگی سے اسے دیکھنے لگی۔

"آپ نے کبھی محبت کی ہے بی بی......!" وہ سر جھکائے پوچھ رہا تھا۔ اس نے جواب نہیں دیا تو کچھ انتظار کے بعد خود ہی کہنے لگا۔

"میں بھی کیسا پاگل ہوں......! ابھی آپ کی عمر ہی کیا ہے......؟"

"کیوں......! میری عمر میں محبت نہیں ہوتی......؟" وہ بے اختیار کہہ گئی۔

"ہوتی ہے......!" وہ پتا نہیں اعتراف کر رہا تھا یا پوچھ رہا تھا۔

"ہاں......! ہوتی ہے اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ محبت بہت درد بہت دُکھ دیتی ہے......! میں نے جھیلے ہیں یہ دُکھ......! ابھی بھی جھیل رہی ہوں۔"

"آپ......!" وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

"ہاں......! ابھی میری عمر ہی کیا ہے......؟ جتنی میری عمر ہے اس سے زیادہ دُکھ میری جھولی میں آن گرے ہیں، بغیر مانگے......! میں تو ابھی سکھ کا مطلب بھی نہیں جانتی تھی کہ دُکھ مل گئے......! اچھا ہے ناں......! اب کو سمجھنے لگی ہوں......! جب تک خوش تھی ہنستی کھیلتی تھی تو کچھ پتا ہی نہیں چلتا تھا کون کیسا ہے......؟ دُکھ نے سارے راز کھول دیئے۔" وہ جانے کس خیال میں کھو کر بولے جا رہی تھی۔

"بی بی......!" مسافر کی سمجھ میں نہیں آیا کیا کہے، بس پکار کر رہ گیا۔

"ہاں......! کیا ہوا......؟" وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"آ...... آپ بیٹھیں......! میں آپ کو یہ سکھاتا ہوں۔" وہ کچھ رُک کر بولا۔

چاندنی نے اپنے پیچھے صوفے پر نظر ڈالی پھر وہیں بیٹھ گئی تو مسافر نے قریب آ کر اس کے پیروں کے پاس گھٹنے ٹیک دیئے اور پہلے بانسری اس کی آنکھوں کے سامنے کر کے اس پر اُنگلیاں جمائیں پھر اپنے ہونٹوں سے لگا کر بجانے لگا۔ چاندنی غور سے اسے دیکھ رہی تھی اور سینے کے اندر دل کسی اتھاہ میں اُتر رہا تھا۔



حاکم علی نے نشی سے ہر طرح سے پوچھ لیا تھا کہ نور کا شوہر کون سے ہاسپٹل میں ہے، لیکن نشی نے بتا کے نہیں دیا جس سے وہ اندر ہی اندر بہت جھنجلایا اور تلملایا ہوا بھی تھا لیکن اس پر ظاہر نہیں کر رہا تھا۔ بظاہر یوں جیسے یہ جاننا اس کے لیے ضروری نہیں ہے، پھر بھی گھوم پھر کر بات وہیں لے آتا تھا۔

"میں صرف اس لیے پوچھ رہا ہوں نشی......! کہ میں نوریہ کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔" حاکم علی نے پھر کسی بات کے دوران اچانک کہا تو نشی سمجھنے کے باوجود انجان بن گئی۔

"کس کی مدد کرنا چاہتے ہو......؟"

"نوریہ کی......! ہم دونوں ساتھ ہاسپٹل چلتے ہیں، ڈاکٹر سے ہمایوں کی رپورٹ معلوم کریں گے

اور اگر یہاں علاج ممکن نہ ہوا تو میں اسے باہر لے جاؤں گا۔ دیکھو ناں......! وہ مجھ پر شک کر رہی ہے اس طرح شاید میری طرف سے اس کا دل صاف ہو جائے۔" حاکم علی نے بات ہی ایسی کی تھی کہ نشی سوچ میں پڑ گئی۔

"کم از کم تم میرا اعتبار کرو نشی......! میں پورے خلوص سے کہہ رہا ہوں، میں ہمایوں کو علاج کے لیے باہر لے جاؤں گا۔" حاکم علی نے زور دے کر کہا۔

"مجھے تم پر اعتبار ہے سردار......! لیکن جس طرح وہ لڑکی تمہیں دیکھ کر آپے سے باہر ہو جاتی ہے تو کہیں ہاسپٹل میں کوئی ہنگامہ نہ ہو جائے۔" نشی نے ہتھیار ڈالتے ہوئے خدشہ ظاہر کیا۔

"نہیں......! ایسا کچھ نہیں ہوگا......! میں نوریہ کے سامنے نہیں جاؤں گا......! ہم صرف ڈاکٹر سے ملیں گے۔" حاکم علی نے اسے اطمینان دلایا۔

"ٹھیک ہے......! چلیں گے......!" نشی نے کہا تو وہ فوراً کھڑا ہو گیا۔

"چلیں گے نہیں......! ابھی چلو......!" اس کے ساتھ ہی نشی کا ہاتھ پکڑ کر اسے بھی اُٹھا دیا، پھر گاڑی میں بیٹھ کر نشی نے ہاسپٹل کا نام بتایا تو وہ پندرہ منٹ میں ہی وہاں پہنچ گیا جس پر نشی حیران تو ہوئی لیکن کچھ کہا نہیں، بس کن انکھیوں سے اس کی عجلت اور بے قراری دیکھ رہی تھی۔ وہ بہت تیز چل رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے راستے میں آئی ہر شے کو ٹھوکر مارتا ہوا ہمایوں کے سر پر جا کھڑا ہوگا۔

"سردار......!" نشی نے اس کی تیز رفتاری سے خائف ہو کر ایک دم اس کا بازو تھام لیا۔

"میرا خیال ہے پہلے ہمیں ریسپشن پر معلوم کرنا چاہیے کہ ہمایوں کس ڈاکٹر کے زیر علاج ہیں۔"

"ہا...... ہاں......! ریسپشن......!" وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

"آؤ......!" نشی اس کا بازو تھامے ہوئے ریسپشن پر آ گئی اور ریسپشنسٹ کو متوجہ کرتے ہوئے بولی۔

"ایکسکیوز می......! مجھے مسٹر ہمایوں چغتائی کے بارے میں معلوم کرنا ہے۔"

"مسٹر ہمایوں ڈسچارج کر دیئے گئے ہیں۔" ریسپشنسٹ نے فائل دیکھ کر بتایا۔

"وہ ٹھیک ہو گئے......؟" نشی نے بے اختیار خوشی کا اظہار کیا تھا۔

"نو میڈم......! ان کی ٹریٹ منٹ اب گھر پر ہوگی۔"

"اوہ......!" وہ مایوس ہو کر حاکم کو دیکھنے لگی تو جانے کیوں وہ ہونٹ بھینچ گیا۔

"اب کیا کریں......! ڈاکٹر سے ملو گے......؟"

"ابھی نہیں......!" وہ کہہ کر آگے بڑھ گیا تو نشی تیز قدموں سے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہنے لگی۔

"سردار......! ہمیں ہمایوں سے نہیں اس کے ڈاکٹر سے ملنا تھا اور ڈاکٹر ہی ہمیں صحیح رپورٹ دے

سکتا ہے۔"

"ہاں......! میں کل صبح ڈاکٹر سے ساری رپورٹس لے لوں گا۔" وہ گاڑی کا لاک کھولتے ہوئے بولا۔

"ابھی کیوں نہیں......!" نشی کو اس کی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

"ابھی اس لیے نہیں کہ پہلے مجھے نوریہ سے بات کرنی چاہیے کیونکہ اس کی اجازت سے ہی میں ہمایوں کو کہیں لے جا سکتا ہوں، آئی سمجھ......!" اس کے جھنجلانے پر نشی نے ذرا سے کندھے اُچکائے پھر دوسری طرف سے آ کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔

"نوریہ کو مجھ پر بھروسہ کرنا پڑے گا......!" وہ گاڑی اُسٹارٹ کر کے خود ہی بولنے لگا۔

"اس کے سوا نوریہ کے پاس اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں ہمایوں اکیلا ہے، کوئی بھائی وغیرہ نہیں ہے اور نہ باپ۔ نوریہ اکیلی کچھ نہیں کر سکتی۔ اسے مجھ پر بھروسہ کرنا پڑے گا، ہے ناں......!" آخر میں اس نے تائید کے لیے نشی کو دیکھا تو وہ صاف گوئی سے بولی۔

"سوری سردار......! میرا نہیں خیال کہ وہ تمہاری مدد قبول کرے گی......!"

"کرنی پڑے گی اسے......! اور وہ نہیں تو ہمایوں کی والدہ......!" ہمایوں کی والدہ کہہ کر وہ خود ہی چونکا تھا پھر کسی خیال سے اس کی آنکھیں چمکنے لگی۔

○○○

اس نے جاء نماز لپیٹ کر رکھی پھر ہمایوں پر دم کر کے اس کے پاس بیٹھ گئی اور اس کا ہاتھ ہاتھوں میں لے کر دھیرے دھیرے بولنے لگی۔

"پتا ہے ہومی......! میں نے کیا سوچا ہے......؟ جب آپ ٹھیک ہو جائیں گے تب میں آپ کی زندگی سے نکل جاؤں گی کیونکہ اب خود مجھے یہ احساس ہونے لگا ہے کہ اس گھر پر، آپ پر ساری آفتیں میری وجہ سے ٹوٹ رہی ہیں اور یہ غلط بھی نہیں ہے۔ اگر میری جگہ کوئی اور لڑکی آپ کی بیوی ہوتی تو آپ کتنے سکون سے رہ رہے ہوتے۔ کیونکہ حاکم علی کی دشمنی آپ سے نہیں مجھ سے ہے۔ میں اسے دھتکار آئی ہوں اور اب وہ میرا سکھ چین چھین لینا چاہتا ہے اور میری وجہ سے آپ......" اس کی آواز بھرا گئی۔ آنکھوں میں بھی آنسو بھر گئے تھے جنھیں وہ دوپٹے کے پلو میں جذب کر رہی تھی کہ کام کرنے والی ماسی آ کر پوچھنے لگی۔

"بی بی......! صفائی کر دوں......؟"

"ہاں......!" وہ اُٹھ کھڑی ہوئی اور تسبیح لے کر صوفے پر جا بیٹھی۔ ماسی آرام سے ڈسٹنگ کرنے لگی۔ بار بار اسے بھی دیکھ لیتی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ ہونٹ دھیرے دھیرے ہل رہے تھے اور اسی طرح تسبیح کے دانے اُنگلیوں سے پھسل رہے تھے۔

"بی بی......!" ماسی نے کام سے فارغ ہو کر اسے پکارا تو وہ آنکھیں کھول کر اسے دیکھنے لگی۔

"ایک بات کہوں بی بی......! آپ لوگ تو مانتے نہیں ہو پر ہمارا بڑا اعتقاد ہے پیروں، فقیروں پر۔ ان کی دُعائیں بڑی جلدی رنگ لاتی ہیں۔" ماسی ڈرتے ڈرتے بول رہی تھی کہ کہیں وہ ڈانٹ نہ دے، لیکن وہ گم سم انداز میں دیکھے جا رہی تھی۔

"آپ ایک بار میرے ساتھ چلو بی بی......! ہمارے گاؤں میں مرشد سائیں ہیں، بڑے پہنچے ہوئے ہیں، آپ ان سے اپنے میاں کے لیے دُعا کرا لو......! دیکھنا ان کی دُعا سے کیسے بھلے چنگے ہو جائیں گے۔ میں سچ کہہ رہی ہوں بی بی......! آپ چلو گی ناں......! جب آپ کہو گی میں آپ کو لے چلوں گی۔"

"میں...... میں کیسے جا سکتی ہوں......؟" وہ بے بسی سے بولی۔

"جانا تو پڑے گا بی بی......! اپنے میاں کی صحت اور زندگی کے لیے، یہ کوئی مشکل تو نہیں ہے۔" ماسی کی بات اس کے دل کو لگی تھی۔ ہامی بھرنا چاہتی تھی کہ ڈور بیل کی آواز پر اس کا دھیان اُدھر منتقل ہو گیا۔

"جاؤ......! دیکھو کون ہے......!"

"سعدیہ بی بی آئی ہوں گی۔" ماسی کہتی ہوئی چلی گئی تو وہ پھر تسبیح پڑھنے میں مصروف ہو گئی۔ کچھ دیر بعد امی کے پکارنے کی آواز آئی تو وہ حیران ہوئی کیونکہ جب سے یہ حادثہ ہوا تھا امی اسے مخاطب نہیں کرتی تھیں اس لیے حیرت کے ساتھ پریشان بھی ہوئی اور فوراً کمرے سے نکل کر لاؤنج میں آتے ہی نہ صرف ٹھٹکی بلکہ اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔

سامنے صوفے پر امی کے ساتھ حاکم علی بیٹھا تھا۔

⊖ ⊖ ⊖

''السلام علیکم......!'' حاکم علی اسے دیکھ کر اُٹھ کھڑا ہوا اور خاصے مہذب انداز میں سلام کیا۔

''میرے خدا......!'' اس کی سمجھ میں نہیں آیا کیا کرے۔ بس پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی، تب امی کی کرخت آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

''وہاں کیوں کھڑی ہو......؟ یہاں آؤ......!'' اس نے بمشکل خود کو گھسیٹا اور دو قدم آگے بڑھ کر رُک گئی۔

''یہ سردار حاکم علی ہیں، ہمایوں کے باس......! بیٹا......! تم کھڑے کیوں ہو......؟ بیٹھو نا......!'' امی حاکم علی کا تعارف کراتے ہوئے پھر اس سے مخاطب ہوئیں۔

''جی شکریہ......!'' وہ بیٹھ کر اس کے بارے میں پوچھنے لگا۔

''یہ ہمایوں کی مسز ہیں......؟''

''ہاں......! یہی ہے اس کی بیوی......!'' امی نے انتہائی نخوت سے کہا اور وہ اپنی بے بسی پر اندر ہی اندر ماتم کرنے لگی۔

''بہت افسوس ہوا ہمایوں کے ایکسیڈنٹ کا سن کر......! مجھے کل ہی معلوم ہوا ہے۔'' وہ اسے دیکھ کر کہنے لگا۔

''میرے منیجر نے مجھے بتایا ورنہ میں تو سمجھیں ہمایوں چغتائی کو بھول ہی گیا تھا، اب کیسے ہیں......؟''

وہ اگر بولنے کے قابل ہوتی تب بھی جواب دینے سے گریز کرتی کیونکہ اس شخص کے سامنے وہ مصلحتاً بھی لحاظ و مروّت نہیں برت سکتی تھی۔

''کیا میں انہیں دیکھ سکتا ہوں......؟'' وہ پوچھ کر فوراً ہمایوں کی امی کو دیکھنے لگا۔

''کیوں نہیں بیٹا......! جاؤ دیکھو......! نوریہ......! انہیں ہمایوں کے پاس لے جاؤ......!'' امی نے اسے تحکمانہ انداز میں مخاطب کیا۔

''آپ بھی چلیں آنٹی......!'' حاکم علی نے اُٹھتے ہوئے امی سے کہا۔

''نہیں بیٹا......! مجھ میں ہمت نہیں ہے، میں اپنے جوان جہان بیٹے کو بے بسی کی حالت میں نہیں دیکھ سکتی۔ اللہ مجھے موت بھی نہیں دیتا۔'' امی رونے لگیں۔

''ارے آنٹی......!'' حاکم علی فوراً ان کے پیروں کے پاس بیٹھ گیا۔

''حوصلہ رکھیں......! کچھ نہیں ہوگا ہمایوں کو......! اب میں آ گیا ہوں ناں......! ہمایوں کو اچھے سے اچھے ڈاکٹر کو دکھاؤں گا اور اگر یہاں ممکن نہیں ہوا تو میں اسے علاج کے لئے باہر لے جاؤں گا۔''

''اُف......! یہ مکار شخص......!'' نوریہ کا بس نہیں چل رہا تھا اسے بالوں سے گھسیٹ لے۔

''آپ اگر مجھے پہلے مطلع کر دیتیں تو اب تک ہمایوں ٹھیک بھی ہو چکا ہوتا۔ خیر......! ابھی بھی آپ فکر نہ کریں، وہ جلدی ٹھیک ہو جائے گا۔'' وہ امی کے ہاتھ تھام کر انہیں یقین دلا رہا تھا۔

''اللہ تمہاری زبان مبارک کرے......! خوش رہو......!'' امی اسے دُعا دینے لگیں۔

''انشاء اللہ......! آپ دیکھئے گا۔'' وہ ان کے ہاتھ تھپک کر اُٹھ کھڑا ہوا، پھر اسے دیکھنے لگا تو وہ منہ موڑ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ چند لمحوں ہی میں وہ اس کے پیچھے آ گیا اور بجائے ہمایوں کو دیکھنے کے اس پر نظریں جما کر کھڑا ہو گیا۔ خاصا فاتحانہ انداز تھا۔ وہ اندر ہی اندر کھولتی رہی، بولی کچھ نہیں، تب وہ خود ہی جتا کر کہنے لگا۔

''مان لو کہ سردار حاکم علی کوئی معمولی آدمی نہیں جو تمہارے بیڈ روم تک آ سکتا ہے وہ سوچو کیا نہیں کر سکتا......؟''

''کچھ بھی کر لو......! خدا نہیں بن سکتے......!'' وہ بہت ضبط سے بولی۔

''بہت خدا یاد آنے لگا تمہیں......! ہاں......! اب تم سوائے اللہ اللہ کے اور کر بھی کیا سکتی ہو......؟'' حاکم علی نے اس پر ترس کھایا۔

''تم ہمایوں کو دیکھنے آئے ہو......!'' اسے خود پر قابو رکھنا دُشوار ہو رہا تھا۔

''ہمایوں کا تو بہانا تھا، خیر......! دیکھ لیتا ہوں......!'' وہ کندھے اُچکا کر بیڈ کے قریب جا کھڑا ہوا اور کچھ دیر ہمایوں کو دیکھنے کے بعد اسے متوجہ کر کے کہنے لگا۔

''سنو......! میں نے پہلے بھی ایسا ایک کیس دیکھا ہے، وہ ایک عورت تھی اور اسے دو سال بعد ہوش آیا تھا اس کے بعد وہ بالکل نارمل نہیں تھی، میرا مطلب ہے......!''

''بس......! اب تم جا سکتے ہو......!'' وہ ہاتھ اُٹھا کر بولی۔

''اچھا......!'' وہ ذرا سا ہنسا۔

''چلا جاتا ہوں......! کل پھر آ جاؤں گا اور اب تو آتا جاتا رہوں گا۔''

''حاکم علی......!'' اس نے دانت پیسے۔

"اوہوں......! تم مجھے روک نہیں سکتیں، کیونکہ تمہاری ساس نے مجھ پر اعتماد کر لیا ہے، بڑی اچھی خاتون ہیں تمہاری ساس......! بیچاری رو رہی تھیں تو مجھے بہت تکلیف ہو رہی تھی اور تکلیف تو مجھے تمہاری حالت دیکھ کر بھی ہو رہی ہے، کتنی مایوس اور ٹوٹی ہوئی لگ رہی ہو۔ تمہیں اپنا خیال رکھنا چاہیے نور......! ایسے تو بڑی جلدی ہمت ہار جاؤ گی۔" وہ بہت نرمی سے اس سے ہمدردی جتا رہا تھا اگر اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ اس کے سامنے بری طرح بکھر جاتی لیکن اب اسے خود پر ضبط کرنا پڑ رہا تھا۔ پھر بھی آنکھوں کے پیمانے لبریز ہو گئے۔

"نہیں نور......! تم مت رونا......! مجھے تمہارے رونے سے بہت تکلیف ہوتی ہے۔" وہ بے تابی سے اس کے قریب آیا اور اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھنا چاہتا تھا کہ وہ بھاگ کر واش روم میں بند ہو گئی۔

اور اس رات وہ ایک پل کو نہیں سو سکی۔ مسلسل ٹہلتی اور سوچتی رہی کہ اس نئی صورتِ حال کا سامنا کیسے کرے؟ حاکم علی کی اصلیت وہ اور ہمایوں جانتے تھے یا پھر نعمان، اور کسی کو معلوم نہیں تھا نہ وہ بتا سکتی تھی۔

جبکہ ہمایوں کی امی کو وہ شیشے میں اُتار گیا تھا۔ شام میں سارا وقت وہ اس کے گن گاتی رہی تھیں۔ یہاں تک کہا کہ اللہ نے ان کی مدد کو فرشتہ بھیجا ہے اور وہ فرشتہ اس کا رہا سہا سکون بھی چھین گیا تھا۔

"کیا کروں......؟ یہاں تو میں اس پر چیخ چلا بھی نہیں سکتی نہ اسے دھکے دے کر گھر سے نکال سکتی ہوں۔ امی بھی تو ایسے وقت میں مجھ سے متنفر ہو گئی ہیں، ان سے کچھ کہوں گی تو وہ میرا یقین نہیں کریں گی۔ پھر کس سے کہوں......؟ کون ہے جو حاکم علی کو یہاں آنے سے روک سکے......؟" اس کا ذہن بری طرح چٹخنے لگا اور ہمایوں کا ہاتھ پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا۔

"ہومی......! تم ہی اُٹھ جاؤ......! خدا کے لئے......! دیکھو......! میں بالکل اکیلی ہو گئی ہوں......! اُٹھو ہومی......!" وہ اس کا ہاتھ آنکھوں سے لگا کر رو پڑی۔ اچانک اسے اپنے ہاتھوں میں ہمایوں کا ہاتھ لرزتا ہوا محسوس ہوا تو وہ پاگل سی ہو گئی۔ کبھی اس کا ہاتھ دیکھتی کبھی چہرہ پھر جھنجھوڑنے لگی۔

"ہمایوں......! ہمایوں......! اُٹھو......! نہیں تو میں چلی جاؤں گی......! میں امی ڈیڈی کے پاس چلی جاؤں گی......! میں ان حالات میں یہاں نہیں رہ سکتی۔ سنا تم نے......! سن رہے ہو ناں......!" اور وہ سن رہا ہوتا تو ایک پل میں آنکھیں نہ کھول دیتا، وہ تو اس کی ہر پکار سے بے خبر تھا۔

"بہت برے ہو تم......!" وہ مایوس ہو کر اس کے پاس سے اُٹھ گئی پھر ٹہلتے ہوئے اُلجھنے لگی۔

"کیا کروں......؟ نومی کو بتاؤں......! نہیں......! وہ اپنی منطقیں جھاڑنا شروع ہو جائے گا اور آخر میں یہی کہے گا تم یہاں آ جاؤ......! اور میں کیسے ہمایوں کو حاکم علی کے رحم و کرم پر چھوڑ دوں......! نہیں......! یہ میں نہیں کر سکتی...... البتہ......" اچانک اس کے ذہن میں جھماکا ہوا۔ ایک نئی سوچ جس پر

گرفت کرتے ہوئے وہ پھر اسی نہج پر سوچتی چلی گئی۔

○ ○ ○

چاندنی کو اب بانسری سے زیادہ بانسری والے کی جستجو تھی جو دھیرے دھیرے اس کے جذبوں کو چھیڑ رہا تھا اس کے احساسات کو نئی زندگی دے رہا تھا۔ بظاہر گریز کرتا ہوا نظر آتا لیکن جاتے جاتے کوئی ایسی بات کہہ جاتا یا اسے بانسری تھمانے کے بہانے ہی اس کے ہاتھوں کو یوں چھو جاتا کہ وہ پھر اس کے لمس کو محسوس کرتی رہ جاتی۔ مزید اس کے دیکھنے کا انداز بھی بدل گیا کہ وہ تنہائی میں بھی اسے سوچنے لگی تھی۔ اگر کسی دن اسے آنے میں دیر ہو جاتی تو وہ بے قرار ہو جاتی، بار بار کندن کو گیٹ کی طرف دوڑاتی اور اب تو وہ خود برآمدے میں آ کھڑی ہوتی تھی اور کتنی دیر کچے پکے راستوں پر نظریں دوڑاتی رہی۔ پھر مایوس ہو کر اندر آئی تو ایک دم احساس ہوا کہ وہ یہ کیا کر رہی ہے۔ اندر سے کسی نے لتاڑنے کی کوشش کی۔

"تو صرف چاندنی نہیں ہے......! حاکم علی کی بیوی ہے......!"

"تو یہ احساس حاکم کو کیوں نہیں ہوتا کہ وہ میرا شوہر ہے......؟" وہ اندر کی آواز پر بگڑنے لگی۔

"وہ مجھے مانتا نہیں اور میں اس کے نام کی مالا جپتی رہوں......! کیوں......؟"

"یہی تیرا نصیب ہے......!"

"نا......نہیں......! میں نہیں مانتی ایسے نصیب کو......! میرا نصیب حاکم علی کے ساتھ جوڑا گیا تھا، پھر اس کے حصے میں آزادی اور میرے حصے میں اسیری کیوں......؟ وہ جو چاہے کرتا پھرے اور میں خود پر سارے دروازے بند کر لوں......! نہیں......! بند دروازوں کے اندر اب میرا دم گھٹنے لگا ہے، مجھے زندگی کی ہوا چاہئے، میں انسان ہوں، جیتی جاگتی انسان، روٹی کپڑے کے علاوہ بھی مجھے بہت کچھ چاہیے اور حاکم تو بار بار کہہ چکا ہے کہ کبھی مجھ پر اپنا حق مت جتانا، پھر...... پھر کس پر جتاؤں......؟" وہ آزردگی میں گھر کر رو دینے کو ہو گئی تھی تب ہی مسافر آ گیا اور اسے پہلے سے بیٹھک کے دروازے ہی میں رُک کر پوچھنے لگا۔

"میں آ جاؤں بی بی......!"

"تم......!" وہ بے اختیار اس کی طرف پلٹی۔

"آج اتنی دیر کر دی ہے......! میں کب سے انتظار کر رہی ہوں......!"

"یہی تو میں چاہتا تھا، تمہارے اندر انتظار کی جوت جلا کر تمہیں بے قرار کر دوں۔" مسافر نے اس کی بے اختیاری محسوس کرتے ہوئے سوچا، بولا کچھ نہیں بلکہ یوں سر جھکا لیا جیسے دیر سے آنے پر نادم ہو۔

"اب وہاں کیوں کھڑے ہو......؟ اندر آؤ......!" اس نے کہا تو وہ دہلیز پار کر کے آیا پھر اس کے ہاتھ سے بانسری لے کر کہنے لگا۔

"آپ ناراض نہ ہوں بی بی......! کچھ کام پڑ گیا تھا، آئندہ دیر نہیں ہو گی۔"

"اچھی بات ہے......! اور سنو......! یہ تم مجھے بی بی مت کہا کرو......! اچھا نہیں لگتا......!" وہ اپنے

آپ میں اُلجھ رہی تھی۔

''پھر کیا کہوں جی......!'' مسافر نے اس کم عمر لڑکی کو نظر بھر کر دیکھا جو بغاوت کا علم اُٹھائے کھڑی تھی۔

''میرا نام چاندنی ہے......!تم مجھے میرے نام سے پکارا کرو۔'' وہ کہہ کر پھر توجیح پیش کرنے لگی۔

''آخر تم میرے اُستاد ہو اور اُستاد جی جی کرتے ہوئے اچھے نہیں لگتے......!''

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں لیکن میں...... میرا مطلب ہے میری حیثیت مجھے اس کی اجازت نہیں دیتی کہ میں آپ کو نام سے پکاروں۔'' وہ اس کی طرف بڑھنا بھی چاہتا تھا اور خائف بھی تھا۔

''میں جو دے رہی ہوں اجازت......!'' وہ فوراً بولی۔

''جی......!میں کوشش کروں گا......!'' وہ کہہ کر زیرِ لب دہرانے لگا۔

''چاندنی......!چاندنی......!''

''ارے......!تم تو جیسے سبق یاد کرنے لگے۔'' اس کی نقرئی ہنسی نے جلترنگ بجا دیے۔

''بہت خوبصورت نام ہے، بالکل تمہاری طرح تمہاری ہر ادا پر سوٹ کرتا ہے، تمہاری آواز تمہاری ہنسی جیسے تھال پر چاندنی برس رہی ہو، تم سچ مچ چاندنی ہو......!'' وہ اس کی ہنسی کے جل ترنگ میں کھو گیا۔

''مسافر......!'' اس نے گھبرا کر پکارا۔

''ہاں......!'' وہ چونکا ضرور لیکن ٹھٹکا یا نہیں بلکہ اسے دیکھے گیا تو وہ رُخ موڑ کر بولی۔

''تمہیں پتا ہے تم کیا کہہ رہے ہو......!''

''کچھ غلط تو نہیں کہا، پھر بھی اگر تمہیں برا لگا ہے تو میں معافی چاہتا ہوں۔'' اس نے سر جھکا لیا۔

''اپنی تعریف کسے بری لگتی ہے، پر تم کچھ زیادہ کہہ گئے ہو......!'' وہ گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگی۔

''زیادہ تو نہیں......!میں نے تو صرف تمہارے نام کو سراہا ہے، تمہاری تعریف کے لیے تو میرے پاس الفاظ ہی نہیں ہیں۔ کاش کہ میں شاعر ہوتا، پورا دیوان لکھ ڈالتا تم پر لیکن شاید پھر بھی میں تمہاری مکمل تعریف نہ لکھ پاتا، تم کائنات کا حسن ہو، اگر تمہیں ہٹا دیا جائے تو شاید سب کچھ ویران ہو جائے۔'' وہ بولتا چلا جا رہا تھا اور وہ حیران کھڑی تھی۔

''میرا نام مسافر ہے اور میری زندگی مسافرت میں کٹ رہی تھی۔ جانے کیا جستجو تھی، کس کی تلاش تھی میں سمجھ نہیں پاتا تھا پھر جس روز تمہیں دیکھا مجھے اپنی جستجو کا سراغ مل گیا۔ مجھے لگا جیسے میں ہمیشہ سے تمہاری تلاش میں تھا لیکن یہ اچھا نہیں ہوا، میں تلاش ہی میں رہتا تو اچھا تھا، تمہیں دیکھ کر تو ساری اُمیدیں دم توڑ گئی ہیں، تم کہاں میں کہاں، پانا تو دُور کی بات تمہیں دیکھتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں اور دیکھے بنا رہ بھی نہیں سکتا۔ میں کیا کروں......؟میں کیا کروں......؟'' اس کی بے بسی ظاہر ہو رہی تھی۔

چاندنی ہنوز گم سم کھڑی تھی تب وہ قریب آ کر دھیرے سے بولا۔

''مجھے معاف کر دو......!'' اس کے ساتھ ہی وہ پلٹ کر تیزی سے باہر نکل گیا۔ چاندنی نے اسے جاتے ہوئے دیکھا پھر جیسے خواب میں چلتی ہوئی بیٹھک سے نکل کر راہ داری میں آ گئی۔ اس کا دل بہت احتیاط سے انگڑائی لے رہا تھا کہ کہیں کسی کو خبر نہ ہو۔ آنکھوں میں وہ رستہ بس گیا تھا جس پر چلنے کی آرزو تھی۔

''میں کب تک اپنی آرزوؤں کا گلا گھونٹتی رہوں اور کیوں گھونٹوں......؟ وہ ظالم تو کبھی میرا نہیں ہوگا، میں لاکھ جتن کر لوں اس کے دل کو نہیں چھو سکتی، پھر اس کے پاس دل ہے کہاں، سینے میں پتھر جڑا ہے اور میں پتھر سے سر ٹکرانے کے لیے تو پیدا نہیں ہوئی۔'' وہ نئے راستے پر قدم رکھنے کے لئے خود کو تیار کر رہی تھی۔



وہ چائے بنانے کے دوران خود کو حاکم علی کا سامنا کرنے کے لیے تیار کرتی رہی جو لاؤنج میں ہمایوں کی امی کے پاس بیٹھا تھا۔ یہ حقیقتاً بے حد مشکل مرحلہ تھا لیکن اسے طے کرنا تھا اور صرف اسی پر تو بس نہیں تھا، جانے ایسے کتنے مراحل اس کے منتظر تھے۔ وہ سوچ سکتی تھی اور یہ بھی جانتی تھی کہ اسے بہت زیادہ صبر و تحمل کی ضرورت ہے۔ خود کو یہی باور کراتی ہوئی وہ چائے کی ٹرے اُٹھا کر لاؤنج میں آئی تو حاکم علی اسے دیکھ اُٹھ کھڑا ہوا۔

''السلام علیکم......!''

''وعلیکم السلام......! کیسے ہیں آپ......؟'' اس نے حاکم علی کی طرف دیکھنے سے قصداً گریز کیا۔

''میں ٹھیک ہوں......!اور یہ آپ نے چائے کا کیا تکلف کیا......؟ میں تو ہمایوں کی خیریت معلوم کرنے آیا تھا۔'' حاکم علی نے کہا تو وہ ابھی بھی ٹرے پر نظریں مرکوز رکھ کر بولی۔

''آپ بیٹھیں......!پلیز......!''

''تھینک یو......!'' وہ بیٹھا تو امی سے کہنے لگا۔

''میں نے لندن میں ڈاکٹرز سے بات کی ہے، آپ مجھے ہمایوں کی رپورٹس دے دیں تو میں انہیں بھجوا دوں پھر میں خود ہمایوں کو لندن لے جاؤں گا یا ڈاکٹرز یہیں آ جائیں گے۔''

''وہ سب تو ٹھیک ہے بیٹا......!لیکن......'' امی اخراجات کا سوچ کر خاموش ہو گئیں۔

''یہ سب میری ذمے داری ہے آنٹی......!آپ کسی بات کی فکر نہ کریں۔'' وہ فوراً سمجھ کر کہنے لگا۔

''ہمایوں نے پانچ سال میری فرم میں جس کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے، اس کے لیے میں اس کا احسان مند ہوں اور یہ سب میں اس کا احسان اُتارنے کے لیے نہیں کروں گا، بس یوں سمجھئے کہ مجھے اس سے دلی لگاؤ ہے۔''

''خوش رہو بیٹا......!'' امی آبدیدہ ہو گئیں تو وہ فوراً اپنی جگہ سے اُٹھ کر امی کے پاس جا بیٹھا اور ان

کے ہاتھ تھام کر کہنے لگا۔

''مجھے آپ کے آنسو بہت تکلیف دیتے ہیں۔ آپ وعدہ کریں اب نہیں روئیں گی......! دیکھئے گا ہمایوں چند دنوں میں ٹھیک ہو جائے گا۔''

''اللہ تمہاری زبان مبارک کرے......!'' امی دوپٹے سے آنکھیں صاف کرنے لگیں تو وہ اسے دیکھ کر مسکرایا۔

''آپ کے آنے سے امی کی بڑی ڈھارس بندھی ہے، آتے رہیے گا......!'' اس نے کہہ کر حاکم علی کو حیران کر دیا کہ وہ بولتے ہوئے بوکھلا رہا تھا۔

''بالکل بالکل......! آتا رہوں گا......!''

''چائے لیجئے......!'' اس نے کپ اُٹھا کر اس کی طرف بڑھا دیا، پھر امی سے پوچھنے لگی۔

''ہمایوں کی رپورٹس انہیں دے دوں امی......!''

''ہاں ہاں......!'' امی نے اسے یوں دیکھا جیسے ابھی تک دیں کیوں نہیں۔

''میں لے کر آتی ہوں......!'' وہ جانے لگی کہ حاکم علی بھی اُٹھ کھڑا ہوا۔

''اگر اجازت ہو تو میں ہمایوں کو دیکھ لوں......؟''

''اجازت کیسی بیٹا......! تمہارا اپنا گھر ہے، جب چاہو آؤ......! جہاں چاہے اُٹھو بیٹھو......!'' امی بالکل اس کے اختیار میں ہو گئی تھیں اور یقیناً اسے اسی جواب کی توقع تھی جب ہی فاتحانہ انداز میں اس کے ساتھ ساتھ اس کے کمرے میں آ گیا اور پہلے کی طرح ہمایوں کو دیکھنے کی بجائے نظریں اس پر جما دیں۔

''میں یہ سب تمہاری خاطر کر رہا ہوں......!''

''میں جانتی ہوں......! اور اب تو مجھے خود پر رشک آنے لگا ہے۔'' اس نے سکون سے کہتے ہوئے دراز میں سے ہمایوں کی فائل نکال کر اس کی طرف بڑھا دی۔

''کیا واقعی......!'' وہ غیر یقین کھڑا تھا اور اس نے اسے یقین دلانے کی کوشش نہیں کی، فائل اسے تھما کر پوچھنے لگی۔

''یہ تم لندن بھیجو گے......؟''

''ہاں......! اسے دیکھنے کے بعد ہی ڈاکٹرز کچھ کہہ سکتے ہیں۔'' وہ جیسے جواب دینے پر مجبور ہوا تھا۔

''میں چاہتی ہوں ہمایوں جلدی ٹھیک ہو جائیں کیونکہ میں اب تھک گئی ہوں، ان کی تیمارداری سے نہیں اس فضا سے اُکتاہٹ ہونے لگی ہے مجھے......! تم دیکھ رہے ہو کیسی وحشت ٹپک رہی ہے، پھر امی کا رویہ بھی ناقابلِ برداشت ہو گیا ہے۔ ایسی باتیں کرتی ہیں جیسے ہمایوں کو میں نے اس حال کو پہنچایا ہو۔ یقین کرو......! کسی کسی وقت تو میرا دل چاہتا ہے میں یہاں سے دُور بھاگ جاؤں......!'' وہ خود کو اِدھر اُدھر مصروف رکھ کر بولے چلی جا رہی تھی۔ کبھی ہمایوں پر چادر ٹھیک کرتی کبھی تکیہ، کبھی ٹیبل پر میڈیسن

ترتیب دیتی اور حاکم علی کی نظریں اس کے ساتھ بھٹک رہی تھیں جبکہ سارا دھیان اس کے بولنے پر تھا۔

''بھلا یہ بھی کوئی زندگی ہے......؟ میرے امی ڈیڈی تو میرے یہاں رہنے پر سخت ناراض ہیں لیکن میں کیا کروں......؟ کچھ سمجھ میں نہیں آتا......! امی ڈیڈی کی بات مان کر ان کے ساتھ چلیں جاؤں تو......''

وہ بولتے ہوئے ایک دم خاموش ہو گئی، پھر اسے دیکھ کر کہنے لگی۔

''ارے......! تم بھی کیا سوچتے ہو گے کہ میں......''

''نہیں......! مجھے اچھا لگ رہا تھا۔'' وہ بے اختیار بولا تھا۔

''کیا اچھا لگ رہا تھا......! میری مایوسی......! بے چارگی......! بے بسی......!'' وہ اچانک رو پڑی۔

''نہیں نور......! یہ سب نہیں، پلیز......! رومت......!'' وہ بے قرار ہو کر اس کے قریب آ گیا۔

''میری بات سنو نور......! تم لاچار، بے بس نہیں ہو، میں ہوں تمہارے ساتھ......! تم جیسا چاہو گی، بس تم رومت......!''

''رونا تو میری قسمت میں لکھا ہے۔'' اس نے ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑیں، لیکن آنسو پھر چھلک آئے۔

''قسمت کو الزام مت دو......! اپنی اس حالت کی ذمے دار تم خود ہو، ایک بیمار شخص کو دیکھ کر تم خود بیمار ہو گئی ہو۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اسے اس کے حال پر چھوڑ دو لیکن اپنے حال پر بھی تو رحم کرو۔'' ہمیشہ سے مختلف اس وقت حاکم علی کا لہجہ کسی مخلص دوست کا سا تھا۔

''کیا کروں......؟ کچھ سمجھ میں ہی نہیں آتا۔'' اس نے پھر آنسو صاف کیے۔

''اپنا دھیان بٹاؤ......! ہمایوں سے ہٹ کر بھی کچھ سوچو، کسی سے بات کرو۔ مانا کہ یہاں تم اکیلی ہو لیکن دُنیا میں تو اکیلی نہیں ہو، عزیز رشتے دار، دوست، کیوں ان سب سے کٹ رہی ہو......؟ اگر کسی کو اپنا نہیں سمجھو گی تو پھر ایک وقت آئے گا جب واقعی تمہارا کوئی نہیں ہو گا۔ میری بات سمجھ رہی ہو ناں......! خود کو تنہا مت کرو......!'' وہ اتنے مضبوط اور سلجھے ہوئے لہجے میں بول رہا تھا کہ وہ اسے دیکھتی رہ گئی۔

''اور تم اپنی ساس کے رویے سے ڈس ہارٹ مت ہو، وہ بیچاری بھی کیا کریں......؟ اور کہیں بس نہیں چلتا تو تمہیں برا بھلا کہہ کر دل کی بھڑاس نکال لیتی ہیں۔ ان کی جگہ اگر تم ہوتیں تو سوچو......! تم کیا کرتیں......؟ شاید تمہارا ردِعمل ان سے بھی زیادہ بھیانک ہوتا، ہے ناں......!'' وہ اس کی حیران آنکھوں میں جھانک کر ذرا سا مسکرایا تو اس نے سر جھکا لیا۔

''ہیلو......! کیا میں اُمید رکھوں کہ میری باتوں سے تمہارے اندر کوئی تبدیلی آئے گی......؟'' حاکم علی نے اسے متوجہ کرتے ہوئے کہا تو وہ اثبات میں سر ہلا کر بولی۔

''اب پلیز......! تم جاؤ......! ورنہ میری ساس جانے کیا سمجھیں......!''

''اوہ......!'' حاکم علی کے اندر شادیانے بجنے لگے، جیسے مدتوں سے وہ یہی تو سننا چاہتا تھا۔

''تم جاؤ......! کہیں میں رُسوا نہ ہو جاؤں......!'' رُسوائی کے خدشے میں کیا کیا چھپا ہوتا ہے یہ وہ بہت اچھی طرح جانتا تھا، جب ہی قربان جا رہا تھا۔

○ ○ ○

نشی حیران تھی کہ حاکم علی آخر کن کاموں میں مصروف ہے کہ اسے فون بھی نہیں کر رہا اور نہ اس کا فون اٹینڈ کر رہا تھا۔ آج دن میں اس نے کتنی بار ٹرائی کیا تھا پھر شام سے کچھ پہلے خود ہی اس کے گھر چلی آئی لیکن وہ موجود نہیں تھا۔ اس نے وہیں سے اس کے آفس فون کیا تو معلوم ہوا وہ وہاں سے بھی نکل چکا ہے تب وہ اس کے انتظار میں وہیں بیٹھ گئی۔ کچھ دیر بعد فضل دین چائے لے کر آیا تو وہ اس سے پوچھنے لگی۔

''سردار اسی شہر میں ہے ناں......! کہیں باہر تو نہیں گیا ہوا......؟''

''نہیں بی بی......! صاحب ادھر ہی ہیں۔''

''کب تک آ جاتا ہے آفس سے......؟'' اس نے چائے کا کپ اُٹھاتے ہوئے پوچھا۔

''کبھی جلدی کبھی دیر سے، کوئی ایک وقت نہیں ہے، ادھر تین چار دن سے بڑے سردار صاحب بھی شکایت کر رہے ہیں کہ صاحب انہیں فون نہیں کر رہے، پر بی بی......! میں آپ کو بتاؤں......! آج کل سردار صاحب بہت خوش نظر آتے ہیں، پتا نہیں کیا چکر ہے......؟'' فضل دین تفصیل سے بتانے کھڑا ہو گیا اور وہ جو چائے کا کپ ہونٹوں کی طرف لے جا رہی تھی تو اس کا ہاتھ درمیان ہی میں رُک گیا۔

''بی بی......! آپ کو بھی نہیں پتا نئے چکر کا......؟'' فضل دین نے اس پر حیرت ظاہر کی۔

''مجھے......!'' وہ چونکی۔

''میری بہت دنوں سے ملاقات نہیں ہوئی سردار سے......!''

''ابھی آپ ان سے مل کر جایئے گا......!''

''ہاں......! میں انتظار کر لیتی ہوں......!'' اس نے اب سنبھل کر سرسری انداز اختیار کیا، پھر چائے کا سپ لے کر پوچھنے لگی۔

''تم گاؤں نہیں جاتے......؟''

''جاتا ہوں بی بی......! جب سردار صاحب ملک سے باہر جاتے ہیں تب میں گاؤں کا چکر لگا آتا ہوں۔ بس اپنی مٹی کی محبت کھینچتی ہے ورنہ کوئی رشتہ دار تو ہے نہیں، ماں باپ مر کھپ گئے، شادی کی نہیں، جو بال بچوں کے لیے ہر مہینے جانا پڑتا، اس لیے کبھی کبھی ہی جاتا ہوں۔'' فضل دین غالباً باتیں کرنے کے موڈ میں تھا جب ہی کارپٹ پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔

''چاندنی کیسی ہے......؟'' اس نے گاؤں کا ذکر چاندنی کا پوچھنے کے لیے ہی چھیڑا تھا۔

''چاندنی بی بی......! اچھی ہے......! بہت اچھی ہے......! اپنے بڑے سردار صاحب نے ہی پالا ہے اسے۔ اس کے ماں باپ تو جب وہ چھوٹی سی تھی چل بسے......!''

''ہاں......! بتایا تھا سردار نے۔'' اس نے کہتے ہوئے گلاس وال سے باہر نظر ڈالی۔ چوکیدار گیٹ کھول رہا تھا پھر حاکم علی کی گاڑی اندر آتے دیکھ کر وہ فضل دین سے بولی۔

''سردار آ رہا ہے......! تم جاؤ......! اپنا کام کرو......!''

''آپ کے لیے اور چائے لاؤں......!'' فضل دین نے اُٹھتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں بس......!'' وہ گلاس وال سے حاکم علی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ابھی فضل دین نے بتایا تھا کہ آج کل وہ بہت خوش نظر آتا ہے تو وہ اس کے چہرے پر نئی خوشی تلاش کرنے لگی کہ چند لمحوں بعد ہی وہ اندر آ گیا۔

''آہا نشی......! کیسی ہو......؟'' حاکم علی نے ہمیشہ کی طرح اسے دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا۔

''کیا بات ہے......؟ بڑے خوش نظر آ رہے ہو......!'' وہ بلا ارادہ ہی کہہ گئی۔

ارے واہ......! تم تو ایک نظر میں پہچان لیتی ہو، کیا جادو ہے تمہارے پاس......!'' حاکم علی صوفے پر ڈھے کر اسے دیکھنے لگا۔

''اس کا مطلب ہے تم واقعی خوش ہو......!''

''بہت......بہت......بہت زیادہ......!'' حاکم علی نے صوفے کی بیک پر دونوں بازو دائیں بائیں پھیلا کر اعتراف کیا پھر کہنے لگا۔

''میرا خیال ہے میری بے پناہ خوشی کا سبب تم جان سکتی ہو......!''

''سوری......! چہرے سے خوشی اور ناخوشی کا اندازہ تو لگایا جا سکتا ہے وجہ نہیں بتائی جا سکتی، تم بتاؤ......!'' نشی کے اشتیاق ظاہر کرنے پر حاکم علی نے مزید تجسس پھیلایا۔

''میں بتاؤں......! تم یقین نہیں کرو گی......! اچھا ایسا کرو پہلے تم کچھ سوچو......! آئی مین......! قیاس کرو۔''

''نہیں......! میں کچھ قیاس نہیں کر رہی بس تم بتاؤ الو......!''

''تو سنو......! میں ابھی نوریہ سے مل کر آ رہا ہوں بلکہ روزانہ اس سے ملنے جاتا ہوں۔'' حاکم علی کے چہرے پر چھلکتی ہوئی مسکراہٹ تھی۔

''کہاں......؟'' نشی اگر کوشش کرتی تب بھی اس کی خوشی پر خوشی کا اظہار نہیں کر سکتی تھی اس کے برعکس اندر سے کچھ سہم سی گئی تھی۔

''اس کے گھر......!'' وہ اب سیدھا ہو بیٹھا پھر تفصیل سے بتانے لگا۔

''میں ہمایوں کو دیکھنے گیا تھا، اس کی والدہ سے ملا اور انہیں یقین دلایا کہ میں ہمایوں کا علاج

کراؤں گا اور اس کی والدہ کو تو چھوڑو، نوریہ نے بھی میرا اعتبار کرلیا ہے......!"

"تو اب تمہارا کیا ارادہ ہے......؟ واقعی ہمایوں کا علاج کراؤ گے یا......؟" نشی نے ڈوبتے دل سے پوچھا تھا۔

"کراؤں گا......! اس کا علاج بھی کراؤں گا۔" وہ اب بے نیازی سے بولا جیسے اسے علاج وغیرہ سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اس کا اصل مقصد تو نوریہ تک رسائی حاصل کرنا تھا۔

"سردار......! تمہیں نوریہ کو دھوکا نہیں دینا چاہیے......!" نشی نے اس کی بے نیازی پر ٹوکا تھا۔

"میں...... میں کیسے اسے دھوکا دے سکتا ہوں......؟ تم جانتی ہو وہ میرے لیے کیا ہے......؟ اس کی خاطر ہی تو میں نے ہمایوں کے علاج کی ذمے داری قبول کی ہے اور ابھی میں ہمایوں کی فائل ڈاکٹر ابرار کو دے کر آ رہا ہوں، ڈاکٹر ابرار دو تین روز میں لندن جانے والے ہیں۔ وہاں وہ بہترین ڈاکٹرز کے ساتھ ہمایوں کا کیس ڈسکس کریں گے پھر اگر انہوں نے کہا تو میں خود ہمایوں کو لندن لے جاؤں گا اور یہ سب میں کس کے لیے کر رہا ہوں......؟ نوریہ کے لیے......! اور تم کہہ رہی ہو میں اسے دھوکہ نہ دوں......!" وہ ناراض ہوگیا تھا۔

"سوری سردار......! میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" نشی کچھ خائف سی ہوگئی۔

"میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ جب تم نوریہ کے لیے اتنا کچھ کر رہے ہو تو اپنے دل پر بھی قابو رکھو......! وہ کسی کی امانت اور عزت ہے، تم اس کے لیے غلط انداز سے مت سوچو......!"

"غلط یا صحیح......! میں یہ سب نہیں جانتا نشی......! میرے دل میں اس کے لیے جو جذبات ہیں وہ کسی صورت نہیں بدل سکتے۔ میں اسے حاصل کرنا چاہتا تھا اور ابھی بھی یہی تمنا ہے، میری زندگی کی سب سے بڑی تمنا......! اور دیکھنا......! ضرور پوری ہوگی، کیونکہ میں جانتا ہوں ہمایوں کا علاج کہیں نہیں ہے، وہ بس کچھ عرصے کا مہمان ہے۔" حاکم علی کا لہجہ پُر یقین تھا۔

"تو پھر......! تم یہ سب کیوں کر رہے ہو......؟ ڈاکٹر ابرار......! لندن......!" نشی اُلجھ گئی۔

"نوریہ کے دل میں جگہ بنانے کے لیے اور جگہ بن گئی ہے نشی......! آج اس نے مجھ سے ڈھیروں باتیں کیں یہ بھی کہا کہ وہ ہمایوں کی بیماری سے تھک گئی ہے اور اس گھر سے اس کا دل اُچاٹ ہوگیا ہے۔ اچھا ہے ناں......! ہمایوں کے بعد وہ زیادہ عرصہ اس کا سوگ نہیں مناتی رہے گی۔" حاکم علی کی بے رحمی پر نشی کا دل کانپ گیا۔

"بس کرو سردار......! پتا نہیں اللہ کو کیا منظور ہے......!"

"اللہ کو یہی منظور ہے کہ نوریہ میری ہو جائے جب ہی تو اس کے دل میں میرے لیے گداز پیدا ہوگیا ہے۔ سنو......! تم تو جانتی ہو ناں......! میں نوریہ کے لیے کتنا تڑپا ہوں......! کیا کیا جتن نہیں کیے اسے منانے کے......اور دیکھو......! بالآخر میری محبت، میری تڑپ رنگ لے آئی۔ اب بہت جلدی وہ میری ہو

جائے گی۔" وہ جتنا سرشار تھا، نشی اسی قدر پریشان ہو رہی تھی۔

○ ○ ○

نعمان دادی کی گود میں سر رکھے لیٹا تھا اور اسے وہ وقت یاد آ رہا تھا جب ایسے موقعے پر نوریہ فوراً آن موجود ہوتی اور کسی نہ کسی بہانے اسے وہاں سے اُٹھا دیتی تھی۔ پھر خود دادی سے لاڈ کرنے لگتی، کتنی کھلنڈری ہوا کرتی تھی وہ، اور اب کتنے مصائب میں گھر گئی۔" وہ اسے سوچتے ہوئے آزردہ ہو رہا تھا۔

دادی نے تسبیح رکھ کر اس کے چہرے پر پھونک ماری پھر پوچھنے لگیں۔

"کیا بات ہے......؟ پریشان ہو......!"

"نہیں دادی......! بس نوریہ کا خیال آ رہا تھا۔ اس ہفتے میں اس کے پاس جا ہی نہیں سکا۔ کیا سوچتی ہوگی کہ ہم سب اس کی طرف سے بے نیاز ہوگئے ہیں......؟" وہ سوچتے ہوئے انداز میں بول رہا تھا۔

"ناں بیٹا......! میں تو ہر وقت اس کے لیے دُعا کرتی ہوں۔ بیچاری بچی پر کیسی آزمائشیں آن پڑی ہیں، اللہ اس کا سہاگ سلامت رکھے، ابھی تو اس کے ہنسنے کھیلنے کے دن ہیں۔ تم کیوں نہیں گئے اس کے پاس......؟" دادی نے نوریہ کو یاد کر کے پوچھا۔

"بس دادی......! آفس میں ہی اتنی دیر ہو جاتی ہے، پھر رات میں جانا اچھا نہیں لگتا۔" اس نے کہا تو دادی آہ بھر کر بولیں۔

"ہاں......! اس کی ساس نے بھی تو نظریں پھیر لی ہیں۔ شیراز نے بتایا تھا مجھے، کلیجہ پھٹ کے رہ گیا۔ بتاؤ بھلا......! ایک تو بیچاری میاں کی وجہ سے پریشان ہے اُوپر سے ساس کی باتیں، اور ہاں......! اس کی ایک نند بھی تو تھی جس کی شادی ہوئی تھی، وہ کیسی ہے نوریہ کے ساتھ......؟"

"ٹھیک ہے......! وہ اور اس کا میاں دونوں اچھے ہیں، خیال رکھتے ہیں نوریہ کا......!" اس نے بتایا تو دادی کچھ مطمئن ہوئیں۔

"چلو شکر ہے......! کوئی تو دلجوئی کرنے والا ہے......!"

"لیکن دادی......! وہ ہر وقت تو ساتھ نہیں رہتے، ایک آدھ گھنٹے کے لیے آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔" وہ اس وقت نوریہ کی تنہائی اور پریشانی شدت سے محسوس کر رہا تھا۔

"ہر وقت کون ساتھ دے سکتا ہے بیٹا......! سب کی اپنی مجبوریاں ہیں، اب تم اپنی پھپھو کو ہی دیکھو بس خوشی، غمی میں ہی آ پاتی ہے یا پھر عید بقر عید پر۔ اب تو شکر ہے گھر گھر ٹیلی فون لگ گئے ہیں، آواز تو سن ہی لیتے ہیں، خیر خیریت بھی معلوم ہو جاتی ہے۔" دادی کو اپنی بیٹی کی یاد ستانے لگی تھی۔

"ہاں......! میں نے فون بھی نہیں کیا اسے......!" اس نے سوچتے ہوئے ٹائم دیکھا، رات کے دس بج رہے تھے تب وہ دادی کو شب بخیر کہہ کر اپنے کمرے میں آ گیا اور موبائل اُٹھا کر نوریہ کے نمبر پش کر دیے۔

''ہاں نومی......! کیسے ہو......؟'' ادھر نوریہ نے اس کا نام دیکھ کر کہا تو وہ دل گرفتگی سے بولا۔

''بہت برا......! تم یہی سوچ رہی ہو گی ناں......! کتنے دنوں سے نہ تمہارے پاس آیا نہ فون کیا۔''

''ہاں......! لیکن میں ایسا کچھ نہیں سوچ رہی......! میرا یقین کرنا نومی......! مجھے کسی سے کوئی شکایت نہیں......! ویسے آج دن میں جویریہ اور عباد بھائی آئے تھے اور امی تو خیر روزانہ فون کرتی ہیں۔'' وہ سیدھے سادے انداز میں بتا رہی تھی۔

''ہمایوں کیسے ہیں......؟'' اس نے رُک کر پوچھا۔

''ویسے ہی ہیں......! لیکن میں مایوس نہیں ہوں......! مجھے یقین ہے ہمایوں ضرور ٹھیک ہو جائیں گے......!'' وہ ہمایوں کے ٹھیک ہونے پر ضرور زور دیتی تھی۔

''انشاءاللہ......! اور میرے لائق کوئی خدمت......؟''

''ابھی تو نہیں......! لیکن یہ طے ہے کہ جب بھی ضرورت پڑی تمہیں ہی کہوں گی......!'' اس کے حق جتانے پر وہ ذرا سا مسکرایا۔

''اچھی بات ہے، اپنا خیال رکھنا......!'' پھر سیل آف کر کے بھی وہ دیر تک اسے ہی سوچتا رہا تھا۔

○○○

کام والی ماسی اپنا کام ختم کر کے جانے لگی تو روزانہ کی طرح نوریہ گیٹ بند کرنے کے ارادے سے اس کے پیچھے باہر آ گئی تو ماسی اس سے کہنے لگی۔

''بی بی......! تم مرشد سائیں کے پاس کیوں نہیں جاتیں......؟ اپنے میاں کی خاطر اتنا بھی نہیں کر سکتیں......؟''

''ہاں......! وہ تم نے بتایا تھا، میں سوچ رہی ہوں۔'' اس کا انداز ٹالنے والا تھا۔

''سوچنے میں وقت نہ گنواؤ بی بی......! اتنے دنوں سے ڈاکٹر کا علاج کرا رہی ہو، کوئی فرق نہیں پڑا تمہارے میاں کو، مرشد سائیں ایک ہی بار میں ٹھیک کر دیں گے۔ کوئی پیسے نہیں لیتے، بس دُعا کرتے ہیں، بڑا اثر ہے ان کی دُعا میں، دیکھنا......! دو دن میں اُٹھ کر بیٹھ جائے گا تمہارا میاں......!'' ماسی کا بس نہیں چل رہا تھا اسے ابھی کھینچ کر لے جائے۔

''اچھا......! کہاں رہتے ہیں وہ......؟'' اسے دو دن میں ٹھیک ہونے والی بات میں کشش نظر آئی تھی۔

''نواب شاہ سے کچھ آگے......سرداروں کے گاؤں میں......!'' ماسی نے بتایا تو وہ ذرا سا ہنسی۔

''میں وہاں کیسے جا سکتی ہوں......؟''

''بس سے یا ریل گاڑی سے......! کوئی اتنی دُور تو نہیں ہے، لوگ تو علاج کے لیے سات سمندر پار بھی جاتے ہیں، تمہارا کوئی بھائی وائی نہیں ہے، اس کے ساتھ چلی جاؤ......!'' ماسی بولے جا رہی تھی۔

''نواب شاہ سے آگے......سرداروں کا گاؤں......!'' وہ سوچتے ہوئے بولی۔

''ہاں......! کوئی مشکل راستہ نہیں ہے، آرام سے پہنچ جاؤ گی، نہیں تو مجھے ساتھ لے چلنا......!'' ماسی نے کہا تو چونک کر بولی۔

''ٹھیک ہے ماسی......! میں پروگرام بناتی ہوں پھر اگر تمہیں ساتھ لے جانا ہوا تو میں تمہیں بتا دوں گی اور سنو......! ہم ریل گاڑی یا بس سے نہیں بلکہ اپنی گاڑی سے جائیں گے۔''

''پھر تو ایک ہی دن میں ہو کر آ جاؤ گی بی بی......! اور دیکھنا......! ساری زندگی دُعائیں دو گی مجھے۔'' ماسی نے کہا تو اس نے مسکرانے پر اکتفا کیا پھر اسے بھیج کر اندر آ گئی اور سنجیدگی سے سوچنے لگی۔

یہ نہیں تھا کہ وہ بزرگوں اور ولیوں کو مانتی نہیں تھی، اسے یقین تھا کہ آج بھی کچھ اچھے نیک لوگ موجود ہیں جب ہی تو یہ دُنیا قائم ہے لیکن وہ ان لوگوں سے ڈرتی تھی جنہوں نے پیری مریدی کو کاروبار بنا رکھا تھا اور زیادہ ایسے ہی لوگ تھے جن کے جگہ جگہ اشتہار بھی لگے تھے اور ایسے اشتہاری لوگوں کے پاس جانے کا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اب ماسی نے جو بتایا تھا تو وہ یہ سوچ رہی تھی کہ ہو سکتا ہے وہ واقعی کوئی نیک بزرگ ہوں اور ان کی دُعا سے ہمایوں جلدی ٹھیک ہو جائیں۔

''میں جاؤں گی......! نومی سے کہوں گی وہ لے جائے گا......!'' آخر اس نے فیصلہ کر لیا اور اسی وقت نعمان کو فون کرنے جا رہی تھی کہ حاکم علی آ گیا جسے دیکھ کر وہ زبردستی مسکرائی اور اسے لاؤنج میں چھوڑ کر امی کو بلا لائی۔

السلام علیکم آنٹی......! کیسی طبیعت ہے آپ کی......؟'' حاکم علی نے فوراً بڑھ کر امی کو کندھوں سے تھام لیا پھر انہیں بٹھا کر کہنے لگا۔

''میں ابھی ڈاکٹر کے پاس سے آ رہا ہوں۔ ڈاکٹر ابرار آج رات ہمایوں کی فائل لے کر لندن جا رہے ہیں اور اس سے پہلے وہ نوریہ سے ملنا چاہتے ہیں۔''

''مجھ سے......!'' وہ اندر سے ٹھٹکی۔

''ہاں......! ان کا کہنا ہے کہ ایک بیوی اپنے شوہر کے بارے میں زیادہ بتا سکتی ہے اور میرا خیال ہے وہ ٹھیک کہہ رہے ہیں، کیوں آنٹی......!'' حاکم علی نے اپنا خیال ظاہر کر کے فوراً امی سے تائید چاہی۔

''ہاں......! تم چلی جاؤ......!'' امی نے اسے دیکھ کر کہا۔

''کہاں ہوتے ہیں ڈاکٹر ابرار......؟'' اس نے حاکم علی سے پوچھا۔

''اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو میں آپ کو لے چلتا ہوں......!'' حاکم علی امی کے سامنے بہت محتاط گفتگو کرتا تھا۔ اس سے پہلے امی بول پڑیں۔

''اعتراض کی کیا بات ہے بیٹا......! سب کچھ تم ہی کر رہے ہو اور یہ تمہاری مہربانی ہے......! جاؤ نوریہ......!''

"جی......! میں چینج کر کے آتی ہوں......!" وہ تیزی سے اپنے کمرے میں چلی گئی اور جب وہ ڈریس چینج کر کے واپس آئی تو حاکم علی نے فوراً امی سے اجازت لی، پھر اسے چلنے کا اشارہ کیا تو وہ خاموشی سے اس کے پیچھے باہر نکل آئی، بظاہر بہت پُرسکون لیکن اندر سے بے حد خائف کہ جانے اس شخص کی نیت کیا ہے اور اسے یہ جاننے کے لیے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ گاڑی مین روڈ پر لاتے ہی حاکم علی کہنے لگا۔

"سنو......! برامت ماننا......! میں تمہیں ڈاکٹر کے پاس نہیں لے جارہا۔"

"پھر......!" وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"بس تھوڑی سی آؤٹنگ......! تاکہ تم فریش ہو جاؤ......! بیمار ماحول میں تم خود بیمار لگنے لگی ہو اور یہ ٹھیک نہیں ہے......! تمہیں ابھی بہت ہمت کی ضرورت ہے۔" وہ محتاط انداز میں رُک رُک کر بول رہا تھا پھر دوبارہ میں اس پر نظر ڈال کر پوچھنے لگا۔

"تمہیں برا تو نہیں لگا......!"

"نہیں......!" وہ اپنی بے بسی پر ہنسی۔ حاکم علی نے چونک کر دیکھا تو وہ مزید ہنس کر کہنے لگی۔

"مان گئی تمہیں حاکم علی......! تم واقعی حیرت انگیز شخص ہو، سپر مین، پتا ہے......! آج میرا بھی دل چاہ رہا تھا کہ کچھ دیر کو ہی سہی میں اس بیمار ماحول سے دُور نکل جاؤں......!"

"اور دیکھو......! تمہارے دل کی بات جان کر میں چلا آیا......!" حاکم علی نے خوش ہو کر مزید اپنی اہمیت جتائی۔

"میں پہلے ہی اعتراف کر چکی ہوں کہ میں تمہیں مان گئی......! مزید کیا منوانا چاہتے ہو......؟" اس نے قدرے شوخی دکھائی تو حاکم علی کھسیا کر پوچھنے لگا۔

"یہ بتاؤ......! کہاں چلیں......؟"

"سی ویو......! سمندر کی ہوائیں میرا راستہ دیکھتی ہوں گی۔" وہ کہہ کر خود ہی محظوظ ہوئی تھی۔

"صرف راستہ ہی نہیں دیکھتیں ہر ایک سے تمہارا پتا بھی پوچھتی ہیں۔ مجھے بھی کئی بار روک کر پوچھا کہ اس لڑکی کو کب لے کر آؤ گے جس کے لیے تم ہماری طرح پاگل پھرتے ہو۔" حاکم علی نے اس کی بات گرفت میں لے کر کہا۔

"تمہارا پاگل پن بھی میری سمجھ میں نہیں آیا حاکم علی......! کیونکہ میں کوئی اتنی حسین و جمیل تو نہیں ہوں......!" وہ یکدم سنجیدہ ہو گئی تھی۔

"میری زندگی میں حسین و جمیل لڑکیوں کی کمی نہیں تھی۔ ایک سے بڑھ کر ایک آئی اور چلی گئی، میں نے پرواہ نہیں کی کیونکہ کسی نے میرے دل کو نہیں چھوا تھا۔ دل کو چھونے والی تم ہو نور......! تمہارے لیے میرا دل سودائی ہوا ایسا کہ مجھے خود پر اختیار نہیں رہا، پھر میں جتنا تمہاری طرف بڑھتا تم اسی قدر دُور بھاگ رہی تھیں جس سے میرا جنون بڑھتا گیا، تمہیں پانے کا جنون......!" حاکم علی سگریٹ سلگانے کے لیے

خاموش ہوا تو وہ بے اختیار اسے دیکھنے لگی۔

"ہوں......!" وہ گہرا کش لے کر پھر گویا ہوا۔

"میں تمہیں پوری سچائی اور ایمانداری سے بتا رہا ہوں نور......! کہ میرے دل میں تمہارے لیے جو احساسات جاگے تھے اس سے پہلے میں نے کبھی کسی کے لیے ایسا محسوس نہیں کیا تھا اور میں یہ اعتراف کرتا ہوں کہ تم میری اوّلین محبت ہو اور میں اپنی اوّلین محبت سے کسی قیمت پر دستبردار ہونے کو تیار نہیں تھا جب ہی تمہاری شادی کے بعد بھی میں نے تمہارا پیچھا نہیں چھوڑا کیونکہ مجھے یقین تھا کہ میری محبت ضرور ایک دن تمہارے دل تک رسائی حاصل کرلے گی۔" آخر میں وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر یوں مسکرایا جیسے کہہ رہا ہو، میرا یقین غلط تو نہیں تھا ناں، اور وہ اس وقت انکار کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی جب ہی مصلحتاً مسکرا کر اس کے یقین پر مہر ثبت کی تھی۔

○○○

"آجا تجھ کو پکاریں میرے گیت......!
میں تو مٹا ہوں تیری چاہ میں......!
آجا تجھ کو پکاریں......!"

دور سے آتی بانسری کی آواز چاندنی کے دل کو چھو رہی تھی اور اب تو یہ یقین بھی تھا کہ یہ دُھن اسی کے لیے چھیڑی گئی ہے۔ وہ اسے ہی پکار رہا ہے جیسے اس کی پکار میں تڑپ رہی تھی ویسے ہی وہ بھی تڑپ رہی تھی، کبھی گلاس وال کے ساتھ لگ کر دُور اندھیرے میں اسے دیکھنے کی کوشش کرتی، کبھی سوئی ہوئی کندن کے سر پر آ کھڑی ہوتی۔ دل چاہ رہا تھا اسے جھنجوڑ کر اُٹھا دے اور مسافر کے پاس چلنے کو کہے لیکن کندن اتنی گہری نیند میں تھی کہ اُٹھانے پر صرف حجت کر سکتی تھی، کہیں جانے پر آمادہ نہیں ہو سکتی تھی۔ جبکہ اس کا دل مچل مچل کر اس راستے پر چلنے کی ترغیب دے رہا تھا جہاں کانٹے ہی کانٹے تھے لیکن اب اسے کانٹوں کی پرواہ کب تھی۔ وہ کندن کو سوتا چھوڑ کر باہر نکل آئی اور تاروں کی مدھم روشنی میں مسافر کی جھونپڑی کی طرف چل پڑی۔ اس ساحر نے جانے کیا جادو کر دیا تھا کہ وہ سارے ڈر خوف سے آزاد ہو گئی تھی اور یوں قدم اُٹھا رہی تھی جیسے برسوں سے اس راستے پر چلتی چلی آرہی ہو۔ پھر جھونپڑی کے قریب رُک کر پہلے کی طرح اپنی سانسیں ہموار کیں اس کے بعد احتیاط سے پکارا۔

"مسافر......!" وہ بانسری بجانے میں مگن تھا اس کی آواز سنائی ہی نہیں دی۔

"تجھ کو پکاریں میرے گیت......!"

"مسافر......!" اس نے پھر پکارا اور جواب نہ پا کر جھونپڑی کے اندر آگئی تو پہلے تو کچھ نظر ہی نہیں آیا، آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کی کوشش کی پھر بانسری کی آواز پر دھیان رکھ کر ہاتھ بڑھایا اور ایک دم بانسری چھین لی۔

''کون......!'' مسافر بڑبڑا گیا۔

''چاندنی......!'' وہ ہنسی تو جیسے نقرئی گھنٹیاں بجنے لگیں۔

''تم......!'' وہ بے حد حیران ہوا۔

''تم......! کیسے آئیں......؟''

''جیسے پہلے آئی تھی......!'' وہ نیچے بیٹھی تو آپ ہی آپ ہاتھ اس کے گھٹنے پر رکھ دیا۔

''کوئی اور بھی ہے تمہارے ساتھ......؟'' مسافر نے اُٹھ کر پوچھا۔

''نہیں......! آج میں اکیلی ہی آئی ہوں......!'' وہ خوش ہوئی جیسے بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہو۔

''ڈر نہیں لگا......؟'' مسافر کی آواز آپ ہی آپ دھیمی ہو گئی تھی۔

''نہیں......! بس دل زمہ زمہ سے دھڑک رہا تھا......! ابھی بھی دیکھو......!'' اس نے ایک دم مسافر کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سینے پر رکھ دیا تو دھڑکنوں میں آگ سی دہک اٹھی۔

''یہاں، وہاں دونوں طرف۔''

اور تاروں بھری رات میں دو دل ہم آہنگ ہو کر اس سے آگے کی منزلیں طے کرتے ہوئے دُنیا و مافیا سے بے خبر ہو چکے تھے اور وہی نہیں ساری دُنیا بے خبر تھی۔ کسی نے نہیں دیکھا کہ سردار حاکم علی کی عزت، غیرت، حمیت اس تاریک جھونپڑی میں بکھر رہی تھی۔ شاید وقت انصاف کرنے جا رہا تھا۔

⊖ ⊖ ⊖

واپسی میں مسافر اُس کے ساتھ تھا۔ دونوں بیحد خاموش سر جھکائے چل رہے تھے۔ چاندنی کی چال غیر متوازن تھی، پیر رکھتی کہیں تھی پڑ کہیں رہے تھے۔ کتنی بار اُس کا پیر کسی پتھر پر یوں پڑا کہ وہ گرتے گرتے بچی اور ایسے میں مسافر نے اُسے رُک کر دیکھا ضرور لیکن تھاما نہیں اور اُس نے بھی سہارے کے لئے ہاتھ نہیں بڑھایا۔ شاید اندر سے دونوں ہی خائف تھے۔

''چاندنی......!'' کتنا راستہ طے کرنے کے بعد مسافر نے اسے ڈرتے ڈرتے پکارا۔

''ہوں......!'' خاموشی میں چاندنی کی ہلکی سی ''ہوں'' بھی واضح سنائی دی تھی۔

''تمہیں میرے پاس نہیں آنا چاہئے تھا۔'' مسافر نے یوں کہا جیسے کچھ اچھا نہیں ہوا۔

''ہوں......!'' وہ گم سم تھی۔

''چاندنی......!'' مسافر نے رُک کر ایک دم اُسے کندھوں سے تھام لیا۔

''تم بہت اچھی......! بہت معصوم ہو......! میں نے تمہارے ساتھ اچھا نہیں کیا، مجھے معاف کر دو......! میں اب تمہارے سامنے نہیں آؤں گا، یہاں سے دُور چلا جاؤں گا، بہت دُور......!''

''نہیں مسافر......!'' چاندنی تڑپ کر اُس کے سینے سے لگ گئی۔

''تم...... تم نہیں جانا......!''

''مجھے جانا ہوگا......!''

''کیوں......! کیوں جانا ہوگا......؟ مجھے چھوڑ کر جاؤ گے......؟ اپنی چاندنی کو۔'' وہ رونے لگی۔

''چاندنی......!'' مسافر نے اُس کا چہرہ ہاتھوں میں لے لیا۔

''تم میری چاندنی ہو......! سچ مچ میری ہو......!''

''ہاں......! میں تمہاری ہوں......! تم اگر مجھے چھوڑ کر گئے تو میں مر جاؤں گی۔'' وہ ہار گئی تھی۔

''اور سردار حاکم......! اسے پتا چل گیا تو......!'' مسافر نے اُس کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

''اس کا نام مت لو......! وہ میرا کچھ نہیں ہے، میں جیوں یا مروں اُسے پرواہ نہیں......! پھر میں

کیوں اُس کی پرواہ کروں......؟'' چاندنی کا انداز روٹھے بچے جیسا تھا۔

''پھر بھی چاندنی......! وہ تمہارا شوہر ہے اور کوئی معمولی آدمی بھی نہیں ہے۔'' مسافر خود خائف تھا۔

''میں بھی معمولی نہیں ہوں......!'' چاندنی نے فوراً گردن اکڑائی۔

''میں تمہاری نہیں اپنی بات کر رہا ہوں۔ سردار حاکم تو مجھے بیچ چوراہے پر اُلٹا لٹکا دے گا۔ اُس کے سامنے بھلا میری حیثیت ہی کیا ہے......؟'' مسافر نے اُسے حقیقت سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ سمجھنے کو تیار نہیں تھی، منہ موڑ کر چل پڑی تو وہ اُس کے پیچھے آ گیا۔

''چاندنی......! ناراض ہو گئی کیا......؟''

''ایسی باتیں کرو گے تو جاؤ......! نہیں ملوں گی تم سے......!'' وہ اور تیز چلنے لگی۔

''پگلی ہے تو......! تجھے دیکھے بغیر بھلا میں رہ سکتا ہوں......؟'' مسافر نے اُس کا راستہ روک کر ہاتھ جوڑ دیئے۔

''چل معاف کر دے......! آئندہ ایسی باتیں نہیں کروں گا، بلکہ یہ کہوں گا کہ کوئی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، سردار حاکم بھی نہیں......!''

''ہاں......! یہ کی ناں مردوں والی بات......!'' چاندنی نے سراہا تو وہ ہنس پڑا۔

''اچھا بس! اب تم جاؤ......! کہیں چوکیدار چکر لگاتا ہوا اِدھر نہ آ جائے......!'' وہ اُسے دھکیل کر بولی۔

''پھر کب آؤ گی......؟'' مسافر نے بے قراری سے پوچھا۔

''جب تم بلاؤ گے......!'' وہ کہہ کر تیزی سے پلٹی اور گھنے پیڑوں کے جھنڈ سے گزرتی ہوئی اندر آ گئی اور پہلے بوا جنتے کو سوتے ہوئے دیکھا پھر اپنے کمرے میں آ کر کندن کو دیکھنے لگی۔

کندن آنکھوں پر بازو رکھے لیٹی تھی۔ اُسے کچھ شبہ ہوا تو قریب آ کر دھیمی آواز میں پکارا۔

''کندن......!''

''بی بی صیب......!'' کندن فوراً اُٹھ بیٹھی۔

''آپ کہاں چلی گئی تھیں، مجھے بہت ڈر لگ رہا تھا۔''

''ڈرنے کی کیا بات ہے......! میرے کمرے میں ہے تو اور یہاں کیا اس پوری جاگیر میں کوئی چور ڈاکو نہیں آ سکتا۔'' وہ کہتی ہوئی اپنے بیڈ پر جا بیٹھی۔

''پر بی بی......! آپ گئی کہاں تھیں؟......'' کندن نے دوبارہ پوچھا۔

''کہیں نہیں......! یہاں کمرے میں دل گھبرا رہا تھا، پچھلے برآمدے میں جا کر ٹہلنے لگی۔ میں نے تجھے اُٹھایا بھی تھا، تیری نیند پکی تھی۔ خیر......! اب سو جا......! مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔'' اُس نے انگڑائی لے کر تکیہ سیدھا کیا اور کندن کو لائٹ آف کرنے کا کہہ کر لیٹ گئی۔

○○○

چاندنی کے اندر بس پہلے مرحلے پر ہی یہ احساس جاگا تھا کہ وہ حاکم علی کی منکوحہ ہے اور پہلے مرحلے پر ہی اُس نے سختی سے اس احساس کو دبایا تھا کہ جب حاکم علی کو اس کی پرواہ نہیں ہے تو وہ کیوں اُس کا خیال کرے اور اب زندگی کے نئے رُخ سے آشنا ہو کر تو وہ بالکل ہی فراموش کر بیٹھی تھی۔ کوئی ڈر کوئی خوف نہیں بس ہر پل مسافر کا خیال، سوتے جاگتے، اُٹھتے بیٹھتے اُسے ہی سوچتی رہتی۔ اُس کی باتیں، اُس کی نظروں کے پیغام، اُس کے ہاتھوں کا لمس، اُس کی تنہائیوں کو بھی مہکا گیا تھا۔ بیٹھے بیٹھے کھلکھلا کر ہنس پڑتی، عجیب دیوانگی کا عالم تھا۔ اس وقت وہ لان میں پھولوں سے باتیں کر رہی تھی جب کندن اُس کے پاس آ کر بولی۔

''بی بی صیب......! ایک بات کہوں......!''

''کہو......!'' وہ سرخ گلاب پر جھکی ہوئی تھی۔

''وہ جی......! میرا ابا کہہ رہا تھا کہ وہ بانسری والا روز روز کیوں آتا ہے......؟'' کندن نے کہا تو وہ ایک دم سیدھی ہو کر اُسے دیکھنے لگی۔

''کیوں......! تیرے ابا کو اس کے آنے سے کیا تکلیف ہوتی ہے......؟''

''نہیں جی......! میرے ابا کو تکلیف نہیں ہوتی، وہ کہہ رہا تھا آس پاس کے لوگ باتیں کرتے ہیں، پوچھتے ہیں کہ وہ کیوں آتا ہے......؟ اور منشی جی تو کہہ رہے تھے بڑے سردار صاحب کو خبر کریں گے۔''

کندن کی آخری بات پر وہ ٹھٹکی پھر ایک دم غصے میں آ گئی۔

''منشی کی اتنی جرأت......! میری شکایت کرے گا بڑے سردار سے......؟ میں اُسے اپنی جاگیر سے نکلوا دوں گی اور سن......! اپنے ابا سے بھی کہہ دے، میری ٹوہ میں نہ بیٹھا کرے اور تو کیا بتا نہیں سکتی کہ وہ مجھے بانسری سکھانے آتا ہے......؟''

''بتایا ہے بی بی صیب......! میں نے ابا کو بتایا ہے......!'' کندن سہم گئی تھی۔

''اور یہ بھی بتا دے میں اپنی مرضی کی آپ مالک ہوں، اپنی جاگیر میں کچھ بھی کروں کسی کو پوچھنے کا حق نہیں، بڑے سردار کو بھی نہیں، اور وہ منشی کا بچہ......! اُسے تو میں نہیں چھوڑوں گی، جا......! اپنے باپ سے کہہ ابھی منشی کو بلا لائے......!'' وہ بری طرح کھول رہی تھی۔

''بی بی صیب......! آپ غصہ نہ کرو......!'' کندن نے ڈرتے ڈرتے کہا تو وہ دانت پیس کر بولی۔

''میں نے تجھ سے جو کہا ہے وہ کر......!''

''جی......!'' کندن بھاگ گئی۔

''منشی سمجھتا کیا ہے اپنے آپ کو......؟ اس کی تو میں......'' وہ تلملا کر منشی کو گالیاں دینے لگی پھر اچانک احساس ہوا کہ وہ کیا کر رہی ہے، اس طرح تو سب لوگ اُس کے خلاف ہو جائیں گے۔ پھر وہ یہاں کیسے رہ سکے گی اور اگر سردار ہاشم علی تک بات پہنچ گئی تو وہ اُسے زبردستی اپنے ساتھ لے جائیں گے۔

"نہیں......! میں یہاں سے نہیں جاؤں گی۔ مجھے یہیں رہنا ہے اور یہاں رہنے کے لئے ان سب لوگوں کو اپنا بنائے رکھنا ہے۔" وہ ایک مسافر سے ہار کر کمزور پڑ رہی تھی۔ پھر جب کندن نے آ کر منشی جی کے آنے کا بتایا تو وہ انہیں بیٹھک میں بٹھانے کا کہہ کر سوچ میں پڑ گئی کہ وہ منشی جی سے کیسے اور کیا بات کرے گی۔ حقیقتاً اب وہ اندر سے خائف ہو گئی تھی۔ اپنے آپ میں اُلجھتی ہوئی بیٹھک میں آئی تو منشی جی کو دیکھ کر مزید پریشان ہو گئی کہ اس باریش بزرگ کے سامنے جھوٹ بولنا بھی آسان نہیں تھا۔

"السلام علیکم......!" وہ بمشکل سلام کر پائی۔

"جیتی رہ......! خوش رہ......!" منشی جی نے اُس کے سر پر ہاتھ رکھا پھر اپنے ساتھ بٹھا کر پوچھنے لگے۔

"اِدھر اپنے ماں باپ کے گھر میں خوش تو ہے ناں تو......!"

"جی......!"

"بڑے سردار صاحب پوچھتے رہتے ہیں مجھ سے کہ اپنی چاندنی کو کوئی تنگی، کوئی پریشانی تو نہیں ہے اور میں روز سوچتا ہوں آ کر تیری خیر خبر لوں......! پر حساب کتاب سے فرصت نہیں ملتی۔ ابھی چوکیدار بلانے آیا تو مجھے فکر ہوئی کہ پتا نہیں کیا بات ہے......؟ تو بتا......! کیوں بلایا ہے......؟" منشی جی نے اپنی بات کہہ کر پوچھا تو وہ سٹپٹا کر انہیں دیکھنے لگی۔

"بتا پتر......! کوئی پریشانی ہے......؟" منشی جی نے پھر اُس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"نہیں منشی جی......! پریشانی تو کوئی نہیں ہے بس ابھی تک آپ سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ آج میں نے سوچا آپ سے بھی مل لوں۔" وہ رُک رُک کر بول رہی تھی۔

"اچھا اچھا......!" منشی جی خوش ہو گئے، پھر کہنے لگے۔

"میرا بھی بڑا دل چاہتا تھا اپنے مالکوں کی بیٹی سے مل آؤں، پر کام پھر بڑھاپا، اب اتنا چلا بھی نہیں جاتا۔"

"میں معافی چاہتی ہوں منشی جی......! مجھے خود آپ کے پاس آنا چاہئے تھا۔" وہ نادم ہوئی۔

"ہاں ہاں......! جب تیرا دل چاہے آ جانا......! بلکہ آیا جایا کر، اکیلی گھبراتی ہو گی۔" منشی جی نے کہا تو وہ سوچ کر اصل بات کی طرف آ گئی۔

"پہلے بہت گھبراتی تھی منشی جی......! پر جب سے بانسری سیکھنے لگی ہوں تو اس میں دل لگ گیا ہے۔"

"تجھے بانسری بجانے کا شوق ہے......!" منشی جی نے دلچسپی سے اُسے دیکھا۔

"بہت......بہت شوق ہے......! سارا دن پریکٹس کرتی ہوں، شام میں وہ بانسری والا آ کر مجھے سکھا جاتا ہے۔ اب تو میں تھوڑی تھوڑی بجا بھی لیتی ہوں۔" وہ قصداً بچوں کی طرح خوش ہو کر شوق سے بتانے

لگی۔

"اچھا تو وہ تجھے بانسری سکھانے آتا ہے......!" منشی جی پرسوچ انداز میں بولے۔

"ہاں منشی جی......! بیچارہ غریب آدمی ہے، بتا رہا تھا کہیں جھونپڑی میں رہتا ہے، پر بانسری بہت اچھی بجاتا ہے۔ میں جب سیکھ جاؤں گی تو اُس سے بھی اچھی بجانے لگوں گی، ہے ناں منشی جی......!" وہ بہت چالاک ہو گئی تھی اور منشی جی بچپنا سمجھ کر مسکرا دیئے تھے۔

○○○

تمام عمر میں ہر صبح کی اذان کے بعد
اِک امتحان سے گزرا اِک امتحان کے بعد
خدا کرے کہ کہیں اور گردشِ تقدیر
کسی کا گھر نہ اُجاڑے مرے مکان کے بعد
دھرا ہی کیا ہے مِرے پاس نذر کرنے کو
ترے حضور مری جان! مری جان کے بعد

"میرے ہمایوں......!
تقدیر بھی میرے ساتھ کیسے کیسے مذاق کر رہی ہے کہ اب تمہیں مخاطب کرنے کے لئے مجھے قلم کا سہارا لینا پڑ رہا ہے۔ یاد ہے جب اوّلین شب تم نے حاکم علی کا نام لے کر مجھ سے منہ موڑ اتھا تو میں نے اپنی صفائی میں کچھ نہیں کہا تھا۔ یہ میری ضد تھی کہ جب میں نے کچھ کیا ہی نہیں، میرا کوئی قصور ہی نہیں تو میں صفائی کیوں پیش کروں اور قصوروار تو اب بھی میں نہیں ہوں لیکن حالات مجھے جس موڑ پر لے آئے ہیں اس کے لئے ضروری ہے کہ میں پہلے سے تمہیں آگاہ کر دوں ورنہ بعد میں شاید تم میرا یقین نہ کرو۔
تو ایسا ہے ہمایوں......! کہ......"

وہ نان اسٹاپ لکھتی چلی گئی، جانے کیا کچھ لکھ ڈالا۔ پھر وہ پیپر ہمایوں کی ڈاکومنٹس والی فائل میں رکھ کر خود کو اطمینان دلایا۔ اس کے بعد اپنی نند سعدیہ کو فون کیا تو وہ چھوٹتے ہی پوچھنے لگی۔

"خیریت بھابی......! بھائی کیسے ہیں......؟"

"ویسے ہی ہیں......! میں نے تمہیں اس لئے فون کیا ہے کہ تم ایک دو دن کے لئے یہاں آ جاؤ......!" اُس نے جواب کے ساتھ کہا۔

"خیریت......؟"

"ہاں......! میں اصل میں اپنی امی کے گھر جانا چاہتی ہوں۔ تم یہاں رہ جاؤ گی تو پھر میں بھی وہاں دو دن رہ سکوں گی۔ سب لوگ میری طرف سے بہت پریشان ہیں، سعدیہ......! تم سمجھ سکتی ہو......!" اُس کی آواز میں عاجزی سمٹ آئی۔

"جی بھابی......! میں سمجھتی ہوں۔ میں آجاؤں گی لیکن آج نہیں کل۔ آج گھر میں کچھ مہمان آئے ہوئے ہیں۔"

"ٹھیک ہے......! کل آجانا......!" اُس نے کہہ کر فون رکھ دیا پھر امی کے پاس آکر انہیں بتانے لگی کہ کل سعدیہ رہنے آئے گی تو وہ دو دن کے لئے اپنی امی کے گھر جائے گی۔ اس پر امی نے کوئی تبصرہ نہیں کیا تو وہ جز بز سی ہو کر پوچھنے لگی۔

"میں چلی جاؤں ناں امی......!"

"تمہاری مرضی......!" امی کا جواب اُس کے لئے غیر متوقع نہیں تھا پھر بھی اُسے دُکھ ہوا۔ واپس پلٹنے لگی تھی کہ امی پکار کر بولیں۔

"سنو......! صبح سردار حاکم کا فون آیا تھا۔ بتا رہا تھا آج ڈاکٹروں کی میٹنگ ہے ہمایوں کے سلسلے میں، تمہیں بھی جانا ہے، حاکم آتا ہوگا اُس کے ساتھ چلی جانا......!"

"جی......!" وہ اُن کے کمرے سے نکل آئی اور اپنے حلیے پر نظر ڈالی۔ صبح ہی کپڑے بدلے تھے اس لئے مزید تیاری کا نہیں سوچا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ ڈاکٹرز کا بہانا ہے۔

"کیسے کیسے لوگ ہیں......؟ پتا نہیں کیسے دوسروں کی مجبوریوں سے فائدہ اُٹھانے کا سوچ لیتے ہیں......؟ اُن کا ضمیر بھی ملامت نہیں کرتا...... ضمیر ہوتا کہاں ہے اُن کے پاس......؟ بے ضمیر ہوتے ہیں اور خدا بھی ایسے لوگوں کی رسّی دراز کئے جاتا ہے، پتا نہیں کب پکڑ ہوگی......؟" وہ حاکم علی کے آنے تک یہی سب سوچتی رہی۔ جب ہی اُسے دیکھ کر مروتاً بھی نہیں مسکرا سکی۔ حاکم علی خود ہی امی کے کمرے میں چلا گیا اور انہیں جانے کا بتا کر واپس آیا تو وہ بوجھل قدموں سے اُس کے ساتھ چل پڑی۔

"کیا بات ہے......! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے......؟" حاکم علی نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے اُسے دیکھا۔

"ہاں......! بس......!" وہ دل گرفتہ سی اسی قدر کہہ سکی۔

"کم آن یار......! ایسے اُداس اور مایوس مت نظر آؤ......! مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ میں تمہیں ہنستا کھلکھلاتا دیکھنا چاہتا ہوں اور اب تو تم میرے ساتھ ہو، تمہیں کسی بات کی پرواہ نہیں ہونی چاہئے۔"

"کیا کروں......! چاہتی تو میں بھی یہی ہوں کہ ہنسوں، کھلکھلاؤں، خوش رہوں لیکن میری ساس کو یہ گوارا نہیں ہے، جب ہی ایسی باتیں کرتی ہیں کہ میں پریشان ہو جاتی ہوں۔" وہ اب سنبھل کر بولی۔

"یہی تو میں کہہ رہا ہوں کہ کسی بات کی پرواہ مت کرو......!" حاکم علی نے پھر کہا۔

ٹھیک کہہ رہے ہو تم......! مجھے واقعی کسی کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے۔ خواہ مخواہ ہلکان پریشان ہوتی ہوں، بس اب نہیں ہوں گی۔" وہ اُس کی تائید میں کہہ رہی تھی۔

"گڈ......! اب بتاؤ......! کہاں چلیں......؟" حاکم علی نے خوش ہو کر پوچھا۔

"جہاں ہم سکون سے ڈھیروں باتیں کر سکیں......!" وہ کہہ کر شیشے سے باہر دیکھنے لگی جہاں ہمیشہ والی افراتفری تھی۔ ٹریفک کا شور، بھاگتے دوڑتے لوگ جو ہمیشہ اُسے وحشت زدہ لگتے اور اب یوں لگ رہا تھا جیسے ہر شخص خوش اور مطمئن ہے، بس ایک وہی ہے جس کا دل خوشی اور اطمینان سے خالی ہے۔

"کتنی اکیلی ہو گئی ہوں میں......!" وہ خود ترسی کا شکار ہونے لگی تھی لیکن پھر فوراً خود کو سرزنش کر کے سیدھی ہو بیٹھی اور کن اکھیوں سے حاکم علی کو دیکھا۔ کسی خوبصورت خیال کا عکس اُس کے چہرے پر جھلملا رہا تھا۔

"اگر میرے ہاتھ میں خنجر دے کر کسی ایک شخص کو قتل کرنے کو کہا جائے تو میں ایک لمحے کی تاخیر نہیں کروں گی اور خنجر اس شخص کے سینے میں اُتار دوں گی۔ پھر اُسے تڑپتا ہوا بھی ضرور دیکھوں گی۔" اُس نے سوچا پھر گاڑی رُکتے ہی فوراً نیچے اُتر آئی اور حاکم علی کا انتظار کئے بغیر چل پڑی۔

حاکم علی گاڑی لاک کر کے تیز قدموں سے اُس کے پاس آیا لیکن وہ قصداً انجان بنی رہی، پھر ریسٹورنٹ کے خوبصورت ماحول میں بیٹھتے ہی اُس نے خوشی کا اظہار کیا۔

"اچھا لگ رہا ہے......!"

تھینک گاڈ......! تمہیں اچھا لگا ورنہ میں ڈر رہا تھا کہیں تم یہاں آتے ہی مجھے گالیاں نہ دینے لگو......!" حاکم علی نے اطمینان سے ہو کر کہا تو وہ ہنس کر بولی۔

"اس خوبصورت ماحول میں گالیاں کچھ عجیب سی نہیں لگیں گی......!"

"ہوں......!" حاکم علی نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا تب ہی اُس کا موبائل بجنے لگا تو مینو کارڈ اُس کے سامنے رکھ کر جیب سے موبائل نکالا اور آن کر کے کان سے لگا لیا۔

"ہیلو......!"

"کہاں ہو سردار......!" دوسری طرف نشی تھی۔

"دُنیا کے سب سے حسین گوشے میں......!" حاکم علی نے کہا تو نوریہ کا سارا دھیان اُس کی طرف منتقل ہو گیا۔

"اکثر یہاں آتے ہوئے میرے دل میں یہ خواہش شدید ہوتی تھی کہ کاش......! وہ میرے ساتھ ہوتی اور اب وہی میرے ساتھ ہے تو سوچو......! میرے دل کا کیا عالم ہوگا......؟" پھر دوسری طرف کی بات سن کر کہنے لگا۔

"ہاں......! ایسا ہی لگ رہا ہے اور مجھے تو یہ بھی یقین ہے کہ جب ہم یہاں سے نکلیں گے تو تارے آسمان پر نہیں ہمارے راستوں میں جگمگا رہے ہوں گے۔"

"اوکے......! پھر بتاؤں گا......!" حاکم علی سیل آف کر کے اُسے دیکھنے لگا۔

"وہ مینو کارڈ پر نشان لگا رہی تھی، پھر کارڈ ویٹر کو تھما کر اُس کی طرف متوجہ ہوئی تو سرسری انداز میں

پوچھنے لگی۔

''کس کا فون تھا......؟''

''ایک دوست کا......!'' حاکم علی نے بتایا تو اُس نے مزید نہیں کریدا اور یوں ہی پہلے اطراف کا جائزہ لیا پھر اُسے دیکھ کر بولی۔

''میں کل اپنے پیرنٹس کے گھر جا رہی ہوں......!''

''ہمیشہ کے لئے......؟'' حاکم علی نے فوراً کہا تو وہ بمشکل اپنی ناگواری چھپا سکی۔

''نہیں......! ابھی تو بس دو تین دنوں کے لئے جاؤں گی......!''

''اور ہمیشہ کے لئے جانے کا کب سوچا ہے......؟'' حاکم علی نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''جب ہمایوں ٹھیک ہو جائیں گے......!'' اُسے خود پر بہت ضبط کرنا پڑ رہا تھا۔

''ہمایوں کے ٹھیک ہونے کا انتظار کیوں......؟'' حاکم علی کی حیرت بجا تھی۔

''کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ لوگ مجھے ظالم، بے رحم کہیں کہ میاں کی بیماری میں اُس کا ساتھ چھوڑ گئی۔'' اُس کی توجیح سن کر حاکم علی جھنجلا گیا۔

''لوگوں کو تو موقع چاہئے ہوتا ہے باتیں بنانے کا، تمہیں پرواہ نہیں کرنی چاہئے اور پھر کون سا تمہیں ہمایوں کی تیمارداری کرنے پر کوئی تمغہ مل جائے گا......؟''

''بات صرف لوگوں کی نہیں سردار......! میرے اپنے ضمیر کی بھی ہے، میں ضمیر کی ملامت نہیں سہ سکوں گی۔'' وہ بے بس نظر آنے لگی۔

''چلو......! مانتا ہوں لیکن ہمایوں کے ٹھیک ہونے کے بعد اُسے چھوڑنے کا کیا جواز ہے تمہارے پاس......!'' حاکم علی شاکی ہو رہا تھا۔

''یہ میرا اپنا فیصلہ ہے اور یہ میں نے اپنی نہیں ہمایوں کی بہتری سوچ کر کیا ہے کیونکہ جب سے اُس نے مجھ سے شادی کی ہے تب سے اُس پر پریشانیاں میری وجہ سے آ رہی ہیں۔ اُس کی امی اگر یہ بات کہتی ہیں تو ٹھیک ہی کہتی ہیں، میں نے خود بھی اس بات کو تسلیم کر لیا ہے، اس لئے میرا اُس کی زندگی سے نکل جانا ہی اچھا ہے۔ شاید ہم دونوں کے لئے یہی بہتر ہے۔'' وہ جو بہت دل گرفتہ ہو کر یہ باتیں سوچتی تھی، وہ حاکم علی کے سامنے بھی بیان کر دیں۔

''ہوں......! ہمایوں کے بارے میں تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن تمہارے لئے واقعی یہی بہتر ہے۔'' حاکم علی اُس کی آنکھوں میں دیکھ کر مسکرا دیا تو وہ نظریں جھکا گئی۔

○○○

سردی اپنے عروج پر تھی اور ایسے میں بادل بھی گھر گھر کر آ رہے تھے، کسی کسی وقت سورج بادلوں کی اوٹ سے جھانک کر گویا دن ہونے کا احساس دلاتا ورنہ تو یوں لگ رہا تھا جیسے شام گہری ہو گئی ہو اور ایسے

موسم میں چاندنی بڑی بے قرار پھر رہی تھی کیونکہ صبح ہی بے بے کا فون آیا تھا اور انہوں نے زینب کی شادی کا بتا کر اُسے آنے کو کہا تھا۔ وہ بھی زینب کی شادی میں ضرور جانا چاہتی تھی کیونکہ ایک وہی تو اُس کی سہیلی تھی، اُس کے دُکھ سکھ کی ساتھی، اُس کی ہمراز، اُسے ضرور جانا تھا لیکن اس سے پہلے وہ مسافر سے ملنا چاہتی تھی تا کہ اُسے بتا سکے کہ وہ کچھ دنوں کے لئے بڑی حویلی جا رہی ہے۔ بے بے سے اُس نے کہہ دیا تھا کہ وہ شام تک پہنچ جائے گی اور اس کے لئے اُسے دوپہر کا کھانا کھاتے ہی نکلنا تھا اس لئے سخت سردی کے باوجود وہ کندن کو ساتھ لے کر نکل پڑی۔ اُس پر یہی ظاہر کیا کہ وہ یوں ہی سردی کا مزہ لینے کی غرض سے ٹہلنے نکلی ہے۔

''بی بی صیب......! میں نے تو سنا ہے بڑے لوگ سردی میں کمرے سے باہر بھی نہیں نکلتے، ہیٹر کے آگے بیٹھے رہتے ہیں پر آپ......'' کندن کو اُس پر حیرت ہو رہی تھی جو سیاہ شال ایک کندھے پر ڈالے بڑے آرام سے چل رہی تھی۔

''تم نے ٹھیک سنا ہے......! پر مجھے نہ گرمیوں میں اے سی اچھا لگتا ہے نہ سردیوں میں ہیٹر، بے بے بھی مجھ پر بگڑتی تھی کہ میں اتنی سردی میں باہر کیوں نکلتی ہوں۔'' چاندنی نے راستے پر دھیان رکھ کر کہا۔

''وہاں آپ کس کے ساتھ جاتی ہو......؟'' کندن نے پوچھا۔

''وہاں میری سہیلی ہے زینب......! میں اُسی کی شادی میں جا رہی ہوں۔'' اُس نے بتایا تو کندن کہنے لگی۔

''آپ چلی جاؤ گی بی بی صیب......! تو میرا دل نہیں لگے گا۔''

''ارے......! میں کوئی ہمیشہ کے لئے تو نہیں جا رہی، جلدی آ جاؤں گی اور اگر تیرا دل چاہ رہا ہے تو تو بھی میرے ساتھ چل، چار پانچ دن میں واپس آ جائیں گے۔'' اُس نے کندن کا دل رکھتے ہوئے کہا۔

''دل تو چاہ رہا ہے بی بی صیب......! پر اماں روٹی ووٹی نہیں پکا سکتی، مجھے ہی پکانی ہوتی ہے۔'' کندن اپنی مجبوری پر کُڑھ کر بولی۔

''چل......! چار پانچ دن کی تو بات ہے، پھر میں آ جاؤں گی۔'' اُس نے کہا، پھر مسافر کی جھونپڑی دیکھ کر انجان بن کر بولی۔

''ارے......! یہ ہم کہاں آ گئے......؟''

''یہ تو بانسری والے کی جھونپڑی آ گئی بی بی......! واپس چلیں......!'' کندن رُک گئی۔

''ہاں......! لیکن ٹھہر......! میں مسافر کو بتا آؤں کہ میں بڑی حویلی جا رہی ہوں، نہیں تو وہ چکر لگاتا رہے گا۔'' وہ کہہ کر تیز قدموں سے جھونپڑی کے دروازے کی طرف آئی تو مسافر وہیں کھڑا تھا۔ اُسے دیکھ کر حیران ہوا۔

''چاندنی......! تم اس وقت......؟''

''ہاں......! میں بہت جلدی میں آئی ہوں، تمہیں یہ بتانے کے لئے کہ میں دوپہر میں یہاں سے جا رہی ہوں۔'' اُس نے جلدی سے بتایا تو مسافر پریشان ہو گیا۔

''کہاں جا رہی ہو......؟ کیوں جا رہی ہو......؟''

''سہیلی کی شادی میں جا رہی ہوں......! وہ اُدھر بڑی حویلی کے پاس رہتی ہے، میری بچپن کی سہیلی ہے، نہیں جاؤں گی تو ناراض ہو جائے گی۔''

''آؤ گی کب......؟'' مسافر نے فوراً پوچھا۔

''چار پانچ دن میں آ جاؤں گی......!'' اُس نے بتایا۔

''چار پانچ دن......؟'' وہ یوں بولا جیسے اُس نے مہینے سال کہا ہو۔

''اتنے دن میں تمہارے بغیر کیسے رہوں گا......؟''

''مجبوری ہے مسافر......!''

''اچھا دیکھو......! پانچ دن سے زیادہ نہیں......! بلکہ پانچویں دن تمہیں یہیں ہونا چاہیے، میں تو پاگل ہو جاؤں گا۔''

''اللہ نہ کرے......!'' اُس نے مسافر کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

''چاندنی......!'' وہ اُس کا ہاتھ چوم کر کہنے لگا۔

''میں اب ایک پل بھی تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا، سوچتا ہوں میرا کیا ہوگا......؟ اگر کسی دن سردار حاکم تمہیں اپنے ساتھ شہر لے گیا تو میری تو دُنیا ویران ہو جائے گی۔''

''نہیں مسافر......! اب مجھے میری مرضی کے بغیر کوئی کہیں نہیں لے جا سکتا، سمجھے تم......!'' چاندنی نے اُس کا کالر کھینچا۔

''سمجھ گیا......! تم بڑی جی دار ہو گئی ہو......!'' وہ مسکرایا۔

''تمہارے پیار میں......!'' وہ ہنسی پھر اُسے دھکیل کر بھاگتی ہوئی کندن کے پاس آ گئی۔

○ ○ ○

حاکم علی منیجر کو کچھ ضروری ہدایات دے رہا تھا کہ اچانک نشی آ گئی۔ وہ اُس کے آفس بہت کم آتی تھی، کبھی جب بہت ضروری بات یا کام ہوتا۔ حاکم علی اُسے دیکھ کر ٹھٹکا پھر منیجر کو بھیج کر باقاعدہ اُس کی طرف متوجہ ہو کر پوچھنے لگا۔

''خیریت......! تم یہاں کیسے......؟''

''تمہیں دیکھنے آئی ہوں......! شام میں تو تم ملتے نہیں......!'' نشی نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ حاکم علی دلکشی سے مسکرایا۔

''سچ بتاؤ سردار......! کیا واقعی تم نے نوریہ کو جیت لیا ہے......! آئی مین......! اُس کا دل......!''

نشی شاید یہ جاننے آئی تھی۔

''تمہیں کیا لگتا ہے......؟'' حاکم علی نے اُلٹا اُس سے پوچھا۔

''تمہارے چہرے، تمہاری مسکراہٹ سے تو یہی لگ رہا ہے لیکن......!'' نشی کچھ سوچنے لگی۔

''لیکن کیا......! اے......! بات پوری کرو......!'' حاکم علی نے اُس کے سامنے چٹکی بجائی۔

''رہنے دو سردار......! تم جیت کے نشے میں سرشار ہو، میں کچھ کہوں گی تو برا مان جاؤ گے......!''

نشی نے کہہ کر بات بدلنی چاہی لیکن حاکم علی نے ٹوک دیا۔

''تم وہی بات کرو......! کیا کہہ رہی تھیں......؟''

''میں یہ کہہ رہی تھی کہ تمہاری جیت تو ظاہر ہو رہی ہے لیکن اصل بات یہ ہے کہ نوریہ ہاری ہے کہ نہیں......؟'' نشی نے بظاہر سرسری انداز میں کہا۔

''نوریہ ہار گئی ہے نشی......! اور اُسے ہارنا ہی تھا، میری محبت میرے جذبوں کی شدتوں نے آخر اُس پتھر کو موم کر دیا ہے۔'' حاکم علی جوش سے بولا۔

''پھر تو واقعی تم جیت گئے......! اب یہ مت کہہ دینا سردار......! کہ یہ جیت تمہارا حق تھی۔'' نشی اندر سے بجھ گئی۔

''ہاہا......!'' حاکم علی نے بڑے دنوں بعد مخصوص قہقہہ لگایا پھر اُس کی آنکھوں میں دیکھ کر پوچھنے لگا۔

''کیا تم میرے جیتنے سے خوش نہیں ہو......؟''

''کیوں خوش نہیں ہوں......؟ بلکہ میں تو تم سے ٹریٹ کا مطالبہ کرنے والی ہوں۔'' نشی نے سنبھل کر گرم جوشی دکھائی۔

''ضرور ضرور......! میں تمہیں زبردست ٹریٹ دوں گا لیکن اس کے لئے تمہیں زیادہ نہیں، دو تین دن انتظار کرنا پڑے گا۔'' حاکم علی نے کہہ کر اپنی ریسٹ واچ پر ٹائم دیکھا۔

''کیوں......! ابھی کہیں جا رہے ہو کیا......؟'' نشی نے اُس کے ٹائم دیکھنے پر پوچھا۔

''ہاں......! اپنے گاؤں جا رہا ہوں۔ اصل میں نوریہ بھی دو تین دنوں کے لئے اپنے پیرنٹس کے پاس جا رہی ہے۔ ان دنوں میں اُس سے ملاقات تو ہوگی نہیں پھر میں یہاں رہ کر کیا کروں گا......؟'' حاکم علی کی توجیح سن کر نشی حیران رہ گئی۔

''تو تم صرف اس لئے جا رہے ہو کہ نوریہ سے ملاقات نہیں ہو سکے گی......؟''

''تم شاید جیلس ہو رہی ہو......!'' حاکم علی کی مسکراہٹ دل جلانے والی تھی۔

''میں جیلس نہیں ہو رہی سردار......! تمہاری خود غرضی پر ماتم کرنے کو دل چاہ رہا ہے یعنی ایک لڑکی کی خاطر تم نے باقی سارے رشتے ناطوں کو صرف فارمیلٹی کی مد میں رکھ چھوڑا ہے، شٹ......!'' نشی بری

طرح سلگ گئی۔

''کم آن یار......! تم جانتی تو ہو وہ میرے لئے کتنی اہم ہے اور جب سے اُس کا ساتھ ملا ہے تب سے میں کچھ اور سوچ ہی نہیں سکتا۔ پتا ہے آج صبح آنکھ کھلتے ہی پہلا خیال یہی آیا کہ میں تین دن اُسے نہیں دیکھ سکوں گا۔ کیسے گزریں گے یہ تین دن......؟ تب میں نے یہاں سے جانے کا سوچ لیا۔'' وہ نشی کی ملامت پر جھنجلا گیا۔

''تم یہی کر سکتے ہو......! کیونکہ تمہارے اندر حقائق تسلیم کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔'' نشی ہنوز خفا تھی۔

''مجھ میں یہ صلاحیت ہے یا نہیں......! مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے کیونکہ میں حالات کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال لیتا ہوں اور یہ صلاحیت ہر کسی میں نہیں ہوتی، یہ تو تم بھی تسلیم کرو گی۔'' وہ پھر اُس کی آنکھوں میں دیکھ کر مسکرایا۔

''ہاں......! میں تسلیم کرتی ہوں کہ تم حالات کو اپنے تابع کرنے میں جائز ناجائز کا فرق بھلا دیتے ہو۔'' نشی نے تاسف کا اظہار کیا۔

''کیا ناجائز کیا ہے میں نے......؟ بتاؤ......!'' حاکم علی غصے میں آ گیا۔

''بس سردار......! میں تم سے لڑنے نہیں آئی......! اپنے ہر عمل کے تم خود ذمے دار ہو، یہ میری غلطی ہے کہ میں جذباتی ہو کر تم سے اُلجھ جاتی ہوں، آئی ایم سوری......! آئندہ میں تمہارے کسی معاملے میں دخل نہیں دوں گی۔'' نشی نے ہاتھ اُٹھا کر اُسے ٹوکتے ہوئے کہا، پھر کھڑی ہوئی تھی کہ حاکم علی بول پڑا۔

''تم ابھی نہیں جاؤ گی......!''

''کیوں......؟'' نشی کی پیشانی پر ناگواری کی لکیریں اُبھر آئیں۔

''اس وقت میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں جو کہہ رہا ہوں، کیونکہ ابھی تم میرا مان نہیں رکھو گی۔ اس لئے ریکویسٹ کرتا ہوں، بیٹھ جاؤ......! چائے آ رہی ہے، میرے ساتھ ایک کپ چائے پی لو......!'' حاکم علی نے بہت دھیرج سے کہا۔ نشی نے یوں کندھے اُچکائے جیسے کچھ سمجھ نہ پا رہی ہو۔

''پلیز......!'' حاکم علی نے اصرار کیا۔

''تمہارا مقصد کیا ہے......؟'' نشی نے بیٹھ کر پوچھا۔

''تمہیں منانا......! ناراض ہو کر جاؤ گی تو میں گلٹی فیل کرتا رہوں گا، کیونکہ تم واحد لڑکی، بلکہ واحد ہستی ہو جس کی ناراضگی میں اَفورڈ نہیں کر سکتا۔'' حاکم علی کہہ کر سگریٹ سلگانے لگا۔ نشی گہری سانس کھینچ کر رہ گئی۔

○ ○ ○

''اسلام علیکم دادی......!'' نوریہ سیدھی دادی کے کمرے میں آئی، پہلے سلام کیا پھر بھاگ کر اُن

سے لپٹ گئی۔

''میں صدقے......! میں قربان......! آنکھیں ترس گئیں تھیں تمہیں دیکھنے کو، کیسی ہو......؟ تمہارا میاں کیسا ہے......؟'' دادی اُسے پیار کرنے کے ساتھ بولے چلی گئیں پھر اُس کا چہرہ ہاتھوں میں لیا تو آبدیدہ ہو گئیں۔

''اتنی سی عمر میں کیسے کیسے دُکھ جھیل رہی ہو......؟ وہ بھی اکیلے......!''

''اکیلے کیوں دادی......! آپ سب کی دُعائیں میرے ساتھ ہیں، آپ روئیں نہیں......! مجھے دیکھیں......! میں نے تو ہمت نہیں ہاری......! ہمایوں اچھے ہو جائیں گے پھر انشاءاللہ......! سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' وہ اُلٹا دادی کو تسلی دینے لگی۔

''انشاءاللہ......! میں تو ہر وقت دُعا کرتی ہوں، اللہ تمہاری مشکل کے دن کاٹے، تم سکھی رہو۔'' دادی نے پھر اُس کی پیشانی چومی۔

''آپ کی دُعائیں ضرور رنگ لائیں گی دادی......!'' وہ دادی کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی۔

کچھ دیر میں سب کو اُس کے آنے کی خبر ہو گئی تو سب ہی بھاگے چلے آئے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی دُور دیس سے مدتوں بعد لوٹی ہو۔ گو کہ تقریباً روزانہ ہی فون پر بات ہوتی تھی پھر بھی سب یہی ظاہر کر رہے تھے جیسے طویل عرصے بعد اُس سے ملاقات ہوئی تھی۔ اُس کا حال احوال، پھر ہمایوں کی خیریت، وہ سب کو اپنی طرف سے اطمینان دلاتی رہی۔ ہمایوں کے بارے میں اُس کا یقین ٹوٹا نہیں تھا۔

''ہمایوں انشاءاللہ......! بہت جلدی ٹھیک ہو جائیں گے......!'' وہ بار بار یہی کہتی رہی۔

پھر سارا دن وہ اِدھر سے اُدھر چکراتی رہی۔ کبھی امی کے پاس، کبھی دادی، کبھی جویریہ کے پاس بھاگتی، یوں کافی حد تک وہ بہل گئی تھی۔ سب سے مل کر، باتیں کر کے دل بھی ہلکا ہو گیا تھا ورنہ اتنے عرصے سے وہ اپنے آپ سے یا پھر بے خبر ہمایوں سے باتیں کر رہی تھی تو اُس کا دل مزید بوجھل ہو جاتا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے زندگی میں کچھ رہا ہی نہیں یا اس مقام سے آگے کچھ نہیں ہے۔ بس ایک خیال ہمایوں ٹھیک ہو جائیں، اس سے ہٹ کر وہ کچھ اور سوچتی ہی نہیں تھی۔ اب دل اور ذہن بوجھ سے آزاد ہوئے تھے تو وہ اور بھی بہت کچھ سوچ رہی تھی۔ پھر رات میں اُس نے امی ڈیڈی کے ساتھ ڈھیروں باتیں کیں، اس کے بعد نعمان کے پاس چلی آئی۔

''کیا ہوا......؟ نیند نہیں آ رہی......؟'' نعمان نے اُسے دیکھتے ہی کہا۔

''میں اتنی جلدی کہاں سوتی ہوں......؟ اور تم بھی ابھی نیند کا بہانا مت کرنا......! مجھے تم سے بہت ضروری بات بلکہ ضروری کام ہے۔'' وہ کہتے ہوئے چیئر کھینچ کر بیٹھ گئی۔

''ہاں کہو......! کیا کام ہے......؟'' نعمان ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔

''کام کوئی بہت مشکل نہیں ہے پھر بھی تم حجت کرو گے اس لئے پہلے وعدہ کرو کہ......'' اُس کی بات

ابھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ وہ بول پڑا۔

''اوہو......!تم کام بتاؤ......!''

''مجھے شہر سے باہر جانا ہے اور کسی کو پتا بھی نہیں چلنا چاہئے......!'' اُس نے فوراً کہہ کر نعمان پر نظریں جمادیں۔

''شہر سے باہر......! کہاں......؟'' نعمان اُلجھ گیا تھا۔

''یہ مت پوچھو......! بلکہ کوئی سوال مت کرو......! بس اتنا بتادو مجھے لے چلو گے یا میں کوئی اور انتظام کروں......!'' وہ بہت پُراسرار لگ رہی تھی، نعمان کچھ دیر اُسے دیکھتا رہا پھر دھیرج سے کہنے لگا۔

''دیکھو نور......! یہ طریقہ غلط ہے تم اگر رازداری برتنا چاہ رہی ہو تو میں وعدہ کرتا ہوں کسی کو کچھ معلوم نہیں ہوگا، لیکن میرے علم میں ضرور ہونا چاہئے کہ تم کہاں اور کس مقصد سے جارہی ہو، تاکہ اس دوران خدانخواستہ کوئی گڑبڑ ہو تو میں سنبھال سکوں ورنہ دوسری صورت میں تم سوچو میں کیا کہوں گا کہ نوریہ نے کہا اور میں اس کے ساتھ چلا آیا، کتنی عجیب سی لگتی ہے یہ بات......!'' وہ غلط نہیں کہہ رہا تھا جب ہی وہ جزبز ہونے لگی۔

''کیا سوچ رہی ہو......؟ کیا پہلے کبھی میں نے تمہارے اعتبار کو ٹھیس پہنچائی ہے جو اب تم اعتبار کرتے ہوئے ڈر رہی ہو......؟'' نعمان نے ٹوکا تو وہ نفی میں سر ہلا کر بولی۔

''یہ بات نہیں ہے نومی......! مجھے تمہاری حجت سے جھنجلاہٹ ہوتی ہے، خواہ مخواہ لیکچر دینا شروع کردو گے۔''

''میں ایسا کچھ نہیں کروں گا......! تم اصل بات بتاؤ......!'' نعمان نے اُسے یقین دلایا تب وہ ہتھیار ڈال کر کہنے لگی۔

''مجھے نواب شاہ سے کچھ آگے جانا ہے، وہاں گاؤں میں ایک بزرگ ہیں اور میں ہمایوں کے لئے اُن کے پاس جانا چاہتی ہوں۔''

''تمہیں اُن بزرگ کے بارے میں کس نے بتایا......؟'' نعمان نے پوچھا۔

''کسی نے بھی بتایا ہو، تم چلو گے یا نہیں......؟'' وہ جھنجلا کر بولی۔

''سوری......! غلطی ہوگئی......! میں بھول گیا تھا کہ مجھے کوئی سوال نہیں کرنا۔'' نعمان نے فوراً معذرت کرکے اُس کا موڈ ٹھیک کیا پھر پوچھنے لگا۔

''کب چلنا ہے......؟''

''میرے پاس یہی دو دن ہیں......! اس کے بعد تو میں گھر چلی جاؤں گی۔'' اُس کا انداز ایسا تھا جیسے ان ہی دو دنوں میں جو کرنا ہے کرو۔

''کل نہیں......! پرسوں اتوار ہے، ٹھیک ہے......! پرسوں چلیں گے۔'' نعمان نے سوچتے ہوئے

کہا۔

''کس وقت......؟''

''صبح ناشتے کے بعد نکلیں گے تو پھر اُمید ہے شام تک واپسی بھی ہوجائے گی اور جو کسی کو پتا نہ چلنے والی بات ہے تو اس کے لئے تم نے کیا سوچا ہے......؟ میرا مطلب ہے کیا کہہ کر گھر سے نکلیں گے......!'' نعمان نے پروگرام بنا کر پوچھا۔

''وہی......! ڈاکٹرز کا بہانا......!'' وہ بے اختیار کہہ کر نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا گئی۔

''ڈاکٹرز کا بہانا......!'' نعمان نہ سمجھنے والے انداز میں اُسے دیکھنے لگا۔

''ایک تو میں تم سے کوئی بات چھپا نہیں سکتی......!'' وہ جھنجلا گئی۔

''کیا چھپانا چاہتی ہو......؟'' نعمان اب ٹھٹکا۔ وہ بے بس ہوگئی۔

''کیا بتاؤں نومی......! میں بہت مشکل میں پھنس گئی ہوں، اپنے ہی گھر میں میرا کوئی اختیار نہیں کہ میں سردار حاکم علی کو وہاں آنے سے روک سکوں، وہ روزانہ دھڑ لے سے آتا ہے۔ میری ساس کو اُس نے مٹھی میں کرلیا ہے، یہ کہہ کر کہ وہ ہمایوں کا علاج کروائے گا اور اس سلسلے میں اُس نے میری ساس سے یہ کہا کہ ڈاکٹرز کی میٹنگ میں میرا موجود ہونا ضروری ہے۔ اس بہانے وہ دو تین بار مجھے اپنے ساتھ باہر لے گیا۔ میں منع بھی نہیں کرسکتی۔ میری ساس خود مجھے اُس کے ساتھ جانے کو کہتی ہیں کیونکہ وہ اُس کی اصلیت نہیں جانتیں اور ایسے حالات میں میں انہیں بتا بھی نہیں سکتی۔ وہ یہی کہیں گی کہ میں ہمایوں کا علاج نہیں چاہتی، پہلے ہی وہ مجھ سے متنفر ہیں، کچھ بھی کہہ سکتی ہیں۔'' وہ بہت بیچارگی سے بول رہی تھی۔

نعمان سناٹے میں آگیا۔



رات نوریہ کے جانے کے بعد نعمان نے سونے کی بہت کوشش کی لیکن ذہنی انتشار نے سونے نہیں دیا۔ حقیقتاً نوریہ کی باتیں سن کر وہ بے طرح پریشان ہوگیا تھا کہ سردار حاکم علی نہ صرف اُس کے گھر آنے لگا ہے بلکہ اُسے اپنے ساتھ باہر بھی لے گیا تھا اور نوریہ کی پوزیشن وہ سمجھ رہا تھا۔ اس معاملے میں وہ واقعی بے بس تھی اور ایسے حالات میں اُس کا وہاں رہنا بھی ٹھیک نہیں تھا۔ یہ بات اُس نے نوریہ کو سمجھانے کی کوشش بھی کی تھی لیکن اُس کی وہی ضد کہ ہمایوں کو اس حال میں نہیں چھوڑ سکتی۔ اس کے بعد وہ اُس کے سامنے تو خاموش ہوگیا تھا لیکن پھر رات بھر نہیں سو سکا۔ مسلسل یہی سوچتا رہا تھا کہ نوریہ کو حاکم علی سے کیسے نجات دلائے۔ ابھی آفس میں بھی اُس کا دھیان اس ایک بات میں اُلجھا ہوا تھا جب ہی وہ کوئی کام نہیں کر پارہا تھا۔ کبھی کوئی فائل اُٹھاتا، کبھی کوئی۔ آخر سب چھوڑ کر آفس سے نکل آیا۔

اُس کا ذہن بری طرح چیخ رہا تھا۔ گاڑی میں بیٹھ کر وہ اپنی کنپٹیاں دبانے لگا، تب ہی اچانک اُسے سہیل کا خیال آیا۔ نوریہ کی نند سعدیہ کا شوہر سہیل، جس سے ہاسپٹل میں اُس کی کئی بار ملاقات ہوئی

تھی اور کافی اچھی بات چیت رہی تھی۔

''مجھے سہیل کے سامنے یہ مسئلہ رکھنا چاہئے۔ اُس گھر کے کسی ایک فرد کے علم میں ضرور یہ بات ہونی چاہئے کہ حاکم علی کتنا خطرناک آدمی ہے اور ہمایوں کا دُشمن بھی۔'' اُس نے وہیں بیٹھے بیٹھے سہیل کو بتانے کے لئے تمام باتیں ذہن میں ترتیب دیں پھر اسی وقت اُس کے آفس جانے کا سوچ کر گاڑی اسٹارٹ کی لیکن بار بار کی کوشش کے باوجود گاڑی اسٹارٹ ہو کے نہیں دی۔ وہ جھنجلایا ضرور لیکن اپنا ارادہ ملتوی نہیں کیا اور روڈ پر آ کر رکشہ ٹیکسی دیکھنے لگا۔ چند لمحوں بعد ہی اُس کے قریب نشی کی گاڑی آن رُکی تھی۔

''ہیلو......!'' نشی نے اُس کی طرف کا گلاس گرا کر اُسے مخاطب کیا تو وہ بے دھیانی میں اُسے دیکھنے لگا۔

''یہاں آپ کو کنوینس نہیں ملے گی۔ آیئے......! میں ڈراپ کر دوں......!'' نشی نے اب اُس کی طرف کا دروازہ کھول کر کہا۔

''آپ......! السلام علیکم......!'' وہ اب پہچان کر بولا۔

''وعلیکم السلام......!'' نشی نے جواب کے ساتھ اُسے بیٹھنے کا اشارہ کیا، وہ مروتاً بیٹھ گیا۔

''کہاں جائیں گے......؟'' نشی نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

''چندریگر روڈ......! لیکن آپ اگر کسی اور طرف جا رہی ہیں تو مجھے اسٹاپ پر اُتار دیجئے، وہاں سے کنوینس آرام سے مل جائے گی۔'' وہ خود کو اَن کمفرٹیبل محسوس کر رہا تھا۔

''اتفاق سے میں اُسی طرف جا رہی ہوں......!'' نشی نے ویو مرر میں اُس پر نظر ڈالی، وہ خاصا بے چین لگ رہا تھا، آنکھیں بھی سرخی مائل ہو رہی تھیں۔

''آپ کچھ پریشان لگ رہے ہیں......؟'' نشی نے اب گردن موڑ کر اُسے دیکھا۔

''نہیں......! بس سر میں درد سا ہے......!'' وہ یہی کہہ سکتا تھا۔

''درد سا ہے......!'' نشی محظوظ ہوئی پھر اچانک یاد آنے پر پوچھنے لگی۔

''اور ہاں......! وہ آپ کی کزن کیسی ہے......؟ وہ جو ہاسپٹل میں تھی، وہ یا اُس کا شوہر......؟''

''اُس کا شوہر ابھی ٹھیک نہیں ہوا......!'' وہ جواب دینے پر مجبور تھا۔

''تو کیا ابھی تک ہاسپٹل میں ہے......؟'' نشی کو موضوع مل گیا تھا۔

''نہیں......! گھر شفٹ ہو گیا ہے، اب گھر پر ہی ٹریٹ منٹ ہو رہی ہے، دُعا کریں......!'' اُس نے کہا تو نشی دُعا کے ساتھ پوچھنے لگی۔

''اللہ بہتر کرے گا......! ہوا کیا ہے اُسے......؟ خدانخواستہ کوئی خطرناک بیماری تو نہیں ہے......؟''

''نہیں......! ایکسیڈنٹ ہوا تھا پھر وہ ہوش میں ہی نہیں آیا، کومے میں چلا گیا، ابھی تک اُسی حالت میں ہے۔'' نعمان افسوس سے بتا رہا تھا، نشی ایک دم پریشان ہو گئی۔

''ک...... کیا نام ہے اُس کا......؟''

''ہمایوں......!'' نعمان نے نام بتاتے ہوئے اُسے دیکھا وہ جیسے خود پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔ پھر بھی اُس کے ہونٹوں سے پھسل گیا۔

''ہمایوں......؟''

''آپ جانتی ہیں اُسے......! یعنی ہمایوں کو......؟'' نعمان نے سیدھے سادے انداز میں پوچھا۔

''ہاں......! نہیں......!'' وہ بوکھلا گئی پھر خواہ مخواہ وضاحت کرنے لگی۔

''میرا مطلب ہے میں بھی ایک ہمایوں کو جانتی ہوں، اس لئے میرا دھیان اُس کی طرف چلا گیا تھا۔''

''وہ کہاں ہوتا ہے......؟'' نعمان نے بلا ارادہ پوچھ لیا۔

''پتا نہیں......! بہت عرصے سے اُس سے ملاقات نہیں ہوئی، ویسے بھی ہماری کوئی خاص دوستی نہیں تھی بس ہم ایک ہی فرم میں جاب کرتے تھے۔'' نشی اب سنبھل کر بول رہی تھی، پھر بھی غلطی کر گئی۔ اس پر نعمان نے ٹوکا تھا۔

''آپ نے تو کہا تھا کہ آپ پابندی برداشت نہیں کر سکتیں، اس لئے جاب نہیں کرتیں......!''

''ہاں......! پھر بھی میں نے ایک تجربہ کیا تھا، بہت تھوڑے عرصے کے لئے......!'' نشی کہہ کر بات بدل گئی۔

''آپ کی یادداشت میری سمجھ میں نہیں آئی......! کہاں تو مجھے پہچانتے نہیں ہیں اور کہاں میری کہی بات بھی یاد ہے......!''

''نہ پہچاننے والی بات ٹھیک نہیں ہے......! بس یہ اتفاق ہے کہ جتنی بار آپ سامنے آئیں میں اپنے ہی کسی خیال میں تھا۔'' وہ صاف گوئی سے بولا تھا۔

''اچھا......!'' وہ ذرا سا ہنسی پھر معنی خیز انداز میں پوچھنے لگی۔

''ابھی جب میں نے آپ کے پاس گاڑی روکی تھی، آپ کس کے خیالوں میں تھے......؟''

وہ کیونکہ اُس کی طرف متوجہ نہیں تھا اس لئے اُس کی معنی خیزی محسوس نہیں کی اور سادہ انداز میں بتانے لگا۔

''میں اپنی اسی کزن کو سوچ رہا تھا۔ آئی مین......! ہمایوں کی مسز نوریہ......! وہ میری کزن تو ہے لیکن اس سے زیادہ ہم اچھے دوست ہیں اور میں اپنی اس دوست کے لئے پریشان ہوں، سمجھ میں نہیں آتا ایسا کیا کروں کہ اُس کا شوہر فوراً ٹھیک ہو جائے......؟''

''وہ بیچاری تو بہت پریشان ہوگی......؟'' نشی اندر سے گلٹی فیل کرنے لگی تھی۔

''ظاہر ہے......! بس......! یہاں سائیڈ میں روک دیں......!'' وہ مطلوبہ جگہ دیکھ کر اُدھر متوجہ ہو گیا

تھا۔نشی نے گاڑی روک دی۔

''تھینک یو......!'' وہ اُسے دیکھ کر اخلاقاً مسکرایا پھر اُترنے لگا تھا کہ نشی بول پڑی۔

''اگر آپ تھینک یو کے ساتھ سی یو بھی کہہ دیں تو مجھے خوشی ہوگی......!''

''اوکے......! سی یو......!'' وہ جلدی سے کہہ کر اُتر آیا اور پھر تیز قدموں سے اس چیمبر کی طرف بڑھنے لگا جہاں سہیل کا آفس تھا۔

○○○

چاندنی کی سج دھج دیکھنے والی تھی۔ وہ زینب کی مایوں میں جانے کے لئے بہت شوق سے تیار ہوئی تھی۔ بے بے بار بار اُس کی بلائیں لے رہی تھیں اور اُسے خوش دیکھ کر تو بے بے کو بہت اطمینان ہو گیا تھا ورنہ وہ بڑی خائف تھیں، جس طرح فون پر وہ اُن سے اُکھڑے اُکھڑے لہجے میں بات کیا کرتی تھی، اُس سے وہ یہی سمجھ رہی تھیں کہ وہ ناراض ناراض سی آئے گی لیکن اس کے برعکس وہ بہت خوش لگ رہی تھی۔ سارا دن چہکتی رہی اور اب تیار ہو کر بھی خوش ہو رہی تھی۔

''بے بے......! میں کیسی لگ رہی ہوں......؟''

''اللہ بری نظر سے بچائے......! تو تو شہزادی ہے چاندنی......!'' بے بے نے پھر اُس کی بلائیں لیں۔

''اچھا تو اب چلیں......! زینب انتظار کر رہی ہوگی۔''

''ہاں ہاں......! چل......!'' بے بے فوراً اُس کے ساتھ چل پڑیں۔

دن میں بھی وہ زینب کے پاس آئی تھی اور اب مایوں کی رسم کے بعد بھی وہ زینب کے پاس سے اُٹھنے کو تیار نہیں تھی۔ بے بے کہہ کہہ کر تھک گئیں لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

''آپ جاؤ بے بے......! بشیراں کو بھیج دینا پھر میں اُس کے ساتھ آ جاؤں گی۔'' اُس نے کہا، زینب نے بھی اُس کی تائید کی تو ناچار بے بے چلی گئیں۔

لڑکیاں ڈھولک پیٹ پیٹ کر گا رہی تھیں اور وہ زینب کے ساتھ سر جوڑے بیٹھی تھی۔ کتنی رات ہو گئی جب زینب کی اماں نے آ کر گانا بجانا بند کرنے کو کہا تب وہ اُٹھی تھی۔ بشیراں کے ساتھ گھر آئی تو بے بے سو چکی تھیں۔

اُس نے وہیں بیٹھ کر زیور اُتارے، پھر کپڑے بدلنے کی غرض سے اُوپر آ گئی اور جیسے ہی اپنے کمرے کا دروازہ کھولا اُس کا دل دھک سے رہ گیا۔ سامنے بیڈ پر حاکم علی سو رہا تھا۔

⊖⊖⊖

''یہ حاکم کب آیا......؟ کیوں آیا ہے......؟ کہیں بابا اور بے بے نے تو نہیں بلایا اسے، تاکہ مجھے یہاں رہنے پر زور دے سکے۔'' چاندنی اب یہی سوچ سکتی تھی۔ دل کو دھڑکا سا لگ گیا تھا۔

''نہیں......! میں یہاں نہیں رہوں گی۔ حاکم کے کہنے سے بھی نہیں، رعب جتائے یا پیار جتائے، مجھے اس کی بات نہیں ماننی اور یہ میرا ہے کون جو مجھے روکے گا......؟ کوئی نہیں روک سکتا مجھے......! میں واپس جاؤں گی۔'' وہ سوچتی ہوئی دوسرے کمرے میں آ گئی اور کپڑے بدلے بغیر سو گئی۔

صبح بہت دیر سے اس کی آنکھ کھلی تھی اور اُٹھتے ہی حاکم علی کا خیال آیا تھا جس سے وہ اندیشوں میں گھر گئی اور کچھ ڈرتے ڈرتے آ کر اپنے کمرے میں جھانکا، حاکم علی موجود نہیں تھا تب اس نے جلدی سے اپنے کپڑے اُٹھائے اور تقریباً بھاگتی ہوئی نیچے آ گئی۔

''اُٹھ گئی......! بس ابھی بشیراں کو بھیجنے والی تھی، بڑی دیر تک سوئی۔'' بے بے نے اسے دیکھ کر کہا۔

''رات سوئی بھی تو دیر سے تھی، حاکم کب آیا......؟'' اس نے جواب کے ساتھ پوچھا۔

''میں زینب کے گھر سے آئی تو آگے آیا بیٹھا تھا۔ ابھی تیرے بابا کے ساتھ زمینوں پر گیا ہے۔ کہہ رہا تھا بہنوں سے بھی مل کر آئے گا۔ شکر ہے اسے بہنوں کا خیال تو آیا۔ بیچاری اس کی شکل دیکھنے کو ترستی ہیں۔'' بے بے اون کا گولا لپیٹتے ہوئے بولے چلی جا رہی تھیں۔

''تو نے رات کپڑے نہیں بدلے......؟'' بے بے نے اسے دیکھ کر پوچھا۔

''نہیں......! ایسے ہی سو گئی تھی، اب بدل رہی ہوں......!'' وہ کہہ کر واش روم میں چلی گئی اور چینج کر کے نکلی تو کہنے لگی۔

''بے بے......! میں ناشتہ کر کے زینب کے پاس جاؤں گی......!''

''ہاں......! پہلے ناشتہ کر لے......! دیکھ بشیراں نے بنا لیا ہوگا اور اس سے کہنا حاکم کے لئے گاجر کا حلوہ بنا دے، شوق سے کھاتا ہے، تو بھی تو شوق سے کھاتی ہے۔'' بے بے کی بات اس نے نہیں سنی کیونکہ اسے چکر آ رہا تھا۔ بالوں میں اُنگلیاں پھنسا کر سر جھٹکا تو بڑے زور کی اُبکائی آئی، وہ فوراً واش روم بھاگی۔

''چاندنی......!'' بے بے پریشان ہوگئیں۔ فوراً گھٹنوں سے اون اُتار کر ایک طرف پھینکی اور چاندنی کے پیچھے آ کر اس کی پیٹھ سہلاتے ہوئے ان کی پریشانی خوشی میں بدل گئی۔ اپنے ہاتھوں سے اسے کلّی کرائی، اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے پھر اپنے دوپٹے سے اس کا چہرہ صاف کرتے ہوئے بولیں۔

''پریشان نہ ہو پتر......! خوشخبری ہے......!''

''خوشخبری......؟'' چاندنی پریشان ہوگئی۔

''کیا کہہ رہی ہو بے بے......! کیسی خوشخبری......؟''

''پگلی......! تیری گود بھرنے والی ہے۔ بچہ......! بچہ......! میں ابھی لڈو بانٹتی ہوں۔'' بے بے خوشی سے بوکھلا رہی تھیں، چاندنی کانپ گئی۔

''بچہ......؟''

''ہاں پتر......! اور یہ حاکما کہاں چلا گیا......؟ میں ابھی بلواتی ہوں اسے اور تیرے بابا کو......! تو آرام سے بیٹھ......! میں تیرے لیے ناشتہ ادھر ہی لے کر آتی ہوں۔'' بے بے اسے بٹھا کر جانے لگیں کہ اس نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''بے بے......! میری بات سنو......!''

''ہاں......! بول پتر......! کیا کھائے گی، کیا پیئے گی......؟'' بے بے اس وقت یہی سمجھ سکتی تھیں۔

''کھانے پینے کی بات نہیں ہے بے بے......! اب بیٹھو تو......'' اس نے بے بے کا ہاتھ کھینچ کر زمین پر بٹھایا تب وہ کچھ ٹھٹکیں۔

''کیا بات ہے دھیے......!''

''آپ اپنی خوشی دبا لو بے بے......! ابھی کسی کو نہیں بتانا۔ حاکم علی کو پتا چلے گا تو وہ مجھے جان سے مار دے گا۔'' چاندنی سہم کر بولی۔

''جان سے مار دے گا......! کیوں......؟'' بے بے ڈر گئیں۔

''کیونکہ......کیونکہ حاکم کو بچے اچھے نہیں لگتے۔ رات بھی مجھ سے کہہ رہا تھا کہ اگر تو بچہ پیدا کرے گی تو بچے کے ساتھ تجھے بھی جان سے مار ڈالوں گا۔'' وہ سوچ سوچ کر بول رہی تھی۔

''اس لیے میں نے اسے نہیں بتایا......! آپ بھی نہ بتانا ں بے بے......! وہ بڑا ظالم ہے......! مار ڈالے گا مجھے......!''

''کیوں مار ڈالے گا......؟ کوئی گناہ کیا ہے تو نے......؟ اور بچے تو اللہ کی رحمت ہوتے ہیں، میں تو کب سے دعائیں مانگ رہی ہوں، اللہ نے میری سن لی......! شکر ہے مولا......!'' بے بے دامن پھیلا کر شکر کرنے لگیں۔

چاندنی نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے اندر کسی گناہ کا احساس نہیں تھا۔ بس یہ خوف کہ کسی کو پتا نہ چل جائے۔

''پتر......!'' بے بے نے اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے لیا۔

''تو ڈر ناں......! میری دھی......! حاکم تجھے کچھ نہیں کہے گا، میں سمجھاؤں گی اسے۔''

''ناں......! ناں بے بے......! میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں، حاکم سے بات نہ کرنا نہیں تو میں زہر کھا لوں گی۔'' اس نے ہاتھ جوڑ کر آخر میں دھمکی دی۔

''ایسی باتیں کیوں کر رہی ہے چاندنی......!'' بے بے عاجز ہوگئیں۔

''آپ سمجھ جو نہیں رہیں......! آپ کو تو بس خوشی منانے کا شوق ہے، جاؤ......! مناؤ خوشی......! جب میرا جنازہ اُٹھے گا تب بھی آپ خوشی مناتی رہنا۔'' وہ رونے لگی۔

''ہائے ربا......! میں کیا کروں......؟ کیسا ظالم ہے حاکما......! کتنا ڈرا دیا میری دھی کو......! نہ رو چاندنی......! نہ رو پتر......! میں نہیں بتاؤں گی اس کو۔'' بے بے اسے بانہوں میں بھر کر تسلی دینے لگیں۔

''بس......! چپ کر جا......! اس حالت میں روتے نہیں......!''

''پہلے آپ قسم کھاؤ......! کسی کو نہیں بتاؤ گی......!'' وہ ہچکیوں کے درمیان بولی۔

''نہیں بتاؤں گی......! پر دیکھ تو حاکم کے ڈر سے کوئی اُلٹی سیدھی حرکت کر نہ بیٹھنا......! اللہ نے کرم کیا ہے، جاگیر کا وارث آنے والا ہے، تو احتیاط کرنا، سمجھ رہی ہے ناں......!'' بے بے اسے تاکیدیں کرنے لگیں۔

''مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے بے بے......!'' وہ واقعی ڈر رہی تھی۔

''کوئی ڈرنے کی بات نہیں ہے پتر......! میں ہوں ناں تیرے ساتھ......! پھر حاکم کون سا یہاں رہتا ہے۔ دو چار دن رہ کر چلا جائے گا پھر مہینوں بعد آتا ہے۔ اسے نہیں پتا چلے گا اور تو زیادہ وہم نہ کر۔'' بے بے نے اپنی ہتھیلیوں سے اس کے آنسو صاف کیے پھر ناشتہ لانے کا کہہ کر چلی گئیں۔

چاندنی کے لیے لاتعداد سوچوں کے در کھل گئے تھے ورنہ اس سے پہلے اسے خیال بھی نہیں آیا تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔

○ ○ ○

نوریہ نے فون کر کے سعدیہ سے ہمایوں اور اس کی امی کی خیر خیریت معلوم کی، اس کے بعد کھانا لگا کر امی کو پکارنے لگی۔

''امی......! آ جائیں......! پہلے کھانا کھا لیں......!''

''تم نے روٹی بھی بنا لی......! میں نے کہا تو تھا کہ میں......'' امی بولتی ہوئی آ رہی تھیں۔

''اوہو......! اب دو روٹیاں ڈالنے کے لیے میں آپ کو پکارتی، چلیں بیٹھ جائیں......!'' اس نے

امی کے لیے چیئر کھینچی۔ امی بیٹھ گئیں پھر کہنے لگیں۔

''دو چار دن کے لیے آئی ہو، کام سے لگ گئیں، آرام کر لیتیں......!''

''یہ میری عمر آرام کرنے کی نہیں ہے اور آرام طلبی تو مجھے پسند ہی نہیں ہے، آپ کو پتا تو ہے......!''

اس نے اپنی پلیٹ میں سالن نکال کر پھر امی کو دیکھا۔

''سب پتا ہے......! اور یہ میں اس لیے کہہ رہی ہوں کہ اب تم مہمان آئی ہو، پھر اپنے گھر میں سارے کام تو کرتی ہی ہو، مزید ہمایوں کی تیمارداری اور تھکا دیتی ہوگی۔'' امی سیدھے سادے انداز میں بول رہی تھیں پھر جانے کس خیال کے تحت پوچھنے لگیں۔

''بیٹا......! تم نے کیا سوچا ہے......؟''

''کس بارے میں......؟'' وہ بالکل نہیں سمجھی تھی۔

''کب تک ہمایوں کی بیماری سے لڑو گی......؟ پتا نہیں اسے ہوش آتا بھی ہے یا نہیں......! اگر ڈاکٹر پچاس فیصد اُمید دلاتے تب بھی کوئی بات تھی، یہاں تو بالکل اندھیر ہے۔'' امی نے دھیرج سے کہا جب ہی وہ ضبط سے سن رہی تھی اور اسی ضبط سے بولی۔

''بالکل اندھیر نہیں ہے امی......! ابھی تک ہم صرف ڈاکٹروں کے پیچھے بھاگتے رہے ہیں۔ ہومیو پیتھک، حکمت اور روحانیت کی طرف تو ہم آئے ہی نہیں، مجھے یہ سب آزمانے دیجیے، اس کے بعد بھی اگر نتیجہ صفر رہا تب میں ضرور کچھ سوچوں گی۔''

''بیٹا......! ہومیو پیتھک اور حکمت میں معمولی بیماری کا علاج اتنا لمبا ہوتا ہے پھر یہ تو......''

''یہ کوئی بیماری نہیں ہے......!'' وہ فوراً بولی۔

''جس کی کوئی حس کام نہیں کر رہی اور تم کہتی ہو یہ کوئی بیماری نہیں ہے......!'' امی اُلجھ کر بولیں۔

''تو کیا چاہتی ہیں آپ......! انہیں چھوڑ کر آجاؤں......؟ ایک بات بتائیں امی......! خدانخواستہ......! خدانخواستہ اگر یہ حادثہ عباد بھائی کے ساتھ ہوا ہوتا تو کیا آپ جویریہ سے بھی یہی کہتیں......؟ نہیں......! آپ نہ ڈیڈی......! کہنا تو دور کی بات، سوچتے ہوئے بھی ڈرتے کیونکہ عباد بھائی اپنے ہیں اور ہمایوں غیر......! لیکن وہ غیر آپ کے لیے ہوں گے میرے لیے نہیں......!'' اس کا دل بھر آیا۔ آواز بھی بھرا گئی تھی۔

''یہ بات نہیں ہے بیٹا......! تم سمجھتی کیوں نہیں......؟ آخر میں تمہاری ماں ہوں، سارا وقت تمہارے لیے کڑھتی رہتی ہوں، پہلے تمہارے ڈیڈی کہتے تھے تو مجھے برا لگتا تھا لیکن اب مجھے بھی یہی بہتر لگتا ہے تمہارے لیے......!'' امی کی اپنی آواز زندھی ہوئی تھی۔

''ٹھیک ہے......! آپ اور ڈیڈی بھی میری بہتری سوچتے ہیں لیکن میں نے کب آپ سے شکایت کی......؟ کب کہا کہ میں ہمایوں کی بے خبری سے یا اس گھر سے تنگ ہوں......؟ میں اگر وہاں خوش

نہیں تو ناخوش بھی نہیں ہوں، آپ خواہ مخواہ میرے لیے مت کڑھا کریں۔ وہاں بھی یہی روٹین ہے جو آپ کے گھر کی ہے، میں سارا وقت روتی نہیں رہتی جو یہاں آپ پریشان ہوں۔'' اس کی ساری توانائیاں اپنی آواز کو نارمل رکھنے میں صرف ہو رہی تھیں کیونکہ وہ رونا نہیں چاہتی تھی۔

''اچھا......! چلو کھانا کھاؤ......!'' امی اندر ہی اندر پچھتائیں کہ اس وقت کیوں یہ ذکر چھیڑ دیا۔

''میں کھا رہی ہوں......!'' اس نے خاموشی سے دو تین نوالے کھائے پھر کہنے لگی۔

''آپ میری زیادہ فکر نہ کیا کریں امی......! میں اپنے گھر میں آرام سے ہوں اور یہ میں آپ کو بتا رہی ہوں کہ مجھے کسی نے ایک بزرگ کے بارے میں بتایا ہے تو اب میں نے ان کے پاس جانے کا سوچا ہے۔''

''کس نے بتایا ہے......؟'' امی اسے حیران ہو کے دیکھنے لگیں۔

''اس بات کو چھوڑیں......! یہ بتائیں......! آپ دُعاؤں پر تو یقین رکھتی ہیں ناں......!'' اس نے اُلٹا سوال اُٹھایا۔

''کیوں نہیں......! دُعائیں تو تقدیریں بدل دیتی ہیں لیکن شاید اب ہمارے دل مردہ ہو گئے ہیں جب ہی ہماری دُعاؤں میں اثر نہیں رہا۔'' امی نے آخر میں مایوسی کا اظہار کیا۔

''لیکن امی......! جن کے دل یادِ الٰہی سے منور ہوں ان کی دُعائیں ضرور قبول ہوتی ہیں اور ابھی دُنیا میں ایسے لوگ موجود ہیں۔ میں ایسے ہی ایک نیک بزرگ کے پاس جا رہی ہوں، کل صبح نوی کے ساتھ جاؤں گی۔ میں نے آپ کو بتانا ضروری سمجھا لیکن آپ ابھی کسی سے ذکر مت کیجیے گا......!'' اس نے امی کو قائل کرنے کی سعی کرتے ہوئے اپنے جانے کا بتایا۔

''وہ تو ٹھیک ہے......! لیکن تم ان نیک بزرگ کے بارے میں بھی تو بتاؤ......! کہاں رہتے ہیں اور تم انہیں کیسے جانتی ہو......؟'' امی اسے جانے سے روک نہیں سکتی تھیں لیکن اپنی تسلی بھی کرنا چاہتی تھیں۔

''ابھی میں کچھ زیادہ نہیں جانتی۔ ہاں......! جب ان سے مل کر آؤں گی تب تفصیل سے ایک ایک بات آپ کو بتاؤں گی، آپ پریشان نہ ہوں یوں بھی میں نوی کے ساتھ جاؤں گی۔'' وہ خود اطمینان سے تھی۔

''اور جو تمہارے ڈیڈی پوچھیں گے، کیونکہ کل چھٹی کا دن ہے، تمہارے ڈیڈی گھر پر ہی ہوں گے۔'' امی فکرمند ہو گئیں۔

''ڈیڈی کو میں خود بتا کر جاؤں گی کہ میں نوی کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس جا رہی ہوں۔'' وہ خود سارا پلان کر چکی تھی اس لیے آرام سے ہر بات کا جواب دے رہی تھی۔ امی کچھ دیر اسے دیکھتی رہیں پھر کہنے لگیں۔

''تمہیں کیا کچھ کرنا پڑ رہا ہے، اللہ تمہاری مدد کرے......! تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو......!''

''آمین......!'' وہ مسکرائی پھر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم نے کھانا تو ٹھیک سے کھایا نہیں......!" امی نے اس کی پلیٹ میں سالن اور آدھی روٹی کی طرف اشارہ کیا۔

"بس......! کھالیا امی......! اور اب میں جویریہ کے پاس جارہی ہوں۔" وہ کہتی ہوئی چلی گئی۔

○○○

نوریہ نے ڈیڈی کو یہی بتایا تھا کہ وہ نعمان کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس جارہی ہے پھر وہاں سے وہ اپنے گھر چلی جائے گی کیونکہ واپسی کا کچھ پتا نہیں تھا۔ شام بھی ہوسکتی تھی اور ایسی صورت میں پیچھے سب پریشان ہوتے کہ وہ ابھی تک کیوں نہیں آئی۔ پھر بار بار سیل پر فون کیا جاتا اس لیے اس نے واپسی میں اپنے گھر جانے کا کہہ کر امی، ڈیڈی کو انتظار سے بچالیا تھا جبکہ نعمان کچھ خائف تھا کیونکہ اسے اپنے پاپا کے سامنے سارا دن غائب رہنے کا جواز پیش کرنا تھا۔ بہر حال دونوں ناشتے کے فوراً بعد نکل آئے تھے اور تقریباً بارہ بجے نواب شاہ پہنچ کر نعمان نے گاڑی روک دی۔

"کیا ہوا......؟" نوریہ اپنی سوچوں میں تھی، گاڑی رُکنے پر چونک کر نعمان کو دیکھنے لگی۔

"نواب شاہ آگیا......! اب بتاؤ......! کہاں جانا ہے......؟" نعمان نے پوچھا تو اس نے پہلے اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں پھر اسے دیکھ کر کہنے لگی۔

"دیکھو......! مجھے کچھ پتا نہیں......! بس اتنا معلوم ہے کہ سرداروں کے گاؤں جانا ہے اور وہاں مرشد سائیں کے پاس، تم نیچے اُتر کر کسی سے پوچھ لو اور اگر یہ کام تمہیں مشکل لگ رہا ہے تو میں......"

"بس بس......! بیٹھی رہو آرام سے......!" نعمان اسے ٹوک کر اُتر گیا۔ وہ اسے دیکھنے لگی۔ دو تین آدمیوں سے بات کر کے وہ واپس آیا تو فوراً پوچھا۔

"معلوم ہو گیا......؟"

"ہوں......! زیادہ دُور نہیں ہے......! دس منٹ میں پہنچ جائیں گے۔" نعمان نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے بتایا، پھر کہنے لگا۔

"دیکھو......! زیادہ دیر مت رُکنا، واپس بھی جانا ہے، شام سے پہلے پہنچ جائیں تو اچھا ہے۔"

"انشاء اللہ......! شام سے پہلے پہنچ جائیں گے۔" وہ کہہ کر آس پاس لہلہاتے کھیت دیکھنے لگی۔

گاڑی پگڈنڈی پر ہچکولے کھاتی ہوئی چل رہی تھی۔

"خوبصورت گاؤں ہے، شاداب، پُرسکون، ہے ناں نومی......! کتنا اچھا لگ رہا ہے۔" وہ خوش ہو رہی تھی۔

"ہوں......!" نعمان کا سارا دھیان راستے پر تھا پھر مطلوبہ جگہ گاڑی روک کر اس نے پہلے اطراف کا جائزہ لیا اس کے بعد اسے مخاطب کر کے بولا۔

"نور......! میرا خیال ہے ہم ٹھیک جگہ پہنچ گئے ہیں۔ وہ سامنے جو احاطہ نظر آرہا ہے شاید وہی ان

بزرگ کا آستانہ ہے، کیا خیال ہے......؟ میں پہلے جا کر دیکھ آؤں......!"

"نہیں......! میں بھی چلتی ہوں۔" وہ کہہ کر فوراً اُتر گئی اور دوپٹہ پھیلا کر سر پر اوڑھا، پھر نعمان کے ساتھ چل پڑی۔ دونوں احاطے میں داخل ہوئے تو وہاں کافی لوگ بیٹھے تھے جن میں عورتیں بھی تھیں۔ نوریہ کی نظریں ان سب میں نورانی چہرہ تلاش کرنے لگیں۔

"تم وہاں عورتوں کے ساتھ بیٹھ جاؤ......!" نعمان نے کہا۔ وہ چونکی پھر نفی میں سر ہلا کر بولی۔

"نہیں نومی......! اس طرح تو باری کے انتظار میں ہمیں یہیں شام ہو جائے گی، سیدھا مرشد کے پاس چلو......! وہ شاید حجرے میں ہیں، آؤ......!" نعمان حجرے کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے بھی تقلید کی اور جیسے ہی دروازے تک پہنچے ایک آدمی نے ان کا راستہ روک لیا۔

"ابھی اندر جانے کی اجازت نہیں ہے باؤ......!"

"آنے دے کریم بخش......! آنے دے......! مہمان دُور سے آئے ہیں......!" اندر سے مرشد سائیں کی آواز آئی تھی۔ نوریہ نے حیران ہو کر نعمان کو دیکھا تو اس نے آنکھوں سے اندر چلنے کا اشارہ کیا۔

"السلام علیکم......!" دونوں نے ادب سے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام......!" مرشد سائیں نے جواب دینے کے ساتھ ہاتھ سے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ نعمان دوزانو بیٹھ گیا جبکہ نوریہ کی سمجھ میں نہیں آیا بس گم سم سی مرشد سائیں کو دیکھے جارہی تھی۔

"کیا نام ہے تیرا......!" مرشد سائیں نے نوریہ سے پوچھا، ان کے چہرے پر بہت نرم مسکراہٹ محسوس ہو رہی تھی۔

"نور......نوریہ......!" وہ بے حد مرعوب تھی۔

"ہاں تو نوریہ پتر......! یہاں آکر بیٹھ......!" مرشد سائیں نے چٹائی کی طرف اشارہ کیا تو وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی وہیں جا بیٹھی اور کن اکھیوں سے نعمان کو دیکھا، وہ بہت متاثر نظر آرہا تھا۔

"کیا پریشانی ہے......؟" مرشد سائیں نے نوریہ کے سر پر ہاتھ رکھا تو جانے کیا ہوا، اس کی آنکھوں میں آنسو جمع ہو کر قطرہ قطرہ اس کی گود میں گرنے لگے۔

"روتی کیوں ہے......؟ تجھے تو اللہ نے بڑی ہمت دی ہے، اللہ اپنے ہمت والے بندوں کو آزماتا ہے، آزمائش میں روتے نہیں ہیں۔" مرشد سائیں بہت نرم لہجے میں بول رہے تھے۔ نوریہ نے پلکیں اٹھائیں تو آنسو رخساروں پر لکیریں بناتے چلے گئے۔

"نہ پتر......! رو ناں......! اللہ پر بھروسہ رکھ......!" مرشد سائیں نے اس کا سر تھپک کر حوصلہ دیا۔ نوریہ بولنا چاہتی تھی لیکن حلق میں آنسوؤں کا گولا اٹک گیا تھا۔ وہ نعمان کو دیکھنے لگی۔

"اس کا شوہر بیمار ہے......!" نعمان اس کے دیکھنے سے سمجھ کر بتانے لگا۔

''بالکل بستر پر پڑا ہے......! بہت علاج کرایا، اب ڈاکٹر کہتے ہیں اسے دوا سے زیادہ دُعا کی ضرورت ہے، ہم اس لیے آپ کے پاس آئے ہیں۔''

''اللہ رحم کرے گا......!'' مرشد سائیں نے اسی قدر کہا اور تسبیح ہاتھ میں لے کر جیسے مراقبے میں چلے گئے۔

نوریہ اور نعمان کبھی ایک دوسرے کو دیکھتے کبھی انہیں دیکھنے لگتے۔ ان کی آنکھیں بند تھیں اور ہونٹ دھیرے دھیرے ہل رہے تھے۔ کتنی دیر بعد مرشد سائیں نے آنکھیں کھولیں اور قریب رکھی پانی کی بوتل میں پھونک مار کر نوریہ کی طرف بڑھاتے ہوئے بولے۔

''یہ پانی پلا دینا......! اور ہاتھ میں لے کر پورے بدن پر چھینٹے ڈال دینا......!''

''وہ اس سے ٹھیک ہو جائیں گے ناں......!'' نوریہ نے بڑی آس سے پوچھا۔

''اللہ شفا دینے والا ہے......! اس پانی پہ یقین نہ رکھ، اللہ پر یقین رکھ، وہی مشکل میں ڈالتا ہے اور وہی نکالتا ہے، بندے کا کوئی اختیار نہیں، جا......! تجھے دُور جانا ہے۔'' مرشد سائیں نے کہا، وہ کچھ حیران ہوئی پھر اُٹھ کر پوچھنے لگی۔

''مجھے پھر بھی آنا ہے......؟''

مرشد سائیں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تسبیح میں مصروف ہو گئے تو وہ سلام کر کے نعمان کے ساتھ باہر نکل آئی۔ سردیوں کی دُھوپ بدن کو اچھی لگ رہی تھی۔

''میرا دل چاہ رہا ہے نومی......! یہاں سے پیدل واپس چلیں۔'' وہ گاڑی کے پاس رُک کر بولی۔

''پتا ہے......! تم بڑی ہمت والی ہو، جا سکتی ہو پیدل، لیکن میں نہیں چل سکتا۔'' نعمان نے مسکرا کر اس کی ہمت کو جتایا پھر گاڑی میں بیٹھ گیا۔

''تم تو خیر ہمیشہ سے کم ہمت ہو......!'' نوریہ نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ نعمان نے کندھے اُچکا کر گاڑی آگے بڑھا دی۔

''سنو......!'' کافی دیر بعد وہ نعمان کو متوجہ کر کے پوچھنے لگی۔

''کیسے لگے تمہیں مرشد سائیں......!''

''سچ بتاؤں......! زندہ ولی ہیں۔ میرا وہاں سے اُٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا اگر تم ساتھ نہ ہوتیں تو شاید میں کچھ دن وہیں رُک جاتا۔ خیر......! میں پھر آؤں گا، بار بار آؤں گا۔'' نعمان عقیدت کا اظہار کر رہا تھا اور وہ مرشد سائیں کی دی ہوئی بوتل کو یوں دیکھ رہی تھی جیسے اس کے ہاتھ آبِ حیات آ گیا ہو۔



حاکم علی بے بے کو پکارتا ہوا کمرے میں آیا تو پہلے نظر چاندنی پر پڑی جو لحاف میں دبکی بیٹھی تھی اور جانے سردی سے یا بخار سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

''تمہیں کیا ہوا ہے......؟'' حاکم علی نے بلا ارادہ ہی چاندنی سے پوچھا۔

''کچھ نہیں......! کچھ نہیں ہوا اسے......! سردی ہے ناں......!'' بے بے فوراً بولیں۔

''ہاں......! سردی تو ہے، ہیٹر آن کر لیں......!'' وہ اب بے بے کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

''چاندنی کو اچھا نہیں لگتا ہیٹر، ٹھٹھرتی رہتی ہے پر ہیٹر نہیں چلانے دیتی۔'' بے بے کے لہجے میں چاندنی کے لیے پیار تھا۔ حاکم علی جھنجھلا گیا۔

''اسے اگر سردی میں مرنے کا شوق ہے تو اُوپر چلی جائے، آپ اپنا کمرہ گرم رکھا کریں۔'' حاکم علی نے کہہ کر ہیٹر آن کر دیا۔ چاندنی نے کوئی توجہ نہیں دی، یوں بھی وہ اس کے دل سے اُتر چکا تھا۔

''اچھا تو تو ابھی رہے گا ناں......؟'' بے بے نے حاکم علی کا دھیان بٹانے کی غرض سے پوچھا۔

''نہیں بے بے......! بس تھوڑی دیر میں نکل رہا ہوں۔'' وہ تین دن میں بیزار ہو گیا تھا۔

''تیرا یہاں دل کیوں نہیں لگتا حاکم......! کیا تو ساری زندگی اُدھر ہی رہے گا، بال بچوں کے بغیر......؟'' بے بے نے عاجز ہو کر کہا۔ چاندنی سہم کر انہیں دیکھنے لگی۔

''ہاں......! بچے بھی آ جائیں گے بے بے......! بس آپ دُعا کریں۔'' حاکم علی کی نظروں میں چھم سے نوریہ آن سمائی تھی۔

''کیا دُعا کروں......! چاندنی گئی تو تھی تیرے پاس......! پھر تو اسے واپس کیوں چھوڑ گیا......؟'' بے بے یہی سمجھ سکتی تھیں۔

''اوہو......! بے بے......! میں اس کی بات نہیں کر رہا۔ مجھے اس جیسے گنوار بال بچے نہیں چاہئیں، میں عنقریب وہیں شہر میں شادی کروں گا، آپ اس کے لیے دُعا کریں۔'' وہ جھلا گیا۔

''ہائے حاکم......! یہ تو کیا بات کر رہا ہے......؟'' وہ بھی چاندنی کے سامنے، کیسی چوٹ پڑتی ہوگی اس کے دل پر، ناں پتر......! تو اس یتیم پر یہ ظلم نہ کر، اللہ بھی ناراض ہوگا۔'' بے بے کے اپنے دل پر چوٹ پڑی تھی تو دُکھ سے بولیں۔

''اللہ کیوں ناراض ہوگا......! چار شادیاں کر سکتا ہوں۔'' وہ اطمینان سے بولا، پھر چاندنی کو دیکھ کر پوچھنے لگا۔

''کیوں چاندنی......! میں دوسری شادی کر سکتا ہوں ناں......!'' چاندنی کا دل چاہا کہہ دے میری بلا سے دوسری، تیسری، چوتھی سب کر لو، لیکن اس نے ہونٹ بھینچ کر منہ موڑ لیا۔

''کیوں دل جلاتا ہے اس کا......؟ چل اُٹھ یہاں سے......!'' بے بے نے بگڑ کر حاکم کو جانے کا کہا۔

''واہ بے بے......! آج تو آپ خود مجھے جانے کو کہہ رہی ہیں۔'' حاکم علی ہنسنے لگا۔

''میں کمرے سے جانے کو کہہ رہی ہوں، چل اُوپر جا......!'' بے بے نے اس کے کندھے پر ہاتھ

مار کر کہا۔

''اوپر کہاں......؟ اللہ میاں کے پاس......!'' وہ جانے کس موڈ میں تھا۔

''ہائے ربا......! یہ تجھے کیا ہو گیا ہے......؟ کیوں ایسی بری باتیں منہ سے نکال رہا ہے......؟ اللہ تجھے زندگی بخشے، میں مر جاؤں......!'' بے بے رونے لگیں۔

''اوہو بے بے......! آپ تو مذاق میں بھی رونے لگتی ہیں، میں نہیں جا رہا اوپر، بہت لمبا چلوں گا۔'' اس نے بے بے کے گرد بازوؤں کا حلقہ بنا کر اپنے ساتھ لگا لیا پھر لاڈ سے پوچھنے لگا۔

''آپ میری شادی میں تو آئیں گی ناں......!''

''چل ہٹ......!'' بے بے اس کے بازو جھٹک کر الگ ہو گئیں۔

''مجھے یہ مذاق اچھا نہیں لگتا......!''

''یہ مذاق نہیں ہے بے بے......! مذاق تو یہ ہے......!'' اس نے چاندنی کی طرف اشارہ کیا۔ اس کا لہجہ اچانک بدل گیا تھا، کچھ کرخت، پھر ناراضگی سے کہنے لگا۔

''میرا اس کا کیا جوڑ تھا......؟ کسی لحاظ سے بھی یہ میرے قابل نہیں تھی، نہ میں اس کے لیے اپنا اسٹیٹس، اپنی سوسائٹی چھوڑ کر بیٹھ سکتا ہوں اور نہ اسے اپنے ساتھ چلا سکتا ہوں، لیکن آپ یہ باتیں نہیں سمجھیں گی۔''

''ہاں......! میں کیوں سمجھوں گی......؟ نری جاہل جو ہوں۔'' بے بے نے آہ بھری۔

''چل چاندنی......! تو ہی ادھر سے اُٹھ جا......! دوسرے کمرے میں جا بیٹھ......!'' بے بے نے چاندنی سے کہا۔

''اسے کیوں تکلیف دیتی ہیں......؟ میں ہی جا رہا ہوں۔'' حاکم علی اُٹھ کھڑا ہوا۔

''کہاں جا رہا ہے......؟'' بے بے نے فوراً پوچھا۔

''شہر جا رہا ہوں اور بہت جلدی آپ کو بلاؤں گا......! ضرور آئیے گا بے بے......!'' حاکم علی نے اصرار سے کہا۔

''کیسے آؤں گی......؟ میں تو گڈی (کار) میں نہیں بیٹھ سکتی، مجھے چکر آتے ہیں۔'' بے بے نے معذوری ظاہر کی۔

''پھر تو آپ کے لیے ہیلی کاپٹر کا انتظام کرنا پڑے گا، نو پرابلم......!'' حاکم علی نے کندھے اُچکائے پھر بے بے کے گھٹنے چھو کر بولا۔

''اچھا......! میں چلتا ہوں......!''

''پھر کب آئے گا......؟'' بے بے نے عادتاً پوچھا تھا۔

''اب تو آپ آئیں گی میری شادی پر......!'' وہ مسکرایا اور بے بے کے گھورنے پر جلدی سے خدا

حافظ کہہ کر باہر نکل گیا تو بے بے اس کے پیچھے دروازے تک جا کر پھر پلٹ آئیں۔

''سن لیں بے بے......! حاکم کی باتیں......!'' چاندنی کو اپنی بات سچ ثابت کرنے کا موقع مل گیا۔

''اسے گنوار بال بچے نہیں چاہئیں اور آپ بھی میری پرواہ نہ کرو......! کوئی ضرورت نہیں اس کی خوشامد کرنے کی، وہ دوسری شادی کرنا چاہتا ہے تو کرے بلکہ میری طرف سے چار کرے۔ میں بھی یہاں نہیں رہوں گی۔''

''نہ چاندنی......! تو نہ غصہ کر، وہ ٹھیک ہو جائے گا۔'' بے بے اسے چمکارنے لگیں۔

''بس......! آپ اپنے دل کو بہلاتی رہو، میں نہیں بہلنے والی، میں شہر میں اپنی آنکھوں سے اس کے کرتوت دیکھ کر آئی ہوں۔ وہ کبھی نہیں سدھرے گا۔ اگر کسی شہر والی نے سدھار دیا تب بھی اس کے دل میں میرے بچے کے لیے کوئی جگہ نہیں ہوگی۔ چاندنی بہت تلخ ہو رہی تھی۔

''کیوں نہیں ہوگی......؟ بچہ ہو جائے تو دیکھنا آپ ہی بھاگا آئے گا اور پھر جانے کا نام بھی نہیں لے گا۔'' بے بے نے پھر بہلانے کی کوشش کی جس سے وہ مزید سلگ گئی۔

''خدا کے واسطے بے بے......! مجھے میرے حال پہ چھوڑ دو......! ابا جتے سے کہو تیاری کرے میں واپس جاؤں گی۔''

''واپس کہاں جائے گی......؟ طبیعت اچھی نہیں ہے تیری......! وہاں کون دیکھ بھال کرے گا......؟ ناں چاندنی......! اب میں تجھے اپنے سے دُور نہیں کروں گی۔'' بے بے اسے اپنی بانہوں میں لینا چاہا لیکن وہ پرے ہٹ گئی۔

''میرے ساتھ زبردستی نہ کرو بے بے......! یہاں میرا دم گھٹتا ہے، میں بس اپنے گھر جاؤں گی۔''

''ضد نہ کر پتر......! طبیعت سنبھل جائے پھر بے شک چلی جانا۔'' بے بے کی منت پر وہ خاموش ہو رہی تھی۔

○○○

نوریہ نے چمچ کی مدد سے مرشد سائیں کا دیا ہوا پانی ہمایوں کے منہ میں ڈالا پھر ہاتھ میں لے کر اس کے پورے بدن پر چھڑکا۔ آخر میں گیلا ہاتھ اس کے بالوں میں پھیرتے ہوئے اسے پکارنے لگی۔

''ہمایوں......! ہمایوں......! دیکھو......! میں تمہارے لیے کیا کیا کر رہی ہوں......؟ کیا تم میری خاطر آنکھیں نہیں کھول سکتے......؟ کیوں اتنے بے حس ہو گئے ہو......؟ میری آواز ہی سن لو......! ہمایوں......! پلیز......!'' وہ بہت عاجزی سے بول رہی تھی تب ہی دروازے پر پہلے دستک ہوئی پھر حاکم علی اندر آ کر بولا۔

''ہیلو......!'' نوریہ نے پلکیں جھپک کر آنسو چھپائے پھر اُٹھ کر بولی۔

"کیسے ہو......؟"

"تمہیں کیسا لگتا ہوں......؟" حاکم علی شان سے مسکرا رہا تھا۔

"امی سے ملے......!" نوریہ نے اَن سنی کر کے پوچھا۔

"ہاں......! میں ان ہی کے پاس بیٹھا تھا۔ بیچاری بہت پریشان ہیں، قدرت بھی تو کوئی کرشمہ نہیں دکھا رہی۔ آر یا پار، جو بھی ہوتا ہے ہو جائے تا کہ آس و نراش کی کیفیت سے تو نجات ملے۔" حاکم علی روانی سے بول گیا تھا۔ نوریہ کا دل چاہا چیخ کر کہے تم جو آس لگائے بیٹھے ہو وہ کبھی پوری نہیں ہوگی، لیکن بمشکل ضبط سے بول پائی۔

"اللہ بہتر کرے گا......!"

"اللہ تو بہتر ہی کرتا ہے، ہم نہیں سمجھتے یا دیر میں سمجھتے ہیں۔ خیر......! تم بتاؤ......! تمہارے گھر میں سب کیسے ہیں......؟ آئی مین......! تمہارے پیرنٹس......!" حاکم علی نے اس کی آزردگی پر کڑھتے ہوئے موضوع بدلا۔

"ٹھیک ہیں......! مجھے امی کی وجہ سے جلدی آنا پڑا کیونکہ سعدیہ بھی مزید نہیں رک سکتی تھی۔" وہ بولتی ہوئی وارڈ روب کی طرف بڑھ گئی پھر ایک دم پلٹ کر پوچھنے لگی۔

"تم تو امی کے پاس آتے رہے ہو گے......؟"

"نہیں......! میں بھی اپنے پیرنٹس سے ملنے چلا گیا تھا۔" حاکم علی نے کہا تو وہ یونہی پوچھ گئی۔

"تمہارے پیرنٹس کہاں رہتے ہیں......؟"

"میرے فادر جاگیردار ہیں، وہ اپنی جاگیر پر رہتے ہیں۔" حاکم علی نے یوں بتایا جیسے وہ مرعوب ہو گی لیکن اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی، تعجب سے پوچھنے لگی۔

"پھر تم یہاں کیسے آ گئے......؟"

"کیسے آ گیا......!" وہ کچھ سوچ کر مسکرایا پھر کہنے لگا۔

"تمہارے لیے......! کیونکہ میری قسمت میں تم سے ملنا لکھا تھا اس لیے میں یہاں آن بسا......!"

"تم اسے قسمت کی خوبی کہتے ہو اور میں بدقسمتی......!" نوریہ نے سوچا لیکن اسے دیکھ کر یوں مسکرائی جیسے اس کی تائید کی ہو، جب ہی وہ خوش ہو کر بولا۔

"میں نے اپنی مدر کو اشارتاً تمہارے بارے میں بتا دیا ہے۔"

"اچھا......! کیا بتایا ہے......؟" نوریہ نے کوشش سے دلچسپی ظاہر کی تھی۔

"یہی کہ میں یہاں شادی کرنے والا ہوں۔" وہ اس تصور سے ہی بے حد سرشار تھا۔ نوریہ سرتاپا لرز گئی۔ آنکھوں میں بھی خوف کی پرچھائیاں لرزنے لگی تھیں۔

"ارے تم پریشان کیوں ہو گئیں......؟ میں اس وقت کی بات کر رہا ہوں جب ہمایوں ٹھیک ہو

جائے گا۔ پھر تم اس کی زندگی سے نکل جاؤ گی ناں......!" حاکم علی نے اس کی کہی بات دہرائی۔

"ہا......ہاں......! میں نے یہی سوچا ہے۔" وہ سنبھلنے کی کوشش میں رک رک کر بولی۔

"بالکل ٹھیک سوچا ہے......! اس کے بعد ہماری زندگی شروع ہوگی اور دیکھنا وہ زندگی کتنی خوبصورت ہوگی۔ دکھ، درد، پریشانیاں کبھی بھولے سے بھی تمہارے قریب نہیں آئیں گی۔ تم بھول جاؤ گی کانٹوں کی چبھن، تمہارا دامن صرف پھولوں سے بھرے گا۔" وہ حسین تصور میں کھو کر بولے جا رہا تھا۔

"تم مجھے خواب دکھا رہے ہو......!" نوریہ کے ہونٹوں پر ذرا سی ہنسی مچلی تھی۔

"خواب......! یہ صرف خواب نہیں ہیں نور......! تعبیر ان سے کہیں زیادہ حسین ہے۔ چلو ایک ہلکی سے جھلک تمہیں ابھی دکھا دوں......!" حاکم علی نے کہتے ہوئے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ بے اختیار ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"نہیں سردار......! ابھی میں کہیں نہیں جا سکتی۔"

"کیوں......؟"

"بس......! وہ ابھی میرے امی ڈیڈی آنے والے ہیں اور اب پلیز......! تم جاؤ......! ابھی تمہیں امی ڈیڈی کے سامنے نہیں آنا چاہیے ورنہ مسئلہ ہو جائے گا۔" اسے بروقت بہانا سوجھ گیا تھا۔

"کوئی مسئلہ نہیں ہوگا......! میرا خیال ہے مجھے ابھی ان سے مل لینا چاہیے۔ اچھا ہے ناں ابھی ملاقات ہو جائے، بعد میں بہت سارے سوالوں سے بچ جائیں گے، یہ سردار کون ہے......؟ کیا کرتا ہے......؟ تم اسے کیسے جانتی ہو وغیرہ وغیرہ۔" وہ بہت محظوظ ہو رہا تھا۔ نوریہ خفگی سے دیکھنے لگی۔

"او کے......! او کے......! ناراض مت ہو......! چلتا ہوں، کل پھر آؤں گا۔" وہ ہنستا ہوا چلا گیا۔

"میرے خدا......!" نوریہ نے سینے پر ہاتھ رکھ کر گہرا سانس لیا پھر ہمایوں کے پاس جا بیٹھی۔

○○○

چاندنی نے کہا تھا کہ وہ چار پانچ دن میں لوٹ آئے گی لیکن آج دس دن ہو گئے تھے اسے گئے ہوئے اور اس کی واپسی کا کچھ پتا نہیں تھا۔ مسافر بے حد پریشان تھا، اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ چاندنی کے بارے میں کس سے پوچھے، روزانہ حویلی کے گرد چکر لگاتا تھا اور رات میں بانسری پر بس ایک ہی دھن بجاتا۔

"آ جا تجھ کو پکارے میرا پیار......!"

"اسے اپنے پیار پر بھروسہ تھا لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ بڑی حویلی والے بہت طاقتور ہیں۔ ان کے سامنے چاندنی ایک مجبور اور بے بس لڑکی ہے جو اس سے نہ صرف محبت کر بیٹھی ہے بلکہ اس پر اپنا تن من بھی وار بیٹھی ہے اس کے باوجود حویلی والوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی، اور خود اس میں بھی اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ بڑی حویلی کی طرف جاتا۔ یوں بھی ان دنوں وہ اندیشوں میں گھرا ہوا تھا کہ کہیں کسی کو اس کے اور چاندنی

کے بارے میں شبہ تو نہیں ہو گیا۔

"اگر بات بڑی حویلی والوں تک پہنچ گئی تو......!" اس وقت وہ یہی سوچتا ہوا پگڈنڈی پر چلا جا رہا تھا کہ گاڑی کے ہارن پر چونک کر ادھر دیکھنے لگا۔

چاندنی شیشہ گرا کر اسے ہاتھ ہلا رہی تھی۔

"چاندنی......!" وہ خوش ہو کر ہاتھ کے اشارے سے اسے بلانے لگا۔

کچھ دور جا کر گاڑی رُک گئی اور چاندنی نے اُتر کر ڈرائیور سے جانے کو کہا۔ پھر جب گاڑی آگے بڑھ گئی تب وہ بھاگتی ہوئی اس کے پاس آ کر کہنے لگی۔

"مسافر......! مجھ سے ناراض نہ ہونا ں......! میں بیمار ہو گئی تھی جب ہی جلدی نہیں آ سکی، تم ناراض تو نہیں ہو ناں......!"

"نہیں چاندنی......! میں تم سے ناراض نہیں ہو سکتا البتہ پریشان بہت تھا کہ پتا نہیں کیا معاملہ ہے......؟ کہیں بڑی حویلی والوں نے تمہارے یہاں آنے پر پابندی تو نہیں لگا دی......؟" مسافر نے اپنا خدشہ بیان کیا۔

"پابندی تو نہیں لگائی......! پر ابھی بے بے آنے بھی نہیں دے رہی تھیں، کہہ رہی تھیں طبیعت سنبھل جائے پھر جانا، لیکن میں ضد کر کے آ گئی۔" وہ پھیکی ہنسی ہنس کر بولی۔

"اچھا کیا......! اب مت جانا......! میرا اب تمہارے بغیر کہیں دل نہیں لگتا۔" مسافر نے اس کا ہاتھ تھام لیا تو وہ لجا کر بولی۔

"میری طبیعت تو پوچھو......!"

"طبیعت پوچھوں......؟" مسافر اس کے لجانے سے ٹھٹکا۔

"ہاں......! پوچھو ناں......!" وہ شرمیلی ہنسی ہونٹوں میں دبائے کھڑی تھی۔

"کیا ہوا تھا......؟" مسافر کا پورا وجود ساکت تھا، صرف ہونٹوں نے حرکت کی تھی۔

"ہوا تھا نہیں......! ہونے والا ہے......!" وہ کہہ کر بھاگ پڑی۔ مسافر نے چند لمحے سوچا پھر بھاگ کر اسے بازوؤں میں دبوچ لیا۔

"سچ بتا چاندنی......! کیا واقعی ہونے والا ہے......؟"

"ہوں......!" چاندنی کا چہرہ گلنار ہو گیا۔ مسافر چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر پیچھے ہٹ کر بولا۔

"لیکن چاندنی......! یہ تو بڑی خطرناک بات ہے......! کسی کو پتا نہیں چلا......؟"

"بے بے کو پتا ہے اور وہ بہت خوش ہو رہی تھیں کہ حویلی کا وارث آنے والا ہے۔" چاندنی اب اترا کر بول رہی تھی۔

"حویلی کا وارث......!" مسافر اُلجھ کر دیکھنے لگا۔ تب وہ ہنس پڑی۔

"تم بھی بے وقوف ہو......! بھئی......! بے بے یہ سمجھ رہی ہیں کہ حاکم کا بچہ ہوگا، جب ہی خوشیاں منا رہی ہیں۔"

"اور جو وہ حاکم کو خوش خبری سنائیں گی......!" مسافر خائف ہو گیا تھا۔

"نہیں سنائیں گی بلکہ کسی کو نہیں بتائیں گی......! میں نے قسم دی ہے بے بے کو اور تمہیں نہیں پتا......! بے بے بڑا پیار کرتی ہیں مجھ سے......! میری ہر بات مانتی ہیں، جو میں کہوں گی وہی کریں گی۔ تم خوامخواہ پریشان نہ ہو۔" وہ بڑی سمجھ دار بن کر اسے تسلی دے رہی تھی۔ مسافر حیرت سے اسے دیکھے گیا۔

ایسے کیا دیکھ رہے ہو......؟" چاندنی نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا۔

"تم بہت نادان ہو چاندنی......! مجھے ڈر لگنے لگا ہے تمہاری نادانی سے، معصومیت سے، بے وقوف لڑکی......! یہ بات چھپی رہنے والی نہیں ہے، آج نہیں تو کل حاکم کو پتا چل ہی جائے گا۔ اس کے بعد سوچو کیا ہوگا......؟" مسافر نے تشویش بھرے لہجے میں اسے احساس دلانا چاہا۔

"کیوں سوچوں......؟ جب مجھے پتا ہے کہ حاکم کو پتا نہیں چلے گا۔" وہ لاپرواہی سے بولی۔

"اوہو چاندنی......! میں تمہیں کیسے سمجھاؤں......؟ تم شاید اس وقت کچھ سننے سمجھنے کے موڈ میں نہیں ہو یا پھر مجھے تنگ کرنا چاہ رہی ہو۔" مسافر عاجز ہو گیا تھا۔

"ہائے......! یہ تم کیسے باتیں کر رہے ہو......؟ میں کیوں تمہیں تنگ کروں گی......؟ اچھا......! اب بتاؤ......! کیا سمجھانا ہے مجھے......!" وہ ٹیوب ویل کے چبوترے پر آرام سے بیٹھ گئی۔ مسافر نے اطراف میں دُور تک نظریں دوڑائیں پھر اسے دیکھ کر پوچھنے لگا۔

"تمہیں اپنی بے بے کو بتاتے ہوئے ڈر نہیں لگا......؟"

"لو......! میں نے تھوڑی بتایا تھا بے بے کو......! وہ تو میری طبیعت خراب ہوئی تو بے بے نے مجھے بتایا کہ خوشخبری ہے، اچھا ہوا اس وقت حاکم اور بابا نہیں تھے ورنہ تو حاکم اس وقت مجھے جان سے مار دیتا۔" چاندنی نے بتایا تو مسافر فوراً اس کی آخری بات پکڑ کر کہنے لگا۔

"یہی میں تمہیں سمجھانا چاہتا ہوں کہ حاکم کو پتا چلا تو وہ تمہارے ساتھ بہت برا کرے گا۔"

"پھر......؟" وہ اب نہ صرف سنجیدہ ہوئی بلکہ سوچ میں بھی پڑ گئی تھی۔

"پھر یہ کہ تمہیں بہت احتیاط کرنی ہے، اس عرصے میں کوشش کرنا کہ حاکم سے سامنا نہ ہو اور اپنی بے بے کو بھی سمجھاتی رہنا کہ وہ کسی کو نہ بتائے......! سن رہی ہو ناں......!" آخر میں مسافر نے اس کا سر ہلایا تو وہ چونک کر مسکرائی پھر چبوترے سے اُتر کر بولی۔

"اچھا......! اب میں چلتی ہوں، تم شام میں بانسری سکھانے آ جانا......!"

"ابھی بھی تمہیں بانسری سے دلچسپی ہے......؟" مسافر شوخی سے پوچھنے لگا۔

"تھوڑی تھوڑی بانسری، اب بانسری والا زیادہ اچھا لگتا ہے۔" وہ کہہ کر ہنستی ہوئی اپنے راستے پر

چل پڑی۔ مسافر کچھ دیر اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا پھر اپنے راستے پر چل پڑا۔

○ ○ ○

نشی بہت خاموشی سے حاکم علی کے قصے سن رہی تھی جو وہ روزانہ نوریہ سے ملاقات کو بڑے رنگین پیرائے میں بیان کر رہا تھا۔

''وہ اب میرا انتظار کرتی ہے نشی......! اگر میں کچھ لیٹ ہو جاؤں تو وہ بے چین ہو جاتی ہے۔ مجھے اس کی بے چینی بہت مزہ دیتی ہے۔'' حاکم علی بڑے جذب سے بول رہا تھا، پھر چند ثانیے نشی کو دیکھتے رہنے کے بعد پوچھنے لگا۔

''کیا بات ہے......! تم میری بات سن نہیں رہیں یا جیلس ہو رہی ہو......؟''

''جیلس کیوں ہوں گی......؟ ایسا تو جب ہو جب میں نے تم سے توقعات وابستہ کر رکھی ہوں، تم کچھ بھی کرتے رہو، مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' نشی نے بظاہر سیدھے سادے انداز میں کہا ورنہ حقیقتاً اسے برا لگا تھا۔

''واقعی......!'' حاکم علی نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''ہوں......!'' نشی نے بے نیازی سے اثبات میں گردن ہلائی، پھر کہنے لگی۔

''ویسے سردار......! یہ ٹھیک ہے کہ تم نے نوریہ کے گھر تک رسائی حاصل کر لی ہے لیکن اس کے دل تک......!''

''اس کے دل پر اب صرف میری حکمرانی ہے......!'' حاکم علی فوراً بولا۔ لہجے میں بلا کا تفخر تھا۔

''میں کیسے مان لوں......؟'' نشی کا انداز اسے سلگانے والا تھا۔

''کیسے مان لوں کیا مطلب......؟ کیا تمہیں میری بات کا یقین نہیں ہے......؟'' حاکم علی واقعی سلگ کر بولا تھا۔

''میں یقین کر سکتی تھی اگر جو کسی نے مجھے یہ نہ بتایا ہوتا کہ نوریہ اپنے شوہر کے لیے بہت پریشان ہے۔'' نشی نے کہا تو وہ تنفر آمیز ناگواری سے پوچھنے لگا۔

''کس نے...... کس نے بتایا ہے......؟''

''اس بات کو چھوڑو......! یہ بتاؤ......! کیا یہ سچ نہیں ہے......؟ یہی سچ ہے سردار......! کہ نوریہ اپنے تن من کا ہوش بھلائے بیٹھی ہے، پھر وہ تم سے کیسے محبت کی پینگیں بڑھا سکتی ہے......؟'' نشی نے بھی اس کے انداز میں کہا۔

''تمہیں اصل بات کا پتا نہیں ہے نشی......! بلکہ کسی کو بھی حقیقت نہیں معلوم، صرف میں جانتا ہوں اور کیونکہ میں اپنی ہر بات تمہارے ساتھ شیئر کرتا ہوں تو یہ بھی تمہیں بتا رہا ہوں کہ نوریہ یہ سب دُنیا دکھاوے کے لیے کر رہی ہے، کیونکہ وہ اپنے سر کوئی الزام نہیں لینا چاہتی۔'' وہ تیز آواز میں شروع ہوا تھا

پھر ایک دم نارمل ہو گیا۔

''کیسا الزام......؟'' نشی نے نا سمجھتے ہوئے پوچھا۔

''یہی کہ شوہر کو ایسے عالم میں چھوڑ کر چلی گئی جبکہ اس کے گھر والے ابھی بھی اسے فورس کر رہے ہیں کہ وہ ان کے پاس واپس چلی جائے لیکن وہ نہیں مان رہی۔'' حاکم علی اب اسے رازداری سے بتا رہا تھا، وہ ساری باتیں جو نوریہ نے کہی تھیں۔ آخر میں کہنے لگا۔

''ویسے مجھے نہیں لگتا کہ ہمایوں ٹھیک ہو سکتا ہے، بس یوں سمجھو کچھ دن کا مہمان ہے، اس کے بعد نوریہ آزاد ہو گی اور وہ آزادی بھی چند دن کی، اس کے بعد وہ تمہیں یہاں چلتی پھرتی نظر آئے گی۔'' حاکم علی ادھر اُدھر یوں دیکھنے لگا جیسے یہاں وہاں ہر طرف اسے نوریہ نظر آ رہی ہو۔

''پتا نہیں سردار......! مجھے تو یہ سب بہت عجیب سا لگ رہا ہے۔'' نشی جیسے کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی یا شاید اس کا ذہن کسی بات کو تسلیم نہیں کر پا رہا تھا۔

''عجیب کچھ بھی نہیں ہے، تم بس میری باتوں پر یقین نہیں کر رہیں۔'' حاکم علی ذرا سا ہنسا پھر موبائل نکال کر اس کا اسپیکر آن کر کے نوریہ کے نمبر پش کر دیئے۔

''ہیلو......!'' چند لمحوں بعد نوریہ کی آواز اُبھری تو نشی چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ حاکم علی نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ سننے کا اشارہ کیا۔

''کیسی ہو نور......!''

''اچھی ہوں......! تم کیسے ہو......؟'' نوریہ کی آواز سے نشی کو یوں لگا جیسے وہ بہت تھکی ہوئی ہو۔

''میں پھر وہی کہوں گا تمہیں کیسا لگتا ہوں......؟ خیر......! یہ بتاؤ......! کیا کر رہی تھیں......؟'' حاکم علی نے فوراً اپنی بات بدل کر پوچھا۔

''سچ بتاؤں......! تمہیں سوچ رہی تھی۔'' نوریہ کی بات پر اس نے فاتحانہ نشی کو دیکھا تھا۔

''دیکھا......! تم نے سوچا اور میں نے فون کر لیا......!''

''مانتی ہوں سردار......! بلکہ میں تم سے اعتراف بھی کر چکی ہوں کہ تم حیرت انگیز شخص ہو۔''

''اور یہ حیرت انگیز شخص ابھی تمہارے پاس آ رہا ہے، اوکے......!'' حاکم علی نے کہہ کر موبائل آف کر دیا۔ پھر نشی کو دیکھنے لگا۔ نشی حیران بیٹھی تھی۔

○ ○ ○

ہمایوں کو کچھ احساس نہیں تھا کہ وہ کب سے بے خبر پڑا ہے۔ اس وقت اس کا ذہن دھیرے دھیرے بیدار ہونے لگا تھا تو وہ یہی سمجھا کہ رات میں سویا تھا شاید گہری نیند، جب ہی اس کا وجود سن ہو رہا ہے۔ کچھ دیر اس نے خود کو ہلانے کی کوشش کی پھر آنکھیں کھولنا چاہتا تھا کہ سماعتوں سے سردارانہ آواز ٹکرانے لگی۔ جانے کون تھا جو کہہ رہا تھا۔

''نور......! تم نے اپنا کیا حال بنالیا ہے......؟ بس کرو......! کب تک اس زندہ لاش کی خاطر اپنے ارمانوں کا گلا گھونٹتی رہو گی......؟ مجھ سے اب تمہاری یہ اُجاڑ ویران صورت نہیں دیکھی جاتی۔''

''بس......! کچھ دن......! پھر میں تمہیں ہنستی کھلکھلاتی نظر آؤں گی۔'' نوریہ کی آواز پر ہمایوں کا ذہن یک لخت پوری طرح بیدار ہو گیا۔ پھر بے اختیار آنکھیں کھولتے ہی نوریہ کے ساتھ حاکم علی کو دیکھ کر اس کے پورے بدن میں جیسے شرارے بھر گئے تھے۔

''نوریہ......!'' پکارنے کے ساتھ ہی ہمایوں ایک دم اُٹھ کھڑا ہوا۔

⊖ ⊖ ⊖

ہمایوں کی پکار پر نوریہ چونک کر پلٹی اور اُسے کھڑے دیکھ کر تو خوشی سے پاگل ہونے لگی اور اس اچانک بے پناہ ملنے والی خوشی میں وہ یہ بھول گئی کہ کمرے میں حاکم علی کی موجودگی سے اس کی پوزیشن کتنی خراب ہو گئی ہے، اُسے صرف ہمایوں کے ہوش میں آنے کا خیال تھا اور وہ پاگل ہو رہی تھی۔

''ہمایوں......! ہمایوں......! آپ اچھے ہو گئے......! امی......! امی......! جلدی آئیں......! ہمایوں کو ہوش آ گیا......! ہمایوں......! ہمایوں......!'' فرطِ مسرت سے اس کے آنسو بھی روانی سے چھلک رہے تھے۔

ہمایوں ایک ٹک اُسے ہی دیکھے جا رہا تھا۔ پھر اس پر سے نظریں ہٹا کر جیسے ہی حاکم علی کو دیکھا وہ کہنے لگا۔

''تھینک گاڈ......! مسٹر ہمایوں......! آپ کو ہوش آ گیا......! ہم سب کتنے پریشان تھے آپ کے لئے......!''

''تم......!'' ہمایوں کی رگوں میں خون کی گردش یکلخت تیز ہو گئی تھی۔

''تم یہاں......! میرے کمرے میں......؟''

''میں آپ کی عیادت کو آیا تھا، بلکہ آپ کے علاج کے لئے......!''

''شٹ اپ......!'' ہمایوں پوری قوت سے چیخا۔ حاکم علی پر تو کچھ اثر نہیں ہوا جبکہ نوریہ یکلخت سہم گئی اور اُسے اب صورتِ حال کی نزاکت کا احساس بھی ہو رہا تھا۔

''ہومی......! پلیز......! آپ بیٹھ جائیں......!'' نوریہ نے اُس کا بازو تھامنا چاہا لیکن وہ اُس کا ہاتھ جھٹک کر پوچھنے لگا۔

''بتاؤ نور......! اسے اتنی جرأت کیسے ہوئی کہ یہ میرے کمرے تک چلا آیا......؟''

''میں سب بتا دوں گی ہومی......! آپ پلیز......! ریلکس ہو جائیں......!'' نوریہ کے لہجے میں عاجزی سمٹ آئی تھی پھر حاکم علی سے بولی۔

''تم جاؤ سردار......! پلیز......! تم جاؤ......!''

''کہاں......؟ آئی مین......! تم بھی ساتھ چلو......!'' حاکم علی نے ہمیشہ ہمایوں کے سامنے اُس

سے ایسی ہی باتیں کی تھیں، ابھی بھی باز نہیں آیا۔

''تم پاگل ہو گئے ہو کیا......؟ میں کہہ رہی ہوں جاؤ......! چلے جاؤ یہاں سے......!'' وہ چیخ پڑی۔

''تمہیں اپنے ساتھ لے کر ہی جاؤں گا......!'' حاکم علی اپنی جگہ جم کر کھڑا تھا۔

''ہمایوں......! ہمایوں......! یہ...... آپ جانتے ہیں اسے......؟'' نوریہ غصے سے کانپتے ہوئے ہمایوں کا بازو جھنجھوڑنے لگی۔

''ہمایوں......! آپ اس سے کہیں یہ یہاں سے چلا جائے......! میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔''

''تعلق نہیں تو یہ یہاں تک کیسے آیا......؟'' ہمایوں کے چبھتے ہوئے سرد لہجے نے نوریہ کی رگوں میں لہو منجمد کر دیا تھا۔

''گڈ......! اب آئی ہے ناں مسٹر ہمایوں آپ کو سمجھ......! ہمیشہ مجھے جھٹلاتے رہے، جبکہ میں اوّل روز سے آپ کو سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ نوریہ میری ہے۔'' حاکم علی نے ہمایوں کی بدگمانی کو مزید ہوا دی۔

''نہیں نہیں......! ہمایوں......! آپ اس کی باتوں میں مت آیئے......! یہ بہت شاطر ہے۔'' وہ چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی تب ہی ہمایوں کی امی آ گئیں۔ وہ غالباً نماز پڑھ رہی تھیں، چیخوں کی آواز پر اب بوکھلائی ہوئی آئی تھیں لیکن آگے ہمایوں کو کھڑے دیکھ کر ان پر بھی شادیٔ مرگ کی کیفیت طاری ہو گئی۔

''ہوی......! میرے بچے......!''

''امی......!'' ہمایوں نوریہ کے ہاتھ جھٹک کر ان کے سینے سے جا لگا۔

''امی......! یہ سب کیا ہو رہا ہے......؟ آپ کہاں چلی گئی تھیں......؟''

''مجھے کہاں جانا تھا بیٹا......! تم ہی ہوش میں نہیں تھے۔ اللہ کا لاکھ شکر......! میرے بیٹے کو نئی زندگی ملی۔'' امی رونے لگی تھیں۔

''میں ہوش میں نہیں تھا......؟'' ہمایوں اُلجھ کر امی کو دیکھنے لگا۔

''ارے بیٹا......! تمہیں کچھ یاد نہیں، چار مہینے سے بستر پر پڑے ہو، کتنا علاج کرایا تمہارا اور یہ تمہارا باس، اللہ خوش رکھے اسے، اس نے بڑی مدد کی ہماری......!'' امی ہمایوں کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر بولے جا رہی تھیں اور اپنی تعریف پر حاکم علی مزید دونوں بازو سینے پر لپیٹ کر یوں کھڑا ہو گیا جیسے اب اُسے کوئی یہاں سے نہیں نکال سکتا۔

''چار مہینے......؟'' ہمایوں سر تھام کر بیٹھ گیا تو نوریہ نے تڑپ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''ہمایوں......! پلیز......! آپ ابھی ذہن پر زور نہ دیں۔ آہستہ آہستہ آپ کو سب یاد آ جائے گا۔''

''مجھے اکیلا چھوڑ دو......!'' ہمایوں نے اب آہستہ سے اُس کا ہاتھ ہٹایا پھر امی سے کہنے لگا۔

''امی......! آپ سب کو یہاں سے لے جائیں......! مجھے اکیلا چھوڑ دیں......!''

''بیٹا......! تم پریشان کیوں ہو رہے ہو......؟ یہ تمہاری بیوی ہے نوریہ......! اور یہ حاکم علی تمہارے باس......! کیا تم اسے نہیں پہچان رہے......؟''

''میں سب کو پہچان رہا ہوں......! پہچان گیا ہوں سب کو......! آپ پلیز......! جائیں یہاں سے......! نہیں تو میں پاگل ہو جاؤں گا......!'' ہمایوں کی بے بسی پر امی تڑپ گئیں۔

''اللہ نہ کرے......! چلو......! چلو بیٹا......! باہر چلو......!''

''میں...... میں ہمایوں کے پاس ہوں۔'' نوریہ نے ہمایوں کے پاس بیٹھنا چاہا تو وہ سختی سے بولا۔

''نہیں نور......! تم بھی جاؤ......!''

''ہاں......! چلو نور......! ابھی ہمایوں کو آرام کرنے دو......! آنٹی......! آپ بھی آئیں......!'' حاکم علی نے بڑھ کر امی کو کندھوں سے تھام لیا اور اپنے ساتھ لگا کر کمرے سے نکل گیا۔

''ہمایوں......! میری بات سنیں......!'' نوریہ فوراً ہمایوں کے پیروں کے پاس بیٹھ گئی اور اُس کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگی۔

''آپ جانتے ہیں حاکم علی کو...... آپ کی بے ہوشی سے فائدہ اُٹھا کر اس نے امی کو......''

''بس......!'' ہمایوں اُسے روک کر بولا۔

''مجھے کوئی کہانی مت سناؤ......!''

''میں کہانی نہیں، حقیقت بیان کر رہی ہوں۔'' وہ زور روے کر بولی۔

''حقیقت میں خود جان لوں گا......!'' ہمایوں اُس کی کلائی تھام کر اُٹھا پھر زبردستی اُسے کھینچتا ہوا کمرے سے باہر نکال کر دروازہ بند کر دیا۔

''ہمایوں......! ہمایوں......! خدا کے لئے خود پر ظلم نہ کریں......!'' وہ دروازہ پیٹنے کے ساتھ چیخ رہی تھی۔ ہمایوں نے اپنے کان بند کر لیے تھے۔

○ ○ ○

چاندنی جانے کس موڈ میں تھی، مسافر کا ہاتھ پکڑے اُونچے نیچے راستوں پر چلتی چلی جا رہی تھی۔ پھر ایک گھنے پیڑ کے پاس رُک کر بولی۔

''یہاں بیٹھیں گے......!''

''یہاں......؟'' مسافر نے اِدھر اُدھر دیکھا، کچی سڑک پر ایک آدمی اپنے بیل ہانکتا ہوا لے جا رہا تھا، اُس سے آگے کچھ جھونپڑیاں تھیں۔

''بیٹھو ناں......!'' چاندنی آرام سے بیٹھ گئی۔

''پاگل ہو......! یہاں کسی نے دیکھ لیا تو جان سے مار دے گا۔'' مسافر نے اُس آدمی کی طرف اشارہ بھی کیا۔

''کوئی نہیں دیکھتا اور اِدھر تو کوئی نہیں آتا، صرف میں آتی ہوں، وہ بھی اُس وقت جب میں اکیلی تھی، تم نہیں تھے۔'' چاندنی ذرا خائف نہیں ہوئی۔

''اچھا......! تو تم یہاں کیوں آتی تھیں......؟'' مسافر پنجوں پر بیٹھ کر پوچھنے لگا۔

''پتا نہیں......! یا شاید تمہیں ڈھونڈنے......!'' چاندنی کی بات پر وہ ہنس پڑا۔

''تم میرا مذاق اُڑا رہے ہو......!'' وہ جانے کیوں سنجیدہ ہوگئی۔

''بالکل نہیں......! مذاق کیوں اُڑاؤں گا......؟'' مسافر نے اُس کی سنجیدگی محسوس کرتے ہوئے مسکراہٹ ہونٹوں میں دبالی۔

''پھر تم ہنسے کیوں......؟''

''تمہاری بات پر......! بے وقوف لڑکی......! تم مجھے یہاں ڈھونڈنے آتی تھی جبکہ میں تو ہمیشہ سے تمہارے پاس تھا۔'' وہ اُس کا ہاتھ تھام کر محبت سے بولا۔ چاندنی کی نظریں جھک گئیں۔

''مسافر......! اب پتا نہیں کیوں مجھے تم سے حیا آتی ہے......؟''

''مجھ سے نہیں آئے گی تو اور کس سے آئے گی......؟ پتا ہے چاندنی......! عورت کو حیا اُسی سے آتی ہے جس سے وہ بہت پیار کرتی ہے۔'' وہ اُس کی گھنیری پلکوں کو دیکھتے ہوئے کھوسا گیا تھا۔

''ہاں......! میں تم سے بہت پیار کرتی ہوں......! پر مجھے ڈر بھی بہت لگتا ہے اور رات تو میں نے بڑا عجیب خواب دیکھا۔'' وہ آخر میں سر اُونچا کر کے اُسے دیکھنے لگی۔

''کیا دیکھا......؟ میں مر گیا......!'' مسافر نے کہا تو اُس نے ایک دم اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

''ہائے......! اللہ نہ کرے......! مریں تمہارے دشمن......! جاؤ......! میں نہیں تم سے بات کرتی۔''

وہ روٹھ کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''ارے رے......! میں مذاق کر رہا تھا۔ چلو......! اب مذاق میں بھی ایسی بات نہیں ہوگی۔''

مسافر نے اُس کا ہاتھ کھینچ کر دوبارہ بٹھا دیا۔

''اب بتاؤ......! کیا خواب دیکھا......؟''

وہ روٹھی روٹھی سی زمین پر آڑی ترچھی لکیریں کھینچنے میں لگی رہی۔

''چاندنی......! بتاؤ ناں......! نہیں تو میں جا رہا ہوں......!'' مسافر نے اصرار کے ساتھ پھر جانے کی دھمکی دی تو وہ جلدی جلدی بتانے لگی۔

''حاکم کو دیکھا تھا......! بہت غصے میں آیا ہے، اُس کی آنکھیں لال ہو رہی تھیں، ایسا لگ رہا تھا جیسے مجھے مار ڈالے گا۔''

''کوئی نہیں مار سکتا تمہیں......!'' مسافر نے قریب کھسک کر اُسے بازوؤں کے حلقے میں لے لیا۔

''ایک بات بتاؤ......! اگر کسی دن ہم ایسے بیٹھے ہوں، اُوپر سے حاکم آجائے تو تم کیا کرو گے......؟'' چاندنی کے اندر اچانک خدشات سر اُبھارنے لگے تھے۔ مسافر نے اُس کا چہرہ ہاتھوں میں لے لیا۔

''چاندنی......! یہی باتیں تو میں تمہیں سمجھانا چاہتا تھا، لیکن تم سنتی ہی نہیں تھیں۔ اب تمہیں خود سمجھ آرہی ہے تو بتاؤ......! مجھے کیا کرنا چاہئے......؟ فرض کرو......! اگر ابھی حاکم یہاں آجائے......!''

''نہیں مسافر......!'' وہ ڈر گئی۔

''ارے......! تم تو ایسے ڈر گئیں جیسے سچ مچ وہ آگیا ہو......!'' مسافر نے اُس کی سہمی ہوئی آنکھوں میں دیکھا پھر مسکرا کر بولا۔

''میں ہوں ناں تمہارے ساتھ......!''

''تم کیا کرو گے......؟'' چاندنی کی آواز میں بھی خوف شامل تھا۔

''تمہیں لے کر بھاگ جاؤں گا......! بہت دُور......!'' مسافر نے کہا تو وہ ایک دم اُسے دھکیل کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''بھاگ جاؤں گا......؟ وہ بھاگنے کا موقع دے گا تب ناں......! یہیں دفن کر دے گا ہم دونوں کو۔''

''بس بس......! زیادہ اُسے چڑھانے کی ضرورت نہیں ہے، میں غریب ضرور ہوں لیکن میں نے چوڑیاں نہیں پہن رکھیں، آرام سے نہیں اُس کے ہاتھوں مر جاؤں گا، اُسے مار کر ہی مروں گا۔'' مسافر ایک دم جوش میں آگیا تھا۔

''یہ کی ہے ناں مردوں والی بات......!'' چاندنی نے اُسے سراہا تو وہ مزید سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔

''ایسی کی تیسی کر کے رکھ دوں گا سب کی......!''

''بس بس......! زیادہ شوخیاں نہ مارو......! مجھے پتا ہے کتنے دلیر ہو......!'' وہ کہہ کر آگے چل پڑی تو مسافر نے فوراً اُس کی تقلید نہیں کی، کچھ دیر اُسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا پھر اُٹھا۔



ہمایوں کو سب یاد آرہا تھا کہ وہ سعدیہ کی شادی پر اسلام آباد سے آیا تھا اور عین شادی والے روز وہ کراچی پہنچا تھا پھر ایئرپورٹ سے گھر آتے ہوئے راستے میں اُس کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا تو اس کے بعد سے وہ اب ہوش میں آیا تھا۔ یوں لگا جیسے یہ ایک دو دن کی بات ہو لیکن چار مہینے ہوگئے تھے اور ان چار مہینوں میں جانے کیا کچھ ہوگیا تھا۔

''غالباً سب نے یہی سمجھ لیا ہوگا کہ میں اب کبھی ہوش میں نہیں آؤں گا۔ اس حالت میں مر جاؤں گا، جب ہی میری طرف سے مایوس ہو کر نوریہ نے بھی راہیں بدل لیں اور اُس شخص سے رابطہ بڑھا لیا جو

ہمارا بدترین دشمن تھا۔ آخر وہ نوریہ کو رجھانے میں کامیاب ہو ہی گیا۔ جانے دونوں نے مل کر کیا کیا پلان بنائے ہوں گے، وہ بھی میرے گھر میں بیٹھ کر۔"

"اوگاڈ...... ذرا حیا نہ آئی نور کو...... کم از کم میرے مرنے کا انتظار تو کر لیتی۔" وہ انتہائی دل گرفتہ سا جانے کیا کچھ سوچے جا رہا تھا کہ دروازے پر ہلکی سی دستک نے اُس کی توجہ کھینچ لی۔ دستک دوبارہ ہوئی تو اُس نے پہلے ٹائم دیکھا، رات کے دو بج رہے تھے۔ وہ سمجھ گیا اس وقت نوریہ ہوگی، اپنی صفائی پیش کرنا چاہے گی۔

"اونہہ...... اب کیا صفائی پیش کرے گی......؟" اُس نے تلخی سے سوچا پھر اُٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ نوریہ ہاتھوں میں دُودھ کا گلاس لئے کھڑی تھی۔

"مجھے فی الحال کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی میں تمہاری کوئی داستان سننا چاہتا ہوں۔" وہ کہہ کر دروازہ بند کرنا چاہتا تھا کہ نوریہ فوراً اندر آ گئی۔

"مجھے کوئی داستان نہیں سنانی...... اگر مجھے جھوٹی سچی داستانیں سنانے کا شوق ہوتا تو میں اپنی اوّلین شب کیوں گنواتی......؟ اُس وقت بھی میں آپ کو کوئی داستان سنا سکتی تھی۔" وہ دُودھ کا گلاس ٹیبل پر رکھتے ہوئے سپاٹ انداز میں بول رہی تھی پھر سیدھی کھڑی ہوئی تو ہمایوں کو دیکھ کر کہنے لگی۔

"مجھے افسوس ہے کہ آپ مجھے سمجھ نہیں سکے، میں اب بھی اپنی صفائی میں کچھ نہیں کہوں گی، آپ جو چاہیں سمجھیں لیکن خدا کے لئے ابھی آپ کچھ نہ سوچیں......!"

"یہ میرے اختیار میں نہیں ہے، تم تصور نہیں کر سکتیں کہ میں کتنی اذیت سے گزر رہا ہوں۔ میرا مر جانے کو دل چاہ رہا ہے، میں مر کیوں نہ گیا......؟ میں مر کیوں نہ گیا......؟" ہمایوں دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بیڈ پر ڈھے سا گیا۔

"ہمایوں......!" وہ تڑپ کر اُس کے قریب آئی۔ "خدا کے لئے ہمایوں...... میری ریاضتیں مٹی میں نہ ملائیں۔ آپ کی زندگی کے لئے میں نے کتنی منتیں مانیں...... کیا کچھ نہیں کیا...... سب لوگ مایوس ہو گئے ایک صرف میں نے اُس کا دامن نہیں چھوڑا۔ مجھے یقین تھا آپ ضرور اچھے ہو جائیں گے۔"

"جب یہ یقین تھا تو پھر حاکم علی کی پذیرائی کیوں کی......؟ اُس سے ربط کیوں بڑھایا......؟"

ہمایوں نے ایک دم اُسے کھینچ کر اپنے سامنے کر لیا۔

"مجبوری تھی...... میں بے بس تھی...... بے اختیار تھی کیونکہ اُس نے امی کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ میں اگر اُسے دھکے مار کر نکالتی تو امی یہی کہتیں کہ میں آپ کا علاج نہیں چاہتی یوں بھی وہ مجھ سے بدگمان ہو گئی تھیں، مجھے منحوس کہہ کر یہاں سے چلے جانے کو کہتیں اور میں نہیں گئی تو صرف آپ کی وجہ سے، میں اپنی صفائی پیش نہیں کر رہی ہمایوں...... آپ کو حقیقت بتا رہی ہوں۔" اور پھر وہ بتاتی چلی گئی۔ ہمایوں ایک ٹک اُسے دیکھے جا رہا تھا، آخر میں وہ کہنے لگی۔

"مجھے کسی سے کوئی گلہ، کوئی شکایت نہیں۔ میں خود یہ تسلیم کرتی ہوں کہ آپ پر ساری مصیبتیں میری وجہ سے ٹوٹیں، نہ میں آپ کی زندگی میں آتی نہ آپ ان حالوں کو پہنچتے اور اب میں نے خود سوچ لیا ہے کہ میں آپ کی زندگی سے نکل جاؤں گی کیونکہ حاکم علی کچھ بھی کر سکتا ہے۔"

"نور......!" ہمایوں نے اُسے بازوؤں کے حلقے میں لے لیا۔

"تم نے یہ سوچا کیسے......؟ میری زندگی سے نکلنا تھا تو پھر میری زندگی کے لئے مَریں کیوں......؟ مر جانے دیا ہوتا مجھے......!"

"نہیں ہمایوں...... ایسی باتیں نہ کریں...... میں تو دُعا کرتی تھی اللہ آپ کو میری زندگی دے دے......!"

"میری زندگی تو تم ہو نور......!" ہمایوں نے اُسے بازوؤں میں بھینچ لیا تو اُس کے سینے میں منہ چھپا کر اُس نے سارے آنسو بہا ڈالے۔ پھر اچانک ایک خیال کے تحت اٹھی اور موبائل پر نمبر پش کرنے لگی۔

"نور...... اس وقت کسے فون کر رہی ہو......؟ یار...... اتنی رات ہو گئی، صبح بات کر لینا......!"

ہمایوں یہی سمجھا کہ وہ اپنے گھر والوں کو اُس کے ٹھیک ہونے کی خوشخبری سنانا چاہتی ہے لیکن جب وہ بولی تو ایک دم خاموش ہو کر اُسے دیکھنے لگا۔ وہ چبا چبا کر کہہ رہی تھی۔

"سردار حاکم علی...... اب تو تمہیں مان لینا چاہئے کہ مارنے والے سے بچانے والا بڑا ہے...... تم اپنی ایسی ساری گھناؤنی کوششوں میں ناکام ہو چکے ہو اور آئندہ کبھی ایسی کوشش کرنا بھی مت ورنہ......"

اُس نے سیل آف کر کے ہمایوں کو دیکھا، وہ مسکرا رہا تھا۔

اور اگلے دن ہمایوں کے گھر میں جشن کا سا سماں تھا۔



بے بے کو اب پہلے سے زیادہ چاندنی کی فکر رہنے لگی تھی، ہر وقت دھیان اُس کی طرف رہتا کہ وہ نادان لڑکی کوئی ایسی حرکت نہ کر بیٹھے جس سے نئے آنے والے مہمان کو نقصان پہنچے۔ روزانہ فون پر اُسے کھانے پینے کی تاکید اور چلنے پھرنے میں احتیاط کرنے کی کو کہتیں۔ ابھی بھی اُس کے نمبر ملا رہی تھیں کہ سردار ہاشم علی حسب عادت کھنکھار کر اندر آ گئے۔ اُن کے آنے پر بے بے نے بلا ارادہ ریسیور واپس رکھ دیا۔

"کسے فون کر رہی تھی......؟" سردار ہاشم علی نے یونہی پوچھ لیا۔

"چاندنی کو...... مجھے تو ہر وقت اس لڑکی کی فکر لگی رہتی ہے، ایسی حالت میں ضد کر کے چلی گئی۔"

بے بے انجانے میں بول گئیں لیکن سردار ہاشم علی تو شاید اسی بات کے منتظر تھے، فوراً پوچھنے لگے۔

"کیسی حالت میں...... کوئی خوشخبری ہے کیا......؟"

”ہیں......!“ بے بے چونکنے کے ساتھ بوکھلا گئیں۔ چاندنی کا رونا، قسمیں دینا یاد آیا۔

”بتا حاکم کی ماں......! خوشی کی خبر ہے......!“ سردار ہاشم علی نے اب اُونچی آواز میں انہیں متوجہ کر کے پوچھا۔ بے بے گھبرا گئیں۔

”ہا......ہاں......! خوشی کی......!“

”تو تو نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔ میں کب سے اس انتظار میں ہوں۔“

”انتظار میں تو میں بھی تھی، بڑی خوشیاں منانا چاہتی تھی پر چاندنی نے منع کر دیا۔“ بے بے بتاتے ہوئے خائف ہو رہی تھیں۔

”کیوں......! کیوں منع کیا اُس نے......؟ اُسے پتا نہیں ہے کہ حویلی کو وارث دے کر وہ کس مرتبے پر پہنچنے والی ہے، میں ابھی حاکم کو فون کرتا ہوں......!“ سردار ہاشم علی فون کی طرف بڑھنے لگے کہ بے بے سامنے آ گئیں۔

”نہیں حاکم کے ابا......! ابھی کسی کو نہیں بتانا......! حاکم کو بھی نہیں، وہ خوش نہیں ہوگا، ناراض ہوگا۔ اُسی کے ڈر سے تو چاندنی ادھر چلی گئی ہے۔ پتا نہیں کیا کیا دھمکیاں دیتا ہے چاندنی کو کہ بچہ پیدا کرے گی تو اُسے اور بچے کو بھی جان سے مار دے گا۔“

”یہ......یہ حاکم کہتا ہے......؟“ سردار ہاشم علی یک دم غضب ناک ہو گئے تھے۔

”تو ابھی چاندنی کے پاس جا......! اور اسے ساتھ لے کر آ......! میں دیکھتا ہوں حاکم کیا بگاڑ سکتا ہے اُس کا......؟“

”ایسے نہیں حاکم کے ابا......! آرام سے......!“ بے بے منتیں کرنے لگیں۔

”اللہ نے خوشی دکھائی ہے......! شور شرابا کیوں کرتے ہو......؟ بچہ ہو جائے پھر حاکم کو اطلاع دے کر بلوا لینا......!“

”تیری تو مت ماری گئی ہے۔“ سردار ہاشم علی سر جھٹک کر کمرے سے نکل گئے تو بے بے مزید پریشان ہو گئیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو پھر چاندنی کو فون کر ڈالا۔ ادھر سے چاندنی کی کھنکتی ہوئی آواز آئی۔

”ہیلو......! کون......؟“

”بے بے بول رہی ہوں، چاندنی پتر......! میرے سے غلطی ہو گئی۔“ بے بے کی آواز کانپ رہی تھی۔

”ہائے بے بے......! اس عمر میں کیا غلطی ہو گئی......؟“ چاندنی نے کھلکھلا کر پوچھا تھا۔

”وہ پتر......! میں نے بڑے بابا کو بتا دیا ہے کہ تو ماں بننے والی ہے۔“ بے بے بتاتے ہوئے روہانسی ہو گئی تھیں۔

”کیا......؟“ چاندنی کی ساری شوخی یکلخت رخصت ہو گئی۔

”یہ کیا کیا بے بے آپ نے......! بابا تو اب حاکم کو بتا دیں گے اور وہ مجھے مار ڈالے گا۔“

”نا......ناں دھیئے......! تو ڈر ناں......! تیرے بابا سمجھا لیں گے حاکم کو اور یہ تو خوشی کی بات ہے، دیکھنا حاکم بھی خوش ہو جائے گا۔“ بے بے اُسے تسلی دینے لگیں لیکن اُدھر سے سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔ کتنی دیر بعد بے بے کو احساس ہوا تو ریسیور کو دیکھتی رہ گئیں۔

○ ○ ○

حاکم علی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اب ہمایوں کے ساتھ نوریہ کو بھی شوٹ کر دے۔ وہ لڑکی جسے اُس نے جنون کی حد تک چاہا، وہ اُسے فریب دے گئی تھی۔ یعنی پہلے یہ کہا کہ ہمایوں کے ٹھیک ہونے کے بعد وہ اُس کی زندگی سے نکل جائے گی اور اب اُسے دھتکار رہی تھی۔

”دھوکا......! میرے ساتھ دھوکا......!“ حاکم علی بری طرح تلملا رہا تھا۔ نشی کا دل تو چاہا خوب قہقہے لگائے، بمشکل اپنی خواہش دبا کر کہنے لگی۔

”سردار! تم اتنے آپے سے باہر کیوں ہو رہے ہو......؟ اپنے آپ کو دیکھو......! تم بھی تو اُسے دھوکا ہی دے رہے تھے۔“

”میں......میں نے کیا دھوکا دیا ہے......؟ محبت کرتا ہوں اُس سے اور علی الاعلان اظہار کرتا ہوں، یہ دھوکا نہیں ہے......!“ وہ ڈھٹائی سے بولا۔

”میں محبت کی بات نہیں کر رہی، ہمایوں کے معاملے میں تم نے اُسے دھوکا ہی دیا کہ ہمایوں کی رپورٹس تم نے لندن بھجوا دی ہیں اور وہاں سے ڈاکٹرز بلواؤ گے۔ تم نے ایسا کچھ نہیں کیا تھا بلکہ تم چاہتے ہی نہیں تھے کہ ہمایوں ٹھیک ہو......!“

”ہاں......! میں نہیں چاہتا تھا، وہ مر جاتا تو زیادہ اچھا تھا۔ خیر......! ابھی نہیں ہوا۔ اب میں اُس کے سامنے نوریہ کو اُٹھا لاؤں گا اور وہ کچھ نہیں کر سکے گا۔“ حاکم علی انتہائی سفاکی سے بول رہا تھا۔

”خدا کے لیے سردار......! چھوڑو یہ جذباتی پن......! مت خود کو اتنا گراؤ......! تم کوئی معمولی آدمی نہیں ہو، آدھا شہر تمہیں جانتا ہے۔ ایسی حرکتوں سے بتاؤ تمہاری کیا عزت رہ جائے گی......؟“ نشی نے جھنجلا کر اُسے جھنجوڑنے کی کوشش کی تو وہ قہقہے لگانے لگا پھر تمسخرانہ انداز میں بولا۔

”یہاں عزت صرف پیسے کی ہے، پیسہ سارے عیبوں کو چھپا لیتا ہے اور میرے پاس پیسوں کی کمی نہیں ہے نہ کبھی ہو سکتی ہے۔“

”انتہائی گھٹیا سوچ ہے تمہاری......! اب تو مجھے تم سے گھن آنے لگی ہے۔“ نشی نے تاسف سے اُسے دیکھا۔

”کم آن نشی......! تم ایسی باتیں کر کے سمجھتی ہو میں اپنے ارادوں سے باز آ جاؤں گا......؟ نہیں......! میں کبھی پیچھے نہیں ہٹا اور نوریہ تو میری ضد بن چکی ہے۔ جب تک میں اُسے حاصل نہیں کر لیتا

گا چین سے نہیں بیٹھوں گا۔" اُس کے لہجے کی مضبوطی پر ایک لمحہ کو نشی کا دل کانپا تھا لیکن اگلے پل نخوت سے بولی۔

"تو پھر سمجھ لو کہ تمہاری قسمت میں چین سے بیٹھنا لکھا ہی نہیں گیا کیونکہ نوریہ کبھی تمہاری نہیں ہو سکتی۔"

"ہاہاہا......!" حاکم علی پھر قہقہہ لگا کر بولا۔

"تم جیلس ہو رہی ہو......!"

"نہیں......! مجھے تم پر رحم آ رہا ہے حالانکہ تم قابل رحم ہرگز نہیں ہو پھر بھی پتا نہیں کیوں میں تمہارے لئے کچھ برا سوچنا نہیں چاہتی۔ میں نے ہمیشہ یہ چاہا کہ میں تمہیں سر اُٹھا کر دیکھوں لیکن ہمیشہ تم مجھے پاتال میں نظر آئے اس کے باوجود میں تمہیں نظر انداز نہیں کر سکی، پتا نہیں کیوں......؟" نشی آزردہ نظر آنے لگی۔

"کیونکہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو......!" حاکم علی نے اپنے تئیں اُسے ہرٹ کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن وہ سہولت سے اعتراف کر کے کہنے لگی۔

"ہاں......! میں تم سے محبت کرتی ہوں، میری محبت میں دھاندلی نہیں ہے، ضد نہیں ہے، خود غرضی نہیں ہے جہاں یہ ساری باتیں ہوں وہاں محبت نہیں ہوتی سردار......! لیکن تم یہ کہاں سمجھو گے......؟ تم نہیں سمجھ سکتے......! کبھی نہیں......!"

حاکم علی جانے کیوں خاموش ہو گیا تھا۔

"یاد ہے سردار......! میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میں تم پر کہانی لکھ رہی ہوں، تم نے کہا تھا اس کی ہیروئن نوریہ ہونی چاہئے۔ وہ کہانی ابھی تک اُدھوری پڑی ہے بلکہ اپنے اختتام کی منتظر ہے، کیا اختتام کروں اس کا......؟" نشی نے اپنی سوالیہ نظریں اُس پر جما دیں۔

"اوں ہوں......!" حاکم علی پُرسوچ انداز میں نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"اس کہانی کا کوئی اختتام نہیں......! یہ یونہی چلتی رہے گی صدیوں تک......!"

"سردار......!" نشی حیرت میں گھر گئی۔

"تم نہیں سمجھو گی......! تم نہیں سمجھ سکتیں......! کبھی نہیں......!" اُس کی بات لوٹاتے ہوئے حاکم علی کے ہونٹوں پر افسردہ مسکراہٹ تھی۔ آنکھوں کی چمک بھی ماند پڑ گئی تھی۔

"میں نہیں سمجھوں گی......!" نشی کو اُس کی بات ہضم نہیں ہو رہی تھی۔

"بہت زعم ہے تمہیں خود پر......! قلم تمہارے ہاتھ میں کیا آ گیا سمجھتی ہو دنیا تمہاری مٹھی میں ہے، جو تمہاری آنکھیں دیکھتی ہیں، جو تمہارا ذہن سوچتا ہے تم اُسی پر ایمان لے آتی ہو، کیوں......؟ کیا کبھی تمہاری آنکھیں دھوکا نہیں کھا سکتیں......؟" وہ یکلخت بہت تلخ ہو گیا۔

"کھا سکتی ہیں......! میری آنکھیں بھی دھوکا کھا سکتی ہیں۔" نشی کو خود اپنی آواز کہیں دُور سے آتی لگی تھی۔

"پھر......! پھر تم ہمیشہ مجھے الزام کیوں دیتی ہو......؟ ہر بات میں مجھے غلط ثابت کرنے کی کوشش کیوں......؟ کیوں نشی......! جب تمہیں اپنے دل پر اختیار نہیں تو مجھے بار بار دل کی لگام میں تھامنے کا کیوں کہتی ہو......؟" وہ بپھر رہا تھا۔

"اس لئے کہ تمہارا دل جس کا تمنائی ہے وہ کسی کی ہو چکی ہے، اپنی مرضی اپنی خوشی سے۔ ایسے میں اس کے لئے تمہارا جنون کسی کام کا نہیں۔ میں اسی لئے تمہیں روکتی، تمہیں سمجھاتی ہوں لیکن تم سمجھنا چاہتے ہی نہیں۔"

"ہاں......! نہیں سمجھنا چاہتا......! کیونکہ آج تک ایسا نہیں ہوا کہ میں نے کسی چیز کی تمنا کی ہو اور وہ مجھے ملی نہ ہو......!" وہ پھر ہٹ دھرمی پر اُتر آیا تھا۔

"میں اب کچھ نہیں کہوں گی۔" نشی مایوس ہو کر اُٹھ کھڑی ہوئی تب ہی حاکم علی کا موبائل بجنے لگا۔

"نور......! نوریہ کا فون ہوگا......!" حاکم علی ٹیبل پر رکھے موبائل پر جھپٹا، نشی اُس کے پاگل پن پر تاسف سے سر ہلانے لگی۔

"ہیلو......!" حاکم علی نے اسکرین پر نام وغیرہ دیکھے بغیر ہی موبائل کان سے لگایا۔ دوسری طرف سردار ہاشم علی تھے۔

"جی بابا......! سلام علیکم......! میں ٹھیک ہوں......! آپ کیسے ہیں......؟" وہ سنبھل کر بول رہا تھا۔

"اللہ کا کرم ہے حاکم......! میں ٹھیک ہوں......! بہت خوش ہوں......! اور بڑی خوشیاں منانے کی تیاریاں کر رہا ہوں......!" سردار ہاشم علی نے کہا تو وہ سمجھا نہیں۔

"کیا مطلب......؟"

"وہیں بیٹھ کر مطلب نہ پوچھ حاکم......! یہاں آ جا......! بس......! ابھی چل پڑ......! کب تک پہنچ جائے گا......؟" سردار ہاشم علی نے اسے آنے کا کہہ کر پہنچنے کا پوچھا تو وہ اُلجھ گیا۔

"پہنچ جاؤں گا بابا......! آخر پتا تو چلے بات کیا ہے......؟"

"یہاں آ کر تجھے سب پتا چل جائے گا۔ بس تو جلدی آنے کی کر......!" سردار ہاشم علی نے کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

"بابا بھی بس......!" حاکم علی نے موبائل ٹیبل پر رکھا پھر نشی کو دیکھا تو وہ پوچھنے لگی۔

"کیا ہوا......؟"

"پتا نہیں......! میں گاؤں جا رہا ہوں......!" حاکم علی نے کندھے اُچکا کر کچھ بے دلی سے بتایا۔

"کب......؟ ابھی......!"

''نہیں......! کل جاؤں گا......!''

''اور آؤ گے کب......؟'' نشی نے بظاہر سرسری انداز میں پوچھا تھا، پھر بھی وہ اُسے ستانے کی غرض سے بولا۔

''کبھی نہیں......!''

''یہ تو خیر نہیں ہو سکتا......!''

''کیوں......! کیوں نہیں ہو سکتا......؟ یہاں اب میرا کون ہے......؟ نور یہ کو ہمایوں مل گیا......! تمہیں مجھ سے شکایتیں بہت ہیں، بلکہ اب تو شاید تم مجھ سے جان چھڑانا چاہتی ہو، لیکن چھڑا نہیں سکو گی......! نیور......!'' وہ نفی میں سر ہلانے لگا۔

''بہت خوش فہمی ہے تمہیں......! خیر......! اب میں چلتی ہوں......!'' نشی کہہ کر چل پڑی۔

''سنو......!'' حاکم علی نے اُسے پکارا۔

''محبت میں دھاندلی نہ ہو تو مزہ نہیں آتا......!''

''یہ تمہارا خیال ہے، خدا حافظ......!'' نشی ہاتھ ہلا کر چلی گئی تو وہ جانے کیا سوچ کر مسکرایا۔

○○○

بھری دوپہر میں چاندنی بہت حواس باختہ مسافر کی جھونپڑی تک آئی۔ اُس کی رنگت اُڑی ہوئی بال بکھرے ہوئے، جب ہی مسافر پریشان ہو گیا۔

''کیا ہوا چاندنی......! تم اتنی گھبرائی ہوئی کیوں ہو......؟ کسی نے تمہیں یہاں آتے ہوئے دیکھ لیا ہے کیا......؟''

چاندنی نفی میں سر ہلانے لگی۔

''پھر کیا بات ہے......؟ بتاؤ ناں......!'' مسافر نے اُسے کاندھوں سے تھام لیا۔

''تم......تم یہاں سے چلے جاؤ مسافر......!'' وہ جیسے دل پر پتھر رکھ کر بولی۔

''کیوں......! کیوں چلا جاؤں......؟ اور کہاں جاؤں......؟'' مسافر ٹھٹکا ضرور تھا، لیکن اس پر ظاہر نہیں کیا۔

''کہیں بھی......! بس یہاں سے چلے جاؤ......!'' چاندنی نے اب منت سے کہا۔

''تمہیں چھوڑ کر......! نہیں چاندنی......! تمہیں چھوڑ کر تو میں نہیں جا سکتا۔ ویسے بات کیا ہے......! مجھے اصل بات تو بتاؤ......!'' مسافر ہنوز تحمل کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

''کیا بتاؤں......؟''

''وہ بے بے نے گڑبڑ کر دی ہے۔ بابا کو خوشخبری سنا دی اور اب تو سارے میں بات پھیل جائے گی۔'' چاندنی رونے لگی۔ مسافر اُسے چپ کرانے کی بجائے چٹائی پر جا بیٹھا تو وہ ایک دم رونا بھول کر

اُسے دیکھنے لگی۔

''مسافر......! تمہیں پتا نہیں ہے کیا ہونے والا ہے......؟''

''پتا ہے......! اور اسی دن کا تو مجھے انتظار تھا۔'' مسافر کے لہجے میں جانے کیا تھا، چاندنی ڈر گئی۔

''یہ...... یہ تم کیا کہہ رہے ہو مسافر......!'' مسافر کچھ دیر اُسے دیکھتا رہا پھر اُس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سامنے بٹھا کر کہنے لگا۔

''میرا نام مسافر نہیں شجاع ہے......! شجاع گیلانی......! اور میں کراچی سے آیا ہوں۔''

''اوں ہوں......! کوئی سوال مت کرو......! بس میری داستان سنو......!'' چاندنی کے ہونٹ غالباً کچھ کہنے کو کھلے تھے لیکن مسافر نے اُس کے ہونٹوں پر اُنگلی رکھ دی پھر کہنے لگا۔

''میں سردار حاکم علی کو بہت پہلے سے جانتا ہوں، ہماری دوستی بھی رہی ہے، لیکن نہیں......! حاکم علی کسی کا دوست نہیں ہے۔ صرف اپنا مطلب نکالنا جانتا ہے۔''

''میں بہرحال اُسے دوست سمجھتا تھا، بزنس میں بھی میں نے اُس کے ساتھ تعاون کیا تھا، اس کے باوجود اُس نے میرا خیال نہیں کیا۔ مجھ سے میری محبت میری زندگی چھین لی۔ سونیا میری محبت تھی اور ہم شادی کرنے والے تھے لیکن درمیان میں حاکم علی آ گیا اور اس نے سونیا کو اپنی طرف راغب کر لیا۔ اگر وہ سونیا کے ساتھ سنسیئر ہوتا اور اُس سے شادی کر لیتا تب تو میں اسے قسمت کا لکھا جان کر خود کو سمجھا سکتا تھا لیکن اُس نے سونیا کو تباہ کر دیا، اپنی ہوس کا نشانہ بنا کر چھوڑ دیا۔ وہ اتنی دلبرداشتہ ہوئی کہ یہ ملک ہی چھوڑ گئی۔ میں نے اُسے روکنے کی بہت کوشش کی تھی لیکن وہ نہیں رُکی۔ تب میں نے ٹھان لی کہ میں حاکم علی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا اور میں باقاعدہ پلان کر کے یہاں آ گیا۔ میں نے سوچا تھا کہ میں حاکم علی کو اُس کی جاگیر پر ہی ماروں گا لیکن یہاں تم مل گئیں اور جب تم نے بتایا کہ تم حاکم علی کی بیوی ہو تو میرا پلان بدل گیا۔''

''نہیں......! نہیں مسافر......! نہیں......!'' چاندنی ایک دم بپھر گئی، اس کا گریبان پکڑ کر چیخنے لگی۔

''تم جھوٹ بولتے ہو......! تم جھوٹے ہو......!''

''میری بات سنو چاندنی......!'' مسافر نے اُس کی دونوں کلائیاں تھام کر، چیخ کر اُسے خاموش کرایا۔ پھر کہنے لگا۔

''بے شک میرا مقصد حاکم علی سے انتقام لینا تھا لیکن میں اُس کی طرح ظالم اور بے ضمیر نہیں ہوں، میں چاہتا تو خاموشی سے یہاں سے نکل جاتا لیکن میرے ضمیر نے گوارا نہیں کیا۔ یقین کرو......! میں ہر روز یہاں سے جانے کی تیاری کرتا ہوں لیکن تمہارا خیال کر کے رُک جاتا ہوں۔ تم بہت معصوم ہو چاندنی......! اگر میں تمہیں چھوڑ کر چلا گیا تو کبھی خود کو معاف نہیں کر سکوں گا۔ ساری زندگی میرا ضمیر مجھے ملامت کرتا رہے گا اور ضمیر کی ملامت میں سہہ نہیں سکتا۔ تم میرے ساتھ چلو......! ہم شادی کر لیں گے......!''

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو......؟ میں حاکم کے نکاح میں ہوں۔" چاندنی کی آواز آنسوؤں میں بھیگی ہوئی تھی۔

"حاکم سے تمہیں میں نجات دلاؤں گا، یہ کچھ مشکل نہیں ہے۔ میرا اعتبار کرو چاندنی......! میں تمہیں اس بھیڑیے کے حوالے نہیں کر سکتا۔ اس لئے نہیں کہ تم معصوم ہو، اس لئے کہ میں سچ مچ تم سے محبت کرتا ہوں۔ دل سے چاہنے لگا ہوں تمہیں اور اب میں اپنی محبت اپنی چاہت پر قربان تو ہو سکتا ہوں اس سے جدا نہیں ہو سکتا۔"

"نہیں مسافر......! تم بس چلے جاؤ یہاں سے......! تمہیں نہیں پتا حاکم بڑا ظالم ہے......! میں کہیں بھی جاؤں وہ مجھے ڈھونڈ نکالے گا اور مجھے تو مرنا ہی ہے تم......"

"میں بھی تمہارے ساتھ مروں گا......!"

"نہیں......! تم اپنے شہر اپنے گھر جاؤ......! میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی۔" چاندنی اُس کا ہاتھ جھٹک کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"ٹھیک ہے......! میں بھی کہیں نہیں جا رہا......! حاکم آئے تو اسے بتا دینا کہ اُس کی عزت کا لٹیرا اس جھونپڑی میں اُس کا انتظار کر رہا ہے۔" مسافر آرام سے ہاتھوں کا تکیہ بنا کر لیٹ گیا۔

"خدا کے لئے مسافر......!" چاندنی نے بیٹھ کر اس کے پیر پکڑ لئے تو وہ فوراً اُٹھ بیٹھا۔

"تمہیں مجھ پر، میری محبت پر بھروسہ نہیں ہے چاندنی......! بس تم نے ایک ہی بات سوچ لی ہے کہ حاکم آئے گا تمہیں مار ڈالے گا......! سنو......! میں ایک بار بے خبری میں لٹ گیا۔ اب حاکم تو کیا اُس کا باپ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، سمجھی تم......! میں یہاں مرنے کے لئے نہیں بیٹھ رہا......! حاکم کے سامنے تمہارا ہاتھ پکڑ کر لے جاؤں گا اور دیکھتا ہوں کہ وہ مجھے کیسے روکتا ہے......؟"

"ہائے ربا......!" چاندنی دہل گئی تھی۔

"میں کوئی معمولی آدمی نہیں ہوں......! شہر میں حاکم جیسے کتنے میرے سامنے پانی بھرتے ہیں۔ میں چاہتا تو وہیں حاکم کا کام تمام کر دیتا لیکن یہ بزدلی ہوتی، میں اُس کی جاگیر پر اُسے اُلٹا لٹکاؤں گا۔"

مسافر کے لہجے میں اس وقت حاکم جیسی سفاکی تھی۔

"بس کرو مسافر......! بس کرو......! میں ایسے ہی مر جاؤں گی......!" چاندنی پھر رونے لگی۔

"بے وقوفی کی باتیں مت کرو......! اگر تم چاہتی ہو کہ یہاں خون خرابہ نہ ہو تو چلو میرے ساتھ......! میں وعدہ کرتا ہوں کہ بے پناہ محبت کے ساتھ تمہیں ہر آسائش دوں گا، چلو......!" وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ چاندنی پریشان ہوگئی۔

"وہ......بے بے......! بابا......!"

"وہ تمہارے خیر خواہ نہیں ہیں چاندنی......! اُن کے دل میں اگر ذرا سا بھی تمہارا خیال ہوتا تو وہ تمہیں حاکم کے پلے نہ باندھتے۔ چلو اُٹھو......! نہیں تو مجھے زبردستی کرنی پڑے گی۔" مسافر نے اُس کی کلائی تھام کر اُٹھا دیا پھر اُسے چادر اوڑھاتے ہوئے کہنے لگا۔

"ڈرو مت......! یوں سمجھو اللہ نے مجھے تمہاری مدد کو بھیجا ہے......! میں تمہیں ظالموں کے چنگل سے نکال کر لے جا رہا ہوں اور تم کوئی گناہ نہیں کر رہیں، تمہیں اپنی زندگی جینے کا حق ہے......! کراچی پہنچتے ہی میں پہلے تمہیں حاکم سے طلاق دلواؤں گا پھر ہم شادی کر لیں گے ٹھیک......!"

چاندنی اُسے دیکھتی رہ گئی۔

○○○

حاکم کو اپنی جیپ حویلی کے گیٹ پر ہی روکنی پڑی کیونکہ اندر جانے کا راستہ نہیں تھا۔ بے تحاشا لوگ جمع تھے اور اگر سردار ہاشم علی اُسے فون نہ کر چکے ہوتے تو وہ اتنے مجمعے کو دیکھ کر ٹھٹک جاتا لیکن سردار ہاشم علی نے کیونکہ خوشیاں منانے کی بات کی تھی اور بڑے صحن کی طرف سے شادیانے بجنے کی آواز بھی آ رہی تھی اس لئے وہ حیران ہوتا اور حویلی میں آنے والی خوشی قیاس کرتا ہوا جیپ سے اُتر کر اندر آنے لگا تو اُس کے کانوں میں مبارک سلامت کی آوازیں گونجنے لگیں۔

"لگتا ہے بابا پرائم منسٹر بن گئے......!" وہ لوگوں کی مبارک باد کے جواب میں ہاتھ ہلاتا ہوا تیز قدموں سے برآمدے کی سیڑھیاں چڑھ آیا اور پہلے بے بے کے کمرے میں داخل ہوا تو اُسے دیکھ کر بے بے بوکھلا گئیں۔

"تو آ گیا حاکے......!"

"ہاں بے بے......! یہ سب کیا ہو رہا ہے......؟ کسی کی شادی ہے کیا......؟" اُسے سلام کرنے کا موقع نہیں ملا تو بے بے کے گھٹنے چھو کر پوچھنے لگا۔

"ناں......! اب کس کی شادی ہونی ہے یہاں......؟ تو بیٹھ......! تیرے بابا آ رہے ہیں......!"

بے بے خواہ مخواہ بیڈ کی چادر ٹھیک کرنے لگیں۔

"او ہو بے بے......! کچھ بتائیں تو سہی......! یہ شادیانے کس سلسلے میں بج رہے ہیں......؟" اس نے جھنجلا کر بے بے کو کندھوں سے تھام کر اپنی طرف موڑا تھا کہ اس وقت سردار ہاشم علی آ گئے۔

"خیر سے آ گیا حاکم......! مبارک ہو......!"

"مبارک......! کس بات کی......؟" وہ بے بے کو چھوڑ کر انہیں دیکھنے لگا۔

"لے......! تیری ماں نے نہیں بتایا تجھے......! تو باپ بننے والا ہے، باپ......!" سردار ہاشم علی نے بہت خوش ہو کر اپنے تئیں اسے بھی خوشخبری سنانے کے ساتھ دونوں بازو پھیلا دیئے کہ وہ خوش ہو کر ان کے سینے سے آ لگے گا، لیکن وہ شاکڈ ہو گیا تھا۔

"حاکے......! سنا نہیں تو نے......! تو باپ بننے والا ہے......!" سردار ہاشم علی کی گونج دار آواز اس

کی سماعتوں پر ہتھوڑے برسانے لگی جبکہ آنکھوں کے سامنے ہر شے گول گول گھومنے لگی تھی۔ باہر ڈھول کی آواز بھی اچانک تیز ہو گئی تھی۔

"لے......! اسے تو یقین ہی نہیں آرہا......!" سردار ہاشم علی نے بے ہنس کر کہا پھر قریب آکر اُس کے کندھوں پر ہاتھ رکھنے لگے تھے کہ وہ فوراً پیچھے ہٹ کر بولا۔

"نہیں......! میں باپ نہیں ہوں......! میں کسی کا باپ نہیں ہوں......!"

"ہے نہیں......! بن جائے گا......! جلدی بن جائے گا......! اللہ نے کرم کیا ہے......! تیرے گھر میں بچہ آنے والا ہے۔" سردار ہاشم علی اُس کی کیفیت سے بے خبر اپنی بولے جا رہے تھے جبکہ بے بے کو اُس کی آنکھوں سے ٹپکتی وحشت سے خوف آنے لگا تھا۔ بمشکل بول پائیں۔

"حاکم کے ابا......! پہلے اسے آرام کرنے دیں......! سفر سے آیا ہے......!"

"مت ماری گئی ہے تیری......! کوئی اتنا لمبا سفر کر کے نہیں آیا......! اور شیر جوان ہے، تھکے گا کیوں......؟ حاکم پتر......! چل اپنے ہاتھوں سے خیرات بانٹ......! لوگ تیرے انتظار میں کھڑے ہیں۔" سردار ہاشم علی اُس کے بازو میں بازو ڈال کر چلنے لگے کہ وہ ایک دم انہیں دھکیل کر چیخ پڑا۔

"آپ لوگ پاگل ہو گئے ہیں......! میرا کوئی بچہ نہیں ہے......! میں کسی کا باپ نہیں ہوں......! میری تو ابھی شادی بھی نہیں ہوئی۔"

"پتر......! کیا ہو گیا ہے تجھے......؟" سردار ہاشم علی اب ٹھٹکے تھے۔

"تیری شادی نہیں ہوئی تو چاندنی کون ہے......؟ بیوی ہے تیری......! اور اب تیرے بچے کی ماں بننے والی ہے......!"

"چاندنی......! ماں......؟" اُس کے سر پر جیسے آسمان آن گرا تھا۔ آنکھوں کے سامنے گول گول دائرے بننے لگے اور دائروں میں ایک لڑکی چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی۔

"میں تمہارے بچے کو پالوں گی......! تم کسی اور کا بچہ پالنا......! یہی ہوگا......! یہی ہوگا سردار......! تمہاری گود میں کسی اور کا بچہ کھیلے گا۔"

"نہیں......! نہیں......!" حاکم علی نے دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر آنکھیں بند کر لیں لیکن اُس کی سماعتوں میں مسلسل سونیا چیخ رہی تھی۔

"یہی ہوگا سردار......! دیکھو......! یہی ہوا ہے......!"

"حاکم پتر......! کیا ہو گیا ہے......؟" سردار ہاشم علی پریشان ہو گئے۔ اُس کی دونوں کلائیاں تھام کر جھنجھوڑنے لگے تو وہ آنکھیں کھول کر کچھ دیر انہیں دیکھتا رہا، پھر ہنسنے لگا۔

"تو نے تو مجھے ڈرا ہی دیا......!" سردار ہاشم علی نے گہری سانس کھینچ کر کہا۔

"ڈر گئے......!" وہ اور زور زور سے ہنسنے لگا۔ پھر ایک دم ہونٹوں پر انگلی رکھ کر بولا۔

"شش......! کسی کو بتانا نہیں......! اُس کی گود میں میرا بچہ کھیل رہا ہے اور میری گود میں بچہ نہیں......!"

"حاکے......!" سردار ہاشم علی دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر ڈھے سے گئے جبکہ بے بے رو رو کر کہہ رہی تھیں۔

"میں نے کہا تھا حاکم کے ابا......! ابھی اسے نہ بتا......! پر تو میری سنتا کب ہے......؟ جا......! جا خوشیاں منا تو......! حویلی کا وارث آنے والا ہے......! پر میرے وارث کا کیا ہوگا......؟ ہائے ربا......!"

بے بے دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھیں اور صحن میں شادیانے بج رہے تھے۔

○ ○ ○

ہمایوں کے غسل صحت پر نوریہ نے اچھا خاصا اہتمام کر ڈالا تھا۔ گھر میں باقاعدہ تقریب تھی۔ سب اُسے مبارک باد دے رہے تھے۔ وہ بہت خوش تھی۔ رات گئے تک کافی ہلا گلا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ مہمان رُخصت ہونے لگے اور جب نعمان اُس سے اجازت لینے آیا تو وہ پوچھنے لگی۔

"نومی......! کل تم فارغ ہو گے......؟ آئی مین......! کل سنڈے ہے......! تمہیں اپنا کوئی کام نہ ہو تو......"

"تو......؟" نعمان سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"تو ہم وہاں جانا چاہتے ہیں، مرشد سائیں کے پاس......! لے چلو گے......؟" نوریہ نے اپنا مدعا بتا کر پوچھا تو وہ ہمایوں کو دیکھنے لگا۔

"بھئی......! نور کا کہنا ہے کہ میں اُن کی دُعا سے ٹھیک ہوا ہوں اور یہ ان کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہیں۔" ہمایوں نے مسکرا کر کہا۔

"نور کا کہنا غلط نہیں ہے کیونکہ ڈاکٹرز نے تو بالکل جواب دے دیا تھا۔ بہر حال آپ لوگوں کو ضرور جانا چاہئے۔" نعمان نے نوریہ کی تائید کی۔

"تو پھر صبح تم آجاؤ......! ہم تمہارے ساتھ ہی چلیں گے......!" نوریہ نے فوراً کہا تو نعمان نے بغیر کسی پس و پیش کے حامی بھر لی۔

اور اگلے دن وہ اپنی مراد بر آنے پر بہت ممنون سی ہمایوں کے ساتھ مرشد سائیں کے سامنے بیٹھی تھی۔

"یہ میرے شوہر ہیں......! میں انہی کے لئے آپ کے پاس آئی تھی۔"

"اللہ نے تجھ پر کرم کیا ہے پتر......! اس کا شکر ادا کر......! جا رب تجھے خوش رکھے۔"

مرشد سائیں نے گزشتہ کی طرح مختصر بات کر کے جانے کو کہہ دیا تو اس نے پہلے ہمایوں کو [illegible] نعمان کی طرف دیکھنا چاہا تھا کہ نظریں کونے میں بیٹھے اس شخص پر جا ٹھہریں جو اسے دیکھ کر [illegible] رہا تھا۔

''حاکم علی......!''

ہونٹوں کی بے آواز جنبش کے ساتھ اُس نے بے اختیار ہمایوں کا ہاتھ پکڑا تو مرشد سائیں کہنے لگے۔

''ڈرنہ پتر......! پگلا ہے......!''

''پگلا......!'' ہمایوں اُس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھ کر چونکا۔

''سب اللہ کے کام ہیں......! بندہ تو گنہگار ہے......!'' مرشد سائیں کہہ کر حاکم علی سے مخاطب ہوئے۔

''جا کے......! کیوں ہنستا ہے......؟ اللہ اللہ کر......!''

''شش......!'' حاکم علی نے ہونٹوں پر اُنگلی رکھ لی۔

''کیا ہوا......؟'' مرشد سائیں گردن موڑ کر حاکم علی کو دیکھنے لگے۔

''کسی کو بتانا نہیں......! اُس کی گود میں میرا بچہ تھا اور میری گود میں...... پتا نہیں......!'' آخر میں حاکم علی کے چہرے پر حد درجہ مظلومیت اُتر آئی تھی۔

''میرے خدا......!'' نوریہ کی نظروں میں وہ حاکم علی آن سمایا جو کہہ رہا تھا۔

''مان لو کہ سردار حاکم علی کوئی معمولی آدمی نہیں ہے جو تمہارے بیڈ روم تک آ سکتا ہے وہ سوچو کیا نہیں کر سکتا......؟''

''کچھ بھی کرلو......! خدا نہیں بن سکتے......!'' اُس نے بہت ضبط سے کہا تھا اور ابھی بھی اُسے خود کو ضبط کرنا پڑ رہا تھا۔ بمشکل ہمایوں کا ہاتھ تھام کر اُٹھی اور اُس کے بازو کا سہارا لیے ہوئے گاڑی تک آئی۔

''خدا کی لاٹھی بے آواز ہے......!'' ہمایوں نعمان سے کہہ رہا تھا۔

''بے شک......!'' وہ سر اُٹھا کر آسمان دیکھنے لگی۔ اس کی نظروں میں تشکر کے ساتھ رحم کی اپیل بھی تھی۔ جانے کس کے لیے۔

دل بے قرار کی اداؤں میں جانے کیا اسرار ہے۔ کہیں ٹھہرتا نہیں، رُکتا نہیں، مل جائے تو بھی، نہ ملے تو بھی بے قرار ہی رہتا ہے۔

⊖ ⊖ ⊖